ماہنامہ القاسم دیوبند جلد 6

1333ھ، 1334ھ

شمارہ نمبر 1-12

(رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۳)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی ماہوار رسالہ

نمبر ۱ بابت ماہ شعبان المعظم ۱۳۳۳ ہجری جلد ۶

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

مطبع قاسمی دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھپوایا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ شعبان المعظم ۱۳۳۳ھ

(مطابق ماہ جولائی ۱۹۱۵ء)

جو حضرت مولانا محمود حسن صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

(اور)

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

(شائع ہوتا ہے)

(*)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

اما بعد ختم سال کے رسالہ میں القاسم کے حالات اور اوسکی خدمات کا تذکرہ کر دیا گیا ہے اس رسالہ میں اوسکے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ القاسم نے پانچ سال مسلمانونکی خدمت گذاری میں بسر کئے اب چھٹا سال شروع ہے اللہ تعالیٰ اوسکی اعانت فرمائے اور وہ مسلمانوں کی خدمت میں برابر لگا رہے اوسکی یہ تمنا ہے کہ ہندوستان میں مسلمان کا کوئی گھر اوس سے خالی نہو گو وہ جوشیلے مضمون پیش کرنیکا عادی نہیں ہے لفاظی اور عبارت آرائی اوسکی عادت نہیں ہے مگر وہ مسلمانوں کے سامنے قرآن و حدیث کے سچے اور سادے مضمون پیش کرتا ہے جو ایمان کی حلاوت کے ساتھ نہایت پرکیف ہیں صحابہ کرام کے زمانہ کی یاد کو تازہ کرنا اور سلف کے طریق کو مسلمانوں میں از سر نو جاری کرنا بدعت اور احداث سے مسلمانوں کو بچانا اتباع سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تاکید کرنا آخرت کیلئے ذخائر جمع کرنا فتنہ و فساد سے محترز رہنا سلامت روی کے ساتھ دنیا میں رہکر آخرت کی منزل طے کرنا اپنی ہر حرکت و سکون میں خدا تعالےٰ کی رضا جوئی کرنا اوسکی اصلی غرض و غایت ہے وہ یہہ چاہتا ہے کہ مسلمان امرا ہوں یا فقرا تندرست ہوں یا بیمار ہر حالت میں اسلام کے امتیازات سے متصف رہیں اور اپنی پرانی لکیر کے فقیر بنے رہیں یہی اونکی ترقی ہے یہی اونکا کمال۔ اوسکی یہہ غرض ہرگز نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کی دنیاوی ترقیات کا مخالف ہے نہیں نہیں وہ مسلمانوں کا سچا بہی خواہ ہے وہ یہہ چاہتا ہے کہ دنیاوی ترقی کے ساتھ دین کا تنزل نہو وہ دین کی ترقی کو مقدم سمجھتا ہے اور اسکی ہدایت کو اپنا نصب العین سمجھتا ہے۔ دنیاوی ترقیات میں دین کا تنزل وہ دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ اوسکی یہہ خواہش ہے کہ مسلمان اپنے دینی معلومات میں اضافہ کریں اور دنیائے دوں پر مست کر اپنی ہستی کو برباد نہ کریں اور بس۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رمضان المبارک کی تقریب میں مسلمانوں کی خدمت میں دار العلوم دیوبند کی ایک ضروری گذارش

رمضان کا مبارک چاند نظر آیا دوزخ کے کواڑ لگ گئے جنت کے در کھولدئے گئے متمرد شیاطین کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالدی گئیں نور کے بادل مومنوں پر سایہ فگن ہیں۔ رحمت کے جاں بخش جھونکے دلوں کی مرجھائی ہوئی کلیوں کی مسیحائی میں مصروف ہیں کرم کی گھٹائیں اُمڈی چلی آرہی ہیں جود وسخا کی بارش ہورہی ہے۔ سبحان اللہ کیا مبارک مہینا ہے کہ جسکا اول مومنوں کیلئے رحمت اور اوسط گناہوں سے مغفرت اور آخر دوزخ کی آگ سے آزادی کا پروانہ ہے جسنے اس مہینے کے روزے اخلاص اور ایمان سے رکھے اپنی مغفرت کا سامان کرلیا اور جسنے رات کو عبادت کی اوسنے پروانہ معافی سیات حاصل کرلیا۔ روزہ دار کے مونہ کی بد بو اللہ تعالےٰ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے روزہ دار کا سونا عبادت ہے عبادت کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔

فرض عبادت کا ثواب رمضان میں اگر ستر گنا ہے تو نفل کا ثواب فرض کی برابر ہے اس مبارک ماہ میں ایک رات ہے جسکی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے جسمیں غروب آفتاب سے صبح صادق تک بندوں پر رحمت کی بارش ہوتی رہتی ہے اور سچ یہہ ہے کہ ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گو ہمہ اوقات مصروف الی اللہ تھے مگر جو اہتمام اس مہینے میں فرماتے تھے وہ بہت ہی زائد تھا عبادات میں آپکی سرگرمیاں تو ہوتی ہی تھیں جود وسخا میں بھی آپ بارش اور ہواؤں سے بڑھجاتے تھے قیدیوں کو رہا فرمادیتے تھے اور ہر سائل کی حاجت برآری کو ضروری اور اہم سمجھتے تھے۔ غریب نوازی کی کوئی حد باقی نہ رہتی تھی۔ آپکا ارشاد ہے کہ جسنے کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرادیا اوسنے روزہ کا ثواب پایا۔

روزہ میں گو ہزاروں حکمتیں ہیں گر ایک کھلی ہوئی حکمت کہ جسکو سب جانتے ہیں وہ یہہ ہے کہ اپنی بھوک پیاس سے انسان کو غریب نوازی کی سمجھ آتی ہے۔ مومنوں میں مواسات اور ہمدردی و ایثار کی جو شان اس مبارک ماہ میں بڑھجاتی ہے وہ محتاج بیان نہیں صاحب ثروت تو دل کھولکر غربا اور نادار ونکے ساتھ سلوک

کرتے ہی ہیں کم استطاعت اور معمولی حیثیت کے مسلمان بھی کچھ نہ کچھ خیرات کرتے ہی رہتے ہیں اہل زکوٰۃ بسبب کثرت ثواب اسی ماہ میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

مسلمانو۔ اس سے بہتر اور کون سا موقع ہوگا کہ آپکی خدمت میں ایک اسلامی ضرورت پیش کیجائے۔ آپکو معلوم ہے کہ دارالعلوم دیوبند ایک اسلامی و مذہبی مرکز ہے اسلامی خدمات کا وہ متکفل ہے۔ مدارس اسلامیہ کا اصل اصول ہے۔ قرآن و حدیث کی خدمت اوسکا نصب العین ہے۔ اوسکے وجود کی بدولت آج ہندوستان میں سیکڑوں ہزاروں مدرس واعظ مناظر۔ مقرر۔ محرر۔ لائق و فائق مستعد کارگذار۔ علمائے حقانی کی صورتیں اس پر آشوب زمانہ میں نظر آتی ہیں اوسمیں آج بحمدہ تعالیٰ پانچسو طلبہ عربی بیرونی کم و بیش موجود رہتے ہیں اوس سے ہندوستان کو یہ امتیاز اور فخر حاصل ہے کہ قرآن و حدیث کے طالب حجاز یمن شام عراق ختن چین سمرقند تاشقند روس اٹلی وغیرہ سے دیوبند کا سفر کرتے ہیں وہی ایک مدرسہ ہے جسکو یہہ کہا جاسکتا ہے کہ یہہ ہندوستان کے سارے مسلمانوں کا مدرسہ ہے۔

امسال جنگ یورپ کیوجہ سے جو گرانی غلہ و اجناس کیوجہ سے عام طور پر پریشانی ہے معلوم ہے اُسکا اثر دارالعلوم دیوبند کی آمدنی پر بھی زیادہ پڑ رہا ہے۔ دارالحدیث کی مفید اور ضروری تعمیر اسیوجہ سے معرض التوا میں ہے یہ سب کچھ ہو سکتا ہے مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ طلبہ علم دین جو درحقیقت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند اور آپکے مہمان ہیں بھوکے رہیں یا مدرسہ میں طلبہ کی خوراک کا انتظام نہونیکی وجہ سے اونکو جواب دیا جائے کیا کسی مسلمان کی حمیت اور غیرت اسکو گوارا کریگی کہ ماہ شوال میں امتحان داخلہ کے وقت خدام دارالعلوم دیوبند چندہ مصارف طلبہ میں کمی ہونے کے باعث طلبہ کو جواب دیں یہ وقت ہے کہ ہم خدام دارالعلوم اور مسلمانان ہندوستان خدا تعالیٰ کے اس احسان کا شکریہ ادا کریں کہ اوسنے ہمسے اپنی ایک گراں بہا خدمت متعلق کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمانوں کی میزبانی کی عزت سے ہمکو سرفراز فرمایا ہے۔

ہماری درخواست

کہ اس ماہ مبارک میں جب آپ زکوٰۃ و صدقات فرض یا نفل ادا کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اون مہمانوں کو جو ہماری نگرانی میں آپ کے مہمان ہیں (طلبۂ دارالعلوم دیوبند)

ضرور یاد رکھیں اور اونکے مدارات کو اپنے لئے ذریعہ نجات اُخروی خیال کریں۔ کچھ حصہ اپنی زکوٰۃ وصدقات کا اونکے لئے ضرور عنایت فرمائیے۔

ہم یہ نہیں کہتے

کہ آپ زکوٰۃ وصدقات وغیرہ سب کے سب سمیٹ کر یہاں بھیجدیجے۔ نہیں اپنے مقامی مدارس ومساکین ویتامیٰ اور حاجتمندوں کی حق تلفی نہ کیجیے اونکو ضرور دیجیے مگر دارالعلوم دیوبند کو مسافت کی دوری کی وجہ سے غیر نہ سمجھئے یہ بھی آپ کا ہے اور بہت وجوہ سے مقامی حاجتمندوں سے زیادہ مستحق ہے اسلیئے خدا کے لئے اسکو نہ بھولئے۔ اور بقاعدہ حصہ بقدر جثہ اسکی اعانت وامداد فرمائیے۔ اور اس فیض عام میں حصہ دار بنجائیے۔

اگر طلبہ کیلیئے سامان تعلیم بہم نہ پہونچا اونکے لئے سہولت وآسانی پیدا نہ کی گئی اور اسطرح علم دین میں کمی اور مذہبی واسلامی شان میں انحطاط ہوا تو ذرہ خیال فرمالیجے کہ اوسکے جوابدہ کون ہونگے۔

مسلمانو۔ آپ پر دارالعلوم دیوبند کی ضرورتیں مخفی نہیں ہیں اسوقت آپکو صرف دارالعلوم کے مسافر غریب بیکس طلبہ کے مصارف کیطرف توجہ دلائی جاتی ہے ان کے مصارف کے لئے بیس پچیس ہزار روپیہ فراہم کردینا ہندوستان کے کثیر التعداد مسلمانوں کیلیئے کیا دشوار ہے صرف توجہ کی ضرورت ہے۔ امید ہے کہ یہ عرض رائگاں نجائیگی اور بگوش قبول سنی جاویگی اور مسلمان اسکی اشاعت میں کوشش فرمائینگے اور اس تحریک میں عملی حصہ لیکر اجر عظیم حاصل کرینگے۔

خدام دارالعلوم نہایت شکر گذار اور تہ دل سے دعاگو ہیں اُن حضرات کے جنھوں نے ہماری یاددہانی پر پچھلے سال اسی ماہ مبارک میں توجہ فرماکر ایک معقول مقدار اس مصرف خیر کیلیئے عطا فرمادی جسکی وجہ سے ہم اس سال نسبتاً ان مصارف کو آسانی کے ساتھ برداشت کرسکے۔

واللہ الموفق۔ وماعلینا الا البلاغ

المعلن

خادم اہل اسلام بندہ محمد احمد عفی عنہ مہتمم دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدرسہ عالیہ دیوبند کے نظام اور اوسکے کارکنوں پر

(ایک معزول ممبر کے اعتراضات یا افترار)

سنت اللہ جاری ہے کہ جہاں کوئی اچھا کام جاری ہوتا ہے وہیں اوسکے مخالف بھی پیدا ہوجاتے ہیں وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا من المجرمین وکفی بربک ھادیا ونصیرا

اسیطرح ہمنے بنائے ہیں واسطے ہر نبی کے دشمن گنہگاروں میں سے۔ اور کافی ہے پروردگار تیرا رستہ دکھلانے والا اور مدد کرنے والا۔

مدرسہ عالیہ دیوبند کے منبع الخیر والبرکات ہونے میں کسیکو کیا تامل ہوسکتا ہے۔ مگر جب سے وہ عالم شہود میں آیا ہے۔ مخالفت کا عنصر بھی ساتھ ساتھ ظاہر ہوا ہے۔ مدرسہ کی تاریخ موجود ہے مقدس بانیان مدرسہ کے ساتھ جو مخالفتیں کی گئیں مخفی نہیں ہیں اور نیز طبقہ ہر دور میں یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ اسی سلسلہ میں اب خلیفہ احمد حسن صاحب معزول ممبر مدرسہ بھی جایز وارث کے طور پر مخالفت ومخاصمت کے علم بردار بنے ہیں۔ اونکی مختصر تاریخ یہ ہے کہ آپ علیگڈہ ہائی اسکول میں ہیڈ مولوی تھے وہیں سے پنشن لی ہے۔ زمانہ پنشن قریب آیا تو آپ کو فکر ہوئی اور جناب مولوی حافظ محمد احمد صاحب مہتمم مدرسہ (جو اونکے مرشد کے صاحبزادوں میں ہیں) خط وکتابت کی کہ بعد پنشن میرے لئے کچھ فکر کیا جائے۔ آپ کی دلی تمنا تھی کہ مجھکو اور میرے لڑکے کو مدرسہ میں جگہہ دیجائے پنشن لینے کے لئے دیوبند مقیم ہوئے تو مہتمم صاحب نے اونکو زمرۂ ممبران میں داخل کرادیا مگر اونکی دلی تمنا پوری نہوئی تو آپنے بسازش مخالفین سابق مدرسہ۔ مدرسہ کی مخالفت کا بیڑا اوٹھایا۔ اخبارات میں مضامین بھیجے

مدرسہ کا چندہ موقوف کرانے کی فکریں کیں۔ ریاست آصفیہ کے مقرر ماہوار کو بند کرانے کیلئے زیادہ کوشش کی ۱۳۲۵ہجری کے آخر میں بسازش ایک دوسرے ممبر کے ممبران مدرسہ کی خدمت میں ایک اعتراضی تحریر پیش کی جسپر ممبران موجودہ نے اون اعتراضات کے جنکا تعلق دفتر مدرسہ سے تھا فوراً جانچ کی۔ اور کتاب معائنہ پر اوسیوقت تحریر فرمادیا کہ ہمنے مدرسہ کی حالت کو جانچا سب کام درست پائے۔

۱۳۲۶ہجری میں جبکہ ممبران مدرسہ کا سالانہ جلسہ تھا دونوں ممبران کی اعتراضی تحریریں پیش ہوکر باقاعدہ اون سے ثبوت طلب کیا گیا۔ مہتمم صاحب اور نائب مہتمم سے جوابات لئے گئے مدونوں ممبر کسی ایک اعتراض کو بھی ثابت نہ کر سکے۔ اکثر ممبروں کی رائے تھی کہ اونکو عہدہ ممبری سے معزول کیا جائے کیونکہ اون کا یہ طرز عمل اصول مدرسہ کے خلاف صریحاً اوسکو نقصان رساں ہے۔ مگر بعض ممبروں نے اوسوقت اس شرط پر معافی دینا تجویز کیا کہ آیندہ کوئی حرکت خلاف مدرسہ نہ کریں۔ ہاں کوئی امر پیش آئے تو مہتمم صاحب سے دریافت کر سکتے ہیں اور ممبران کے سامنے اپنے عہدہ کی حیثیت سے پیش کر سکتے ہیں۔ اسی رائے پر سب ممبروں نے اتفاق کیا فیصلہ لکھا گیا اوس فیصلہ کو دونوں ممبروں نے تسلیم کرکے اوسپر صاف صاف لکھدیا کہ ہمارے اعتراض سماعی تھے۔ ہم کسی امر کو ثابت نہیں کر سکے۔ ممبروں نے جو تحقیقات کی اوس سے ہمارا اطمینان ہوگیا۔ خلیفہ احمد حسن صاحب نے بالخصوص مہتمم صاحب سے بدیں الفاظ عفو تقصیر کی درخواست کی کہ میں نے آپ کی گستاخی کی ہے۔ میں دوسرے شخص کے ورغلانے میں آگیا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بقید حیوۃ ہوتے تو تجدید بیعت کرتا۔

مگر کچھ دنوں بعد خلیفہ صاحب نے پھر مخالفت کا سلسلہ جاری کردیا۔ اخبارات میں مخالفانہ مضمون بھیجے۔ اور ہر قسم کی افترا بندی سے باز نرہے۔ تب ممبران مدرسہ نے ۱۳۲۹ھ میں آپ کو عہدہ ممبری سے سبکدوش کیا اور ممبران نے اونکو رسوائی وذلت سے بچانے کے لئے اسکو مناسب نہیں سمجھا کہ روداد سالانہ میں وجوہ عزل کو شائع کیا جائے بلکہ صرف اتنا لکھدیا کہ فہرست ممبران سے اون کا نام خارج کردیا جائے۔

اس عزل کے بعد خلیفہ صاحب کی مخالفت میں اور اشتعال پیدا ہوگیا۔ آپنے ایک ہجویہ نظم بھی

لکھی جسمیں صدر مدرس صاحب۔ جناب مہتمم صاحب۔ نائب مہتمم۔ بعض ممبران و مدرسان و کارکنان پر نہایت بیباکانہ حملے کئے گئے۔ اتہام لگائے گئے۔ یہ نظم کئی سال ہوئے لکھی تھی جو ہمارے پاس پہونچی مگر کسی نے اوسکی طرف التفات نہ کیا۔ خلیفہ صاحب نے حضور لاٹ صاحب کے موقع تشریف آوری پر اوسکو طبع کراکر مشتہر کیا

خلیفہ صاحب نے اسی پر قناعت نہ کی بلکہ اخبارات میں بھی مضمون بھیجے۔ جسمیں اکثر وہی اعتراض ہیں جو اوس تحریر میں تھی جسکی نسبت فیصلہ ممبران کو تسلیم کر چکے تھے۔ ۲ر جون کے روزانہ پیسہ اخبار میں یہہ مضمون طبع ہوا۔ ہمنے اعتراضات کے مفصل جواب دینے کو اسوجہ سے پسند نہ کیا کہ اوس میں بہت طول تھا چند سوالات لکھکر پیسہ اخبار میں بھیجدئے۔ مگر اڈیٹر صاحب پیسہ اخبار کی خواہش ہوئی کہ ہم نمبروار جواب دیں حقیقت میں ہمارے سوالات میں خود جواب تھا خلیفہ صاحب اونکے جواب دینے سے بالکل عاجز تھے۔ اور اوس طرح ہم اس سلسلہ کا خاتمہ کر دینا چاہتے تھے مگر جب اڈیٹر صاحب پیسہ اخبار نے ایسا لکھا تو ہم نمبروار جواب لکھنے کو تیار تھے۔ اسی اثنا میں مولوی سید ابن علی صاحب اڈیٹر نیر اعظم مراد آباد نے (جنکے پاس بھی یہہ مضمون پہونچا تھا) دیوبند آکر تحقیق حالات کرنے کو لکھا۔ ہمنے خوشی سے اسکی اجازت دی۔ آپ تشریف لائے دو روز قیام کر کے خلیفہ صاحب اور اون کے ہم خیال لوگوں سے ملکر اور اونکے کل خیالات سنکر آپ نے ایک یادداشت لکھی۔ بعد ازاں نائب مہتمم مدرسہ سے دریافت حال کیا۔ نائب مہتمم نے ہر ایک بات کا کافی جواب دیا۔ ہر ایک امر کے متعلق تحریری ثبوت دکھلا دیا یہاں کے قدیم مخالفت کے راز بھی اونکو دکھلائے۔ خلیفہ صاحب کے سربستہ حالات سے بھی واقف کیا۔ مولوی سید ابن علی صاحب معاملہ کو برعکس دیکھکر حیران رہ گئے۔ بیساختہ بول اٹھے کہ ایک بات کی بھی اصل نہیں ہے۔ بلکہ سب برعکس ہیں اڈیٹر صاحب نے اوسیوقت کتاب معائنہ مدرسہ پر اپنی رائے ثبت فرمادی اور اپنے اخبار نیر اعظم میں اپنا مفصل معائنہ درج کیا۔

اگرچہ خلیفہ صاحب کے اعتراضوں کے جواب میں ہم تفصیل کے ساتھ بہت کچھ عرض کر سکتے ہیں اور بہت سی باتیں جو اڈیٹر صاحب نے ترک کر دی ہیں لکھ سکتے ہیں مگر اسکو ہم دوسرے وقت پر حوالہ کر کے بالفعل اڈیٹر صاحب نیر اعظم کے معائنہ کو شائع کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ اوسمیں بعض

بیان گو بہت مجمل ہیں جنکی تشریح و توضیح کی ضرورت ہے۔ مگر ہم خیال کرتے ہیں کہ خلیفہ صاحب کی واہی تحریر کے رد کیلئے کافی سے زیادہ ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اڈیٹر صاحب پیسہ اخبار۔ اور دیگر مالکان اخبار جنھوں نے اوس تحریر کو اپنے اخبار میں جگہہ دی ہے اس تحریر کو مع ہماری تمہید کے ضرور شائع کر دینگے ورنہ یہ قابل افسوس امر ہوگا کہ ایک واہی تحریر کو تو فوراً شائع کردیا گیا اور اوس کے جواب کی اشاعت میں اتنا پس وپیش کیا جائے۔ یہ بات اسلامی ہمدردی پر سخت دہبہ لگانے والی ہوگی۔ مولوی سید ابن علی صاحب کی تحریر کے بعد جناب مولوی ظہور علی احمد صاحب ممبر مدرسہ کی ایک تحریر اخبارات میں پہونچی جسکو اڈیٹر صاحب اخبار زمیندار نے فوراً چھاپ دیا جسکے ہم مشکور ہیں مگر اڈیٹر صاحب پیسہ اخبار اور وکیل نے ابتک نہیں چھاپا۔ ہم جناب مولوی ظہور علی احمد صاحب کی تحریر مولوی سید ابن علی صاحب کے معائنہ کے ساتھ طبع کرنا مناسب سمجھتے ہیں امید ہے کہ ناظرین ان دونوں تحریروں کے ملاحظہ کے بعد بالکل مطمئن ہوجائیں گے اور کبھی کسی مفصل جواب کی ضرورت نہ سمجھیں گے۔

ہم حضرات ذیل کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنہوں نے خلیفہ احمد حسن کے مضمون کی تردید میں حصہ لیا ہے بعض نے خود بھی لکھا ہے اور بعض نے نیر اعظم کے مضمون کو اپنے اخبار میں درج فرمایا ہے۔ الخلیل بجنور۔ مشرق گورکھپور۔ مدینہ بجنور۔ اودہ ردہیلکھنڈ گزٹ۔ دیگر مالکان واڈیٹران اخبار کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ بھی اپنے اخبارات میں اس جوابی مضمون کے حصہ لینے میں دریغ نہ فرماوینگے۔ فقط

حبیب الرحمن مددگار مہتمم دارالعلوم دیوبند

نقل مضمون مولوی سید ابن علی صاحب اڈیٹر نیر اعظم - جو ۲۶ جون ۱۹۱۵ء کے پرچہ مین شائع ہو چکا ہے

ہم نے دیوبند میں کیا دیکھا

دیوبند کے مدرسہ عالیہ عربیہ اور اُسکے اراکین کی شکایت میں ایک پارٹی کی طرف سے پچھلے ہفتوں سے کچھ واقعات اخبارات میں شائع ہو رہے ہیں - اُسی کی تحقیق و تفتیش کی غرض سے ہمیں دیوبند جانے کی ضرورت ہوئی - یہاں پہونچکر ہم نے یہ کوشش کی کہ ہر شخص سے جو کچھ بھی مدرسہ کے متعلق ہماری معلومات میں اضافہ کر سکے ملیں - چاہے وہ مخالف ہو یا موافق - ہم نے ایسا ہی کیا - اور اپنے دو دن کے قیام میں بہت کچھ دیکھا اور بہت کچھ سُنا اور آزادی کیساتھ ہر شخص سے گفتگو کی اور ہر شخص کے پاس گئے اور اُس کو اپنے پاس آنے دیا - اُس تمام معلومات سے ایک یادداشت طیار کی اُس کی بموجب مولوی حبیب الرحمن صاحب نائب مہتمم سے دفتر میں بیٹھ کر جو کچھ ہمیں دریافت کرنا تھا وہ دریافت کیا - نائب مہتمم صاحب نے ہمارے ہر اک سوال کا کافی سے زیادہ جواب دیا - صرف جواب ہی نہیں دیا بلکہ اپنے جواب کا کاغذی ثبوت بھی ہمارے سامنے پیش فرماتے رہے جس سے ہمیں ہر بات کا کافی اطمینان ہوتا رہا -

ہمیں یہ بھی ظاہر کرنا ہے کہ جو ۷۱ نمبر شکایتوں کے اخبارات میں چھپے تھے اُسی کے متعلق ایک سابق ممبر صاحب کا ۲۶ نمبروں کا شکایت نامہ اہل شوری کے سامنے پیش ہوا تھا جس پر اراکین نے ہر ایک نمبر کا مفصل جواب دے کر اُن کی تسلی کر دی تھی - اس کے متعلق اُس جلسہ کی روداد میں خود اُن کے قلم کا لکھا ہوا ایک نوٹ ہم نے دیکھا جس میں اُنہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ مجھے اپنی تمام شکایات کے کافی و مطمئن جوابات مل گئے اور آیندہ میں مدرسہ کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرونگا - اس پر اُن کو معافی دیدی گئی تھی مگر پھر ایک صدای شکایت بلند کی گئی اور دوبارہ یہ معاملہ جلسہ مشورت میں پیش ہوا - اور دو ممبر معہ اُن کی ممبری سے علیحدہ کر دیے گئے - اہل شوری کا فیصلہ اُن کی علیحدگی کی بابت ہم نے بھی دیکھا - سنہ ۲۹ ہجری کی روداد میں فہرست ممبران سے اُن کا نام خارج کر دیا گیا - یہ دونوں کی فروگذاشت ہے کہ جب سنہ ۲۹ھ کی روداد شائع ہوئی تو اُن خارج شدہ اراکین نے فہرست ممبران میں اپنے نام نہ دیکھکر مہتمم یا نائب مہتمم سے کوئی استفسار نہ کیا اور مدرسہ کیطرف سے ہم کو کوئی تحریری اطلاع ... کی گئی

یہ ہی کافی سمجھا گیا کہ فہرست ممبران سے اُن کا نام علیحدہ کر دیا جائے۔ ہم نے وہ تمام اشتہارات پمفلٹ اور کاغذات مطلوبہ بھی دیکھے کہ جو وقتاً فوقتاً انفرادی طور پر یا اصلاحی کمیٹی کی طرف سے مدرسہ کے خلاف شایع ہوتے رہے ہیں اور جسمیں نہایت سخت لہجہ استعمال کیا گیا ہے۔ اُن ۷ اعتراضات کا جواب تو اسی قدر کافی ہے کہ جب ۲۶ اعتراضات کی تسکین ہو گئی اور آیندہ کے لیئے کوئی خلاف کارروائی نہ کرنیکا وعدہ بھی کر لیا گیا تو انہیں ہیں سے یہ ۱۷ سوالات شائع کیئے گئے۔

(۱) مہتمم صاحب کی ذات کے متعلق جس وصیت نامہ کا ذکر کیا گیا ہے درحقیقت وہ وصیت نامہ نہیں ہے بلکہ مولانا محمد قاسم صاحب رح کے چند اصول ہیں جو اُنھوں نے اپنے دست مبارک سے مدرسہ کے متعلق لکھی تھی جن کو ہم نے لفظ بہ لفظ پڑھا۔ کہیں اُن میں یہ ذکر نہیں ہے کہ میری اولاد میں سے کوئی نوکر نہ رکھا جائے۔

(۲) اس بات کا ہمیں کوئی ثبوت نہیں ملا کہ مولانا اپنے صاحبزادہ صاحب سے ناخوش تھے زبانی بات کو ہم قابل اعتبار نہیں سمجھتے۔

(۳) یہ کہنا کہ مولوی حبیب الرحمن صاحب گنگوہ میں اس غرض سے پڑاوڈالے رہے کہ مہتمم صاحب حال کے حالات مولانا صاحب گنگوہی رح پر افشار نہ ہو جائیں۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب اس واقعہ کے ۱۷ سال قبل سے گنگوہ میں قیام پذیر تھے۔ پھر اُن کی بابت یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اُن کا قیام محض واقعات کے چھپانیکے لیئے تھا۔

(۴) چھ سو روپیہ کی چوری کا جو الزام ہے اس کا بھی کوئی ثبوت ہم کو نہ ملا۔ کیونکہ کنجی خزانہ کی نہ مہتمم صاحب کے پاس رہتی تھی اور نہ محرر کے بلکہ مولانا محمود حسن صاحب مدظلہٗ کے پاس رہا کرتی تھی۔

(۵) مہتمم صاحب حال کی تقرری خود اُن کی خواہش سے نہیں ہوئی ہے بلکہ مولانا صاحب گنگوہی رح اور دیگر حضرات کی رای سے ہوئی ہے۔

(۶) جو لوگ کام کیا کرتے ہیں ہمیشہ وہی اُسپر حاوی و مسلط رہا کرتے ہیں اگر مدرسہ کے اعلیٰ کارکنوں میں مہتمم و نائب مہتمم بھی حاوی ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔

(۷) ہم نے مدرسہ کے شوری کے جلسوں کی روداد یں دیکھیں۔ یہ کبھی نہیں ثابت ہوا کہ کبھی خودرائی سے کام لیا ہو۔ ممبروں کا تقرر و تعزل اہل شوری کی مجتمع رای سے ہمیشہ ہوتا رہا۔

(۸) ہمیں افسوس ہے کہ خود کام کیا ہوا اور اُس کی تحریر بھی موجود ہو اُسپر اصرار کرنا کونسی عقلمندی ہے۔

(۹) اس نمبر کا تسلی بخش جواب بھی جلسوں کی رودادوں میں ہم نے دیکھ لیا۔

(۱۰) یہ کوئی ضروری بات نہیں کہ ممبر باہر کے ہوں۔ خاص قصبہ کے ممبر بھی ہوئے ہیں اور جو نہیں رہے اُن کے حالات بھی اظہر من الشمس رہے ہیں۔ اسواسطے قریب کے ممبروں کی تعداد زیادہ ہے جو ہمیشہ آتے رہتے ہیں۔ یہ بھی ہمیں عدالتی فیصلہ سے غلط ثابت ہو گیا کہ منشی مظہر حسن صاحب ممبر نے وقف مسجد شاہ بخاری کی دکانوں کو غصب کیا ہی۔ عدالتی فیصلہ کے مقابلہ میں جو اُن کے حق میں ہوا ہے ہم کچھ زیادہ نہیں کہہ سکتے۔

(۱۱) اس نمبر کا جواب بھی اسی میں آجاتا ہے۔ وہ مالک دکانات ہونے کی حیثیت سے جو کریں جائز ہے۔

(۱۲) مدرسہ کی اصل غرض تعلیمی حالت پر اعتراض ہی۔ ہمارے خیال میں مدرسہ کی شان و شوکت وساز وسامان کیساتھ ہی اُسکی تعلیمی حالت بھی اچھی ہے۔

(۱۳) مدرسہ کی حالت سالہای ماسبق سے بعض حالتوں میں دو گنی۔ بعض میں چوگنی۔ اور بیچ گنی ترقی کر گئی ہے۔ ہم نے اول سے آخر تک کل کاغذات کو بنظر امعان دیکھا اور کامل اطمینان کیساتھ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا ریمارک صحیح ہے۔ ایسی حالت میں سے کا مہتمم اُسی گذشتہ حالت کے لئے موزوں تھا اور موجودہ حالت میں یہی انتظام بہتر ہے جواب ہے۔

(۱۴) اس کا بھی ہمیں کوئی پتہ نہیں چلا کہ مہتمم صاحب نے مولانا محمود حسن صاحب سے جبراً خزانہ مدرسہ کی کنجیاں لے لیں۔ ابتک جسقدر کارروائیاں ہوتی رہیں وہ شوری سے ہوئیں جن کی تمام رودادیں ہم نے دیکھیں اور اراکین شوری کے دستخط بھی ثبت ہیں۔

(۱۵) کوئی ثبوت ہم نہیں پاسکے کہ جس سے بعض ممبروں نے زچ ہو کر استعفا دیا ہو۔

(۱۶) مسلمانوں کا یہ ضرور فرض ہے کہ اگر مدرسہ میں نقصان دہ خرابیاں ہوں تو اُن کی اصلاح کریں مگر جب اُن کا وجود ثابت نہ ہو سکے تو کن باتوں کی اصلاح کی جلئے۔

(۱۷) مہتمم اور نائب مہتمم صاحب کو ہم نے ہر وقت طیار پایا کہ سوالات کے جواب دیں اور مدرسہ کے حالات بتلائیں

دتکھے تحقیق کرے اوران دونوں صاحبوں سے امداد لیکراپنی معلومات میں اضافہ کرے۔
ہمیں جو اطلاع دی گئی تھی کہ مولوی عبدالرحیم صاحب رائے پوری۔ مولوی اشرفعلی صاحب تھانوی۔ مولوی مسعود احمد صاحب گنگوہی استعفیٰ بھیج چکے ہیں۔ یہ غلط ثابت ہوا۔
جو دوممبر علیحدہ کئے گئے ہیں انہیں کے حفظ مراتب کے لحاظ سے وجوہات علیحدگی روداد میں شائع نہیں کی گئیں۔ منشی مظہر حسن کا معاملہ جو ہمیں بتلایا گیا تھا کہ وہ سے مدرسہ سے تنخواہ پاتے ہیں اُن کی تمام کارگزاری ہم نے دیکھی جو ایک سال کے لئے بطور امتحان ماللعہ پر کام لیا گیا ہے۔ آیندہ سال کیواسطے اہل شوریٰ کی جو رای ہوگی اُسپر عملدرامد کیا جائیگا۔
مطبع قاسمی اور اُس کے متعلق کتبخانہ مخصوص نائب مہتمم کی ملکیت ہے اُس کو بھی ہم نے دیکھا اور جانچا۔ اس کے اجراء کی غرض بھی مدرسہ کو فائدہ پہونچانا ہے۔ مدرسہ کی ہر قسم کی آمدنی کے مدات نو ہیں اور اُن کا ایک گوشوارہ سال وار تفصیلی مرتب کیا جس سے اُن کی ترقی۔ آمدنی۔ خرچ۔ ملازمین کی حالت کا اندازہ بخوبی ناظرین کو ہوگا۔
ہم نے یہ بھی باقاعدہ دیکھا کہ کسقدر طلبہ کو مدرسہ سے کھانا دیا جاتا ہے۔ فی کس پاؤ بھر سے کچھ کم آٹا حصہ میں آتا ہے۔ ہر اک چیز کا تفصیلی اندراج ہوتا ہے۔ پختہ خوراک بھی ہم نے دیکھی۔ معمولی آدمی کے واسطے کافی ہے۔ مولانا سہول صاحب۔ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب۔ مولانا امیرخاں صاحب نے استعفے نہیں دیئے۔ جیساکہ ہمیں بتلایا گیا تھا۔ بلکہ مدرسہ کی اجازت پر انہوں نے دوسری جگہوں پر اپنی ملازمت شروع کی۔ پچھلے سال میں شوریٰ کے کئی جلسے ہوئے اور ہر جلسہ میں پانچ سات ممبروں کی موجودگی میں معاملات فیصل ہوتے رہے جن کی رودادیں مع دستخط ممبراں ہم نے دیکھیں۔
یہ بھی غلط ثابت ہوا کہ بعض مدرسین کو قرضہ دیا گیا جو ابتک وصول نہیں ہوا۔ مدرسہ میں ایک مد اہالیان مدرسہ کو ضرورت پر قرضہ یا بطور پیشگی دینے کی ہے اس مد کے کاغذات اور رجسٹروں میں صرف مدرسین ہی کے نام درج نہیں ہیں بلکہ طلباء اور دیگر ملازمین کے نام بھی مقروضین میں درج ہیں جن سے قسط وار یا یکمشت قرضہ وصول کیا جاتا ہے۔ مدرسہ کے خزانچی مولانا محمود حسن صاحب مدظلہٗ ہیں اور کنجی انہیں کے پاس رہتی ہے۔ ہر بڑی رقم اہل شوریٰ کی منظوری سے خرچ ہوتی ہے۔

اگر اتفاقاً غیر معمولی خرچ فوراً کرنا ہی پڑے تو اُس کی منظوری بعدہٗ اہل شوریٰ سے لی جاتی ہے۔

ہم نے وہ کاغذات بھی دیکھے کہ ۲۶-اپریل ۱۹۱۰ء کے پیسہ اخبار میں ایک ممبر صاحب کو بانی مدرسہ لکھا ہے۔ ایک ممبر صاحب ۲۶ نمبر شکایات اور دوسرے ۶ نمبر شکایات پیش کرتے ہیں۔ اور اُن کا تسلی بخش جواب اہل شوریٰ سے پاکر معافی مانگتے ہیں۔ اور اپنا اطمینانی ریمارک جلسہ کی روئداد پر درج کرتے ہیں اور پھر اپنے کئے کے خلاف کرتے ہیں۔ انہیں وجوہات سے وہ علیحدہ کردئے جاتے ہیں۔

ہم نے کوئی اصلی مراسلہ اس غرض سے درج اخبار کرنے سے احتراز کیا ہے کہ اُس میں سخت لہجہ استعمال ہوا ہے اور ذاتیات تک نوبت پہونچی ہے۔ ہمیں بعض ایسی رکیک اطلاعیں بھی دی گئی تھیں جن کا کوئی وجود تحقیق پر ثابت نہیں ہوا۔ اسی واسطے ان کا ذکر کرنا مناسب نہیں۔

ہمیں یہ بھی ثابت ہوا کہ بعض صاحبوں کی ذاتی اغراض اپنی یا اپنے صاحبزادہ کی ملازمت کے متعلق تھی اور وہ پوری نہ ہونے کی حالت میں مخالفت کی صورت میں پبلک میں آئیں اس کا بھی تحریری اور اطمینان بخش ثبوت ہم نے دیکھا۔ ہم اس سے بھی محترز ہیں کہ دوسرے فریق کی ذاتیات کا کچھ بھی تذکرہ پبلک میں لائیں۔ بہت سے واقعات دونوں طرف سے ہمارے سامنے ایسے پیش ہوئے جن کا تعلق مدرسہ سے کچھ نہیں اسواسطے اُن کا ذکر کرنا بے سود سمجھتے ہیں اور وہ قصہ زمین بر سر زمین ہے۔ یہ بھی ہم نے تحریری ثبوت کے ساتھ دیکھا کہ بعض ممبر اپنی مخالفانہ روش کی وجہ سے علیحدہ کئے گئے۔ مگر خود عاجزانہ درخواست پر شرکت جلسہ شوریٰ سے محروم اور فہرست ممبران میں درج رہنے دیئے گئے اور اپنے ہی اعتراضات پر اُس کے خلاف لکھکر دستخط کئے کہ ان کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور دوسرے لوگوں کی ورغلائی کا اظہار کرکے عفو قصور چاہا۔

ابتداءً مدرسہ میں چھ مدرس تھے اور اب اٹھارہ ہیں۔ آمدنی پانچہزار سالانہ تھی اور اب پچپن چھپن ہزار ہے۔ اسی طرح ہر شعبہ روبترقی ہے۔ اگر مہتمم صاحب منصبدار سلطنت آصفیہ ہیں تو اُس میں کسی کا یا مدرسہ کا کیا نقصان ہے اور مدرسہ اُن کے منصب کا حقدار کسطرح ہو سکتا ہے۔

ہم نے اپنے اس مضمون میں یہ پہلو بھی پیش نظر رکھا ہے کہ مدرسہ کے صحیح حالات کا پبلک کو علم بھی ہوجائے اور جو الزامات مدرسہ اور اُس کے کارکنوں پر عائد کئے جاتے ہیں اُن سے بھی تسلی ہوجائے

اور کسی کے کچے حالات بھی عام ہیں پیش نہ ہوں۔ صوبہ کے گورنمنٹ اور حکام عالی جاہ کے وہ زبردست ریمارک بھی ہم نے دیکھے ہیں جو مدرسہ کی گارنٹی کے لیئے کافی ہیں۔ اس کی وجہ ابتک ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ برسوں کے بعد اس مخالفت میں باسی کڑھی کیطرح اُبال کیوں آیا۔ ہم اسقدر سمجھ گئے کہ ایک کام میں بار بار ناکامیاب ہونے نے مخالفت کو اور مشتعل کیا ہے۔ مدرسہ کی وسعت۔ عمارت۔ آیندہ کی ترقی کے اسباب جو ہمارے سامنے پیش ہوے وہ مسلمانوں کے لئے نہایت قابل اطمینان اور دل خوش کن ہیں۔ مدرسہ کا دفتر۔ حساب وکتاب۔ ہر ایک مد کا تفصیلی اندراج۔ دفتر کے کام کی زیادتی انتظامی حالت۔ امتحانوں کی ترتیب اُن کی نگہداشت۔ ایسی باتیں ہیں کہ جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں اور شمہ برابر بھی اعتراض کی گنجایش نہیں۔ ہمارا دل اسلامی دل ہے ایک ایسے عظیم الشان کار خیر کی بوجہ مخالفت پر ہرگز آمادہ نہیں ہوسکتا جب کہ ہم اُس کے خلاف بہت سے ثبوت دیکھ چکے ہوں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ عینی مشاہدہ اور ریمارک مسلمان پبلک کیواسطے کافی ہے۔ اگر اور زیادہ تشریح کی ضرورت ہو تو اُس کے لئے بھی طیار ہیں۔ ہم نے یہ بھی ارادہ کیا ہے کہ اسی پر بس کریں اور مطمئن نہ ہوجائیں بلکہ آیندہ بھی بار بار مدرسہ میں جاکر حالت کا اندازہ کرتے رہیں۔ اور اگر کبھی کوئی فروگذاشت نظر آئے تو اراکین مدرسہ کو توجہ دلائیں۔ کوئی شخص دنیا میں معصوم نہیں اور نہ کوئی کام بے عیب ہوتا ہے۔ اگر مدرسۃ العالیہ دیوبند میں بھی معمولی دوچار فروگذاشتیں ہوں تو ایسے اہم کام میں کوئی اعتراض کی گنجایش نہیں۔ اور نہ اہل دانش کو اُس پر خیال کرنے کی ضرورت ہے اور نہ چلتی گاڑی میں روڑا اٹکایا جائے۔

ایس ابن علی اڈیٹر اخبار نیر اعظم مرادآباد۔ ۳ رجب ۱۵ء

یادداشت متعلقہ مدرسہ دیوبند

ہمنے دیوبند کی موجودگی میں سنہ ۱۲ ہجری سے ۱۳۳۲ھ تک سال وار اوسکی ترقی کی جو یادداشت تیار کی تھی اور جسکا ذکر ہم اپنے لیڈنگ آرٹکل میں کرچکے ہیں وہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ جس سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ مدرسہ نے ہر سال تعداد طلبا، مدرسین۔ آمدنی۔ صرف اور تعداد ممبران شوری میں کیا ترقی کی۔ اور اس ہی کے ساتھ آخر کے نوٹ میں ہم نے یہ بھی دکھا دیا ہے کہ دارالعلوم کی کل تعمیر ابتدا کس لاگت کی تھی اور اب کس لاگت کی ہے۔ ان وجوہات پر بھی مخالفت کیجائے اوسکو سوائے ذاتی عداوت کے ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ اوسکو امید ہے

کہ ہندوستان کے مسلمان اور مخصوص مدرسہ دیوبندیا اسلامی کاموں سے دلچسپی لینے والے حضرات اس اخبار کے دونوں مضامین پڑھکر مطمئن ہوجائینگے۔ ہم یہ بھی عرض کردینا مناسب سمجھتے ہیں کہ آمدنی وخرچ کی رقومات میں ممکن ہے کہ ہمسے میزان دینے میں آنہ۔ پائی۔ روپیہ کی تھوڑی بہت غلطی ہوگئی ہو۔ تو یہ قابل معافی ہے۔ نہ قابل اعتراض ہے۔

نام سنہ ہجری	جامع اعداد طلبہ	تعداد مدرسین و ملازمین	آمد	مصرف	تعداد ممبران	نام سنہ ہجری	جامع اعداد طلبہ	تعداد مدرسین و ملازمین	آمد	مصرف	تعداد ممبران
سنہ ۱۲ھ	۱۲۷	۶	۹ر	۵ر ۳ر ۶	۵	سنہ ۲۳ھ	۱۹۷	۶	۲ر ۸ر ۶	۸ر ۸ر ۶	۱۲
سنہ ۱۳ھ	۱۰۵	۶	۳ر ۳ر ۶	۱۳ر	۱۰	سنہ ۲۴ھ	۱۹۰	۸	۱۴ر ۱۱	۳ر ۲ر ۶	۱۲
سنہ ۱۴ھ	۱۱۲	۶	۹ر ۳ر	۱ر ۲ر ۶	۱۰	سنہ ۲۵ھ	۱۷۳	۶	۶ر ۳ر ۶	۲ر ۹ر ۶	۱۲
سنہ ۱۵ھ	۱۰۸	۶	۴ر ۳ر ۶	۹ر ۲ر ۶	۱۰	سنہ ۲۶ھ	۱۷۱	۶		۹ر ۳ر ۶	۱۲
سنہ ۱۶ھ	۱۳۰	۸	۲ر ۹ر ۶		۱۰	سنہ ۲۷ھ	۲۲۳	۱۱	۵ر ۳ر ۶	۱۵ر ۹ر ۶	۱۲
سنہ ۱۷ھ	۱۴۰	۸	۱۰ر	۱۰ر ۳ر ۶	۱۰	سنہ ۲۸ھ	۲۶۹	۱۲	۲ر	۱۴ر ۷ر ۶	۱۲
سنہ ۱۸ھ	۱۳۹	۶	۵ر ۹ر ۶	۹ر	۱۰	سنہ ۲۹ھ	۳۲۰	۱۲	۱ر ۷ر ۶	۶ر ۰ر ۶	۱۲
سنہ ۱۹ھ	۱۱۶	۸	۶ر ۶	۱۲ر ۴ر ۶	۱۰	سنہ ۳۰ھ	۴۸۵	۱۳	۲ر ۹ر ۶	۱۵ر ۶ر ۶	۱۳
سنہ ۲۰ھ	۱۵۱	۸	۱۰ر ۳ر ۶	۱۴ر ۳ر ۶	۱۳	سنہ ۳۱ھ	۴۷۵	۱۷	۷ر ۳ر ۶	۱۳ر ۴ر ۶	۱۳
سنہ ۲۱ھ	۱۶۵	۸	۷ر ۳ر ۶	۱۵ر ۹ر ۶	۱۳	سنہ ۳۲ھ	۳۲۹	۱۹	۱۵ر ۲ر ۶		۱۳
سنہ ۲۲ھ	۱۵۳	۸	۱۰ر ۹ر ۶	۵ر ۲ر ۶	۱۲	۰	۰	۰	۰	۰	۰

سال ۱۳۳۲ھ میں چونکہ مد وظیفہ طلبہ میں زیادہ گنجایش نہ تھی اسلئے داخلہ طلبہ میں تنگی کیگئی۔ طلبہ بہت زیادہ تعداد میں بغرض داخلہ آئے مگر بوجہ مجبوری مذکورہ بالا دوسری جگہہ چلے گئے یہاں داخل نہیں کیا گیا۔ طلبہ کی آمد کا حال رجسٹر داخلہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔

سال ۱۳۱۳ھ جسمیں حضرت مولانا مولوی حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا تقرر ہوا ہے اوس وقت دارالعلوم کی کل تعمیر ...... کی تھی۔ جناب مہتمم صاحب موصوف کے بیس سالہ زمانہ اہتمام میں اسکے اندر بہت ترقی ہوئی ۱۳۳۲ھ کے آخر میں کل تعمیر مدرسہ کی لاگت مبلغ ایک لاکھ ...... ہے۔

مضمون جناب مولوی ظہور علی احمد صاحب ممبر مدرسہ

مدرسہ عربیہ دیوبند کے انتظام کے سخت شکایت کا جواب

پیسہ اخبار مورخہ ۱۷ رجب ۱۳۳۲ھ ہجری کے صفحہ ۳ میں احمد حسن پنشنر ہیڈ مولوی ممبر مدرسہ عربیہ دیوبند کے نام سے جو شکایت طبع ہوئی ہے۔ میں نے اوسکو دیکھا وہ سراسر غلط اور لغو اور نفسانیت پر مبنی ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی و سرپرست مدرسہ کی کسی وصیت کی کوئی خلاف ورزی نہیں کیگئی ہے۔ دنیا دار لوگ حقیقت میں اوس وصیت کی خلاف ورزی کے خواہشمند ہیں۔ اوسی کی پابندی کی وجہ سے یہہ مخالفت ہے۔ جسکی بناء پر انواع و اقسام کے الزام کارکنان دارالعلوم پر لگائے جاتے رہے ہیں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ایسی کوئی وصیت نہیں ہے کہ میری اولاد میں سے کبھی کوئی شخص ملازم مدرسہ نہ کیا جاوے۔

یہہ صحیح ہے کہ ممبران مدرسہ بعض شاگرد و بعض مُرید اور بعض معتقدین حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔

لیکن یہ الزام اونکی دیانت پر ہے کہ باوجود مولانا رحمۃ اللہ کی ناراضگی کے ممبران بوجہ صاحبزادگی مولانا حافظ احمد صاحب مہتمم دارالعلوم کے بخلاف منشاء وصیت مفروضہ شاکی صاحب کے صاحبزادہ صاحب کی خیرخواہی میں منہمک ہیں جو خیرخواہی مدرسہ کے خلاف ہے۔

کوئی ممبر ایسا نہیں ہے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وصیّت کی مخالفت کا شائبہ لئے ہوئے ہو اور دیانت کے خلاف کسیکی خیر خواہی کرتا ہو۔

ممبران دارالعلوم نہایت آزادطبع اور احکام شریعت کے پابند اس پابندی میں اونکو کسی کے مضار و مفاد کی پرواہ نہیں ہے۔

یہہ بھی غلط الزام ہے کہ صاحبزادہ صاحب دولت علم سے محروم ہیں۔ اور یہہ بھی الزام باطل ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ برائے نام سرپرست مدرسہ تھے۔ اور مولوی حبیب الرحمن گنگوہ شریف میں اسی غرض سے رہتے تھے کہ کوئی شخص مولوی حافظ احمد صاحب (صاحبزادہ) کے حالات واقعی سے مولانا رشید احمد صاحب رح کو واقف نہ کردے درحالیکہ اونکے حالات ہی مورد کسی الزام کے نہ تھے اور نہ ہیں۔ اور چہ سو روپیہ کی چوری معہ حلف شرعی مولوی ظہور الحسن صاحب تھانوی اور مولانا رشید احمد صاحب رح کے سامنے مولوی عزیز الرحمن صاحب و مولوی محمد حسن صاحب کی شہادت اور حکم برخاستگی مہتمم صاحب موصوف اور جناب مولانا محمود حسن صاحب سلمہ کی معافی کا قصہ بھی بالکل غلط طور پر بیان کیا گیا ہے۔ غرضیکہ سب الزام غلط لگائے گئے ہیں اور بے اصل ہیں۔

اصل شکایت کی یہہ ہے کہ کارکنان دارالعلوم نے غلط فہمی سے جیسا کہ ہر انسان کو دھوکہ ہو سکتا ہے خلیفہ احمد حسن صاحب (شاکی) اور منشی فراغت علی صاحب مختار عدالت کو دارالعلوم کا ممبر مقرر کرلیا تھا۔ حالانکہ اون دونوں صاحبوں میں وہ اوصاف موجود نہ تھے جو دارالعلوم کے ممبران میں حسب مندرجہ وصیت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم ہونا چاہئے۔ یہ حضرات اوس مسلک کے لوگوں میں نہ تھے۔ ان کے حالات اوسوقت معلوم ہوئے (جبکہ دیوبند میں ایک گروہ مخالف دارالعلوم نے پیدا ہوکر دارالعلوم اور اوسکے کارکنان پر انواع و اقسام کے الزامات لگانے شروع کئے۔ حتی کہ اہالی دارالعلوم کو گورنمنٹ کا باغی بتلاکر یہہ ظاہر کیا کہ بغاوت کے تمام سامان اس دارالعلوم میں مہیا کرلئے گئے ہیں اب علَمِ بغاوت دارالعلوم سے اوٹھنے والا ہے جسکی تحقیقات مخفی بجانب گورنمنٹ حکام مقامی نے کرکے اپنا اطمینان کلی کرلیا اور الزامات بے بنیاد محض نفسانیت و اختلاف عقائد پر مبنی قرار پائے۔ اور اوسکے بعد دارالعلوم پر بلوہ کیا گیا جسمیں ضمانتیں اور مچلکے اون لوگوں کے لکھے گئے۔ اور اوس گروہ کو مفسد اور بانی شر فیصلہ

مجسٹریٹ صاحب میں قرار دیا گیا۔ اوسی گروہ سے ساز کرکے خلیفہ احمد حسن صاحب و منشی فراغت علی صاحب نے دارالعلوم کے حسابی غلطیوں اور بددیانتی کارکنان دارالعلوم کی شکایات اخبارات میں طبع کرائیں پہ جمیع ممبران دارالعلوم نے جمع ہوکر تحقیقات کی اور نہایت سختی کے ساتھ حسابات کی جانچ کیگئی اور خلیفہ صاحب و منشی صاحب اوسمیں شریک رہے آخرکار دونوں صاحبان نے اپنی غلط شکایات کا اعتراف کیا اور اخبارات میں لکھا کہ سنی سنائی باتوں پر قیاس کرکے ہمنے شکایات کی تھیں۔ جانچ اور تحقیقات سے ہمارا اطمینان ہوگیا)

دونوں حضرات کی اس لغو کارروائی پر ان کے حالات معلوم ہوئے۔ اسکے بعد دونوں صاحبان کو ممبری دارالعلوم سے سبکدوش کیا گیا۔ مدت دراز سے یہ دونوں ممبر دارالعلوم نہیں ہیں۔

اب رہی شکایت بدانتظامی مولوی حافظ احمد صاحب مہتمم دارالعلوم۔ یہ ایسا سفید جھوٹ ہے کہ کوئی شخص بھی جو ذرا سی بھی عقل و تمیز رکھتا ہو اسکو باور نہیں کرسکتا جبکہ انتظام دارالعلوم اونکی مہتممی کے زمانہ کا اون کے زمانہ سے پہلے سے موازنہ کیا جاوے۔

واضح ہو کہ مہتمم ایسا ہونا لازم ہے کہ دارالعلوم کے واسطے سفر کرتا رہے اور تندہی و سعی و کوشش کے ساتھ وسایل و ذرائع ترقی دارالعلوم کے جائز و شرعی طور پر پیدا کرتا رہے۔

نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ خلد مکانہا سابق فرمانروائی بھوپال سفر شملہ سے واپس تشریف لاتی تھیں اسٹیشن دیوبند پر دارالعلوم کی جانب سے میں نے ایک سپاسنامہ پیش کرایا تھا۔ حاجی محمد عابد صاحب مرحوم مہتمم دارالعلوم تھے حاجی صاحب نے اسٹیشن پر تشریف لیجانے سے سپاسنامہ پیش کرنیکو انکار کیا کہ میں کسی اہل دول سے نہیں ملتا ہوں۔ (میرا یہہ مطلب نہیں ہے کہ حاجی صاحب کا یہہ فعل کچھ مذموم تھا لیکن اس حالت میں وہ دارالعلوم کی مہتممی کے ناقابل ضرور تھے) مولوی حافظ احمد صاحب سلمہٗ ایسی باتوں سے احتراز نہیں کرتے دارالعلوم کا جس جگہہ اور جسکے ملنے سے وہ جایز طور پر فائدہ سمجھتے ہیں برابر جاتے اور ملتے ہیں اور ہر شخص بوجہ حضرت مولانا قاسم العلوم رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ ہونیکے اونکی قدر و منزلت کرتا ہے۔

اب پہلے اور حال کے زمانوں کے انتظام کا موازنہ کیجئے کہ حضرت حاجی محمد عابد صاحب مرحوم کا آخر زمانہ اہتمام سنہ ۱۳۰۹ھ تھا اوسوقت دارالعلوم کی آمدنی سالانہ ۵۲۳ر۳ر۲ جملہ مدات کی تھی اور ۲۶۴ طالب علم تھے اسی آمدنی کے لحاظ سے مدرسین و ملازمان دارالعلوم کی تعداد تھی سنہ ۱۳۱۰ھ میں

منشی فضل حق صاحب مہتمم ہوئے اس سال کی آمدنی [illegible] تھی اور ۱۳۱۱ھ میں مولوی محمد منیر صاحب مہتمم ہوئے [illegible] کی آمدنی ہوئی آخر ۱۳۱۳ھ سے مولوی حافظ احمد صاحب مہتمم ہوئے جنکے حسن انتظام وتدابیر سے دارالعلوم کی آمدنی میں برابر ترقی ہوتی رہی یہانتک کہ ۱۳۳۱ھ کی آمدنی جسکی رویداد شائع ہوچکی ہے [illegible] ہے۔ اور ۶۳۰ طالب علم ہیں اس آمدنی وتعداد طلباء کے لحاظ سے مدرسین اور تعمیرات کی بیشی ہے کتب خانہ دارالعلوم تخمیناً آٹھ گونہ کے ہے۔

کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جسمیں اس زمانۂ اہتمام میں نمایاں ترقی نہ ہو۔ باوجودیکہ گروہ مخالف کی شورش ابتداء میں بہت سختی کی رہی۔ اور اوسکے بعد جنگ بلقان کے چندہ کی وجہ سے آمدنی میں روک رہی۔ اور اب جنگ یورپ کے چندون کے باعث بھی بہت روک ہورہی ہے۔ یہہ ہے انتظام اہتمام مولوی حافظ احمد صاحب۔ ایسی صورت میں بھی اونکا انتظام خراب بتلایا جاوے اور اونکو مہتمی کے لائق نہ کہا جاوے توغضب ہے۔ اور یوں تو عیب جویاں کی زبان کو کون روک سکتا ہے۔ اولیاء وانبیاء کو بھی مخلوق عیب لگانے سے باز نہیں آئی۔ مولوی حافظ احمد صاحب کیا چیز ہیں۔

حسابات جسطرح اس دارالعلوم کے صاف ہیں اور پبلک میں شائع ہوتے ہیں۔ اسطرح اور جگہہ کم شائع ہوتے ہیں۔ میں اس سے زیادہ معاملہ کو طول نہیں دینا چاہتا ورنہ بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔

ظہورعلی احمد وکیل واسٹیٹ ایڈوکیٹ

ومیونسپل کمشنر بھوپال وممبر دارالعلوم دیوبند

۷۸۶

ضروری اور مفید اطلاع

القاسم سالہای گذشتہ کے تمام نمبر فروخت کی غرض سے دفتر میں موجود ہیں جو بعض نمبر نہیں رہے تھے وہ مکرر طبع ہوئے یسالانہ بارہ رسالوں کی قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ علاوہ محصولڈاک اور قیمت فی رسالہ ساڑھے تین آنہ علاوہ محصولڈاک ہے جو حضرات مجلد خریدنا چاہینگے تو انکے لئے جلد بھی تیار کرا دی جاویگی اور اُجرت جلد سازی کا اضافہ اصل قیمت میں کر دیا جاویگا۔

رمضان المبارک کی تقریب میں اگر حضرات اہل خیر القاسم خرید کر نادار مستحق مسلمانوں کو دین تو ایک سہل الحصول طریق صدقۂ جاریہ کا ہے اُمید کہ ضرور اس مفید مشورہ پر عمل پیرا ہون یہ کوئی دوکان داری اور شکم پروری کا اقتضا نہیں ہے بلکہ محض آپکی خیر خواہی اور نادار مسلمانون کی آپسے سفارش اور دارالعلوم کے لئے ایک مستحسن تدبیر ہے۔

معتمد المدیر رسالہ القاسم

دُنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(گذشتہ سے پیوستہ)

اونکو اِس متعارف امر کی تسلیم میں تو تامل نہ ہوا۔ ہاں تامل وخلجان۔ یا انکار و نزاع ہوا تو اسمیں کہ طالوت کو اس منصب جلیل کیلئے کیوں منتخب کیا گیا۔ یہ بات اونکو انوکھی معلوم ہوئی کہ برخلاف معمول سابق خاندان **یہودا** سے منتقل ہوکر ملک کسی اور خاندان میں چلا جائے۔ طالوت اپنی ذات سے مفلس و تنگدست تھے اپنے پیشہ کے اعتبار سے بھی ذی وجاہت ہونیکے بجائے کم رتبہ سمجھے جاتے تھے کیونکہ وہ دباغ (چمڑہ رنگنے والے) یا سقاء (پانی بھرنے والے) تھے۔ اور یہ دونوں پیشے مخلوق کی نگاہ میں حقیر و مبتذل سمجھے جاتے ہیں۔ اِدھر خاندان سلطنت میں سے نہ تھے کیونکہ وہ **بنیامین بن یعقوب** علیہ السلام کی اولاد میں تھے۔ اور بنی اسرائیل کی عادۃ مستمرہ یہہ تھی کہ اپنے انبیاء علیہم السلام کی بات بھی

بقیہ حاشیہ صفحہ۔ اوسکا منصب صرف اسقدر ہے کہ امام کے یہاں سے صادر شدہ احکام کو نافذ کردے۔ ملوک بنی اسرائیل جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملکر کام کرتے تھے اونکی شان یہہ معلوم ہوتی ہے کہ شرائع میں تابع احکام انبیاء علیہم السلام ہوتے تھے اور کوئی معاملہ خلاف منشاء شریعت طے نہ کرسکتے تھے۔ شریعت کا منشاء معلوم ہونیکا ذریعہ انبیاء علیہم السلام ہوتے تھے ہر موقع و مقام کے مناسب انبیاء علیہم السلام احکام شریعت ظاہر فرماتے تھے اور ملوک اُنکا اتباع کرتے تھے۔ اس اعتبار سے اگر اونکو وزیر تنفید کہدیا جاے تو کچھ مستبعد معلوم نہیں ہوتا لیکن جب یہہ دیکھا جاے کہ دو شعبوں ہدایت خلق و نظام عالم میں سے ایک شعبہ کے اختیارات مستقلاً اونکی سپرد کردی گئے ہیں۔ تو اس اعتبار سے اُنکو وزیر یا والی تفویض کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ امامت و سیاست کے بارہ میں بذیل سلسلہ تعلیمات اسلام ہم ارادہ رکھتے ہیں کہ توفیق الٰہی نے مدد فرمائی تو مستقل لکھینگے۔ اسمیں انشاء اللہ تعالیٰ اس بحث کو مفصل و مدلل درج کرینگے۔ یہاں بقدر ضرورۃ اوسکی طرف اشارہ کردیا گیا ہے۔ ۱۲ منہ

بلا قسم کی نکتہ چینی کئے نہ مانتے تھے اسلئے منازعت کیلئے تیار ہوگئے اور کہنے لگے کہ طالوت کو کیوں بادشاہ بنایا گیا۔ اوسکو ہم پر کیوں فوقیت دی گئی۔ وہ کون سی بات اوسمیں موجود ہے کہ ہم باوجود ہر قسم کی قابلیت وجاہت ولیاقت کے نظر انداز کردیئے گئے۔ اُن کے ان اعتراضات وخدشات کا جواب خداوندعالم نے آیات مذکورہ میں دیدیا۔ جسکا حاصل یہ ہے کہ تمھاری نظر اس ظاہری شان ونمود مال ودولت پر ہے۔ تم اُن باتوں کو نہیں سمجھتے جنکی وجہ سے حقیقتاً قابلیت سلطنت کی ہوتی ہے۔ طالوت میں وہ قابلیتیں موجود ہیں جو تم میں نہیں ہیں۔ علم اُنکا تم سے زیادہ ہے۔ قوۃ جسمانی وسلامتی حواس میں وہ تم سے زیادہ ہیں اور انہیں پر ادائے فرائض سلطنت کا مدار ہے۔

پھر اسکے علاوہ یہ ہے کہ مملکت وسلطنت موہبت الٰہی ہے۔ اُسکو اختیار ہے اپنا ملک جسکو چاہے عطا فرمائے۔ قابلیت پیدا کرنا بھی اُسی کے اختیار میں ہے اور عطاء ملک بھی واللہ یوتی ملکہ من یشاء

ملک وسلطنت کے یہ دونوں سلسلے اسیطرح جدا جدا چلے آئے۔ لیکن حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کی ذات میں ان دونوں کو جمع کردیا گیا۔ کلام اللہ میں ارشاد ہے

کلاً اٰتینا حکما وعلما	(ہمنے ہر ایک کو علم وحکم عطا کیا)

اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو حضرت داؤد علیہ السلام سے بھی زیادہ وسیع حکومت دی گئی۔ اُنکی حکومت انسانوں سے متجاوز ہوکر جنات طیور ووحوش پر بھی تھی۔ ہوا کو اُنکے لئے مسخر کردیا گیا تھا۔ طیور ووحوش سے پہرہ چوکی کا کام لیا جاتا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خود اسکی دعا فرمائی تھی جو درجہ اجابت کو پہونچی۔

وھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی انک انت الوھاب	مجھکو ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کیسی کو نہوئی تحقیق تو بڑی بخشش والا ہے۔

فائدہ = اس آیۃ میں دو امر قابل تنقیح وبحث ہیں۔

اوّل یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کا مطلب کیا تھا۔

سو معلوم کرلینا کہ اس دعا کے تین مطلب بیان کئے گئے ہیں اوّل یہ جو ظاہر الفاظ آیۃ

بے مفہوم ہوتا ہے کہ مجھکو ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کو نہ دیا جائے۔ دوئم یہ کہ عظیم الشان ملک کی طلب تھی یہ مقصود نہ تھا کہ میرے بعد کسی کو ایسا ملک نہ ملے۔ کیونکہ مواقع تعریف ومدح یا طلب میں جب ایسے الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے جو ظاہراً دوسروں سے نفی پر دلالت کرتے ہیں۔ تو عرف واستعمال میں صرف اپنے لئے کسی بڑی چیز کی طلب یا کسی کے فضل وکمال کی عظمت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ دوسروں سے نفی مطلوب نہیں ہوتی۔ مثلاً کسی کی مدح میں کہا جاتا ہے۔

لفلان ما لیس لاحد من الفضل والمال	فلان شخص کی فضیلت ودولت ایسی ہے جو کسیکو حاصل نہیں ہے۔

اس عبارت میں مدلول الفاظ صاف اور صریح طور پر ممدوح کیلئے اثبات اور غیر ممدوح سے نفی وسلب ہے۔ لیکن عرف واستعمال شاہد ہے کہ نہ قائل کی یہ غرض ہے اور نہ سامع اس سے یہ مطلب سمجھتا ہے۔ اوس سے صرف ممدوح کے فضل وکمال کا اظہار کرنا مقصود ہے۔

سوئم یہ کہ اس عبارت میں ایک کلمہ کو مقدر مانا جائے۔ اور تقدیر عبارت اسطرح کیجائے۔

لا ینبغی لاحد سلبہ	یعنی مجھکو ایسا ملک عطا فرما جو مجھ سے سلب نہ کیا جائے اور چھین نہ لیا جائے۔

اور اسوقت دعا کا مطلب یہ نہو گا کہ مجھکو نہایت عظیم الشان ملک عطا فرما۔ جو فی حد ذاتہ بے مثل ہو۔ اور نہ یہ ہو گا کہ اوس جیسا ملک کسی اور کو نہ ملے بلکہ یہ ہو گا کہ جیسا ایک ابتلا کے بعد جسکا آیۃ سابقہ میں ذکر ہو چکا ہے۔ چند روز کیلئے میرا ملک مجھ سے سلب کر لیا گیا تھا۔ آیندہ مسلوب نہو اور کسیکو اوسکے سلب کرنے کی قدرۃ وطاقت نہو

یہہ تین احتمال ہیں اس آیۃ کے مطلب میں۔ جنمیں سے احتمال اول باعتبار مدلول الفاظ اور مطابق دلالت کلام ہونے کے قوی ہے اور اوس سے عدول وتجاوز کر کے دوسرے معنی کیطرف جو باعتبار دلالت خفی ہوں اور اونکی مراد لینے میں عرف واستعمال کا سہارا حاصل کرنے کی ضرورت پڑی یا جو مدلول سے بعید ہوں۔ کوئی وجہ نہیں ہے۔

مگر مفسرین کو ایسے ظاہر الدلالت معنی مراد لینے میں دو تامل ہیں۔ اول یہ کہ کسی اور کو ایسا ملک نہ دئے جانیکی دعا کرنا منافسہ میں داخل ہے۔ جو ایسے جلیل القدر نبی کی شان کے

مستبعد ہے۔ اپنے لئے طلب کرنا اگر منشا اوسکا صحیح ہو معیوب و مذموم نہیں۔ لیکن دوسرے کو فضیلت و نعمت سے محروم کرنے کی خواہش کرنا اچھا نہیں ہے۔

دوسرے یہہ کہ سلیمان علیہ السلام کی یہہ دعا مقبول ہو چکی اور اب کسیکو ایسا ملک ملنا نہ چاہیئے۔ لیکن ایک حدیث ہے جو بخاری وغیرہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایسی عام حکومت و اختیارات جن و انس پر حاصل تھے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان عفریتا جعل یتفلت علی البارحۃ لیقطع علی صلوتی وان اللہ تعالی امکننی منہ فلقد هممت ان اربطہ الی ساریۃ من سواری المسجد حتی تصبحوا فتنظروا الیہ کلکم فذکرت قول اخی سلیمان رب اغفرلی و ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی فردہ اللہ خاسئا	ایک بھوت نا کل رات مریطرف اس غرض سے آیا کہ میری نماز کو منقطع کردے۔ اللہ تعالی نے مجھکو قابو دیدیا۔ میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ اوسکو مسجد کے کسی ستون سے باندھ دوں تا صبح کو تم سب بھی اوسکو دیکھو لیکن مجھکو میرے بھائی سلیمان کی دعا رب ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی ۔ یاد آگئی۔ خدا تعالی نے ذلت کے ساتھ اوسکو لوٹا دیا۔

اور اسی لئے دوسرے معنوں میں سے معنی ثانی کو مرجح سمجھتے ہیں کہ اونمیں کوئی خلجان نہیں ہے۔ لیکن میرے خیال میں یہہ دونوں باتیں ایسی نہیں ہیں جنکی وجہ سے ان ظاہر الدلالت معنی کو ترک کیا جائے۔

اگر مان لیا جائے کہ اس دعا سے منافست معلوم ہوتی ہے تب بھی ہمکو یہہ غور کرنا چاہیئے کہ منشا اسکا کیا ہے۔ آیا ذاتی عز و جاہ ہے یا اظہار شوکت دین الہی۔ و جلالت قدر انبیاء علیہم السلام۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک وسیع و اختیار و تسلط عام جن و انس طیور و وحوش پر تو پہلے سے دیا ہی گیا تھا۔ اسلئے اسکی خواہش تو دراصل اونکو نہ تھی اور نہ ایسی دعا کرنیکا خیال تھا۔ مگر چونکہ اوسی ابتلاء و امتحان کی وجہ سے جو اونکو پیش آیا۔ جسکی وجہ سے چندروز ملک

ملک مسلوب اور اختیارات ساقط ہو گئے تھے اونکو یہہ ضرورۃ پیش آئی کہ انبیاء علیہم السلام کی جلالت شان۔ اپنی قرب و منزلت عند اللہ۔ اور قدرت باری کی وسعت کا اظہار کریں اور دکھلادیں کہ گو اس ابتلا کی وجہ سے چند روزہ یہہ ملک مسلوب ہو گیا ہو۔ مگر اب مجھکو وہی ملک پہلے سے زیادہ استحکام کے ساتھ ملگیا کہ نہ اب اسپر کسی کا خواہ جن ہو یا انس تسلط ہو سکتا ہے اور نہ میرے بعد کسی کو ایسا ملک ملسکتا ہے۔ اور جبکہ منشا اس دعا کا یہہ ہے تو اسمیں کچھ حرج نہیں ہے اور نہ خلاف شان انبیاء علیہم السلام ہے۔

رہا خلجان ثانی وہ بھی کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو اس دعا میں اگرچہ لفظ غیری عام ہے مگر ہر عام میں بعض چیزیں مستثنی بھی ہوتی ہیں۔ اور یہہ استثناء اونکی عموم کو باطل نہیں کرتا حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہہ دعا اسی عام مفہوم کے موافق مقبول بھی ہو چکی ہو۔ اور فرض کرلو۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی عظمت و شان کا وسیع ملک اور کامل و تمام اختیارات بھی عطا کئے گئے ہوں اور آپ سلطنت و مملکت کے اعتبار سے بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے مساوی نہیں بلکہ بدرجہا بڑھے ہوئے ہوں۔ تب بھی اس دعا کی عموم اور اجابت دعا میں فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دعا کے مفہوم میں داخل ہی نہیں ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام آپکے منزلت عند اللہ۔ نبوت حقیقی وذاتی۔ انبیاء علیہم السلام کی آپ سے مستفیض اور تابع ہونے کو بخوبی جانتے تھے۔ پھر اپنی دعا کے عموم میں آپ کو کیسے داخل کرسکتے تھے۔

دوسرے یہہ کہ اس حدیث سے صرف اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ایک عفریت پر تسلط دیا گیا۔ وہ بھی ایک وقت خاص میں جیسا کہ لفظ امکنني الله منه سے معلوم ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ کوئی مطلب لے سکتا ہے تو یہہ کہ جنات پر آپ کا تسلط تھا۔ اور اس خاص شعبہ میں آپ کی حکومت حضرت سلیمان علیہ السلام کے مساوی تھی۔ لیکن اونکی حکومت تو علاوہ جنات کے اور چیزوں پر بھی تھی۔ اور اس حدیث سے یہہ مفہوم نہیں ہوتا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت و مملکت حضرت سلیمان علیہ السلام کیطرح عام تھی۔

پھر اسمیں خلجان کیا رہا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کا علی سبیل العموم مقبول ہونا کیونکر باطل ہوگیا۔

اِن سب کے علاوہ یہہ بات ہے کہ بیشک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہوں کے بادشاہ اور نبیوں کے نبی تھے۔ جسکو جو کمال ملا۔ آپ کی وساطت سے ملا۔ تمام کون آپکے زیرنگیں تھا۔ اور اس اعتبار سے آپ کی روحانی وجسمانی برتری۔ حکومت وسطوۃ کو حضرت سلیمان علیہ السلام سے بھی عظیم الشان کہا جائے تو بجا و درست ہے۔ مگر آپ کی شان ملوک وسلاطین کی شان نہ تھی۔ باوجود اس عظمت و اقتدار آپنے اپنے لئے شان عبدیۃ کو ہی پسند فرمایا۔ آکل کما یاکل العبد (اسطرح کھاتا ہوں جسطرح ایک بندہ کھاتا ہے) کبھی تخت رواں پر بیٹھکر ہوا میں چلنے کو پسند نہیں فرمایا۔ نہ جنات سے آپ نے معماروں مزدوروں کا کام لیا۔ نہ وحوش وطیور کی افواج صف بستہ آپکے سامنے کھڑے ہوتے تھے نہ تخت شاہی پر جلوس فرمایا۔ پھر جب آپنے اپنی باوجود اس عموم حکومت و اقتدار واختیارات عام اپنے لئے اس طرز وشان کو پسند نہیں فرمایا اور نہ آپ کا طرز ملوک وسلاطین کا طرز تھا۔ تو اس حالت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی عموم حکومت وسلطنت سے اسکو کیا منافات ہے۔

جب یہہ دونوں خلجان مرتفع ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کے ظاہری مطلب کو چھوڑکر دوسرے معنی کی طرف توجہ کریں۔ بیشک جہانتک ہمارا خیال ہے اِس آیۃ کا یہی مطلب سمجھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے مفہوم ہوتا ہے کہ آپ نے بھی اس دعا کا یہی مطلب سمجھا ورنہ آپکو اس ارشاد کی کیا ضرورۃ تھی۔ فذکرت قول اخی سلیمان رب اغفرلی وھب ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی۔

اور تواریخ عالم بھی شاہد ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد کسی بادشاہ کو نہ اتنا وسیع ملک ملا۔ نہ ایسے عام اختیارات عطا ہوئے۔

رہی یہہ بات کہ ایک عفریت کو پکڑکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستون مسجد سے

باندھ بھی دیتے تو اس سے مساوات حکومت سلیمان علیہ السلام کیونکر ہو جاتی۔ پھر کیا وجہ تھی کہ آپنے اس دعا کے خیال سے اوسکو چھوڑ دیا۔ سو جواب اسکا یہہ ہے کہ یہہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کمال رعایت و پاس درجہ دعا و اجابت دعا کا تھا کہ ایک جزو میں بھی تھوڑے سے اشتراک کو پسند نہ فرمایا۔

اور اسی سے ہماری اس عرض کی مزید تائید ہوتی ہے کہ آپ کو بیشک ہر قسم کے اقتدار و اختیارات تمام موجودات پر حاصل تھے آپ اولین و آخرین کے سردار۔ مبدء فیوض و برکات تھے۔ خلق عالم کی منشا تھے۔ مگر آپ نے شان ملکیت اختیار کرنے۔ اور ملوک و سلاطین کے ساتھ اشتراک کو خواہ بنی ہوں یا غیر نبی۔ اور وہ اشتراک خواہ اسم میں ہو یا رسم میں کسی حد تک بھی پسند نہیں فرمایا۔

معنی اول مراد لینے کی صورت میں ایک یہہ بھی فائدہ ہے۔ کہ دونوں آخری معنی خود بخود اوسکے ساتھ آجاتے ہیں۔ کیونکہ ایسا ملک جو کسیکو نہ ملے۔ خود عظیم الشان بھی ہوگا۔ اور کسیکو اوسکے سلب پر قدرۃ نہ ہوگی۔ اور وہ کبھی مسلوب نہ ہوگا۔

امر ثانی یہہ کہ ایسی دعا کرنے کا منشا کیا تھا۔ اسمیں اقوال مختلف ہیں۔ اگر سب کو مفصلاً بیان کیا جاوے تو نہایت طول ہو جائیگا اور یہہ موقع اوسکا نہیں ہے۔ لہذا باختصار بیان کیا جاتا ہے۔

بعض کا قول تو یہہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب اس ابتلا میں مبتلا ہوئے جسکا ذکر آیۃ سابقہ میں ہوا ہے تو اوسکے بعد آپ نے قبولیت دعا کی علامت کے طور پر اور اس اثر کے دفعیہ کیلئے جو ابتلا سے پیدا ہوا تھا۔ یہہ دعا مانگی۔ تاکہ عوام و خواص کو معلوم ہو جائے کہ اس ابتلا سے آپ کی عظمت شان۔ قرب و منزلت عند اللہ میں کچھ فرق نہیں آیا بلکہ اور زیادہ بڑھگئی۔ اور یہہ کہ یہ ابتلا ایسا ہی تھا جیسا کہ خواص و مقربین کو پیش آجاتا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ یہہ دعا اسلئے تھی کہ اسقدر عظیم الشان ملک و دولت طاعات و عبادات خداوندی کی کثرت کا ذریعہ بنجائے۔ کیونکہ اگر مال و دولت دنیا کو امور خیر اور ابتغاء مرضات اللہ میں صرف کیا جائے اور یہہ دنیا حصول دین کا وسیلہ ہو جائے تو ایسی دنیا نہایت محمود ہے

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

نعم المال الصالح للرجل الصالح | مال صالح مرد صالح کیلئے بہت اچھی چیز ہے

ظاہر ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام ایسے ملک عظیم کے مالک متصرف ہوں جو شاہان دنیا میں کسیکو نصیب نہیں ہوا۔ اور نہ آپ کے بعد کسیکو نصیب ہو۔ اور اس حال میں ایک ساعۃ کیلئے بھی اُسکی طرف ملتفت نہوں۔ اوس سے کام لیا جائے تو صرف اصلاح دین۔ تکثیر خیرات و مبرات کا تو اوسکے ذریعہ تقرب الی ہونے میں آیا تردد ہے۔ پس آنکا اس ملک عظیم کو طلب کرنا درحقیقت سراسر خیر تھا بلاد وعباد سب کی بہتری اوسمیں ملحوظ تھی۔

زمخشری کہتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام خاندان ملک و نبوت میں تھے۔ یعنی آپ کے خاندان میں ملک و نبوت کو جمع کر دیا گیا تھا آپ کو نبوت و سلطنت اپنے والد حضرت داؤد علیہ السلام سے ملی تھی۔ آپ کو مملکت و سلطنت سے انس حاصل تھا۔ آپ نے اپنی نبوۃ کی دلیل کیلئے معجزہ بھی اُسی نوعیت کا طلب کیا۔ یعنی مجھکو ایسا ملک عطا فرما جو کسیکو نہیں ملا۔ اور یہ امر معجزہ کی حد میں جبھی داخل ہوتا ہے جب بطور خرق عادت کے ہو۔

زمخشری کے اس قول کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہ زمانہ قوم جبارین کے تسلط و مملکت کا زمانہ تھا اونکو اپنی وسعت ملک اور تسلط و قوت پر فخر تھا۔ اور یہہ ایک امر مسلم ہے کہ ہر نبی کو مناسب وقت معجزہ عطا ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر کا کمال درجۂ غایت کو پہونچا ہوا تھا۔ تو آپ کو معجزہ بھی اوسی قسم کا دیا گیا۔ جس کے مقابلہ سے فن سحر کے صاحب کمال باوجود اشتراک ظاہری عاجز آ گئے۔

اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا چرچا تھا۔ بڑے بڑے صاحب کمال طبیب موجود تھے۔ سخت سے سخت امراض کے معالجہ میں اونکو کامل دستگاہ حاصل تھی ایسے زمانہ میں آپ کو معجزہ احیاء موتی۔ اور ابراء اکمہ و ابرص عطا ہوا۔ جسکے مقابلہ سے بڑے بڑے طبیب عاجز و درماندہ ہو گئے۔

علیٰ ہذا حضرت خاتم النبیین کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا دور دورہ تھا۔ اہل عرب کو اپنی فصاحت و بلاغت پر فخر تھا۔

(باقی آیندہ)

الاحادیث الموضوعہ

۔۔۔(گذشتہ سے پیوستہ)۔۔۔

انه يجلس معه على عرشه فبلغ ذالك الامام محمد بن جرير الطبرى فاحتد من ذالك وبالغ فى انكاره وكتب على باب داره سبحان من ليس له انيس ولا له فى عرشه جليس فثارت عليه عوام بغداد ورجموا بيته بالحجارة حتى استد بابه بالحجارة وعلت عليه۔

کہ نبی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ عرش پر رونق افروز ہونگے۔ یہ خبر امام محمد بن جریر طبری کو پہونچی وہ اس سے سخت ناراض ہوئے اور بہت زور شور سے اسکا انکار کیا اور اپنے دروازہ پر یہ لکھکر لگا دیا کہ پاک ہے وہ ذات جسکا کوئی انیس نہیں نہ اُسکے عرش پر کوئی بیٹھنے والا ہے عوام میں اس تحریر پر بڑی شورش پیدا ہوئی اور اُنھوں نے امام ممدوح کے گھر پر پتھروں کی بارش کردی یہانتک کہ پتھروں کی کثرت کی وجہ سے دروازہ پٹ گیا۔

ان مختصر مگر ضروری تفصیل پر حاوی عبارتوں سے یہ بات بالکل ظاہر ہوچکی کہ فخر رسل علیہ الصلوۃ والسلام کی نسبت غلط بیانی یا افترا کی ضرورتیں واضعین احادیث کو کیا کیا پیش آئیں اور اُنکا مقصد اصلی احادیث کی قطع و برید سے کیا تھا۔ اس قسم کی تخلیط اسلام کو بے شک اس حد تک پہونچا دینے والی تھی کہ اوسکے کسی امر یا معتقد کو دلیل سے ثابت کردینا ناممکن تھا کہ یہ حکم خداوندی ہے لیکن جسطرح یہ مصیبت اسلام کیلئے اعظم المصائب تھی اوسیطرح یہ فتنہ بھی اُس سے کچھ کم نہیں کہ اُسکے کسی ثابت شدہ اور منقول بنقل صحیح حکم کو اوس سے خارج کردیا جاوے۔ پہلی صورت میں اگر انسانی آمیزش اسلام کو ناقابل اعتبار بنانے کیلئے کافی ہے تو دوسری صورت اُسکو ناقص کردینے میں کامل ہے۔

اسلئے اِسکے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ اِن دونوں صورتوں سے مذہب کو بچایا جاوے اور اوسکو اپنی اُسی حالت پر رکھا جاوے۔ جسپر فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اُسکو لیکر تشریف لائے تھے۔

ابتدائے اشاعت اسلام سے اسلام کو مخالفین۔ منافقین۔ اور دوست نما دشمنوں سے واسطہ رہا لیکن چونکہ حق ہمیشہ حق ہوکر رہتا ہے۔ اسلئے کسی بڑی سے بڑی کوشش کا کچھ اثر اُسپر نہو سکا مگر یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ کوئی شخص اپنے کھلے ہوئے دشمنوں سے اسقدر نقصان نہیں اُٹھاتا ہے جسقدر دوستی کے پردہ میں دشمنی کرنے والوں سے اِسی لئے اگرچہ علی رغم الاعداء ہمیشہ غلبہ اسلام کو رہا تاہم کفار سے زیادہ مصائب اسپر منافقین کے ہاتھوں پڑے۔ اور ایسی جماعتوں کا وجود صرف خیر القرون ہی میں نہ رہا بلکہ آجتک ہے اور جب تک مشیت ایزدی میں ہے اِس قسم کی جماعتیں اپنی ذلیل کوششوں سے اوس کو نقصان پہنچانے کی ناکام کوششیں کرتی رہیں گی۔ ان جماعتوں میں سے مذکورہ بالا دو جماعتیں ہماری موضوع بحث میں آسکتی ہیں جنکے ضرر سے ہم اسلام اور اہل اسلام کو بچانا چاہتے ہیں ان دونوں جماعتوں نے اپنی پوری قوت سے اُسپر حملہ کیا اور اُسکو اپنے اصلی مرکز سے ہٹانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا لیکن چونکہ حکمتِ خداوندی اسی کو مقتضی تھی کہ اُسکو اپنے اصلی حال پر باقی رکھا جاوے اسلئے لایزال طائفہ من امتی الخ کے موافق علماء ربانیین اور لایخافون لومۃ لائم کے مصداق گروہ نے اسکی پوری مزاحمت کی یہی وجہ ہے کہ دین الہی بحمد اللہ ابتک اوسی حالت پر ہے کہ اگر چشم بینا اور گوش شنوا سے کام لیا جاوے تو اوسکی کسی بات میں التباس ہو ہی نہیں سکتا۔

باوجودیکہ ان دونوں جماعتوں نے اِس سماوی دین کو بیخ وبن سے اوکھاڑنے میں کوئی بات باقی نہ رکھی مگر نہایت جسارت اور وقاحت سے یہی دعوی کرتی رہین کہ اسلام کا سچا حامی بجز ہمارے اور کوئی دوسرا نہیں۔ ممکن ہے کہ دین حق کے ان نادان دوستوں کا دعویٰ ایسا ہو کہ اونکا قلب اونکی زبان کی مخالفت کرتا ہو یا کم ازکم یہ کہ اونکی لسان اور جنان میں موافقت نہو۔ لیکن جب کہ یہ بات روز روشن کیطرح ظاہر ہے کہ اگر فی الحقیقت یہ دونوں جماعتیں اپنی کوششوں میں کامیاب ہوگئیں تو اسلام کا وجود اہل اسلام میں اُس سے زیادہ

نہ رہیگا جسقدر کہ عیسائیت اور یہودیت کا وجود یہود و نصاریٰ میں ہے۔ پھر کیونکر کوئی عاقل اونکے اِن خوشنما دعاوی کو قبول کرسکتا ہے۔

موجودہ زمانہ میں ایک فریق نے تو واضعین احادیث کی تقلید کرکے اپنے یا اپنے مقتداؤں کے اقوال کو حدیث کے نام سے شہرت دینا شروع کردی اور اسکی طرف آنکھ اوٹھاکر بھی نہ دیکھا کہ مسائل شرعیہ پر اسکا کیا اثر پڑیگا اور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا کرکے ہم کو کن کن درکات کا مستحق ہونا ہوگا دوسری جماعت نے اپنی ناقص عقل کو تنقید کا کامل آلہ سمجھکر اس کسوٹی پر نہ صرف احادیث بلکہ نصوص قرآنیہ تک کی پرکھ شروع کردی مگر حدیث اور قرآن کی تنقید میں فرق رہا کلام باری میں تو متواتر بالفاظہ ہونیکی وجہ سے انکو یہ کہنے کی جرأت نہوئی کہ رواۃ کیطرف سے کمی زیادتی ہوئی ہوگی اور نہ یہ کہہ سکے کہ یہہ مردود ہے۔ اسلئے تحریف معنوی کی تکلیف برداشت کی۔ اور ایسے ایسے مضحکہ خیز معانی بیان کیے جنکی تائید صرف انھیں کی عقلیں کرسکتی ہیں مگر حدیث میں روایت بالمعنی کے جواز کو دیکھکر انکے دربار سے ہر اوس حدیث کو موضوع کا خطاب ملگیا جسکو ان کی عقلوں نے اپنے فیصلہ کے خلاف سمجھا۔

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں یہ دونوں فتنے بڑے فتنے تھے لیکن اگر غور سے دیکھو تو اس دوسری جماعت کا ضرر بہ نسبت پہلی جماعت کے زیادہ پاؤگے اور ہمکو اس دعوی کے اثبات کیلئے دلائل و براہین کی کچہ زیادہ حاجت نہیں۔

پہلی جماعت کا کام صرف اسیقدر تھا کہ وہ اپنے گھڑے ہوے اقوال احادیث رسولؐ کے بلند درجہ تک پہونچادے اور یہ مکر بہت آسانی سے کھل جایا کرتا تھا۔ اسواسطے کہ روایت حدیث بغیر اسناد کے معتبر نہ ہوتی تھی اور اسناد سے صدق و کذب کا حال آسانی سے معلوم ہوسکتا تھا مگر اس دوسری جماعت نے اپنے اباطیل و دعاوی کو دلائل و شواہد مزخرفہ کے پردوں سے محفوظ کرنیکی کوشش کی اور اہل حق کا اپنی پوری قوت سے مقابلہ کیا۔ اونکی تحقیر و توہین کی۔ انکا استہزا کیا انپر ٹھٹھے لگائے۔ اور خلق خدا کو حق کیطرف آنے سے روکا۔ اس جماعت کے ایک سرآوردہ رکن باوجود دعوی تہذیب کے ایک بزرگ کی نسبت تحریر کرتے ہیں۔

میں سچ اور سراسر سچ کہتا ہوں کہ اونکی اکثر تحریرات کا اثر اگر کسیکے دل پر ہوسکتا ہے تو اتنا ہی کہ اسلام شہوت رانی اور ظلم اور فساد اور بداخلاقیوں کا ذریعہ اور جھوٹی[1] کہانیوں اور بیہودہ خبروں اور عقل و حقیقت کی مخالف باتوں کا ایک

[1] حتی اذا جاءوک یجادلونک یقول الذین کفروا ان ھذا الا اساطیر الاولین

مجموعہ ہے نہ اسلام سے دنیوی برکتیں ہوئیں نہ بنی نوع انسان کی معاشرت اور اخلاق میں اوس سے اصلاح ہوئی۔ حق یہ ہے کہ مولانا صاحب پادریوں پر احسان کر رہے ہیں اور اون کو اسلام کی غلط برائیوں کے ظاہر کرنے اور اوس کے اصلی خوبیوں کے چھپانے میں مدد دے رہے ہیں جو سیاہی موجودہ اسلام کے چہرہ سے دور کیجاتی ہے مولویصاحب اوسے پھر لگا دیتے ہیں اور جو الزام مسلمانی مذہب سے دور کیا جاتا ہے مولانا صاحب اوسی کو پھر جما دیتے ہیں۔ پس جبکہ میرے نزدیک مولانا صاحب کا دل و دماغ ایسا ہو اور میرے دل پر اونکی تحریرات کا ایسا اثر ہوتا ہو تو اوس سے مجھے کیا ہمدردی ہوسکتی ہے۔ ہاں اونکی تحریرات سے کبھی کبھی طالبعلموں کی کج بحثیوں کا مزہ آجاتا ہے یا ضریری اور مصباح پڑھنے والونکے لفظی مباحثوں کی تفسیر آنکھونکے سامنے پھر جاتی ہے"

یہ خیالات ایک ایسے شخص کی نسبت ظاہر کئے گئے ہیں جو اس دوسری جماعت والوں کی طرح فرمودۂ خداوندی کو مسخ کرنا۔ اور اس جماعت کے دندان آز کا اسلام کو شکار بنانا نہیں چاہتا ہے اور بنظر خیر خواہی اور اخوت دینی اس جماعت کے خیالات کو رد کرکے انکو صراط مستقیم پر لانا اور اس خداوندی مقبول طریقہ کو منزل من السماء کیفیت پر باقی رکھکر عالم پر پیش کرنا چاہتا ہے۔

ملوک عظام اور سلاطین کبار کا کلام ہمیشہ مختصر اور ماقل ودل کا مصداق ہوا کرتا ہے اور جسطرح تم علمی مضامین کی مختصر مگر جامع کتابوں سے فہم مطالب میں ایک اچھے دماغ اور ایک سلیم عقل کی ضرورت تسلیم کرتے ہو اسیطرح احکم الحاکمین اور ملک الاملاک کا کلام بھی ہر کس و ناکس کی فہم سے بالا ہے قانون الٰہی جسکو ہم کلام خداوندی کہتے ہیں۔ عام۔ خاص۔ حقیقت۔ مجاز۔ مشترک۔ مرادف۔ استعارات وتشبیہات پر مشتمل ہے۔ پس جبکہ ان اقسام کے قرآن عزیز میں موجود ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا تو اس آیت من اتخذ الٰهه هواه کی مصداق جماعت فصاحت وبلاغت کے حیلوں سے مجاز و استعارات کے طور پر کھلے ہوئے معانی اپنے اپنے مواقع سے پھیر لیتے اور جس لفظ کو اونکے سامنے پیش کرو وہ اُسکے معانی اپنے فرضی اور گھڑے ہوئے اصول کے مطابق کرلیتے ہیں

(باقی آیندہ)

بعض جزئیاتِ اصلاحِ انقلابِ اُمّت

(اِصلاحِ معاملہ متعلقہ نکاح)

(سلسلہ کیلئے دیکھو القاسم نمبر ۲ جلد ۵ بابت ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۳۲ھ)

ایک کوتاہی ناکحیں میں یہہ ہے کہ منکوحہ کے مال کو دیکھتے ہیں اور یہہ درحقیقت اوس سے بھی بدتر ہے کہ منکوحہ یا اوسکے اولیا مرد کے مال کو دیکھیں۔ کیونکہ یہہ تو کسی درجہ میں اگر اسمیں غلو نہو امر معقول بھی ہے۔ کیونکہ مرد پر نفقہ و مہر عورت کا واجب ہوتا ہے۔ تو اسپر استطاعت رکھنے کو دیکھنا مضائقہ نہیں۔ بلکہ ایک قسم کی ضروری مصلحت ہے البتہ اسمیں غلو ہوجانا کہ اوسکو اور ضروری اوصاف پر ترجیح دیجائے یہہ مذموم ہے۔ لیکن عورت کے مالدار ہونے پر نظر کرنا محض اس غرض سے کہ ہم اوس سے منتفع ہونگے یا ہمپر نفقات وغیرہا کا بار کم پڑیگا۔ نری بے غیرتی اور بے حمیتی ہے۔ ؎

چو باز باش کہ صیدے کنی و لقمہ دہی ... طفیل خوارہ مشو چوں کلاغ بے پر و بال

اسکے علاوہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے۔ کہ مالدار عورت نادار مرد کو کبھی خاطر میں نہیں لاتی۔ اوسکو حقیر اور خادم سمجھتی ہے اور ناکح کے والدین کا اوسپر نظر کرنا کہ ایسی بہو کو بیاہ کر لائیں۔ کہ جہیز بہت سا لاوے اور بھی حمق ہے انکی بھی وہی مثال ہے۔ چو موش بر سر دکان روستا خورسند اول تو وہ جہیز ملک بہو کا۔ کسی کو اوس سے کیا لیکن اگر یہہ بھی سمجھا جائے۔ کہ گھر میں رہیگا تو ہمارے بھی کام آئیگا۔ اول تو وہی بے حمیتی دوسرے اگر اسکو گوارا بھی کر لیا جاوے تو اس خیال کی ناکحکو تو کسی درجہ میں گنجائش بھی ہے مگر ساس سسرے کو کیا واسطہ۔ آج صاحبزادہ صاحب اپنی

رائے سے یا بیوی کے کہنے سے جدا ہو جائیں۔ بس ساری امنگوں پر پانی پھر جاوے۔ البتہ اگر منکوحہ کے زیادہ مفلس نہونے پر ایک مصلحت کی تحصیل کیلئے اور ایک مضرت کے دفع کیلئے نظر کیجاوے تو نازیبا نہیں۔ بلکہ مناسب ہے۔ وہ منفعت تو یہہ ہے۔ کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مفلس محض میں دو امر کی کمی ہوتی ہے۔ ایک سلیقہ کی دوسری سیرچشمی کی۔ پس سلیقہ کی کمی سے اوسمیں خدمت کی لیاقت نہیں ہوتی۔ اور اس سے کلفت ہوتی ہے اور سیرچشمی کی کمی سے بعض اوقات ضروری خرچوں میں تنگی کرتی ہے جس سے بعض اہل حقوق کے حقوق بھی ضائع ہوتے ہیں۔ اور بعض مقامات پر شرمندگی بھی ہوتی ہے۔ کسی مہمان کو روٹی کم دیدی۔ کسی سائل حاجتمند کو محروم کردیا۔ تو اگر وہ بچپن سے کھانے پینے دینے دلانے کھلانے پکانے میں رہی ہوگی تو راحت اور انتظام کی زیادہ امید ہے۔ اور وہ مضرت یہ ہے کہ بعض کو دیکھا گیا ہے کہ دفعۃً مال و دولت دیکھکر آنکھیں پھٹ جاتی ہیں اور اوچھلنے لگتے ہیں۔ اور سلیقہ ہوتا نہیں۔ بس بدتمیزی سے اوسکو اڑانا شروع کردیتی ہیں۔ چنانچہ اکثر نودولتوں کو یا بخل کی بلا میں مبتلا پایا یا اسراف کی ان میں اعتدال کم ہوتا ہے۔ کیونکہ عادت نہیں تھی اموال سے منتفع ہونے کے جو اعتدال سیکھتی۔ اور اکثر کو دیکھا گیا ہے کہ خاوند کے گھر سے اوسکو محبت نہیں ہوتی۔ نقد الگ جنس الگ کبھی ظاہر میں کبھی خفیہ جس طرح بن پڑتا ہے۔ اپنے میکہ والوں کو بھرنا شروع کردیتی ہے۔ اور عمر بھر یہی نزلہ بہتا رہتا ہے اور اس سے گھر میں بیحد بے برکتی ہوتی ہے۔ مرد کماتا کماتا تھک جائے مگر وہ اڑانے سے نہیں تھکتی۔ اس لئے مناسب یہہ ہے کہ جہاں تک ہوسکے اپنے برابر والوں میں تعلق نکاح کا کرے تاکہ سب مصالح محفوظ رہیں اور یوں کیسکی طبیعت ہی خاص رنگ کی ہو۔ اوسکا ذکر نہیں ایک کوتاہی بعض قوموں میں یا بعض لوگوں میں یہہ ہے۔ کہ اکثر بہت تھوڑی عمر میں شادی کردیتے ہیں جس وقت کہ ادن متناکحین کو کچھ بھی تمیز نہیں ہوتی کہ نکاح کیا چیز ہے۔ اور اوس کے کیا حقوق ہوتے ہیں اس میں بہت سی خرابیاں نکلتی ہیں۔ بعض اوقات لڑکا نالائق نکلتا ہے۔ جس کو منکوحہ سیانی ہوکر یا اولیائے منکوحہ پسند نہیں کرتے اب فکر ہوتی ہے تفریق کی کوئی مسئلہ پوچھتا پھرتا ہے۔ کوئی بے مسئلہ پوچھے کہ

دوسری جگہہ نکاح کر دیتا ہے۔ کوئی تفریق یا خلع کی دیوانی میں درخواست کرتا ہے۔ کوئی منکوحہ کو اختیارات فسخ حاصل ہونے کی تحقیق بلکہ کوشش کرتا پھرتا ہے۔ لڑکا ہے کہ براہ سرکشی نہ اوسکے حقوق ادا کرتا ہے نہ اوسکو طلاق دیتا ہے غرض ایک بلائے بے درمان ہو گئی۔

بعض اوقات دونوں بچپن میں بچوں کی طرح ایک جگہہ کھیلتے ہیں۔ اور لڑتے ہیں جس کا اثر بعض جگہہ یہہ ہوتا ہے۔ کہ ابتدا ہی سے شوہر کی وقعت عورت کے دل میں نہیں ہوتی۔ اور اُس کی جو خرابیاں ہیں ظاہر ہیں۔ اور بعض جگہہ یہہ ہوتا ہے۔ کہ باہم تنافر و تباغض پیدا ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ ابتدا سے دونوں ساتھ رہے۔ تو شوہر کو کوئی خاص میلان کیفیت شوقیہ کے ساتھ بھی اوسکی طرف نہیں ہوتا۔ جیسا کہ بلوغ کے بعد نئی منکوحہ کے ملنے سے ہونا متوقع و مظنون ہے اور اِس قلت میلان کا ثمرہ بھی ہر طرح بُرا ہی بُرا ہے۔

اور اس سے اقبح و اشنع یہہ ہے کہ جسکا ارتکاب بعض حمقا (محض اپنی خاندانی مصلحتوں سے قطع نظر زوجین کے مصالح سے) کرتے ہیں کہ لڑکا چھوٹا اور لڑکی بہت بڑی اب لڑکی تو پہلے جوان ہو گئی اور لڑکا ابھی چوں چوں کا بچہ ہی ہے۔ بلکہ کہیں اتنا تفاوت ہے کہ لڑکا اُسکی گود کے کھلانے کے لائق ہے۔ ان بے عقلوں نے یہہ تو دیکھ لیا کہ آپس میں رشتہ ہو جائے آگے کو بھائی بہن کی اولاد میں تعلق و ارتباط رہے۔ مگر یہہ نہ دیکھا۔ کہ ان سب تعلقات اور ارتباطات کی اصل بنیاد زوجین کا توافق ہے۔ اور اوس صورت میں خود اوسی کی امید نہیں۔ چنانچہ ایسے مواقع پر دیکھا گیا ہے کہ لڑکی میں جوانی کا تقاضا پیدا ہو گیا۔ اور لڑکا کسی قابل ہی نہیں۔ پس یا تو وہ اور کسی سے خراب و خستہ ہو گئی۔ اور یا گھٹ گھٹ کر مدقوق ہو گئی۔ اور پھر وہ اگر جوان بھی ہوا۔ تو اوسکے جوڑ کا نہیں۔ ابتدائی تنافر کا اثر موجود۔ الفت اور اوس سے بڑھکر ناکح کی وقعت مفقود۔ بعض جگہہ کم سنی میں نکاح کر دینے میں یہ ہوا ہے۔ کہ بعد جوانی وہ لڑکی اوس لڑکے کو پسند نہیں آتی۔ وہ اپنے لئے کہیں اور تلاش کر لیتا ہے۔ اور اسکی نہ خبر گیری کرتا ہے۔ نہ طلاق دیتا ہے۔ خبر گیری کی نسبت تو عذر کر دیتا کہ مجھکو خبر ہی نہیں کہ میرا نکاح کب ہوا۔ جنھوں نے کیا وہ ذمہ دار ہیں اور طلاق دینے سے

کیا ان خرابیوں سے بچنے کی کوشش کرنا ضرور نہیں۔ جسکا سیدھا طریقہ یہی ہے کہ بعد بلوغ اور درستی ہوش وعقل کے نکاح کیا جاوے۔ تاکہ جسکا معاملہ ہے وہ تو اوس کو سمجھ لے۔

(باقی آیندہ انشاء اللہ تعالی)

ہمارے طلبہ کی سحری

دارالعلوم دیوبند میں گو رمضان المبارک میں تعطیل ہوتی ہے تاہم سو ڈیڑھ سو طلبہ کا مجمع رمضان المبارک میں بھی موجود رہتا ہے نہایت افسوس ہے کہ ابتک سحری کا کوئی مناسب انتظام دارالعلوم میں نہیں ہے امسال چونکہ عام طور پر طلبہ کی مد کا چندہ کمی پر ہے اسلئے اور زیادہ اندیشہ ہے مگر خدا تعالی پر نظر ہے وہ ہی اس دینی کارخانہ کا مالک ہے وہ ہی غیب سے کوئی سامان ایسا فرما دیگا کہ شوال میں امتحان داخلہ سے قبل خدام دارالعلوم کو اطمینان نصیب ہوجائے اور وہ دل کھولکر لائق طلبہ کو داخل کریں۔ ارباب دولت وتجارت کو خصوصیت کے ساتھ اس نازک زمانہ میں اس مہمانخانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف خاص توجہ فرمانے کی ضرورت ہے۔ ایسا نہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان آئیں اور آپکے دارالعلوم سے سرمایہ نہونیکی وجہ سے واپس جاویں۔ جو طریق بھی کسیکی خیال میں آئے سعی میں دریغ نفرمایا جاوے وما علینا الا البلاغ۔

اسوقت یہ درخواست ہے کہ اگر کچھ حضرات اہل خیر اسطرف توجہ فرمائیں تو طلبہ موجودین کی سحری کے فکر سے اطمینان نصیب ہو ابتک یہ قاعدہ ہے کہ سحری کیلئے روٹی اور معمولی گوشت اور کچھ خشکہ پھیکا دیا جاتا ہے دل یوں چاہتا ہے کہ بجائے خشکہ میٹھے چاول تقسیم ہوں کہ طلبہ کی عزت بھی ہو اونکو راحت بھی ملے آخر رمضان المبارک میں ہر شخص کا دل اچھا کھانا کھانیکو چاہتا ہے یہ بھی تو خدا کے بندے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے مہمان ہیں کیا انکی مدارات کی ضرورت نہیں ہے رمضان المبارک کی تو یہ شان ہے کہ اس ماہ مبارک میں مومن کا رزق بڑھجاتا ہے اہل خیر ضرور توجہ فرمائیں۔

چاول۔ شکر۔ گھی کی ضرورت ہے اور بس امید کہ یہ درخواست رائگاں نجائے گی۔

یا قومنا اجیبوا داعی اللہ

خاکسار معتمد للمدیر

کتب ذیل دفتر القاسم و الرشید میں فروخت کیلئے موجود ہیں

اور جناب مولانا مولوی محمد علی صاحب مونگیری دام مجدہم نے القاسم و الرشید کی امداد کیلئے عطا فرمائی ہیں

پیغام محمدی	یعنی جواب پیغام نامہ پادری صفدر علی صاحب ذ جواب تیسرا ضرورت قرآن پادری ٹھاکر داس صاحب جسمیں نہایت عمدگی تحقیق سے مقدس مذہب اسلام کی ضرورت اور دین عیسوی کی اصلی حقیقت مولانا ممدوح نے ثابت فرمائی ہے قیمت ۶
دفع التلبیسات	مولانا ممدوح کی تصنیف ہے جسمیں پادری عماد الدین صاحب کے رسالہ تلبیسات کا جواب شافی دیکر نبوت حضرت سرور انبیا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قوی دلائل سے ثابت کیا ہے اور انجیل مروجہ کا غیر الہامی اور غیر مستند ہونا اظہر من الشمس کر دیا ہے ۹
صحیفہ رحمانیہ نمبر ۵	مولفہ مولانا مولوی ابوالخیر محمد انور حسین صاحب پروفیسر ڈی کالج مونگیر۔ اسمیں قرآن مجید سے اور نیز مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے بیان کردہ معنی کی رو سے حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات جسمانی اور رفع آسمانی کا ثبوت مدلل دیکر مرزا صاحب کی نبوت اور مسیحیت کے ثبوت کا مطالبہ کیا گیا ہے قیمت ۲ر
صحیفہ رحمانیہ نمبر ۶	مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کو اونہیں کے اقوال سے ثابت کرکے اسکا ابطال اچھی طرح کر دیا ہے قیمت ۲ر۔ **نوٹ**۔ ہر چہار کتب مندرجہ بالا کی قیمت علاوہ محصول ڈاک ہے۔

خاکسار سراج احمد عفی عنہ معتمد المدیر القاسم و الرشید دار العلوم دیوبند ضلع سہارنپور

مفید عام اور مذہبی کتابیں

ان کتابوں کا ہر مسلمان کے پاس ہونا انکی دینی اور دنیوی فلاح کا باعث ہے ان کتابوں کو پاس رکھکر ایک مسلمان اپنے گرد دنیا میں ہر کر نہایت قابل سنجیدہ اور راسخ دین اپنے سعاملات اور تعلقات کو پورا سمجھدار بن سکتا ہے۔ غربا اور ضرورتمندوں کو مفت تقسیم کرنا ان کتابوں کا خصوصاً اس ماہ مبارک میں اجر عظیم کا باعث ہے۔

خط امام غزالی رح مترجم

اس کتاب میں امام صاحب نے اپنی بڑی بڑی کتابوں کا لب لباب بھر دیا ہے نہایت عمدہ دبیز کاغذ پر ۳۲ صفحہ پر طبع ہوا ہے قیمت ار مفت تقسیم کرنیوالوں کو ۳۰ نسخہ ایک روپیہ میں روانہ ہونگے محصول علاوہ اور تین آنہ کے ٹکٹ آنے پر تین نسخہ آپکے پاس بھیج جائینگے جلد طلب فرمائیے۔

الاسلام

یہ کتاب اردو میں اپنے طرز ادا میں نہایت موثر اور بے مثل ہے اس کے مصنف مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مدرس دار العلوم نے توحید و رسالت کے وہ ادلہ بیان فرمائے ہیں کہ اردو دنیا کا سر آجتک محروم تھا کاغذ چھپائی سب اعلیٰ قیمت ۴ر لیکن صرف رمضان المبارک میں ۳ر مفت تقسیم کرنیکے لئے ایک روپیہ کے سات نسخہ علاوہ محصول

ہدیۃ الوحید (فی) علم التجوید

علم قرأۃ و تجوید میں اردو زبان کا نہایت سہل اور مفید رسالہ جسکو ہر شخص بآسانی سمجھ کر قرآن پاک کی تلاوت با قاعدہ کر سکتا ہے دار العلوم دیوبند کے مدرس اول جناب مولانا قاری محمد عبد الوحید صاحب کی تالیف ہے قیمت ۳ر صرف رمضان المبارک میں ۲ر اور ایک روپیہ کے ... آنہ نسخے مفت تقسیم کرنیوالوں کو محصول ذمہ خریدار

قواعد وضوابط رسالہ القاسم

۱ = یہ رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے اور کسی ماہ کا رسالہ تبیس ۳۲ صفحے سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھجاتا ہے۔

۲ = یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوتا ہے اور عام قیمت سالانہ مع محصول دو روپیہ آٹھ آنہ (عـہ) پیشگی لیجاتی ہے۔ ممالک غیر سے صرف اُسیقدر زیادہ لیا جائیگا۔ جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے۔

۳ = جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچروپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائینگے وہ رسالہ کے معاونین خاص میں شمار ہونگے۔ اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہیگی۔

۴ = سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے جملہ حضرات کی خدمت میں شروع کا (یا خریدار کا جب سال شروع ہوا ہوگا) پہلا پرچہ ویلو بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کرکے عـہ کا ویلو روانہ ہوگا۔

۵ = یہ رسالہ ہرگز کبھی کسی صاحب کی خدمتمیں بلا طلب و تحریک ویلو نہیں روانہ کیا جاتا۔ بعض حضرات خود طلب فرماتے ہیں اور بعض حضرات اپنے اعتماد پر دوسروں کی خدمت میں ویلو بھیجنے کی فرمایش کرتے ہیں۔

۶ = شعبان ۱۳۳۳ھ مطابق جولائی ۱۹۱۵ء سے اس رسالہ کا چھٹا سال شروع ہوا ہے پہلے پانچ سالوں کی مکمل جلدیں موجود ہیں قیمت ہر جلد کی عـہ مع محصولڈاک ہے۔

۷ = نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں اونکے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کئے جائینگے جو اصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں۔

۸ = القاسم کے متعلق جملہ تحریرات و ترسیل زر بنام حضرت مدیر یا بنام خاکسار ہونی چاہیئے۔

المشتہر

خاکسار سراج احمد عفی عنہ معتمد المدیر رسالہ القاسم مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی ماہوار رسالہ

جلد ۶ | بابت ماہ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ | نمبر ۲

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

مطبع قاسمی دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھپوایا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۳۳ھ

---:(مطابق ماہ اگست سنہ ۱۹۱۵ء):---

جو حضرت مولانا محمود حسن صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

---:(اور):---

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی مین

---:(شائع ہوتا ہے):---

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تشریح واقعۂ دیوبند

عطائے اعزاز کی حقیقت

اِس تحریر میں ہمارا روئے سخن اوس مستورالاسم حقیقت نگار کی طرف ہے جس نے اپنے قلبی بخارات کی ہیجان یا آجکل کی عام اور نمایشی پولیٹکل حرّیت کے غرور سے مغلوب ہوکر۔ اخبار زمیندار کے اوراق میں۔ زیرعنوان بالا۔ ہمدرد کے ایک افتاحیہ (لیڈنگ آرٹیکل) کی تردید کا عقلی اور اخلاقی فرض ادا کیا ہے۔

اور گو بظاہر خاص ہم سے اوسمیں خطاب نہو۔ لیکن چونکہ حقیقت نگار کے فرایض عقلی و اخلاقی میں "ہر واقعہ کا اوسکی حقیقت اور اصلیت کے ساتھ قبول کرنا" اور ہمارے فرایض مذہبی میں۔ (بقاعدۂ النصح لکل مسلم) کسی واقعہ کی صحیح صحیح اصلیت کو واضح کر کے۔ اسطرح کے طالبان حقیقت کو (جنکا وجود بدقسمتی سے آجکل بہت ہی شاذ ہے) اونکے پاک مقصد میں امداد دینا ہے۔ اسلئے فی الحال اِن چند سطروں کے لکھنے کی ہم نے ضرورت سمجھی۔ جس میں اگر پھر مناسب معلوم ہوا تو اور بھی اضافہ کیا جا سکیگا۔

باوجودیکہ زمیندار کا یہ پرچہ ہمکو بہت تلاش کے بعد پرسوں دستیاب ہوسکا۔ مگر تاہم غنیمت سمجھنا چاہیئے کہ ۱۲ر جون کے ہمدرد کی تصحیح جبکہ ۱۳ر جولائی کے زمیندار میں پورے ایک مہینہ کے

بعد شائع ہوئی تو ہم آج اوس سے تقریباً نصف عرصہ میں۔ زمیندار کے مضمون پر ایک راستبازانہ تنقید لکھکر پریس کو روانہ کر رہے ہیں۔

اگرچہ ضرورتیں اور مجبوریاں بہت سے محظورات کو مباح بنا دیتی ہیں جن میں سے ہی ایک یہ مضمون ہے جو میں چھپنے کے واسطے بھیج رہا ہوں۔ لیکن فی الواقع ہمکو سخت افسوس ہے، کہ ہمیں اپنے بہت سے مشاغل عزیز ترک کر کے ایک ایسی بے مزا۔ ناگوار اور غیر سود مند بحث میں آنا پڑا جو اس عام اتفاق کی لہر اور اخوۃ اسلامیہ کی رسی کو مضبوط کرنے کے زمانہ میں نہایت ہی نامبارک ہے۔ مگر جسمیں دخل دینے پر ہمکو حقیقت نگار کی پر زور جنبش قلم نے مجبور کر دیا ہے حالانکہ اس قسم کے سوال وجواب میں ہمیشہ دنبالۂ کلام کا دراز ہونا قدرتی ہے (چنانچہ ہمدرد کی ۱۵۔۲۰ سطروں کے مقابلہ میں زمیندار کو اپنے چار سے زیادہ ایڈیٹوریل کالم نذر کرنے پڑے) اسپر بھی۔ میں اپنی اس تحریر میں۔ اس خیال سے کہ "جماعت اسلام کے درمیان ایسے تلخ کام معلومات کی تکرار جسقدر بھی کم ہو۔ اچھا ہے"۔ ایجاز واختصار کے پہلو کو ہاتھ سے دینا پسند نہیں کرونگا۔

سب سے پہلے مناسب ہے، کہ ہم ہمدرد کی تحریر کا خلاصہ۔ خود حقیقت نگار کے الفاظ میں بیان کر دیں جو یہ ہیں:۔

(۱) "جس طرح سر آمد خدام ہند۔ شیخ الاحرار۔ قبلۂ فداکاراں و سرفروشان عصر۔ مسٹر گاندھی کو (با اینہمہ ملت پرستی و حریت کاری) خطاب کا ملنا تعجب انگیز ہے۔ ایسا ہی یہ واقعہ بھی تعجب انگیز ہے کہ مولانا محمد احمد صاحب (مہتمم دار العلوم دیوبند) کو (شمس العلماء) کا خطاب ملا۔

(۲) عام طور پر آج تک جو طرز عمل عطائے خطابات ومناصب میں رہا ہے (یعنی بالعموم اون لوگونکو خطاب دینا جو مقاصد عالیہ کیلئے سراپا علناً خدمات انجام دیچکے ہوں یا اون سے اسطرح کے خدمات متوقع ہوں) اوس کے لحاظ سے مولانا موصوف کو شمس العلماء بنانا تعجب انگیز یا اقلاً خلاف توقع ہے

(۳) اسلئے کہ مولانا کی آزاد شخصیت اور بے باکانہ صداقت۔ جلسہ سہارنپور میں ظاہر ہوچکی ہے۔

(۴) مولانا کی اعلیٰ شخصیت کو نہ کبھی پہلے خطاب کی ضرورت تھی۔ اور نہ (خدانخواستہ) کبھی ہو۔

ـ۵ بآب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روئے زیبارا۔"

امور مذکورہ بالا میں سے امر اول پر نظر ڈالتے ہوئے۔ حقیقت نگار موصوف کا پیمانۂ جوش چھلک پڑا۔ اور اونہوں نے سخت نعل در آتش ہوکر ایڈیٹر ہمدرد سے یہ مؤاخذہ کیا ہے کہ "مشہور وطن پرست مسٹر گاندھی۔ اور مدرسہ دیوبند کے تنخواہ دار مہتمم مولانا احمد صاحب دونوں کو ایک صف میں کھڑا کرنیکا آپ کو کیا استحقاق تھا۔ جبکہ مؤخر الذکر کو کسی قسم کے ایثار قومی اور فداکاری کے دکھلانے کا موقعہ نہیں ملا۔ اور برخلاف اسکے مسٹر گاندھی نے جو کچھ کیا وہ تاریخ صداقت و وطن پرستی میں محفوظ ہے"۔

بلا شبہ حقیقت نگار موصوف کیطرح ہمارے لئے بھی اس امر کا احساس سخت تکلیف دہ ہے کہ ایک شیر بیشۂ مذہب۔ اور ایک آزاد پولیٹکل پہلوان کو ایک دنگل میں اوتار دیا جائے۔ یا کسی سادہ اور روشن ضمیر خدا پرست کو۔ کسی معروف و مصطلح وطن پرست کی صف سیاست میں لاکر کھڑا کردیا جائے۔ کیونکہ۔

صلاحِ کار کجا و منِ خراب کجا ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

چہ نسبت است برندی۔ صلاح و تقویٰ را سماعِ وعظ کجا۔ نغمۂ رباب کجا

لیکن ہم جانتے ہیں کہ فی الحقیقۃ معزز ایڈیٹر ہمدرد پر کسی ایسی صف آرائی کا الزام رکھنا محض بے بنیاد ہے جسمیں مسٹر گاندھی اور مولانا احمد صاحب کو دوش بدوش کھڑا کیا گیا ہو۔

ہمدرد کے ان الفاظ سے کہ "دیوبند کے ایک سیدھے سادے غیر شہرت پسند بزرگ (مہتمم دار العلوم الاسلامیۃ) کو بے مانگے شمس العلماء کا خطاب ملنا ایسا ہی خلاف توقع اور غیر مترقب جیسا کہ مسٹر گاندھی کی جنوبی افریقہ کی خدمات کا صلہ ہندوستان میں بصورت خطاب دیا جانا" میں نہیں سمجھتا کہ کس منطق کی بناء پر دونوں کے کارناموں کی مساوات اور اونکے پوزیشنوں کے عدم امتیاز کا نتیجہ نکال لیا گیا۔ ہمدرد خود دونوں کے خدمات کی طرف اشارہ کرکے ہر ایک کی نوعیت کو اپنے مختصر جملوں میں واضح کر رہا ہے۔ لیکن آپ ہیں کہ نہیں دیکھتے اور نہیں سنتے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ دار العلوم دیوبند (جسکے اہتمام کی ذمہ داری مولانا احمد صاحب کو لوگوں نے

ممتاز بناتی ہے) کوئی معمولی مکتب یا انجمن نہیں ہے۔ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی سب سے بڑی مذہبی یادگار ہے۔ جسکے بانی۔ جسکے فیضیاب طلبہ۔ جسکے مدرسین۔ جسکا نصاب تعلیم اور جسکا سارا اسٹاف خالص مذہب کی روح اپنے اندر رکھتا ہے۔ اوس نے ہمیشہ اپنی خاموش۔ پُرامن۔ بے ضرر مگر پائدار ناممکن التبدیل اور نہایت ہی غیر متزلزل رفتار میں مذہب کی تعلیم کو عام کیا۔ اور سچے اسلامی جذبات کو عوام و خواص اور مشرق و مغرب تک پہنچایا۔

وہ اپنی آواز پر کان دھرنے والوں کو۔ اوسوقت بھی جبکہ "ہندوستان میں مسلمانوں کے بڑے بھاری لیڈر کانگریس کے مقاصد میں شرکت کرنے کو حماقت اور گمراہی سمجھتے تھے" اور جبکہ "قرآن کریم میں سے بہت ساری گرمجوش آیات کو لفظاً یا معنیً نکالڈالنے کا مسودہ پیش ہورہا تھا" اوسی قرآن اور اوسی دفتر احادیث کے تمام ابواب کی۔ بےکم وکاست اور آزادانہ تعلیم دیرہا تھا جسکی آج اس زمانہ میں دے رہا ہے جبکہ مسلم لیگ اور کانگریس کو مدغم کئے جانیکی کوشش ہے۔ اور جبکہ پُرجوش جذبات کی نمایش کرنے والے اُن ہی مولویوں کو جنکو وہ دس بیس سال پہلے مذہبی مجنوں۔ دیوانہ۔ ناعاقبت اندیش۔ کہا کرتے تھے۔ اب نہایت کمزور۔ بزدل اور مصلحت ساز خوشامدی بتلاتے ہیں۔

انقلاب لیل و نہار کو دیکھو۔ اور بغور دیکھو کہ۔ ایک وہ حالت تھی جبکہ دارالعلوم کی تعلیم کو مفویانہ۔ اور برہم زن امن واماں اور مفسد ملک و ملت سمجھا جاتا تھا۔ یہانتک کہ ایک مطبوعہ اشتہار میں "قابل غور گورنمنٹ" کے عنوان سے یہ ثابت کرنیکی کوشش کی گئی تھی کہ "سرحد کابل اور دوسری جگہ کے مسلمان۔ جہاں کہیں نصاریٰ سے جنگ کرتے ہیں۔ اون سب کی اسٹیم دیوبند کا مدرسہ تیار کررہا ہے" اور آج ایک یہ کیفیت ہے کہ اون ہی اسٹیم تیار کرنیوالوں کو (درآنحالیکہ ہم ثابت کرینگے کہ وہ ابھی تک اپنے اکابر سلف کے قدم بقدم چل رہے ہیں) خوشامدی اور دین فروش یا اسکا مرادف قرار دیا جارہا ہے۔

لیکن آپ خوب یاد رکھیں۔ کہ جسطرح دارالعلوم کے ارکان کے قدم بحمداللہ مقدم الذکر حملوں سے نہیں ڈگمگائے۔ اسی طرح ان دوسری قسم کے جھٹکوں سے بھی کوئی وجہ نہیں کہ وہ لڑکھڑا کر گر پڑیں۔

عنقا شکار کس نشود۔ دام باز چین کانجا ہمیشہ باد بدستست دام را

جو لوگ دارالعلوم کی اندرونی تاریخ سے ذرا گہری واقفیت رکھتے ہیں اونکو یہ بخوبی معلوم ہے۔

کہ پچھلے زمانہ میں مختلف مذاق کے لوگوں نے کس کس طرح دارالعلوم کو قوم میں بدنام کرنے یا اوسکی جانب سے گورنمنٹ کو بدگمان بنانے کی ہلاکت انگیز کوششوں کا جال پھیلایا۔ اور باوجود اسکے مولانا محمد احمد صاحب کی زبردست شخصیت نے دارالعلوم کی پرانی پالیسی کو تھامے رکھنے میں (جو ایک ذمہ دار اور بیدار مہتمم کا سب سے بڑا فریضہ ہے) اپنی کیسی اولوالعزمی۔ جانفشانی اور تحمل صدمات و مصائب کا ثبوت دیا۔ اور کس تدبر اور ہوشمندی کے ساتھ مدرسہ کے کل پرزوں کو باہم مربوط رکھکر۔ اوس فیض تعلیم و ترویج دین الٰہی کو بیش از بیش جدوجہد کے ساتھ شائع کیا جو مدرسہ کے بانیوں نے اوس سے ارادہ کیا تھا۔

جن حالات کا اخبار کے چھپے ہوئے کالموں میں ضبط ہونا دشوار ہے۔ اگر آپ انپر اطلاع حاصل کریں تو آپ کو منکشف ہو جائے کہ دارالعلوم یا مولانا احمد صاحب کے متعلق جو کچھ آپ رجماً بالغیب لکھ رہے ہیں۔ اوسمیں واقعیت کا کتنا حصہ شامل ہے۔

خواہی کہ روشنت شود احوال سر عشق   از شمع پرس قصہ ز باد صبا مپرس

میں تسلیم کرتا ہوں کہ "مولانا احمد صاحب نے مسٹر گاندھی کی سی فداکاری۔ وطن پرستی اور ایثار کا کوئی ثبوت نہیں دیا۔ لیکن میرے نزدیک یہ مولانا کی تنقیص نہیں بلکہ تعریف ہے کہ وہ مدرسہ کے قدیم پیشرووں کی طرح ان الفاظ کے جدید اصطلاحی معنوں سے اب تک ناآشنا رہے۔

مہتمم مدرسہ ہو کر مشاہرہ چھوڑ دینا۔ (جو شاید آپکے نزدیک ایثار کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ اور جس سے عجب نہیں کہ تاریخ۔ معاوضہ لینے والے خلفاء راشدین کو بھی محروم کر دے) بیشک اوسکی ہدایت اہتمام مدرسہ کے پچاس سالہ پر از یمن و برکت عہد نے مولانا احمد صاحب کو نہ کی۔ لیکن شاید آپ کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب قبلہ نے چند ماہ سے تنخواہ ترک فرما کر ایک اسوۂ حسنہ کی جو بنیاد مسلمانوں میں قائم کی ہے۔ وہ مولانا احمد صاحب کے آٹھ دس سال تک کے اوس متفقہ مشورہ کے بعد قائم ہوئی ہے۔ جسکی پہلی کڑی تو حضرت قبلہ مولانا محمود حسن صاحب کا ۳۵ سال سے برابر امداد کرتے رہنے کے بعد۔ مشاہرہ سے علحدہ ہونا ہے۔ اور دوسری اسی کی مانند وہ ہوگی جسپر جلد عمل کرنیکی فکر میں مولانا محمد احمد صاحب لگے ہوئے ہیں (اگرچہ مجھے یہ علم نہیں کہ ایسا کرنے کے بعد آیا مولانا احمد صاحب مہمانان مدرسہ کی ضیافتوں کا خرچ جو تقریباً تیس چالیس روپیہ ماہوار سے کم نہیں۔ اور جسکا کوئی معاوضہ

مولانا کو مریدانہ نذرانوں کی صورت میں بھی نہیں ملتا۔ اپنے ہی ذمہ رہنے دینگے۔ یا کیا۔)

اس موقعہ پر یہ واضح رہنا چاہئے۔ کہ حیدرآباد کے منصب کو مدرسہ کے اہتمام سے کوئی تعلق نہیں اور حقیقت نگار کے ان غلط فہمی پیدا کرنے والے الفاظ کے جواب میں کہ " وہ حیدرآباد سے بصلۂ تعلق مدرسہ وظیفہ پاتے ہیں" غالباً اس واقعہ کا ذکر کردینا کافی ہوگا کہ فاضل نبیل و وارث آفتاب ہند مولانا حافظ محمد احمد صاحب ممدوح ۱۳۰۸ھ سے حیدرآباد کے منصبدار ہیں۔ حالانکہ وہ مہتمم ۱۳۱۳ھ میں بنائے گئے۔ پھر اسکے بعد اگر منصب میں کوئی ترقی ہوئی تو اوسکو بھی کیوں اوسی قسم کے ذرائع سے منسوب نہ سمجھا جائے جو اصل منصب کے تقرر کا باعث ہوئے تھے۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ مولانا صاحب کے مساعی جمیلہ کے بدولت۔ مدرسہ کا چندہ حیدرآباد سے سو روپیہ کی بجائے پانچسو ہوگیا۔ وسیصیر مضاعفا انشاء اللہ العزیز

حقیقت نگار کی اس بیخبری پر جیسا کہ ہمکو افسوس ہے۔ ایسے ہی اوسکی یہ خفیف معیاری بھی قابل صدہزار تعجب ہے کہ " اگر مولانا احمد صاحب تنخواہ ترک کردیتے تو خیر آپ مسٹر گاندھی اور گوکھلے کی جگہ حضرت جنید و شبلی کی صف بھی آراستہ کرلیتے تو ہمیں کوئی عذر نہ تھا"

میں پوچھتا ہوں کہ کیا سچ مچ آپکے نزدیک۔ گاندھی اور گوکھلے کی پوزیشن تو ایسی گران قیمت ہے کہ مولانا احمد صاحب کو اونکی صف میں کھڑا کرنا آپ کو غضبناک بنائے دیتا ہے۔ لیکن جنید اور شبلی کے کمالات و مقامات کی قدر و قیمت صرف اتنی ہی ہے کہ پچاس ساٹھ روپیہ ماہوار کی آمدنی سے دست بردار ہونیوالا۔ اونکے مسند زہد و فقر پر قدم رکھنے کا مستحق ہوجاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ

مشکل عشق نہ در حوصلۂ دانش ماست حل ایں نکتہ بدیں فکر خطا نتواں کرد

اصل یہ ہے کہ فضائل و مناقب کی لائنوں کو آپنے پوری طرح سمجھا ہی نہیں۔ ورنہ آپ ہر ایک کو اوسکی صنف کمال کی لائن میں کھڑا کرنیکے خواہشمند ہوتے۔

دیکھو۔ صحابہ کرام میں بحمد اللہ ایک سے ایک اعلیٰ افراد موجود تھے۔ لیکن زہد و فقر میں۔ ابوذر کو۔ امانت میں ابو عبیدہ کو۔ اتباع سنت میں ابن عمر کو۔ تفقہ دینی میں ابن مسعود کو۔ تاویل و تفسیر میں ابن عباس کو۔ رحمت میں صدیق اکبر کو۔ صلابۃ و شدۃ فی الدین میں فاروق اعظم کو۔ حیاء میں عثمان غنی کو اور فصل قضایا میں حضرت علی کو امام طائفہ سمجھا گیا۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین و رضوا عنہ)

پس اگر فرض کرلو کہ مولانا احمد صاحب میں آپ کا فرضی ایثار یا جذبۂ وطن پرستی نہیں پایا جاتا۔ تو کیا

اون کے اُون تمام مناقب سے بھی چشم پوشی کی جاسکتی ہے جنہیں وہ ممتاز ہیں اور جنکے چمکتے ہوئے آثار ہندوستان کے اسلامی سوسائٹی کے واحد مرکز (دارالعلوم دیوبند) کی پچھلی بست سالہ تاریخ میں محفوظ ہوچکے ہیں۔

(۲) امر دوم کی نسبت ہم حقیقۃ نگار موصوف سے اسقدر دریافت کرنیکی اجازت چاہتے ہیں۔ کہ عطار خطابات کے بارہ میں۔ گورنمنٹ کا جو طرز عمل آج تک آپنے بتلایا ہے (یعنی بالعموم اون لوگونکو خطاب دینا جو مقاصد عالیہ کیلئے سرّاً یا علاناً خدمات انجام دے چکے ہوں یا اونسے اسطرح کی خدمات متوقع ہوں) اگرچہ اسمیں آپنے مقاصد عالیہ کے لفظ کی کچھ تشریح نہیں فرمائی۔ اور غالباً اسوقت آپ کے جذبہ حرّیت و سرفروشی پر مصلحت اندیشی غالب آگئی۔ لیکن بہرکیف اگر یہ واقعی ہے تو حضرت مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالحق صاحب خیرآبادی مرحوم (جنکو خطاب دئے جانیکا آپ بھی اقرار کرتے ہیں) اس عام کلیہ کے تحت میں داخل تھے یا نہیں۔ اور جن استحقاقات کی بناء پر آپکے نزدیک یہ خلعتِ عظمت مستحقین محترمین کے دوش خدمت پر راست آتا ہے۔ اوسکے لحاظ سے ان دونوں بزرگواروں کو خطاب دیا جانا۔ تعجب انگیز اور خلاف توقع تھا یا نہیں۔ اگر تھا تو اسپر کیا تعجب ہے کہ گورنمنٹ آپ کے نزدیک جو غلطی دو دفعہ کرچکی ہے۔ وہی اوسنے تیسری دفعہ مولانا محمد احمد صاحب کے معاملہ میں بھی کی۔

آپنے بہت زور لگاکر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ " مولانا احمد صاحب کو خطاب کا دیاجانا۔ سر جیمس میسٹن کے دیوبند تشریف لانے کے ساتھ وابستہ ہے "

ممکن ہے کہ ایسا ہو۔ لیکن مولانا محمد احمد صاحب کو ۱۹۰۵ء میں سر جیمس لاٹوس کی تشریف آوری سے چونکہ یہ تجربہ ہوچکا تھا کہ " کسی لفٹننٹ گورنر کا دیوبند میں آنا۔ خطاب ملنے کا مرادف نہیں ہے " اسلئے مولانا کا اس قسم کے خیال اور نیت سے خالی الذہن رہنا ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔

۸ر جنوری ۱۹۰۵ء کو آپ ہی کے الفاظ میں " دارالعلماء و المتوکلین میں (سر جیمس لاٹوس کا) نزول جلال۔ مولانا احمد صاحب کی سرگرمی۔ درمیانی حضرات کی جدوجہد۔ اور اوسکے تمام کلیات و جزئیات کا مرقع۔ مدرسے کے اندر عقیدت مندانہ انتظامات۔ دو رویہ جھنڈیوں کا تسلسل۔ وارِدین وزائرین کا

متحدۃ الرجال۔ اور عرض نیاز کی عقیدت کیشی۔ یا جواب لطف کی پذیرائی۔ وغیرہ وغیرہ جو کچھ دیکھا گیا وہ اوس سے ہرگز کم نہ تھا۔ جو آپنے اور آپ کے زہری اور سالم وغیرہ نے یکم مارچ ۱۹۰۵ء کو دیکھا۔ مگر حیرت ہے کہ اوسوقت سے آج تک نہ تو کسی نے اوسپر کوئی نکتہ چینی کی اور نہ کوئی پیشین گوئی۔

اور اگر آپ اپنے زہری اور سالم سے دریافت کرینگے تو شاید یہ انکشاف بھی آپ کیلئے مشکل نہ ہوگا کہ ۱۹۰۵ء میں جو کچھ پیش آیا اوس میں سب سے زیادہ قطب الوقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ کا دست کرامت کام کر رہا تھا۔ اور اس سے بھی کیلکر حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور آپکے زہری و سالم سب اوسکے نظم و نسق میں حصہ دار تھے۔

ایسی نظیر پیش آچکنے کے بعد مولانا احمد صاحب کو کیا حق تھا کہ وہ اپنے کو اپنے شیخ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی زیادہ متقی اور دیندار ثابت کرتے۔ اور اگر وہ ثابت بھی کرتے تو کون مانتا۔

حقیقت نگار موصوف ایڈیٹر ہمدرد سے (باوجودیکہ ایڈیٹر موصوف خود شریک جلسہ تھے) فرماتے ہیں کہ "جن لوگوں نے یکم مارچ کے جلسکی کیفیت ملاحظہ کی تھی اونہوں نے یکم مارچ کی صبح کو ہی وہ سب کچھ دیکھ لیا تھا جو آپ نے یکم جون کو دیکھا"۔ لیکن میں بہت زیادہ خوش ہوتا اگر آپ یوں فرماتے کہ "دیکھنے والے ۱۹۰۵ء کے شروع میں ہی وہ سب کچھ دیکھ چکے تھے جو اوروں نے ۱۹۰۵ء کے وسط میں دیکھا"۔

بلکہ اس سے بھی زیادہ اگر دوربینی سے کام لیا جائے تو یوں کہا جائے کہ مولانا احمد صاحب کے اس فعل کی داغ بیل مہتمم سابق حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں لگا چکے تھے۔ جبکہ اون کے عہد میں آرڈن صاحب کلکٹر سہارنپور مدرسہ میں مدعو کئے گئے۔ اور خاص صدر مدرس صاحب کی درس گاہ حدیث میں اون کی نشست کی جگہ اونکی کرسی اور میز لگائی گئی۔ سپاسنامہ پیش ہوا۔ اور مہتمم صاحب مع ممبران مدرسہ مؤدب کھڑے رہے۔ یہ زمانہ تھا کہ جناب مولانا محمد احمد صاحب صرف ابتدائی درجہ کے مدرس تھے۔ اور اونکو کسی انتظام و اہتمام میں دخل نہ تھا۔ (گو نتیجۃً یہ سارا سبق اون ہی کو پڑھایا جا رہا تھا)

حضرت مولانا محمد قاسم قدس سرہ کے عہد مبارک میں لفٹننٹ گورنر کے سیکرٹری صاحب کا مدرسہ میں تشریف لانا۔ اونکے معائنہ کا ترجمہ بعنوان "بشارت" مدرسکی جانب سے طبع ہونا۔ اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا اوسپر اظہار مسرت فرمانا۔ یہ سب امور مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے آچکے

۵ے جنکو گرایاں ثقات ...

اور مطبوع ہو کر پبلک میں مشتہر ہو چکے۔ پھر دار العلوم میں جن باتوں کی شال حضرت مولانا محمد قاسم حضرت مولانا رشید احمد، حضرت مولانا رفیع الدین، حضرت مولانا محمد یعقوب قدس اللہ اسرارہم۔ یہ سب حضرات قائم کر چکے۔ آج اوسی قسم کے واقعات سے مولانا حافظ محمد احمد صاحب کو کیوں مطعون اور ملام ٹھیرایا جا سکتا ہے۔ اور کیوں اِن مقدس لوگوں کو تکلیف دیجاتی ہے کہ وہ اپنے اپنے مزاروں سے تشریف لاکر اپنے خلف رشید کا اور اپنی باقیات صالحات کا حال دیکھیں۔ مولانا احمد صاحب تو بآواز دہل کہہ سکتے ہیں۔ اِتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِيْ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ۔

صوفیاں جملہ حریفند و نظر باز ولے　　زیں میاں حافظِ دل سوختہ بدنام افتاد

میں چاہتا ہوں کہ اِس جگہ بطور نمونہ ۵ء اور ۱۰ء کے ایڈریس اور اسپیچ کے چند اقتباسات جن کو بقول حقیقت نگار "عرض نیاز کی عقیدت کیشی میں کچھ دخل ہو" نقل کر دوں۔ ناظرین اونکو بہت تعمق کی نگاہ سے دیکھیں اور معلوم کریں کہ موجودہ زمانہ کی نزاکت کو خیال کرتے ہوئے مولانا محمد احمد صاحب کی عقیدت کیشی۔ حضرت مولانا رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ کی عقیدت کیشی سے۔ کیا واقعی۔ کچھ بڑھی ہوئی ہے۔

۵ء کی ایڈریس کا یہ فقرہ ملاحظہ ہو۔ کہ

"مسلمانوں کو علوم مروجہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے اعلیٰ اور پاکیزہ اصول صبر و قناعت۔ راستبازی۔ استقلال۔ توکل۔ دیانتداری۔ اطاعت و فرمانبرداری اولی الامر و فرمانروائے وقت کی عملی تعلیم بھی اسطرح دیجاتی ہے کہ یہ اخلاق اونمیں راسخ ہو کر طبیعت ثانیہ اور جزو لاینفک بنجاتے ہیں۔ جو طالب علم اس مدرسہ سے پوری تعلیم حاصل کر کے نکلتا ہے وہ اپنی علمی۔ عملی۔ اخلاقی حالت سے ایسا رہنما ہوتا ہے کہ جہاں جاتا ہے علوم مذہب کے ساتھ ان اوصاف کو بھی پھیلاتا ہے۔ یہ اسی تعلیم کا اثر ہے کہ یہاں کے تعلیم یافتہ باوجود مذہب کے نہایت پابند بلکہ ہادی اور پیشوا ہونے کے اپنی گورنمنٹ کی وفاداری اور اطاعت میں ایسے ثابت قدم ہوتے ہیں کہ آج تک کسی ایسے پولیٹیکل معاملہ میں جس میں کچھ بھی بو خلاف منشاء گورنمنٹ پائی جاتی ہو۔ شریک نہیں سنے گئے۔"

پھر دوسری جگہ لکھا ہے کہ۔

"یہ خلاصہ احوال مدرسہ کا ہے۔ جو عرض کیا گیا۔ لیکن یہ جو کچھ ہوا یا آئندہ جو کچھ ہوگا۔ مدرسہ نے جو کچھ ترقی کی یا آئندہ کرے۔ ہماری مہربان اور عدل گستر گورنمنٹ کے پاکیزہ اصول کا ثمرہ ہے۔" الی آخرہ۔

ان ہی مضامین کو ۱۹۱۵ء کے ایڈریس میں بایں الفاظ ادا کیا گیا ہے کہ

"حضور والا۔ دارالعلوم کے اصول میں یہ جزو بھی لازمی قرار دیا گیا ہے کہ اوسکے ارکان اساتذہ۔ طلبہ۔ ہر قسم کے نزاعی معاملات اور سیاسی اُلجھنوں سے (جنکا تعلق مذہب سے بہت ہی شاذ ہوتا ہے) مجتنب رہیں۔ اور اپنے ایک واحد مقصد (تکمیل تعلیم مذہب) کے ساتھ کسی دوسرے مقصد کو شامل نہ کریں۔"

پھر چند سطر کے بعد لکھا ہے۔ کہ

"غیر ضروری سیاسی اور نامناسب ملکی معاملات میں حصہ لینا علاوہ اسکے کہ نفس تعلیم میں حارج ہے۔ خود ملک و قوم کے لئے بہ نسبت فائدہ کے نقصان رساں زیادہ ہے۔ اور اگرچہ کسی وقت تعلیمی جماعت کا اس قسم کی عبث پیچیدگیوں میں پڑنا بظاہر سودمند بھی معلوم ہوتا ہو۔ لیکن انجام کار مضر ہے۔ کیونکہ پالیسی میں اکثر انقلاب ہوتا رہتا اور رائے ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔ اور اسی لئے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ مذہبی جماعت کیلئے اپنے ناممکن التغیر سیاست و عزت کا باقی رکھنا ہی سب سے بڑا نصب العین ہے۔"

پھر چند صفحات کے بعد لکھا ہے۔ کہ۔

"یہ کسقدر عجیب بات ہے کہ آج تک کبھی یہ نہیں سنا گیا کہ اس دارالعلوم کے کسی فیض یافتہ نے کسی نامناسب نزاعی یا سیاسی معاملہ میں حصہ لیا ہو۔ حالانکہ انہوں نے اپنے اساتذہ کی پیروی میں کسی وقت بھی خالص مذہبی معاملات کی نسبت مداہنت برتنے یا صاف گوئی اور صداقت طلبی سے بھی باز رہنے کی کوشش نہیں کی۔ اور ہمیشہ اونھوں نے اپنے مسلک کے فنا کردینے کو اوس کے بھولنے سے بہتر سمجھا۔"

پھر لکھا ہے۔ کہ۔

حضور والا۔ دار العلوم نے اپنے مذکورہ بالا مستحکم اصول کو اپنا نصب العین بناکر اب تک اپنی معتدل۔ خاموش اور ناقابل تزلزل رفتار میں۔ گورنمنٹ عالیہ کے ساتھ نہایت راستبازی اور صدق و دیانت سے اعلیٰ وفادارانہ معاملہ کیا ہے۔ اوسنے گورنمنٹ کی اطاعت اور اوسکے احکام کی تعمیل کو لازمی سمجھا ہے۔ وہ اور اوسکے ارکان کبھی گورنمنٹ کی مشکلات میں اضافہ کا سبب نہیں بنے۔ نہ اوس نے کبھی اسکا اقدام کیا کہ خلاف واقع یا خلاف دیانت و راستبازی کوئی بات قوم کے یا گورنمنٹ عالیہ کے روبرو پیش کرے۔ اوس نے ہر موقعہ پر اعتدال و سکون کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسکی کوشش کی ہے کہ اپنی سچی وفاداری کا ایسے پیرایہ میں یقین دلائے کہ اندر سے خود اوسکا ضمیر اوسپر نفریں نہ کرے۔ بلکہ جتنی بات وہ مُنہ سے نکالے اپنے خدا اور اپنے مذہب کا فرمودہ سمجھکر نکالے۔"

پھر لکھا ہے۔ کہ۔

"نہایت ناشکری ہوگی اگر ہم بصدق دل اسکا اعتراف نہ کریں کہ دار العلوم کی یہ کامیابیاں گورنمنٹ عالیہ اور لوکل حکام کی خاص مہربانیوں کے نتائج و ثمرات ہیں۔" الخ

اِن مذکورہ بالا مختصر اقتباسات سے آپنے اسکا اندازہ لگالیا ہوگا کہ جو بات جس صفائی کے ساتھ دس برس پہلے کہی گئی تھی اوس سے زائد کوئی بات آج دس برس کے بعد نہیں کہی گئی۔ چنانچہ اُسکے جواب میں جسطرح کا وعدہ ہزآنر سرجیمس لاٹوش نے اِن الفاظ میں فرمایا تھا کہ "مجھے مدرسہ یاد رہیگا۔ اور اگر مدد کی ضرورت ہوئی تو مدد دونگا۔" اوسی کے لگ بھگ ہزآنر سرجیمس میسٹن نے اپنے اسپیچ کے اِس جملہ میں فرمایا کہ "اے میرے دوستو میں خود یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میں کسی دنیوی طریقہ سے آپ کی امداد و اعانت کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ شاید یہ آپ کو ناگوار گذرے۔ لیکن آپ خوب جانتے ہیں کہ اگر آپ کی طرف سے کبھی امداد کی خواہش کی جائیگی۔ تو میں کامل طور پر اور بکشادہ دلی اوسکے پورا کرنے کی سعی کرونگا اور اوسکو اپنی خوش نصیبی سمجھونگا۔"

یہاں تک ہم نے حقیقت نگار موصوف کی معلومات پر جو کچھ ریمارک کیا۔ وہ اصولی اور کلی طور پر تھا۔ جزئی غلط بیانیوں یا مبالغہ آمیزیوں کے متعلق جو حقیقت نگار سے سرزد ہوئیں (مثلاً اسٹیشن سے مدرسہ تک دورویہ جھنڈیوں کا (منجانب مدرسہ) نصب ہونا۔ یا اس زور سے چیئرز دیا جانا کہ علیگڈہ کا اسٹریچی ہال بھی اوسکے سامنے ماند پڑ گیا۔ اور علماء کرام وفقہائے عظام پر ایسا عالم تواجد وتراقص طاری ہوا کہ بے اختیار عقدہ تشبہ کی پنجاہ سالہ تعقید خود بخود حل ہو گئی) میں اسکے سوا کیا کہہ سکتا ہوں کہ اگر واقعی آپنے اپنے ذاتی مشاہدہ کی بناء پر ایسا لکھا ہے تو ہزاروں اشخاص کے مشاہدات اسکی تکذیب کر سکتے ہیں۔ اور اگر آپ نے خود بلا واسطہ ایسا نہیں دیکھا۔ تو میں معاف کیا جاؤں اگر یہ کہوں کہ آپ کے وہ زہری کے ہمپایہ رُواۃ جنکے ذریعہ سے آپ کو اس قسم کی روایات دستیاب ہوئی ہیں۔ جابر جعفی سے بھی زیادہ کذاب ہیں۔ ولا تقف ما لیس لك به علم ان السمع والبصر والفؤاد كل اولئك كان عنه مسؤلا۔

واقعہ یہ ہے کہ سنہ ۵ء میں سر جیمس لاٹوس نے اثناء اسپیچ میں خود بھی اور اونکے یمین ویسار دونوں طرف کے لوگوں نے (باستثناء مہتمم صاحب وارکان دار العلوم) متعدد چیئرز دیئے۔ اور اس دفعہ سر جیمس میسٹن کی تشریف آوری کے موقعہ پر خود نہ آرزئے۔ اور اون کے داہنی طرف کے لوگوں نے جنمیں عموماً علماء کرام اور منتظمین دار العلوم تھے۔ اور طلباء مدرسہ نے ایک مرتبہ بھی چیئرز نہیں دیا۔ ہاں اصحاب شمال نے جنمیں بکثرت شہر کے برادران ہنود تھے خاتمہ تقریر پر چیئرز دیا۔

اس اعتبار سے اگر حقیقت نگار کو سنہ ۵ء اور سنہ ۱۵ء کا صحیح واقعہ معلوم ہوتا۔ تو یہ کہنا چاہیئے تھا کہ سنہ ۵ء میں عقدۂ تشبہ کی جو گرہ ذرا سا ڈھیلی ہو گئی تھی علماء کرام نے سنہ ۱۵ء میں اُسکو پھر کس دیا۔ ان کھلے ہوئے واقعات کے نہ جاننے پر بھی اگر کوئی حقیقت ناشناس۔ حقیقت نگار بننے کا دعوی کرے تو واقفیت رکھنے والوں کے نزدیک یہ امر بہت ہی زیادہ مضحکہ خیز ہے۔

مولانا احمد صاحب نے تو جو کچھ کیا۔ نیک نیتی اور ہمت سے کیا۔ اپنے بزرگوں کے اصولِ عمل کے موافق کیا۔ دار العلوم کے مقاصد کے تحفظ وبقاء کے واسطے کیا۔ اور وہ کیا جو اس نازک زمانہ میں

ایک دردمند دارالعلوم کو کرنا چاہئے تھا۔ لیکن اسپر بھی اگر کوئی شخص بجائے اونکے ممنونیت کے آفتاب روشن پرخاک ڈالکر اوسے میلا کرنا چاہے تو اوسے یاد رکھنا چاہئے کہ مولانا احمد صاحب کو اپنی مدح وذم کی کچھ بھی پرواہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ اونکے اصلی محبوب اور حقیقی مطلوب کی رضاجوئی میں خلل نہ آئے۔ اُنکا مسلک تو یہ ہے کہ

زبادشاہ وگدا فارغم بحمداللہ ‏ گدائی خاکِ درِ دوست بادشاہِ من است

غرض زمسجد و میخانہ ام وصالِ شما است ‏ جزایں خیال ندارم۔ خداگواہ من است

اِسی سلسلہ میں حقیقت نگار کی اس خوش فہمی کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ وہ "عالیجناب نواب احمد سعید خانصاحب رئیس چھتاری کو (جو ایک روایتی خطاب یافتوں کے خاندان سے ہیں) نواب کا خطاب دیا جانا بھی اوسی ایاب وذہاب اور توسط و توسل کی حیثیت سے منسوب سمجھتا ہے جو نواب صاحب ممدوح نے سر جیمس میسٹن کے ورود دیوبند کے موقعہ پر ظاہر فرمائی۔"

میں اسکے متعلق آپ کو صرف اسقدر آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ دارالعلوم کے جس تعلق کا صاف رکھنا گورنمنٹ ہند کے ساتھ بحیثیت اوسکی زیر حکومت ہونے کے ضرور ہے۔ اوسکی نگہداشت کا فرض ہمیشہ سے نواب صاحب ممدوح کے خاندان کا خاصہ رہا ہے۔ ۱۸۷۵ء میں بھی سر جیمس لاٹوس کو دارالعلوم کے معائنہ پر آمادہ کرنے اور اوسکی ہر قسم کی کلیات وجزئیات کو سرانجام دینے والے اسی خاندان کے ایک رکن اعظم عالیجناب نواب محمد یوسف علیخاں مرحوم مغفور تھے۔

پس اگر دارالعلوم کی ایک اہم خدمت بجالانے میں نواب احمد سعید خانصاحب نے اپنے مرحوم چچا کی اور نواب عبدالصمد خانصاحب نے اپنے بڑے بھائی کی پیروی کی تو ہمارے واسطے کونسی دلیل ہے کہ ہم اونکے اس فعل کو بھی خطاب حاصل کرنیکی نیت پر ہی خواہی نخواہی محمول کرلیں۔ اور اگر اونکو اس عمل کے صلہ میں خداتعالی نے ثواب کے ساتھ خطاب بھی دلوادیا ہو (جو بظاہر دنیوی نقطۂ نگاہ سے ایک معزز رئیس کے حق میں بہت بڑا فوز مرام سمجھا جاتا ہے) تو یہ اسکا ثبوت ہوگا کہ دارالعلوم کے برکات اپنے خدمت کرنے والونکو اجرآخرۃ کے ساتھ دنیوی کامیابی سے بھی محروم نہیں رکھتیں۔

بہار عالم حسنش دل وجاں تازہ میدارد ‏ برنگ اصحاب صورت رابوار باب معنی را

(۳۳) امر سوم۔ یعنی جلسہ سہارنپور کی جو اصلیت آپنے زہری عن سالم عن ابیہ کی سند سے بیان کی ہے۔ اوسکو دیکھکر میں یہ کہنے میں معذور ہوں کہ تنقیح روایات اور نقد رجال کا فن ایک نہایت مشکل فن ہے۔ اور اسی لئے غالباً اوس کے دقایق تک ہماری حقیقۃ نگار کی دسترس نہ ہو سکی۔

اسکو تنقید رجال کے وقت یہ قاعدہ بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ اقران کی محبت و عداوت بسا اوقات جرح و تعدیل کو بے اثر بنا دیتی ہے۔

اسکے علاوہ حقیقۃ نگار کا یہ فرض تھا کہ وہ خود اپنا نام ظاہر کرتا۔ کیونکہ جن لوگوں کو اوسنے زہری اور سالم کے برابر سمجھا ہے۔ مان لو کہ وہ ایسے ہی ہوں۔ لیکن پھر بھی تو خود حقیقت نگار کی جہالت ہمارے نزدیک روایت کو مخدوش بنانے کیلئے کافی ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ شیاطین وحی الہی کے سُننے کے واسطے آسمان کی طرف چڑھتے ہیں اور جو ایک آدہ بات وہاں سے اُچک لیتے ہیں اوسکے ساتھ سو جھوٹ ملا کر اپنے اتباع کے روبرو پیش کر دیتے ہیں۔ تو۔ دیکھ لو۔ کہ اونکی روایت کا اصل ماخذ کسقدر پاک و صاف ہے۔ لیکن خود اونکے توسط نے خبر کو کسقدر گندہ اور بے اعتبار بنا دیا ہے۔

پس ہمارے پاس اسکے باور کر لینے کی کیا ضمانت ہے کہ آپکے زہری سے روایت کرنیوالے بھی مالک ہی ہیں۔

نفس واقعہ کی تحقیق جسکی سند پر آپنے خواہ مخواہ اتنا زور دیا۔ بالکل آسان تھی۔ اخبار مشرق گورکھپور میں اس واقعہ کی مختصر سی اصلیت خود جناب مہتمم صاحب کیطرف سے ظاہر کر دی گئی تھی۔

بلا شبہ ممکن ہے کہ حضرت مہتمم صاحب نے جو تقریر جلسہ سہارنپور میں ایک حاکم وقت کے سامنے کی اور ترکی کے ساتھ اپنی ہمدردی۔ اور اخوۃ اسلامیہ کا پُر زور لہجہ میں اظہار کیا۔ اور اونکی تکلیف و راحت کے ساتھ اپنی تکلیف و راحت کو وابستہ بتلایا۔ اسمیں وہ ہندوستان بھر کے اندر متفرد نہ ہوں لیکن اسمیں بھی کلام نہیں ہو سکتا کہ اوس مجمع میں کہ جسمیں عام طور پر گورنمنٹ کے ضرورت سے زیادہ خیر خواہ۔ ترکوں سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کر کے حکام کو متاثر بنا رہے تھے۔ جناب مہتمم صاحب

ایسی آزادانہ صداقت کے اظہار میں ضرور متفرد تھے۔

بہرحال مولانا احمد صاحب اسمیں متفرد تھے یا نہیں۔ لیکن اِسمیں تو آپ کو بھی شبہہ نہیں کہ مولانا نے ایک سچی بات کہی۔ اور جب وہ سچی بات ایک مذہبی مرکز کے ذمہ دار کی زبان سے ادا ہوئی تو قدرتی طور پر اہم ہو گئی۔

---

(۴) امر چہارم کی ضمن میں حقیقۃ نگار نے خطاب کے قبول کرنے سے اسپر استدلال کیا ہے کہ "مولانا محمد احمد صاحب کو بیشک خطاب کی ضرورت خواہش تھی۔ حالانکہ ایک عالم دین کی سب سے بڑی عزت انقطاع (عن الخلق) میں ہے۔ بلکہ عالم دین ہونے کیلئے سب سے بڑی شرط یہ ہی ہے۔ اُنکو دُنیا کے ظواہر سے کیا سروکار۔"

خدا کی قدرت۔ کہ علما پر رہبانیت تنگ خیالی اور کنج خلوۃ میں بیٹھے رہنے کا الزام لگانیوالے آج اونکو انقطاع اور ظواہر سے علحدہ رہنے کی نصیحت کرتے ہیں۔

آپ کی اس نصیحت کو غالباً مولانا محمد احمد صاحب نہایت ممنونیت کے ساتھ سنیں گے (اگرچہ آپکا قبول خطاب سے خواہش خطاب پر استدلال اونکے نزدیک غلط ہو۔)

یہ بالکل درست ہے کہ ایک عالم دین کی اصلی عزت دنیا سے علحدہ رہنے ہی میں ہے۔ اور علمائے کے جو حالات آپنے احیاء العلوم وغیرہ میں پڑھے ہیں وہ بھی سب درست ہیں۔ مگر۔ مولانا احمد صاحب فقط عالم دین ہی نہیں۔ وہ ایک دار العلوم کے مہتمم بھی ہیں۔

اسکے علاوہ آپ کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مولانا جامی قدس سرہ نے اپنے شیخ خواجہ عبید اللہ احرار کے شاہانہ ٹھاٹھ کو دیکھکر جب یہ کہا تھا کہ "نہ مرد است آں کہ دُنیا دوست دارد" تو حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اوسکے جواب میں یوں فرمایا تھا کہ "اگر دارد برائے دوست دارد"

بلا شبہ اب بھی دیوبند سے تقشف مذہبی کی وہ ہی صدائیں اُٹھتی ہیں۔ اور انشاء اللہ برابر اُٹھتی رہینگی۔ اور نئے طریقوں پر کام کرنیوالوں کے حق میں وہ ہی فتوے نکلتے رہیں گے۔ جو پہلے نکلتے تھے۔ لیکن۔ اسکے یہہ معنی نہیں کہ ایسے اعتراضات سے متاثر ہو کر دار العلوم کے جائز فوائد کو ملیا میٹ کر دیا جائیگا۔ یا اوسکے تعلقات کی ترقی پذیر وسعت کو گھٹا دیا جائیگا۔

دار العلوم میں ایسے لوگ بھی آئے۔ جو دریا میں رہکر مگرمچھ سے بیر رکھنے کی رائے دیتے تھے انہوں نے گورنمنٹ کی رعایا بنکر دار العلوم کے احاطہ میں اوس سے بائیکاٹ کرنے کی تحریک کی۔ اور وہاں کے ارکان کو کانگریس وغیرہ کی شرکت کی طرف توجہ دلائی۔ لیکن اس قسم کی ساری عیارانہ مساعی۔ دار العلوم کے مہتمم اور اوسکے بے لوث مسلک رکھنے والے اعضا رنے بالکل باطل کردیں۔ اور شاید یہ تحریر جو زمیندار میں اب شائع ہوئی ہے۔ یہہ بھی اُن ہی سعی کرنیوالوں کی آواز بازگشت ہو۔

خوب یاد رکھو کہ ہم نہ باغی ہیں۔ نہ مفسد اور نہ ہمکو وفاداری کا ہیضہ ہے۔ ہاں مرضاۃ الہی اور سلف کے نقش قدم پر چلنے کے بحمد اللہ بدل و جان متمنی ہیں۔ اور خدا تعالی کی حول و قوۃ سے ہر ایک امتحان کے وقت اپنے ثابت قدم رہنے کی امید رکھتے ہیں۔ جسوقت کہ بڑے بڑے بہادروں کے قدم لغزش کھا جائیں تو بعید نہیں۔

اذا اشتبکت دموع فی خدود تبین من بکی ممن تباکا

(ترجمہ) جسوقت آنسوؤں کی لڑیاں رخساروں پر گتھ جائیں گی، تو پتہ چل جائیگا کہ کون روتا ہے اور کون بسورتا ہے

آخر میں۔ میں اسقدر اور گذارش کرکے آپ سے رخصت ہونا چاہتا ہوں کہ آپنے جناب حاجی محمد عابد صاحب مرحوم کے زہد (ترک تنخواہ) اور آزادانہ رویہ (بیگم بھوپال کے سامنے سپاسنامہ پیش نہ کرنے) کو بہت سراہا ہے۔

حالانکہ حضرت حاجی صاحب مرحوم اگر تنخواہ نہیں لیتے تھے تو اپنے تعویذ گنڈہ وغیرہ کے مشغلہ سے وہ بہت ہی کم وقت مدرسہ کے کاموں کے لئے بچا سکتے تھے۔ اور اسی لئے برخلاف مہتممین سابقین اونکو ایک نائب معقول تنخواہ کا رکھنا پڑتا تھا۔

سپاسنامہ اگر اونھوں نے بیگم صاحبہ کے سامنے پیش نہیں کیا۔ تو وہی سپاسنامہ حضرت قبلہ مولانا محمود حسن صاحب دامت برکاتہم نے اونکو سنایا۔ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آسمان جاہ نواب بشیر الدولہ مرحوم سابق مدار المہام حیدر آباد دکن کو ایڈریس دیا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نواب مالیر کوٹلہ کے پاس مدرسہ کے چندہ کی کوشش میں

تشریف لے گئے۔ اور خود حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ عبد الغنی صاحب دہلوی قدس سرہ کا نامۂ مبارک دیکر دیوان محمد یسین مرحوم کو نواب کلب علیخان بہادر مرحوم کے پاس مدرسہ کے لئے بھیجا۔

پس اگر یہ سب مقدس حضرات (عیاذاً باللہ) غیر اللہ کے سامنے سرنیاز جھکاتے تھے۔ تو تنہا حضرت حاجی صاحب کی ایک نظیر ہم کو روٴسا کے تعلقات اور مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے لکھے ہوئے۔ اس اصول سے کہ "مہتمم وارکان مدرسہ کا سب سے بڑا فرض تکثیر چندہ کی کوشش ہے" کسطرح بے نیاز بنا سکتی ہے۔ درانحالیکہ تم یہ بھی دیکھ رہے ہو کہ حضرت حاجی صاحب مرحوم کے طرز عمل سے دار العلوم نے کیا ترقیات حاصل کیں۔ اور ان حضرات کے نقش قدم پر چلنے سے کیا۔

اولٰئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ

الراقم

شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

از

دار العلوم دیوبند

۱۳ رمضان المبارک ۱۳۳۳ ہجری

تربیۃ السالک وتنجیۃ الہالک

(نمبر ۵)

(سوال) بخاری شریف میں باب غسل الخلوق ثلث مرات من الثیاب میں جو حدیث نزول وحی کی لکھی فاذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محمر الوجه وهو یغط ثم سری عنه سونے کی حالت کا آواز کا ہونا اور چہرہ مبارک کا سُرخ ہونا اسکے متعلق اولیاء اللہ نے جو تحقیق بیان فرمائی ہو کہ یہ حالت کس قسم کی تھی اور کیا سر تھا اور آیا وقت الہام بھی اسی قسم کے حالات جو مشابہ وحی کے ہوتی ہے اولیاء اللہ کو ہوتی ہے یا کوئی دوسری حالت جس سے الہام حق کا ہونا معلوم ہوجاتا ہے چونکہ اسکا راز معلوم نہیں ہوتا لہٰذا آنحضور پوری کیفیت وتحقیق سے مشرف فرماویں۔

(الجواب) جب وارد قوی ہوتا ہے قوی بشریہ ضعف تحمل سے مغلوب ہوجاتے ہیں اور اس قسم کی حالت پیدا ہوجاتی ہے کچھ تخصیص الہام کی نہیں ہر وارد میں یہ امر ہوسکتا ہے مگر لازم نہیں۔

(سوال) مزارات کاملین پر جو فیوض وارد ہوتے ہیں آیا تصرف شیخ ہے یا اس شخص کا جوش قلبی ہے۔ بعد وفات کے اولیاء اللہ کے تصرفات ثابت ہیں یا نہیں اگر ہیں تو اسپر کیا دلیل ہے فیض کے وارد ہونیکی بظاہر دلیل نہیں بعض لوگوں کو محض صحبت سے فیض ہوتا ہے اگرچہ شیخ توجہ نہ فرماوے۔

(الجواب) اسباب فیض کے متعدد ہیں منجملہ اُن کے تصرف شیخ بھی ہے اُن میں سے یکسوئی کیساتھ توجہ قلب کی بھی ہے اور اسکے علاوہ بھی ہیں یہ اسباب فرداً فرداً بھی کافی ہوجاتے ہیں اور اجتماع ہو تو اور قوت بڑھ جاتی ہے بعد وفات کے تصرفات کا ثبوت منصوص تو نہیں گو اشارۃً مستنبط ہوسکتا ہے لیکن کسی نص سے نفی بھی نہیں اور مشاہدہ اہل کشف وذوق کا خود اثبات کے لیئے کافی ہے لہٰذا قائل ہونا اسکا جائز ہے۔ البتہ دوام ولزوم نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

(سوال) شغل کے وقت بعض وقت بہت مزہ آتا ہے اور جی نہیں چاہتا ہے کہ جلسہ برخاست کیا جاوے مگر کیا کروں مبتلای عیال وحظوظ نفس ہو رہا ہوں حق تعالیٰ نے اپنا کر نہیں لیا ہے مگر اللہ سے اور اپنے پر بدگمانی اسلیئے ہوتی ہے کہ نماز اور قرآن خوانی میں جسطرح چاہیئے ویسا ہی کیوں نہیں مزہ آتا ہے۔

(الجواب) طبعی امر ہے کہ بسیط میں بہ نسبت مرکب کے یکسوئی زیادہ ہوتی ہے اور لذت یکسوئی پر ہوتی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بتدریج مناسب استعداد وہ بھی ہوگا اور اگر نہو تو کچھ غم نہیں امور طبعیہ اختیار نہیں ہے پس وہ مدار مدح وذم بھی نہیں فقط

(سوال) آنجناب کی خدمت میں اپنا خاص مرض عرض ہے کہ جس روز سے یہ خاکسار بیت اللہ سے ہندوستان آیا ہے رونا بہت کم آتا ہے بیت اللہ جانے سے بیشتر روزمرہ رقت ہوجایا کرتی تھی جس سے قلب کو تسکین ہوجایا کرتی تھی اب اگر بزبردستی خیال باندھکر بھی روتا ہوں تو رونا نہیں یہی شکایت بیماری میں رہی جس کا مجھکو از حد خیال رہا خبر نہیں مجھ سے سفر حج میں یا خاص حرمین میں کوئی بے ادبی ہوئی یا کوئی اور قصہ ہے خدا کیواسطے کوئی خاص توجہ ایسی فرمایئے جس سے رقت پیدا ہو یقین ہے جناب کے اخلاق کریمانہ سے اس عریضہ کا جواب تسلی بخش تحریر فرماوینگے۔

(الجواب) رونے کے متعلق جو لکھا ہے سو جس رونے کی فضیلت ہے وہ آنکھ کیساتھ مخصوص نہیں اصل رونا دل کا ہی سو وہ بحمد اللہ حاصل ہی چنانچہ رونے کو دل چاہنا اُسکی ایک خاص علامت ہی بیفکر رہیو۔

(سوال) چند روز سے خیال گذر رہا ہے کہ میرے اہل خاندان کسی چیز کو بازار سے خرید کرکے خود لانیکو معیوب خیال کرتے ہیں اور ادنی قسم کی چیز کو تو ہرگز خرید نہیں کرتے اسی طرح آج تک تابعدار کو بھی اتفاق نہیں ہوا مگر اب دل میں آتا ہے کہ چند روز تنک لکڑیاں سر پر رکھکر بازار میں فروخت کروں تو یہ خیال برائی کا دل سے دور ہو لیکن فوراً دوسرا خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس کام سے شہرت زیادہ ہوگی جو موجب اس سے زیادہ خرابی کا ہے نہیں معلوم کہ ان دونوں صورتیں میں کون صحیح ہے لہذا جو امر حسب حال تابعدار ہو اُس سے اطلاع بخشی جاوے۔

الجواب اس کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ یہ عار مطلقاً دلیل کبر ہے کیونکہ جسطرح کبر ایسے امور سے مانع ہے اسی طرح خجلت بھی مانع ہے جسکا سبب عدم اعتیاد ہے یعنی عادت نہونا حتی کہ جن امور کی عادت نہیں اگر وہ موجب ترفع و تعزز بھی ہوں تب بھی انقباض ہوتا ہی فرض کیجیے کسی غریب آدمی کو گھوڑے یا ہاتھی پر سوار کرکے اور اُس کے جلو میں بڑے بڑے معززین چلیں اور اس شان سے اُسکو میل دو میل لے چلیں بالیقین مارے شرم کے گڑجاویگا حالانکہ اس شرم میں اصلا احتمال کبر نہیں۔[1]

[1] یہانتک مضامین مندرجہ امداد الفتاوی متعلق تربیت السالک کے ختم ہوگئے ۱۲ منہ

(سوال) مشابہ خواب ہو کر بائیں طرف سے آواز مسموع ہوا کہ قبول نہیں۔ اسکے بعد سے ہمیشہ میرا دل بےچین ہے خدا جانے کونسی خطا سرزد ہوا دعا کیجئے اور حقیقت حال سے اطلاع فرمادیں

(الجواب) یہ تحزین من الشیطان ہے کچھ پرواہ نہ کیجئے کام میں لگے رہیئے۔

(سوال) کیفیت۔ ۱ دن کی حالت ذکر میں مشابہ خواب ہو کر روشنی سرخ مثل بجلی کے اچانک چمک پڑا ۲ مشابہ خواب ہو کر ایک آواز سخت جیسا کہ بہت زور سے لکڑی کو لکڑی پر مارنے سے آواز نکلتا ہے اُس سے اُچک پڑا۔

(الجواب) ۱ و ۲ یہ سب سلطان الاذکار کے آثار ہیں۔

(سوال) اگر یہاں سے عزم سفر حجاز کے وقت یہ نیت رہے (دل میں قصد و ارادہ) کہ وہاں یہ یہ دعا (مثلاً دنیا کے واسطے) کرونگا۔ اور یہ یہ خرید کر کے لاؤنگا تو اس سے کوئی حرج حج میں تو نہیں پڑتا ہے۔

(الجواب)۔ چونکہ اس شخص کے لیئے اصل محرک سفر ارادہ حج ہے نہ کہ وہ نیت دنیویہ حتیٰ کہ اگر کسی دلیل سے یہ متیقن ہو جاوے کہ وہ دعا قبول نہوگی یا وہ چیز میسّر نہوگی تب بھی یقیناً یہ شخص سفر حج کرے گا اسلیئے یہ نیت منقص اجر نہوگی۔

جلد اول تربیت السالک کی ختم ہوئی

الاحادیث الموضوعہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

اور دعوی یہ کیا جاتا ہے کہ ہم نے موجودہ اسلام کے چہرہ سے سیاہی دور کی۔ اونکی یہ حرکت کیا اوس کمل پوش فقیر کی حرکت سے زیادہ وقعت رکھ سکتی ہے جس نے کھٹملوں اور جوؤں کے خوف سے اپنا کمل آگ کی نذر کر دیا ہو۔ لیکن نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا کلام اگرچہ کتنا ہی فصیح و بلیغ اور معانی کے خزائن لئے ہوئے کیوں نہو پھر بھی انسانی کلام اور اکثر جزئیات کی تصریح پر مشتمل ہونیکی وجہ سے آنکھیں بند کر کے وہ تاویلیں اوسمیں نہیں کی جاتیں جنکا آماجگاہ قرآن عزیز کو بنایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ خواہشات نفس کی پیروی کرنے والی جماعتوں نے ہمیشہ یہی چاہا کہ ہماری خواہشوں میں حائل ہونے والا حصن حصین (حدیث نبی علیہ الصلوۃ والسلام) درمیان سے اوٹھ جاوے اور اسی لئے وہ ہزار حیلے اور بہانے پیدا کرتے اور اسکو بیخ و بن سے اوکھاڑ پھینکنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ علی ہذا القیاس حدیث بھی انسانی کلام ہونے کے باوجود چونکہ ہر ہر جزئی کی جزئی تفصیل پر اسطرح حاوی نہیں ہے جسطرح کہ فقہ مجتہدین اسی لئے اوسمیں تقیید اور پابندی زیادہ ہے اور یہی مجبوری اوس گروہ کو پیش آتی ہے جو طرح طرح کے حیلے حوالوں سے تقلید سے دور دور رہنے کو اچھا سمجھتے ہیں۔ یہی اصلی مجرم ہیں جو طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر تقلید سے عدم تقلید اور عدم تقلید سے ترک احادیث تک پہونچا کر ترک قرآن کے مہلک بھنور میں ہمیشہ کے لئے غرق کر دیتا ہے۔ مقلدین اپنے اقوال اپنے افعال میں اسی لئے اپنی خواہشوں کے موافق زیادتی اور کمی کا موقع نہیں پاتے جسقدر کہ ضمناً سمجھ میں آنے کے باوجود مدعیان عمل بالحدیث الفاظ کو اپنی طرف سے معانی کا جامہ پہنا دیتے ہیں۔ اور مدعیان عمل بالحدیث کی جولانگاہ بھی اسقدر وسیع نہیں جسقدر کہ اہل قرآن یا انہیں کی

کورانہ تقلید اور بزعم خود دعوے عقل رکھنے والوں کے لئے اونکے نفوس امارہ اونکو راستہ سے ہٹانے میں کامیابی حاصل کر لیتے ہیں۔

کلام باری عزاسمہ - احادیث نبوی - فقہ مجتہدین کو آپس میں وہی علاقہ اور اونمیں باہمی وہی تناسب ہے جو متن سے شرح اور شرح سے شرح الشرح کو ہوتا ہے۔ ہماری اس مختصر تقریر سے تم سمجھ گئے ہو گے کہ باوجودیکہ قرآن عزیز اور حدیث وفقہ احکام میں متحد ہیں اگر فرق ہے تو صرف اجمال اور تفصیل کا باوجود اسکے پھر کوئی ابطال فقہ پر آمادہ اور کیسکی نظروں میں ارشاد نبوی کانٹا سا کیوں کھٹکتا ہے۔ بے شک اوسکی وہی وجہ ہے جو ہم نے بیان کی

ع ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیبے ست گل ست سعدی و در چشم دشمناں خار ست

فقہ اور احادیث کی کتنی ہی مذمت کیوں نہ کیجاوے مگر اسکا نتیجہ صرف اونہیں کے ایمان اور اسلام اور اعمال پر پڑیگا۔ فقہ اور حدیث میں اسی طرح عیب نہیں آسکتا جسطرح کہ چاند پر خاک ڈالنے سے چاند غبار آلودہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہمارے نزدیک تو فقہ اور احادیث کی شان ہی یہ ہونی چاہئے کہ اس قسم کے لوگ اونکی نسبت کوئی برے سے برا لفظ باقی نہ رکھیں تاکہ اہل عقل کے نزدیک ان کا کمال بدیہیات کے مشابہ ہو جاوے۔

واذا اتتك مذمتي من ناقص	اگر برے لوگ مجھکو برا کہیں تو اونکا برا کہنا ہی میرے
فهي الشهادة لي باني كامل	کمال کی نہایت مضبوط دلیل ہوگی۔

غرض کہ جب اس دوسرے فرقہ کی خواہشات نے فقہ کے میدان کو اپنی خواہشوں کے لئے تنگ پایا تو اوس سے تو یہہ کہکر پیچھا چھوڑایا کہ زید وعمرو کی تقلید کرنا حرام اور ایسا اور ایسا ہے۔ لیکن اگرچہ حریت اور آزادی کے گھوڑے حدیث کے میدان میں بھی دل کھولکر دوڑائے جا سکتے تھے تاہم اوسکی نسبت اہل قرآن وغیرہ فرقون کی طرح یہہ کہنا آسان نہ تھا کہ احادیث نبویہ ناقابل تسلیم ہیں۔ اسلئے اوسکی قید سے نکلنے کیلئے دوسرے طریقے اور ذرائع استعمال کئے۔ مقصد اصلی اور مطمح نظر اس فرقہ کا صرف ایک یہی ہے لیکن اوسکو پوری تلمیع اور تمویہ کرکے اہل اسلام کے سامنے لایا جاتا ہے۔ اس تلمیع کے بہت سے خوشنما طریقے ایجاد کئے گئے ہیں اون سب میں نسبتاً وہ طریقہ قوی ہے جسکو

ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

"کوئی خیال اس سے زیادہ غلط نہیں ہے کہ دین کے اصول جو خدا نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت بتلائے وہ مطابق ان اصول کے نہیں جو عقل سے ثابت ہوتے ہوں اور کوئی امر اس سے زیادہ مذہب پر الزام نہیں دیتا جیسا کہ یہ مسئلہ کہ نقل میں عقل کو دخل دینا شرعاً ناجائز ہے اس غلط خیال کے پیدا ہونے کا کوئی سبب کیوں نہو اور اس مسئلہ کے جاری کرنے والوں نے کیسا ہی کچھ فائدہ کیوں نہ سوچا ہو مگر حقیقت میں دین کے غلط اور بنائے ہوئے پر اس سے زیادہ اور کسی دلیل و برہان کی حاجت نہیں کہ کہا جاوے کہ اوسکے اصول کو عقل سے جانچنا ناجائز ہے یا وہ عقل کے خلاف ہیں کیونکہ جو مذہب فی ذاتہ سچا اور صحیح ہے اور خاص خدا کا دیا ہوا ہے نہ انسان کا بنایا ہو تو اوسمیں کوئی ایک بات بھی ایسی نہوگی جو عقل کے خلاف ہو اسلئے کہ جو شے عقلاً محال ہو اوسکا واقع ہو جانا بھی غیر ممکن ہے پس اگر کسی دین و مذہب میں کوئی بات ایسی ہو جو مخالف عقل کے ہو تو حقیقت میں وہ دین و مذہب ہی سچا اور صحیح اور خدا کا دیا ہوا نہ ہوگا بلکہ انسان کا بنایا ہوا ہوگا پس جتنے دین دنیا میں جاری ہیں اونکی صحت اور غلطی کے جانچنے کیلئے اگر خدا نے ہمکو کوئی آلہ دیا ہے تو وہ ظرف عقل ہے پس اگر اوسی کے استعمال کو کسی دین کے بانی نے ناجائز اور ممنوع اور حرام کر دیا ہو تو گویا اوسنے پہلے ہی سے اہل عقل پر ظاہر کر دیا کہ یہ دین خدا کا دیا ہوا نہیں جس سے غلطی کا ہونا غیر ممکن ہے۔ بلکہ ایسے انسان کا بنایا ہوا ہے جسکی غلطیاں بہ نسبت صحت کے زیادہ ہوتی ہیں اور اوسی غلطی کو چھپانے کیلئے اوسکے بانی نے عقل کو بیکار کر دیا ہو اور اوس سے کام لینے سے ممانعت کر دی ہو تو اوس دین کو کوئی قبول نہ کریگا مگر احمق اور جاہل کیونکہ بنا اوسکی جہالت پر ہے۔"

اسوجہ سے کہ یہ تقریر اپنے مقصود (حدیث من اولہ الی آخرہ ناقابل اعتبار ہے یا کم از کم خواہشات نفس کے تابع ہے) کے اثبات میں کوتاہی نہیں کرتی اس قابل ہے کہ اسکی داد دیجاوے اور افسوس ہے کہ ہمارے پاس ایسے الفاظ نہیں ہیں جس سے ایسی تقریر کی داد دیسکیں اسلئے ہم بجائے اسکے کہ الفاظ کی تلاش میں اپنا وقت ضائع کریں عارف شیرازی کے الفاظ

پیش کرتے ہیں۔ ؎

بس چہرۂ خوش کہ زیر چادر باشد چوں باز کنی مادر مادر باشد

مذکورہ بالا تقریر میں اگرچہ تلمیع کے ہر پہلو کو جانچ لیا گیا اعتراضات کی روک تھام کر لی گئی تھی لیکن پھر بھی اہل عقل کے نزدیک اسکی وقعت تار عنکبوت سے زیادہ نہو سکتی تھی اسلئے ابھی ضرورت باقی تھی کہ اوسکے استحکام میں دوسرے ذرائع کا استعمال کیا جاوے بناءً علیہ اعتراض و جواب کی صورت اختیار کرکے عقلوں پر پردہ ڈالنے کی اسطرح کوشش کی جاتی ہے۔

پہلا شبہ تطبیق معقول و منقول میں یہ ہے کہ انسان کی عقل کامل نہیں ہوتی اور وہم اور شک کی آمیزش سے کوئی عقلی مسئلہ پاک نہیں ہوتا خلاف منقول کے کہ جو کچھ خدا اور اوسکے رسول نے فرمایا اُس میں کبھی غلطی ہو ہی نہیں سکتی پس ایسی چیز کو جسمیں حق و باطل کی تمیز نہو ایسی چیز سے ملانا جسمیں غلطی کا احتمال ہی نہو سوائے پریشانی طبیعت اور تحریک مادۂ الحاد اور پیدا کرنے شکوک و شبہات کے عقائد دینی پر کچھ حاصل نہیں ایسے شبہے کرنے والے یہہ نہایت عمدہ اور مضبوط دلیل بیان کرتے ہیں کہ ابتک اس دنیا میں ہزاروں حکیم اور فلسفی اور عاقل گذرے اور صدہا برس تک ہزاروں محقق چند عقلی مسائل صحت پر مصر رہے مگر پھر ایک ایسا زمانہ آیا کہ اونکے مسلمات عقلیہ کی غلطی کھل گئی اور جو کچھ وہ سوچ سمجھے تھے اوسکی کچھ اصلیت پائی نہ گئی پس اگر انسان کی عقل ادراک حقائق کیلئے کافی ہوتی اور اوسکے دریافت پر بھروسہ ہوتا تو کیوں ایسی غلطیاں ہوتیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عقل حقیقت اشیا کے ادراک میں قاصر ہے اور جو کچھ عقلا حکما نے سوچا سمجھا وہ اطمینان کے لائق نہیں تو خدا اور رسول کے کلام کو اوس سے ملانا حق کو باطل سے تطبیق دینا ہے۔"

اس اجمال کو تھوڑی مگر ضروری وضاحت کے ساتھ ہم سے سنو ان مدعیان تطبیق کا دعوے تو یہ ہے کہ جو مذہبی مسئلہ عقل کے خلاف ہو وہ مردود؛ اور دین سے خارج ہے۔

(باقی آیندہ)

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

—(گذشتہ سے پیوستہ)—

اپنے مقابلہ میں وہ ساری دنیا کو عجم کا خطاب دیتے تھے۔ گویا سوا ان کے دُنیا میں کوئی قوم اپنی مافی الضمیر کو کماحقہ ادا کرنے پر قادر ہی نہیں ہے۔ ایسے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزہ کلام اللہ عطا فرمایا گیا۔ اور وہ بڑے بڑے مدعیان فصاحت وبلاغت اوسکی ایک چھوٹی سی سورۃ کے مقابلہ سے عاجز رہ گئے۔

بعینہ اسی قاعدہ کے موافق اس زمانہ میں جبکہ ممالک وسیعہ سطوت وشوکت کے حصول پر جبارین کو فخر تھا حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہہ معجزہ عطا ہوا۔

لیکن اس دعا کو بطور طلب معجزہ تسلیم کرنے میں ایک اشکال ہے۔ وہ یہہ کہ معجزہ ابتداء نبوت کے وقت عطا ہوتا ہے۔ اور یہ واقعہ جیسا کہ سیاق آیات سے معلوم ہوتا ہے درمیان کا ہے۔ یعنی آپ کو ملک ونبوۃ عطا ہونے اور ایک زمانہ تک ایسے عظیم الشان ملک پر حکمرانی کرنے اور فتنہ میں مبتلا ہو کر اس سے نجات حاصل ہونے کے بعد کا ہے۔

جواب اس اشکال کا یہہ ہے کہ ہم اسکو تسلیم نہیں کرتے کہ معجزہ کے لئے شرط ہے کہ ابتداء نبوت کے وقت طلب کیا جائے۔ اور تسلیم بھی کرلیں تو آیۃ اس امر کیلئے نص صریح نہیں ہے کہ یہہ دعا درمیان میں ہوئی۔ ممکن ہے کہ ابتداء نبوت ہی کا واقعہ ہو۔

میں کہتا ہوں کہ زمخشری کا قول اگرچہ صحیح ہوسکتا ہے۔ اور جواب اشکال کو بھی اگرچہ اوسمیں بہت سے خلجان ہیں تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن سیاق آیۃ بالکل اسکی تائید نہیں کرتا اس بحث میں بہت سے امور قابل تحقیق تھے۔ مگر چونکہ یہہ موقع اوسکا نہیں اس لئے ہم اتنے ہی پر قناعت کرکے اور اس ضمنی فائدہ کو ختم کرکے اصل مقصود کیطرف رجوع کرتے ہیں۔

(بنی اسرائیل میں) نبوت وسلطنت مجتمع ومتفرق ہونے کی وہ صورت تھی جواوپر عرض کیگئی۔ ختم الانبیاء کا زمانہ آیا۔ اور امتہ محمدیہ کو تمام عالم پر حق ریاست وحکومت عطا ہوا۔ تو مملکت کو نبوۃ سے جدا نہیں رکھا گیا۔

جناب رسول اللہ کی شان وہی تھی جو سابق میں عرض کرچکے کہ باوجود کونین کے زیرنگیں ہونے کے آپنے اپنے لئے شان عبدیت ہی کو پسند فرمایا۔ آپنے سلطنت ومملکت کے کسی ایک طرز وانداز کو بھی گوارا نہیں فرمایا۔ مگر جوایک اختیارات ایک شہنشاہ اعظم کے ہونے چاہئیں وہ سب آپ ہی کے قبضہ میں تھے اور آپ اونکا استعمال فرماتے تھے صوبوں کے والیوں کا تقرر آپ کے حکم سے ہوتا تھا۔ قاضی آپ مقرر فرماتے تھے تحصیل محاصل آپ کے حکم سے ہوتا تھا۔ اموال خراج وزکوۃ آپ کی خدمت میں لائے جاتے تھے۔ مہمات غزوات وسرایا بہ نفس نفیس انجام دیتے تھے۔ یا کسیکو اپنا قائم مقام مقرر فرماتے تھے۔ الغرض سوا ر ظاہری شان سلطنت کے جملہ امور جو سلطان وقت کے متعلق ہوتے ہیں آپ کے دست مبارک میں تھے۔ سوا ر والیان صوبجات وولایات خاصہ۔ یا قضاۃ ونواب کے آپکے عہد مبارک میں نظام سلطنت کیلئے کوئی جداگانہ سلطان نہ تھا آپ خاتم الانبیاء تھے۔ نبوۃ کا سلسلہ آپ کی ذات مبارک پر ختم ہوچکا۔ یہہ صورت تو باقی نرہی۔ کہ نبوت وسلطنت یکجا جمع ہوجائیں۔ اور اقتضاء اصلی حالت امتہ مرحومہ یہہ تھا کہ یہہ سلسلہ اسی شان وانداز سے بہ حیثیت اجتماعی قائم رہے۔

اور اوسمیں نبوت کے آثار اور حکومت وسلطنت کے لوازم مجتمع رہیں۔ یہ درجہ خلافت راشدہ کا تھا۔ خلفاء راشدین نبی نہ تھے۔ مگر منہاج نبوت کو عیاناً وکشفاً سمجھے ہوئی اسپر خود چلنے اور دوسروں کو چلانے کی قابلیت تام رکھتے تھے۔ علوم نبوۃ کا انعکاس تام انمیں موجود تھا۔ اور اس بناء پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونکے طریقہ وسنّت کو اپنی سُنت کے ساتھ ملحق فرمایا۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں۔ علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین۔

میری سُنت کو اور خلفاء راشدین کی سُنت کو مضبوطی سے پکڑو۔

خلفاء راشدین میں بھی شیخین درجہ بدرجہ فائق تھے۔ اسلیئے اونکی اتباع و اقتدار کا خاص حکم دیا گیا۔ اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر۔

اقتدا کرو اون دو کا جو میرے بعد ہونگے۔ یعنی ابی بکر و عمر کا۔

خلیفہ راشد کا کام ہے کہ وہ نظام ظاہری کو قائم رکھنے کے ساتھ امت کو منہاج نبوت پر چلائے۔ اور یہ ایسا سخت و صعب کام ہے جسکا نبھانا نہایت دشوار ہے۔ سلاطین عادل کا وجود دنیا میں بہت ملیگا۔ مگر سلطنت علی منہاج النبوۃ کا وجود عنقاء کے حکم میں ہے۔ آپ کے مبارک و مسعود زمانہ کے بعد صرف تیس سال تک خلافت علی منہاج النبوۃ کا سلسلہ رہا اور اوسکے بعد باوجودیکہ خلفاء مروانیہ و عباسیہ میں ایسے خلفاء ہوئے جو عدل و انصاف اور تنظیم امور سلطنت میں ضرب المثل ہیں۔ مگر اون کی خلافت کو خلافت علی منہاج النبوۃ نہیں کہتے۔ صرف ایک عمر ابن عبد العزیز ایسے گذرے ہیں جنکی شان خلفاء راشدین کی سی تھی۔ اور اسی وجہ سے اونکے زمانہ کو مثل زمانہ خلفاء راشدین کہا جاتا ہے۔ یا آخر زمانہ میں امام مہدی ایسے ہونگے۔ جنکے اندر دونوں وصف یعنی آثار نبوت و حکومت پوری طرح مجتمع ہونگے۔ اور وہی خیرات و برکات عود کر آئیں گے جو زمانہ نبوت یا خلافت میں تھے۔ انکے علاوہ بہت سے سلاطین رحم دل۔ انصاف پسند۔ متشرع و متدین گذرے ہیں جنھوں نے توسیع ممالک و حفظ حدود سلطنت اجراء احکام شریعت میں سر توڑ کوشش کی ہے۔ مگر امت نے اونکو خلیفہ راشد تسلیم نہیں کیا۔

اسکی وجہ بجز اسکے کچھ نہیں ہے کہ دونوں کو جمع کرکے ہر ایک آثار و لوازم کو اوسکی حد پر رکھنا نہایت سخت مرحلہ ہے اور سلطنت کو منہاج نبوۃ پر چلانا کٹھن کام ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مرض وفات میں ایک روز بہت بے چین تھے۔ اور فرماتے تھے میری سمجھ میں نہیں آتا خلافت کے معاملہ میں کیا کروں۔ اسی تردد میں رہتا ہوں کہ اپنے بعد کسکو جانشین کروں۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں میں نے عرض کیا علی (رضی اللہ عنہ) کیسے ہیں۔ آپ اونکو ولیعہد کیوں نہیں بناتے۔ فرمایا وہ ہر طرح اہل و لائق ہیں۔ سوا اسکے کہ اون کے اندر مزاح و خوش طبعی ہے کوئی اور بات نہیں ہے۔ مجھے نظر آتا ہے کہ وہ متولی خلافت

ہو جائیں - تو تم کو حق کے اوس راستہ پر لیکر چلیں جسکو تم پہچانتے ہو۔

یہ طریقہ جسکو صحابہ رضوان اللہ علیہم پہچانتے اور جانتے تھے وہی منہاج النبوت تھا - اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اوس طریقہ پر قائم رہنے - دوسروں کو اوس راہ پر چلانے کے پورے اہل تھے

اس ہمارے بیان سے نبوۃ سلطنت خلافت راشدہ کا فرق معلوم ہوگیا - اور یہ بھی سمجھ میں آگیا کہ نبوۃ وسلطنت کے مجتمع و متفرق ہونیمیں کل چار احتمال ہیں - نبوۃ محض - سلطنت محض - نبوۃ وسلطنت یکجا جمع ہوں سلطنت علی منہاج النبوۃ - سو محض نبوۃ تو ایسی جیسے کہ انبیار بنی اسرائیل میں ہوتی تھی جیسا کہ ہم مفصلاً بیان کر چکے ہیں - کہ باوجود انبیار کے موجود ہونیکے سلطان وقت علیحدہ ہوتا تھا - نبوۃ وسلطنت دونوں کی اجتماع کی وہ صورت ہے جو حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کو بنی اسرائیل پر حاصل تھی - یا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں جمع کردیے گئے تھے - اور سلطنت محضہ کی مثالیں ہزاروں موجود ہیں بنی اسرائیل اور امۃ محمدیہ کی ہر قرن میں سلاطین کا سلسلہ موجود رہا - سلطنت علی منہاج النبوۃ جسکو ہم نے خلافت راشدہ کے نام سے تعبیر کیا ہے - اسکے اندر ایک جانب تو اختیارات سلطنت کامل و تام موجود ہوتے ہیں - دوسری جانب نبوۃ کے آثار بھی پوری نمودار ہوتے ہیں - اسی وجہ سے اون کے احکام نبوۃ کے احکام کے ساتھ ملحق سمجھے جاتے ہیں - ان چاروں کے فرائض بھی متفاوت ہیں - نبی وحی الٰہی کے تابع ہوتے ہیں اور اوسکے اشارہ پر معاش و معاد کے احکام کی تلقین کرتے ہیں - اونکے حکم کی اطاعت فرض ولازم ہوتی ہے - اُس سے روگردانی کرنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہوکر مردود ابدی ہوجاتا ہے -

سلطان احکام شرعیہ میں بالکل نبی کے تابع ہوتا ہے - البتہ نظام عالم کو قواعد شرعیہ کے مطابق قایم کرتا - عدل وانصاف کی قوانین جاری کرتا ہے - تمام معاملات کا خواہ زرعی ہوں یا تجارتی - تمدنی ہوں یا سیاسی - صلح کے ہوں یا جنگ کے اوسی سے تعلق ہوتا ہے اور اوسی احاطہ میں خود مختار بنکر اپنے احکام نافذ کرتا ہے -

خلیفہ راشد میں سلطنت وحکومت کی جہت غالب ہوتی ہے - مگر چونکہ وہ مشکوۃ نبوت سے بھی مقتبس و مستنیر ہوتا ہے - اسلئے اوسکے احکام و اختیارات ایک حیثیت سے اگر بالکل سلاطین کے احکام و اختیارات ہوتے ہیں تو دوسری حیثیت سے وہ اپنے اندر احکام نبوت کی جھلک بھی لئے ہوتا ہے - اور اسی وجہ سے خلفار راشدین کا اتباع گو اسدرجہ کا فرض ولازمی نہیں ہے جیسا کہ احکام انبیار کا - مگر اسمیں شک نہیں کہ اونکی سنۃ وطریقہ کو

سنتہ انبیاء کی مماثل ومشابہ بنا دیا گیا ہے۔ اور اونکے اتباع کو ایک درجہ میں ضروری قرار دیا گیا ہے۔

خلیفۂ راشد اور سلطان عادل کے طریقہ اونکے احکام کا فرق اگر آپ سمجھنا چاہتے ہیں تو تاریخ وسیر میں خلفاء راشدین کے حالات ملاحظہ فرمالیجئے۔ آپ کو صدہا مثالیں ایسی ملیں گی کہ خلیفہ کا حکم یا طرز عمل سیاسی پہلو سے علیحدہ ہوکر اصلاح معاد وتہذیب اخلاق ومکارم تصفیہ باطن وتزکیہ خواطر پر مبنی ہوتا ہے۔

مثال کی ضرورت ہے تو دیکھ لیجئے۔

حضرت معاذ ابن جبل انصاری رضی اللہ عنہ نوجوان۔ خوش رو۔ خوش خو۔ کشادہ دل سخی تھے۔ اپنی قوم کے بہترین نوجوانوں میں سے تھے۔ سخاوت وکشادہ دستی کا یہ حال تھا کہ کسی چیز کا رکھنا اور جمع کرنا جانتے ہی نہ تھے۔ ایسے سخی کریم النفس کی آمدنی اگرچہ وہ فی حد ذاتہ زیادہ بھی ہو۔ کہاں تک خرچ کا ساتھ نباہ سکتی تھی آخر قرض لیکر خرچ کرنا شروع کیا۔ اور اسقدر قرضدار ہوگئے کہ تمام اموال منقولہ وغیر منقولہ قرض کے احاطہ میں آگئے۔

جب آمدنی کی کوئی صورت نہ رہی قرض خواہوں نے مطالبہ شروع کیا تو حضرت معاذ جناب رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی خدمت مبارک میں بدیں غرض حاضر ہوئے کہ آپ کے ایماء پر قرض خواہ کچھ نہ کچھ مسامحہ کرینگے اور کسی حصہ دین سے درگذر کرکے تھوڑی سی پر قناعت کر لینگے۔ قرضخواہوں نے باوجود آپ کے ایما کے کچھ بھی چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ تو آخر خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا تمام مال فروخت کرکے قرض ادا فرما دیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بالکل خالی ہاتھ رہگئے۔ کوئی چیز اونکے پاس باقی نہ رہی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی اس حالت کا فکر تھا۔ فتح مکہ کے سال آپ نے ملک یمن کے کسی حصہ پر اونکو والی مقرر فرماکر بھیجا تاکہ اونکی حالت کسی قدر درست ہوجائے اور جو نقصان مالی اونکو پہونچا ہے اوسکا جبر اوس آمدنی سے ہوجائے جو بیت المال سے بمعاوضہ خدمت عطا ہوگی۔

حضرت معاذ ادہر تو امیر یمن تھے اُدھر وہاں کچھ تجارت کے سلسلہ جنبانی کر دی۔ اور اس طرح اچھی مقدار مال کی اونکے پاس جمع ہوگئی۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد

آپ مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ صدیق اکبر کی خلافت کا زمانہ تھا۔ حضرت عمر نے آپ سے عرض کیا کہ آپ معاذ کے پاس اتنا چھوڑ کر جس سے وہ زندگی بسر کر سکیں۔ باقی سب روپیہ و سامان لیکر بیت المال میں داخل فرمالیں۔ صدیق اکبر نے اسکی جواب میں فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے بھیجا تھا کہ اونکے نقصان کی تلافی ہوجائے۔ ایسی حالت میں میں اون سے خود نہ لونگا۔ ہاں وہ خود داخل کریں تو مضائقہ نہیں۔

حضرت عمر نے جب یہ دیکھا کہ ابوبکر صدیق نے اس بات کو قبول نہیں کیا۔ تو خود حضرت معاذ کے پاس پہونچے اور یہ درخواست کی کہ تم اوس مال کو داخل بیت المال کردو۔ حضرت معاذ نے وہی جواب دیا کہ میں یمن بھیجا ہی اسلئے گیا تھا کہ وہاں رہکر تلافی نقصان کروں۔ اب میں ہرگز کچھ بھی نہ دونگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سنکر خاموش ہوگئے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد حضرت معاذ آپ سے ملے اور فرمایا کہ بھائی میں آپ کے ارشاد کی تعمیل کرونگا۔ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں پانی کے گرداب میں غوطے کھا رہا ہوں۔ ڈوبنے کے قریب ہوں۔ تم نے مجھکو اوس سے نجات دلائی ہے۔ اسکے بعد حضرت معاذ نے صدیق اکبر کی خدمت میں سارا ماجرا عرض کیا۔ اور جو کچھ کما کر لائے تھے سامنے رکھکر بحلف عرض کیا کہ میں نے کسی چیز کو مخفی نہیں رکھا۔ صدیق اکبر نے حلف کے ساتھ فرمایا کہ میں اسمیں سے کچھ نہ لونگا۔ میں اپنی طرف سے تمکو ہبہ کرتا ہوں۔ حضرت عمر موجود تھے۔ فرمایا کہ اب اسکے رکھنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نہایت جلیل القدر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہیں اونکی فضیلت و منقبت کا اندازہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد۔

یأتی امام العلماء برتوۃ

(معاذ ابن جبل قیامت کے روز علماء کے آگے آگے رہیں گے اور اونچے مقام پر ہونگے۔)

ایسے جلیل القدر صحابی سے یہ تو ناممکن تھا کہ بیت المال میں کسی قسم کی خیانت و بےاحتیاطی کرتے یا رعایا کو ستا کر اپنا خزانہ پُر کرتے۔ بطور روزینہ کے کچھ لیا تو وہ جائز تھا۔ بیت المال کے مال میں تجارت کر کے نفع حاصل کیا تو باذن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا آپ نے انکو

یمن بھیجا ہی اسلئے تھا کہ وہاں اوس نقصان کا جبر ہو جائے جو تمام جائداد و اموال کی فروخت سے پہونچ چکا تھا۔ ایسی حالت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اول صدیق اکبر سے اور پھر خود حضرت معاذ سے اموال مکسوبہ یمن کو واپس کر دینے کیلئے اصرار کرنا۔ اس بناء پر تو ہو نہیں سکتا کہ انکی طرف کسی قسم کی سوء ظنی تھی یا اس طریقہ کسب کو ناجائز اور مال مکسوب کو حرام و مشتبہ سمجھتے تھے۔ بلکہ بات تھی تو یہی تھی کہ حضرت معاذ جیسے پاک بے لوث منقطع عن الدنیا کے لئے آپ اسکو پسند نفرماتے تھے کہ دنیا یا متاع دنیا کی طرف کچھ بھی توجہ کریں۔ اونکے دل میں ثروت و دولت کی کچھ بھی قدر و منزلت ہو۔ ولایت و قضاء کے معاوضہ میں جو ایک ضروری اسلامی و دینی خدمت تھی سواء کفاف یا قدر گذران اوقات کچھ بھی لیں۔ غرض اونکے دل کو جب دنیا سے پاک رکھنا اور اوس تلوث سے دور کرنا تھا جو ممکن ہے کہ ولایت صوبہ کی جلیل القدر منصب یا تحصیل مال میں ہو گیا ہو۔ یہی وجہ تھی کہ جب تک حضرت معاذ کی طبیعت میں کچھ بھی تعلق یا میلان اوس مال کی طرف رہا۔ آپ کی طرف سے اوسکی واپسی پر اصرار رہا۔ اور جسوقت وہ تعلق منقطع ہو کر خود واپس کرنے پر امادہ ہو گئے۔ دل سے اوس خیال کو دور کر کے حضرت صدیق اکبر کیخدمت میں سب کچھ حاضر کر دیا۔ اور آپنے اوسکے قبول سے انکار فرمایا۔ تب حضرت عمر نے بھی یہی فرمایا کہ اب اوسکے رکھنے میں کچھ حرج نہیں۔ کیوں۔ اسلئے کہ جو مقصود تھا حاصل ہو گیا۔ اسوجہ سے نہیں کہ پہلے اونکو رکھنا حرام و ناجائز تھا اب حلال ہو گیا۔

خیال فرمائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اصرار کا منشا تھا کیا۔ بجز تزکیہ باطن و تطہیر قلب کچھ نہ تھا اونکی ہمدردی و نصح دینی کا اقتضاء یہ تھا کہ جو حضرات شرف رویت و مجالست سرور انبیاء علیہ و علیہم الصلوۃ والسلام سے مشرف ہو چکے۔ آپکی برکات ظاہری و باطنی کی انعکاس نے اونکی اخلاق و ملکات کو منور کر دیا۔ اور وہ انوار ایمانی سے مالا مال ہو چکے۔ اونکو دنیا و متاع دنیا سے کسی قسم کا رابطہ و تعلق نرہے۔ دنیا کو محض بلاغ یعنی ایام حیوۃ پورا کر کے دار آخرۃ تک پہونچانیکا ذریعہ سمجھیں۔

دوسری مثال درکار ہے تو دیکھئے کہ حضرت عمر رضی اللہ بجز ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو بضرورۃ سرانجامی معرکہائے رزم و بغرض اشاعت اسلام و توسیع ممالک اسلامیہ شام و عراق وغیرہ کو بھیجے گئے تھے۔ باقی جلیل القدر صحابہ کو بلا کسی خاص ضرورت کے حدود مدینہ منورہ سے باہر

نکلنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ دنیا کے سرسبز و شاداب ممالک۔ وہاں کے سامان عیش و طرب آسائش و راحت تلذذ و تنعم کو دیکھنے اون سے حد جواز میں استمتاع و انتفاع کو پسند نہ فرماتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ میں چاہتا ہوں لا یرون الدنیا و لا تراھم

(نہ یہ دنیا کو دیکھیں اور نہ دنیا ان کو)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ تشدد جسکو غالبًا ایک سطحی نظر والا جابرانہ حکم سے تعبیر کرسکتا ہے بظاہر قواعد شرعیہ اور اصول ممہدہ اسلامیہ میں داخل نہ تھا۔

نہ سیاحت کیلئے سفر کی ممانعت ہے نہ تجارت اور طلب رزق کیلئے۔ مگر اس کا مبنی بھی وہی تزکیہ و تطہیر۔ و قطع تعلقات دنیا و متاع دنیا تھا۔ آپکو اسکی فکر لگی ہوئی تھی کہ جن کامل و مکمل افراد کا ببرکت صحبت حضرت سرور انبیا علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام تزکیہ تام ہو چکا دنیا کی اونکے قلب میں پشہ کی برابر قدر و قیمت نہیں رہی۔ وہ اسیطرح اوس عالم کو تشریف لیجائیں۔ اور کسی نہج و کسی عنوان سے ظاہری طور پر اونکو دنیا کی سرسبزی و شادابی اپنی طرف مائل نہ کرسکے۔

یہ اور اس قسم کے احکام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا اصل مقصود ہے اور یہ اونکے خاص فرائض منصبی میں داخل ہے۔ انبیاء علیہم السلام جہاں ایک طرف اوامر و نواہی شرع کی تعلیم فرماتے تھے۔ دوسری جانب دنیا و مافیہا کی نفرت ذہن نشین کر کے قلوب کا تزکیہ و تصفیہ فرماتے تھے۔

ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم ایاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ۔

(وہی جس نے اُٹھایا بیچ اَن پڑھوں کے پیغمبر انہیں میں سے پڑھتا ہے اوپر انکے نشانیاں اُسکی اور پاک کرتا ہے اُنکو اور سکھاتا ہے اُنکو کتاب و حکمۃ)

خلفاء راشدین کو بھی انبیاء علیہم السلام کے دونوں قسم کے احکام و اختیارات سے حصہ ملا ہے اور اسی لئے ہمنے کہا ہے کہ وہ اختیارات سلطنت کے ساتھ آثار نبوۃ بھی اپنے اندر لئے ہوتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

تقریظ

العائلہ ہمارے مکرم اور علم دوست طبیب جناب مولوی غلام غوث صاحب بہاولپوری نے (جو بفضلہ تعالی پرانے طرز کی جامعیت علوم اور قابلیت سے متصف ہونیکے ساتھ روشن خیال اور جدت پسند طبیعت رکھنے والے ہین) اپنے عزیز صاحبزادہ محمد عبدہٗ حفظہ اللہ تعالی کے تولد پر ایک نہایت مفید اور ساتھ ہی دلچسپ رسالہ بجای طبیب العائلہ کے صرف العائلہ نام رکھکر تالیف فرمایا ہے جو بظاہر زچہ اور بچہ کی احتیاط اور تدبیر کے متعلق ایک طبی رسالہ ہے لیکن حقیقت مین بہت سے علمی وادبی مضامین کا مجموعہ اور مختلف قسم کی معلومات کا ذخیرہ ہے۔ جناب مولف کا طرز ہے کہ وہ جو کچھ لکھتے ہین نہایت تحقیق سے لکھکر قل ودل کا مصداق بنا دیتے ہین اور دوا یا علاج جو لکھتے ہین وہ نہایت مجرب و منتخب ہوتا ہے۔ یہ نہین کہ علاج الغربا مین سے بلا تمیز دو چار نسخے نقل کر کے ایک جدید رسالہ تیار کر کے اچھا سا نام رکھکر طبع کرا دین۔

موضوع و مقصد رسالہ کے متعلق تشخیص امراض و معالجات و تدابیر مفصل و مجمل بطرز مناسب بیان کرنیکے بعد حقوق والدین حقوق اولاد حقوق ازواج وغیرہ بیان کئے ہین اور ساتھ ہی ساتھ بعض زائد مگر مناسب امور سے بھی بحث کی ہے (مثلاً پردہ نسوان۔ اسباب تنزل طب یونانی۔ دعاء و تعویذات کا اعتقاد وغیرہ) اور بخلاف دیگر طبی رسائل کے ان تمام بیانات کو حضرت یوسف کے حسن مذاق نے موقع بموقع قدیم و جدید حکایات اور عربی و فارسی کے بعض مناسب و برمحل اشعار سے نہایت دلکش بنا دیا ہے۔ امراض نسوان کو بیان کرنے کیلئے مختصر تمہید کو اس شعر سے شروع کیا ہے۔

حسرت روی ترا حور تلافی نہ کند | از تو آخر بچہ امید شکیبا باشم

اور ایک بحث کو مفصل بیان نہ کر سکنے کے عذر میں اختصار رسالہ کو پیش کر کے یہ شعر لکھا ہے۔

کمند کوتہ و بازوی سست بام بلند | بمن حوالہ و نومیدیم گنہ گیرند

احمدی پریس علیگڑھ مین عمدہ کاغذ کے باون صفحات پر اہتمام و صفائی سے طبع ہوا ہے کتابت کی غلطیان بھی بہت کم ہین۔

جناب مولف (یعنی حکیم غلام غوث صاحب حال میونسپل طبیب خان پور ریاست بہاولپور) سے ملسکتا ہے قیمت غالباً تین چار آنہ سے زیادہ مقرر نہین فرمائی ہوگی۔

قواعد و ضوابط رسالہ القاسم

۱- یہ رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے اور کسی ماہ کا رسالہ بتیس ۳۲ صفحے سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھ جاتا ہے۔

۲- یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوتا ہے اور عام قیمت سالانہ مع محصول دو روپیہ آٹھ آنہ عہ/ پیشگی لیجاتی ہے۔ ممالک غیر سے صرف اسیقدر زیادہ لیا جائیگا جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے۔

۳- جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچ روپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائینگے وہ رسالہ کے معاونین خاص مین شمار ہونگے اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم مین شائع ہوتی رہیگی۔

۴- سوای اُن صاحبون کے جو قیمت پیشگی ادا فرما چکے جملہ حضرات کی خدمت مین شروع کا (یا خریدار کا جب سال شروع ہو اُس کا) پہلا پرچہ ویلو بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کر کے عہ ۹/ کا ویلو روانہ ہوگا۔

۵- یہ رسالہ ہرگز کبھی کسی صاحب کی خدمتمین بلا طلب و تحریک ویلو نہین روانہ کیا جاتا۔ بعض حضرات خود طلب فرماتے ہین اور بعض حضرات اپنے اعتماد پر دوسرون کی خدمت مین ویلو بھیجنے کی فرمائش کرتے ہین۔

۶- شعبان سنہ ۱۳۳۳ھ مطابق جولائی سنہ ۱۹۱۵ء سے اس رسالہ کا چھٹا سال شروع ہوا ہے۔ پہلے پانچ سالون کی مکمل جلدین موجود ہین قیمت ہر جلد کی عہ ۹/ مع محصولڈاک ہے۔

۷- نمونہ اور اشتہار مین جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہین اُن کے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کئے جائینگے جو اصول و مقاصد رسالہ کے خلاف نہ ہون۔

۸- القاسم کے متعلق جملہ تحریرات و ترسیل زر بنام حضرت مدیر یا بنام خاکسار ہونی چاہیئے۔

المشتہر

خاکسار سراج احمد عفی عنہ معتمد المدیر "رسالہ القاسم" مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

(رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۳)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

قیمت سالانہ

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی - ماہوار رسالہ

نمبر ۳ | بابت ماہ شوال ۱۳۳۳ھ | جلد ۶

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

(نے)

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

(اور)

مطبع قاسمی دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھپوایا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ شوال ۱۳۳۳ھ

(مطابق ماہ ستمبر ۱۹۱۵ء)

جو حضرت مولانا محمود حسن صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

(اور)

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

(شائع ہوتا ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمۃ الحق

(سلسلہ کے لیے دیکھو القاسم نمبر ۱۲ جلد ۵)

اسی طرح باقی نو آدمیون نے یکے بعد دیگرے دس دس احادیث ترتیب وار بیان کین۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ سنتے رہے اور ہر حدیث کو سنکر لَا اَعْرِفُہٗ فرماتے رہے۔ جب یہ دس آدمی فارغ ہو چکے تو امام بخاری علیہ الرحمۃ اول شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم نے اولاً جو حدیث ہمارے سامنے پیش کی ہے اُسکی اسناد یون بیان کی ہے یہ غلط ہے اور صحیح یون ہے اور دوسری حدیث مین تم نے یہ قطع و برید کی ہے اُسکی حقیقت یون ہے اور تیسری حدیث مین تم نے یہ کارستانی کی ہے وہ یون ہے غرض کہ دسون حدیثون مین جو قلب اسناد و متن اس شخص نے کیا تھا اُسکو امام بخاری نے اچھی طرح بتلا دیا اور جو ہونا چاہیے تھا اُس کو بیان فرما دیا۔ پھر دوسرے شخص کی طرف رُخ کیا اور نمبروار اُسکی حدیثون مین جو غلطیان اور دھوکے تھے ظاہر کر دیے۔ اسی طرح اُن تمام لوگون کی بیان کی ہوئی حدیثون کو اُسی ترتیب سے بیان کیا اور جو کچھ صحیح تھا وہ بتلا دیا جو دام ان لوگون نے بچھایا تھا اُسکو توڑ دیا اور صاف نکل گئے۔ جو پردہ فریب کا ان حضرات نے ڈالا تھا وہ اُٹھ گیا اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو گیا ان لوگون کی غلطیون کا پرکھ لینا اور احادیث کی اسانید و متون کو صحیح بیان کر دینا تو ایک حافظ متقن سے چندان تعجب خیز نہین ہے بلکہ اُن لوگون سے سُو غلط حدیثین ایک مجلس مین سنکر اُنکی اسانید و متون کو اُنکے بیان کے موافق محفوظ رکھنا اور اُسی ترتیب سے بیان کرکے اصلاح کرنا سخت حیرت انگیز ہے۔ ؎

جلوے مری نگاہ مین کون و مکان کے ہین مجھ سے کہان چھپین گے وہ ایسے کہان کے ہین

محفل مین سکتے کا عالم تھا۔ اہل فن دنگ تھے اور ایک دوسرے کا مونھ تکتے تھے۔ امام کے حفظ اور تبحر پر انگشت بدندان تھے۔ ناچار سب کو آپ کے حفظ و اتقان اور وفور علم کا عقیدتمند ہونا پڑا۔

ایسے ہی ایک مرتبہ سمرقند مین چارسو محدثین نے مجتمع ہو کر چاہا کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کے حفظ و اتقان کا

امتحان کرین ان حضرات نے جو طریق امتحان مقرر کیا وہ بھی سخت تھا۔ مثلاً ایک حدیث کو اہل عراق و شام و مکہ و یمن اپنی اپنی اسانید و طرق مختلفہ سے بیان کرتے ہین اور الفاظ مین کچھ کچھ فرق ہوتا ہے۔

ان حضرات نے مغالطہ دینے کی غرض سے اہلِ شام کی اسناد کو اہلِ عراق کی اسناد مین اور اہلِ عراق کی اسناد کو اہل شام کی اسناد مین اہل مکہ کی اسناد کو اہلِ یمن کی اسناد مین اور اہلِ یمن کی اسناد کو اہل مکہ کی اسناد مین ملا دیا اور امام بخاری پر یہ احادیث پیش کین امام بخاری علیہ الرحمتہ پر ان کا مکر و فریب کھل گیا اور ہر اسناد کو علیحدہ علیحدہ مفصل بیان فرما دیا اور کا جرون مین جو گٹھلیان ملائی گئی تھین اُن کو جدا کر دیا۔

ہم نے یہ چند واقعات امام بخاری علیہ الرحمتہ کے تذکرہ مین بطور مشتے نمونہ از خروارے لکھدئے مین کہ مسلمانون کو اپنے اسلاف کے علم و فضل و کمال کا کچھ اندازہ ہوسکے آپ نے اپنے اُستاد امام اسحق بن راہویہ کے ارشاد کی تعمیل پر توکلا علی اللہ کمر ہمت باندھی اور صحیح بخاری شریف کی ترتیب شروع کر دی ناظرین کو حیرت ہوگی جب وہ یہ معلوم کرین گے کہ صحیح بخاری شریف کی تالیف مین امام نے کیا کیا احتیاط کی ہے۔

چھ لاکھ احادیث کے مجموعہ سے جو امام کا سرمایۂ طلب علم تھا۔ نہایت صحیح صحیح احادیث کو صحیح بخاری شریف مین جمع کیا۔ اوّل آپ مکہ کرمہ مین حاضر ہوئے اور مسجد حرام مین صحیح بخاری شریف کے ابواب کی ترتیب اس طرح کی کہ ہر ترجمہ پر اوّل غسل کرتے تھے اور اُسکے بعد دو رکعت نماز استخارہ پڑھکر جناب باری مین دعا کرتے تھے اس طرح آپ نے مسودہ تیار کر لیا اور پھر روضۂ مطہرہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہوئے اور اس مسودہ کی تبییض اسی طرح کی کہ ہر ترجمہ پر غسل کرکے دو رکعت نماز استخارہ کی پڑھی اور جناب باری مین دعا کی۔ اور روحانی طمانیت حاصل کرنیکے بعد ترتیب تراجم ابواب سے فارغ البال ہوئے محض اپنی تحقیق و حفظ پر اعتماد نہ کیا۔ اسکے بعد اُن ابواب کی مناسب احادیث کو اُن مین جمع کیا فوائد فقہیہ اور نکات علمیہ و حکمیہ کے جواہر بھر دیے متون احادیث سے معانی کثیرہ اخذ کیے اور اُن کو متفرق ابواب مین بحسب تناسب ودیعت فرمایا۔ ایک حدیث کو متعدد وجوہ سے متعدد ابواب مین درج کیا اس عرق ریزی سے سولہ سال کی مدت مین صحیح بخاری شریف کی تالیف سے فراغت حاصل کی صحیح بخاری شریف مین امام کے مساعی جمیلہ کی شہادات ہر سطر اور ہر جملہ مین ملتی ہین مگر سب سے بڑی فتح

اور فوز کا حقیقی سبب استخارہ ہے جسکی سخت محنت برداشت کرکے امام نے اپنی مشکل کو آسان کرلیا اپنے بل بوتے پر گھمنڈ نہ کیا اپنے عجز کو پیش نظر رکھا افوض امری الی اللہ کی تعلیم کو اپنا نصب العین قرار دیا اور جناب باری سے اپنی اس کڑی مشکل مین خیر وفوز کی الحاح وزاری سے التجا کی۔

مسلمانون کو فراموش نہ کرنا چاہیے کہ استخارہ کامیابی کی کنجی ہے جس سے مقصود کے مشکل سے مشکل مقفل دروازے آسانی سے کھل جاتے ہین۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ استخارہ کے متعلق ایک نہایت مختصر کارآمد و نافع ناظرین بحث کردی جائے

حدیث شریف مین ہے۔

عن جابر قال كان رسول الله	حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے
صلى الله عليه وسلم يعلمنا الاستخارة	کہ وہ فرماتے ہین کہ ہمکو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
في الامور كما يعلمنا السورة	سب کامون مین استخارہ کی دعا نہایت اہتمام وتاکید سے
من القرآن يقول اذا هم	سکھاتے تھے جیسے کہ قرآن کی سورۃ اہتمام سے سکھاتے
احدكم بالامر فليركع ركعتين	تھے فرماتے تھے کہ جب کوئی شخص تم مین سے کسی کام
من غير الفريضة ثم ليقل	کا ارادہ کرے تو اُسکو چاہیے کہ دُو رکعت نماز سوائے فرض
اللهم اني استخيرك بعلمك	نماز کے پڑھے اور نماز پڑھکر یون دعا کرے کہ یا الٰہی مین
واستقدرك بقدرتك	تجھ سے خیر طلب کرتا ہون تیرے علم کی استعانت سے
واسئلك من فضلك العظيم	اور تجھ سے قدرت طلب کرتا ہون خیر کے حاصل ہونے پر
فانك تقدر ولا اقدر وتعلم	بواسطہ تیری قدرت کاملہ کے اور تجھ سے تیرے فضل وکرم
ولا اعلم وانت علام الغيوب	کا طلبگار ہون یا اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے اور مین کسی چیز پر
اللهم ان كنت تعلم ان هذا	قادر نہین۔ یا اللہ تو ہر کام کی بھلائی برائی کو جانتا ہے اور
الامر خير لي في ديني و	مین کچھ نہین جانتا اور تو چھپی ہوئی چیزون کا جاننے والا ہے
معاشي وعاقبة امري	یا اللہ اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (جس کام کا ارادہ ہو یہان
فاقدره لي ويسره لي ثم بارك	اُس کام کا نام لینا چاہیے) میرے لیئے دین ودنیا اور انجام کار
لي فيه وان كنت تعلم	مین بہتر ہے تو تو اُسکو میرے لیے مہیا اور آسان کردے اور پھر اُسمین میرے لیے برکت عطا فرما اور اگر تو جانتا ہے

ان هذا الامر شر لی فی دینی ومعاشی وعاقبة امری فاصرفه عنی واصرفنی عنه واقدر لی الخیر حیث کان ثم ارضنی به قال ویسمی حاجته۔ (رواہ البخاری)

کہ یہ کام (جس کام کا ارادہ ہوا ور یہاں بھی اُسکا نام لے) میرے لیے دین و دنیا اور انجام کار مین برا ہو اُسکو مجھ سے دُور کر دے اور میرے دل کو اُس سے پھیر دے اور مہیا فرما دے میرے لیے بھلائی جہاں کہین ہو اور پھر مجھکو اُس سے راضی کر دے۔

اُس دعا کے ترجمہ سے ناظرین کو تھوڑی سی توجہ کرنے سے دعا کے آداب پر بھی اطلاع ہو سکتی ہے۔ یہی تعلیم نبوی کہ امتِ مرحومہ کے کشود کار اور حل مشکلات کے لیے اُنکی رہنمائی فرمائی۔ اس کہنے مین بالکل مبالغہ نہین ہے کہ آپ نے اپنے غریب اور اپاہج مفلس اور ناچار عاجز اور بیکس لوگون کو بھی کامیابی اور مقصد رسی کا نہایت سہل طریق تعلیم فرما کر عبد کو اپنی حاجات و مشکلات مین رب العباد کی طرف متوجہ ہونے کا امر فرما دیا اور اپنے جیسے عاجزون کی بیجا خوشامد و منت و سماجت سے بچا دیا۔ استخارہ کا مسنون طریق کہ جس مین کسی کو خلاف نہین یہی ہے جو مذکور ہوا۔ اور بھی دعائین بعض دوسری احادیث مین مروی ہین مگر جمہور کا معمول یہی ہے استخارہ مسنونہ مین خواب کا دیکھنا ضرور نہین ہے بلکہ دل مین کام کرنے یا نہ کرنے پر ایک قوت و اطمینان پیدا ہو جاتا ہے جو حقیقت مین خدائے تعالے کی طرف سے دل مین القا ہوتا ہے۔ ایک اندھے آدمی کو اُسکی لاٹھی پکڑ کر ٹھیا پر ڈالدینے سے جس طرح اُسکی منزل آسان ہوتی ہے ایسے ہی نماز استخارہ سے بندۂ عاجز کی ہدایت ہوتی ہے۔ ایک بڑا نفع استخارہ کا یہ ہے کہ جس کام کے لیے استخارہ کیا جائے اگر اُس مین خیر و نفع نہین تو منجانب اللہ دوسرا کام جس مین نفع و خیر ہے مہیا ہو جاتا ہے چنانچہ کسی بزرگ کا مقولہ ہے۔

ماخاب من استخار وما ندم من استشار

جو شخص استخارہ کرتا ہے وہ ٹوٹے مین نہین رہتا اور جو اہل رائے سے مشورہ کرتا ہے وہ نادم نہین ہوتا۔ مثل مشہور ہے
پنچ مل کیجیے کاج ہارے جیتے آئے نلاج۔

ایک اور بزرگ کا مقولہ ہے۔

من اعطی الاستخارة لم یمنع الخیرة۔

جس کو خدا کی طرف سے استخارہ کی توفیق ہوئی وہ بھلائی سے روکا نہین جاتا۔

اب تک بعض جاہلوں میں رواج ہے کہ شادی بیاہ کی تاریخ پنڈت اور نجومیوں سے دریافت کرتے ہیں اور سفر وغیرہ کے وقت کی تعیین میں نجومیوں کے معتقد بنجاتے ہیں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ خفتہ را خفتہ کے کند بیدار۔ اچھا اگر یہ پانڈے اور نجومی و رمال غیب کی خبر رکھتے ہیں تو اپنے آپ سے شرور و آفات کو کیوں دفع نہیں کر لیتے۔

کوئی نجومی لوگوں سے تو غیب کی خبریں اندھا دھند بیان کرتا تھا اور اوسکی بیوی فاحشہ تھی اوسکا آشنا اوسکے گھر میں آیا کرتا تھا اپنے گھر کی اصلا خبر نہ تھی سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسکی متعلق اس شعر مسکت میں داد قابلیت دی ہے۔

تو بر اوج فلک چہ دانی چیست	چوں نہ دانی کہ در سرائے تو کیست

قرآن پاک کی پاکیزہ اور صحیح تعلیم ہے۔

وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو	خدا تعالیٰ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں اونکو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔
ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء	اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائیاں جمع کرلیتا اور مجھے تکلیف کبھی نہ پہونچتی۔

اہل سنت کا قدیم اور صحیح عقیدہ یہی ہے کہ غیب کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ شریعت غرا میں ان سب عقائد باطلہ کی نفی فرما دی ہے اور شگون و ٹوٹکے اور نجوم وغیرہ کا ابطال فرما دیا ہے۔ اور ان سب کی بجائے استخارہ کی اجازت اور تاکید فرمائی ہے کہ اسمیں بندہ مومن کا سراسر نفع ہے توحید کا اذعان حاصل ہوتا ہے ایمان میں قوت بڑھتی ہے اپنا عجز اور خدا تعالیٰ کی قدرت پر یقین حاصل ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں چونکہ علم دین سے بدشوقی ہے نہ پڑھتے ہیں نہ پوچھتے ہیں اسلئے صحبت بد کے اثر سے متاثر ہو کر دائرہ شریعت سے خارج ہونے کی نوبت بھی آجاتی ہے۔ بہت سے افعال ایسے کر بیٹھتے ہیں کہ جو صریح کفر ہیں کفر کی کوئی بات زبان سے نکالنا اور کافروں کا سا کوئی کام کرنا اور اوسکی وقعت و تصدیق قلب میں ہونا کفر ہے۔ اللھم احفظنا من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔

الحاصل استخارہ ایک نعمت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقتضائے شفقت عامہ مومنین بتاکید اوسکا حکم فرمایا۔ والناس عنہا غفلون
یہ بھی یاد رہنا چاہیئے کہ استخارہ اوس مباح کام میں کرنا چاہیئے جسکی بھلائی اور برائی میں تردد ہو مثلاً کوئی شخص تجارت یا ملازمت یا نکاح کرنا چاہتا ہے اور تردد ہے کہ اس تجارت یا ملازمت یا اس نکاح میں نفع ہوگا یا نقصان تو ایسی صورت میں استخارہ کرنا مسنون ہے اور جو کام سراسر خیر محض اور طاعت ہو اوسمیں استخارہ کرنا ممنوع ہے ہاں تعیین وقت یا کسی حالت خاص کے اعتبار سے مناسب ہے۔ مشہور ہے کہ در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست ایسے ہی واجب اور مستحب کے کرنے اور حرام و مکروہ سے بچنے کے لئے بھی استخارہ نہ کرنا چاہیئے کیونکہ واجب کا کرنا ضروری اور مستحب کا بجالانا ثواب اور ترک حرام و مکروہ ضروری ہے پھر استخارہ سے کیا حاصل۔ ایسے ہی کھانا پینا جو امور طبیعہ ہیں اور جنکی روزانہ ضرورت ہے ایسے امور میں بھی استخارہ نہ چاہیئے۔
ایک شخص شیعی کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ استخارہ کے بہت ہی پابند تھے۔ ایک روز میں اونکے سامنے سے گذرا اونہوں نے مجھے بلا لیا اور پان کے لئے استخارہ کیا اجازت ہوئی پان منگایا اتنے میں دوسرے ایک صاحب آگئے پھر استخارہ دیکھا نہ نکلا مجھے پان دیا اون کو نہ دیا۔ بازار کو قیمتی بڑھیا کپڑا خریدنے کو چلے ہر بزاز کی دکان پر استخارہ کیا اتفاق سے ایسے بزاز کی دکان پر اجازت ہوئی جسکی دکان میں بہت ہی کم قیمت کپڑا ایک تھا سارے بازار کا چکر کاٹ کر گھر چلے آئے۔ سنا ہے کہ ان حضرت نے ایک روز پاخانہ جانے کے لئے استخارہ کیا اجازت نہ ہوئی تھی استخارہ کے پابند بیٹھے رہے پاجامہ میں پاخانہ نکل گیا استغفر اللہ ثم استغفر اللہ اللہ تعالی ایسی حماقت سے محفوظ رکھے۔
ایک مرتبہ استخارہ کرنے سے اگر تردد رفع نہو تو دوسری تیسری بار کرے انشاء اللہ تعالی تردد رفع ہوکر ایک جانب پر دل کو اطمینان ہو جائیگا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے ایک روایت میں یہ ہے کہ اونکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے استخارہ تعلیم فرمائی اور فرمایا کہ سات بار پڑھ پھر دیکھ جو بات اللہ تعالی کیطرف سے تیرے دل میں القا ہو اسکو

وہ تیرے لئے بہتر ہے۔

استخارہ کی بحث بطور جملہ معترضہ کے درمیان میں آگئی تھی اب ہم اپنے اصل مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اوپر کی تقریر میں امام بخاری علیہ الرحمۃ کے فضل وکمال پر کافی شہادت موجود ہے اور صحیح بخاری شریف کے متعلق بھی جدوجہد وسعی بلیغ واحتیاط تام کا پتہ چلتا ہے کہ ایسی احتیاط سے کتاب کا تصنیف کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ علمانے انصاف کیا اور امام بخاریؒ کی محنت کی داد دی اور متفقہ آواز سے کہا اصح الکتب بعد کتاب اللہ البخاری۔ قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب صحیح بخاری ہے گو بعض اہل مغرب نے صحیح مسلم شریف کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ مانا ہے مگر وہ قول بمقابلہ جمہور قابل قبول نہیں اور اوسکی وجہ بھی بعض نے بیان فرمادی ہے کہ صحیح مسلم میں ایک باب میں اوسکی کل احادیث کو جمع فرمادیا ہے اور ایک حدیث کے کل طرق یکے بعد دیگرے مفصل بیان فرمادئے ہیں اور احادیث موقوفہ کو شاذونادر بیان کیا ہے۔ اس اعتبار سے بعض نے صحیح مسلم کی نسبت یہ دعوی کیا ہے۔

رہا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے سو یہ صحیح بخاری کے اصح الکتب ہونے میں مخل نہیں اسلئے کہ جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے موطا کے اصح ہونے کا دعوی کیا تھا اوسوقت صحیح بخاری ومسلم کا وجود نہ تھا جبتک موطا اوس زمانہ کی مسانید سے اصح تھا۔ صحیح بخاری شریف کی ایک اور خصوصیت اور فضیلت سلفا خلفا علمار کا تجربہ ہے کہ دفع مصائب حوادث میں بخاری شریف کا ختم خدا تعالی کے فضل سے مجرب ہے اور سفردریا میں صحیح بخاری شریف کا پاس ہونا باذن اللہ تعالی غرق سے محفوظ رکھتا ہے۔ ایسے ہی یہ بھی تجربہ ہے کہ موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ درد زہ کے وقت عورت کے ہاتھ میں رکھنے سے وضع حمل میں سہولت ہوتی ہے۔

ہمارے اس بیان پر ممکن ہے کہ بعض دوست ناک بھوں چڑھائیں اور ملانوں کی گپیں اور افسونوں کی پینک کہیں جو جی میں آئے فرمائیں مگر اونکو یہ خوب یاد رکھنا چاہئے کہ جسنے جڑی بوٹیوں میں دفع امراض کے خواص عطا فرمائے ہیں اور جسنے ہوا بھرے ہوئے پھکنے

اور مشکوں کو پانی میں ڈوبنے سے بچالیا ہے جسنے بجلی کی قوت سے بہت مافوق العادہ کام نکلوائے ہیں جسنے فلسفے کی بدولت آج بہت سے اون باتوں کو منوا دیا ہے جن کا اسکے پہلے انکار کیا جاتا تھا کیا اوس قادر مطلق میں یہ قدرت اور قوت نہیں ہے کہ اپنے یا اپنے برگزیدہ نبی کے کلام میں یہ خواص ودیعت فرمادے۔

تجربیات کی جو شان عالم میں ہے اور جس درجہ میں اونکا اثر تسلیم کیا جاتا ہے وہی شان اور وہ ہی اثر ان امور میں پایا جاتا ہے اور یہ تحکم محض ہے کہ ایک جماعت کے مجربات تو مسلم ہوں اور ایک جماعت کے مجربات کو قبل از امتحان رد کر دیا جائے جسطرح کنین سے کبھی نفع نہیں ہوتا اور ہوائی جہاز کی طاقت پرواز سلب ہو جاتی ہے اور سب کھیت بہجاتے ہیں یا پانی پر تیرنے والا جہاز غرق آب ہو جاتا ہے ایسے ہی اگر کسی عمل و تدبیر مجرب میں تخلف ہو تو وہ اوسکے اثر متیقن کو زائل نہیں کر سکتا بلکہ کسی مانع کا وجود جو وہاں مسلم تھا وہ ہی یہاں بھی ماننا پڑے گا۔

اب ہم امام بخاری علیہ الرحمۃ کے حالات اور تاریخی واقعات کو اگر تفصیل سے بیان کریں تو تطویل کا اندیشہ ہے ناظرین کی دلچسپی اور واقفیت کیلئے اسیقدر پر کفایت کرتے ہیں اور حسب وعدہ چند اور محدثین کے حالات کتب معتبرہ متداولہ سے قلمبند کر کے اصل بحث کی طرف رجوع کرینگے۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ کے بعد مشتاقان حدیث نبوی کی نظریں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے نورانی چہرہ پر پڑتی ہیں۔ آپ کی کنیت ابو الحسین اور نام مسلم بن حجاج ہے قبیلہ قشیر سے ہیں نیشاپور آپکا وطن ہے۔ آپ کی پیدائش سنہ ۲۰۰ ہجری کے بعد ہے بعض کا خیال ہے کہ سنہ ۲۰۲ میں اور بعض کا سنہ ۲۰۴ میں اور بعض کے نزدیک سنہ ۲۰۶ میں آپکی ولادت ہوئی ہے۔ اور سنہ ۲۶۱ ہجری میں آپکی وفات ہوئی عمر آپ کی پچپن سال کی تھی۔ اس قول کے موافق آپ کی ولادت سنہ ۲۰۶ میں صحیح معلوم ہوتی ہے۔ آپ کو علم حدیث سے ایک خاص شغف تھا۔ امام احمد بن حنبل و امام اسحق بن راہویہ و یحیی بن یحیی نیشاپوری جیسے کبیر الشان ائمہ حدیث سے سماع و اخذ حدیث کا شرف آپ کو حاصل ہے۔

باقی آیندہ

مبدأ و معاد

توحید وجودی و شہودی

یہ جواب ایک مثال سے واضح ہوسکتا ہے مثلاً کوئی شخص اپنے آپ کو خواب میں بادشاہ دیکھے کسی مناسبت کی وجہ سے کہ اُسکو بادشاہت کے مقام سے ہے اور لوازم بادشاہت اپنے اندر پاوے اور معلوم ہے کہ وہ شخص بادشاہ نہیں ہوا بلکہ صورت مثالی بادشاہت کی اُسنے اپنے اندر دیکھی ہے اور درحقیقت بادشاہت کو اوسکی صورت مثالی سے کچھ مناسبت نہیں البتہ اُس صورت مثالی کا مشاہدہ اسکی خبر دیتا ہے کہ اُس شخص کے اندر استعداد اور لیاقت بادشاہت کی ہے اگر عنایت خداوندی اُس شخص کے شامل حال ہو اُس مقام بادشاہت تک پہنچ سکتا ہے اور جو امر بالقوہ ہے وہ بالفعل ہوجاوے لیکن محض بالقوہ کسی چیز کا حاصل ہونا حصول بالفعل نہیں ہے قوت اور فعل میں بہت فرق ہے بہت سے لوہے کے ٹکڑے کہ آئینہ بننے کی قابلیت رکھتے ہیں مگر جب تک آئینہ نہ بنجاویں بادشاہوں کے ہاتھ میں جانے کا شرف اُن کو حاصل نہ ہوگا اور اونکے جمال کے حصول سے بہرہ ور نہ ہونگے۔ بات دور چلی گئی مگر وجہ ان علوم غامضہ کی تحریر کی یہ ہوئی کہ اس زمانہ میں بعض لوگ بسبب تقلید کے اور بعض محض علمی قوت سے اور بعض بوجہ علم مخلوط بذوق کے اگرچہ فی الجملہ ہی ہو اور بعض الحاد و زندقہ کی راہ سے توحید وجودی کو شعار بنائے ہوئے ہیں اور اُسمیں غلط فہمی کر رہے ہیں سب کو حق جانتے ہیں اور تعلید شرعی کی قید سے اِس حیلہ سے نکلنا چاہتے ہیں اور نکل گئے ہیں اور مداہنت احکام شرعیہ میں کرتے ہیں اور اس حال و اس معاملہ سے خوشوقت اور خورسند ہیں اور اوامر شرعیہ کا اگر اقرار بھی کرتے ہیں تو اُسکو طفیلی جانتے ہیں مقصود اصلی شریعت کے سوا خیال کرتے ہیں حاشا وکلا ثم حاشا وکلا اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے اس اعتقاد باطل سے۔ طریقت اور شریعت عین یکدیگر ہیں اُنمیں سرمو باہم مخالفت نہیں اجمال و تفصیل و استدلال و کشف کا

فرق ہے۔

جو امر مخالف شریعت ہے مردود ہے جیسا کہ کہا گیا کل حقیقۃ ردتہ الشریعۃ فھو زندقۃ یعنی جس حقیقت کو شریعت رد کرے وہ زندقہ ہے۔ شریعت کو قایم رکھکر حقیقت کو طلب کرنا کمال محض ہے حق تعالیٰ ہمکو اور آپ کو حضرت سید البشر علیہ الصلوۃ والسلام کی اتباع پر قائم رکھے اور ظاہری اور باطنی پیروی اُن کی نصیب فرماوے ہمارے پیرو مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کا مشرب ایک عرصہ تک توحید وجودی کا رہا اور اپنے خطوط اور رسالوں میں اسکو ظاہر بھی فرمایا مگر آخر میں آپ کو حق تعالیٰ نے اُس مقام سے ترقی عطا فرمائی اور کوچہ تنگ سے شاہ راہ پر پہنچایا شیخ عبد الحق کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے مخلصین میں سے ہیں نقل فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ مرض وفات سے ایک ہفتہ پہلے فرماتے تھے کہ مجھکو کامل یقین کے ساتھ معلوم ہوا ہے کہ توحید کوچہ تنگ ہے شاہ راہ دوسری ہے اس سے پہلے بھی میں یہ جانتا تھا مگر اسوقت زیادہ یقین حاصل ہوا ہے اور یہ حقیر بھی حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہتے ہوئے اول یہی مشرب توحید وجودی کا رکھتا تھا اور بہت سے امور مؤیدہ اس توحید کے مکشوف ہوتے تھے لیکن عنایت خداوندی جل سلطانہ نے اُس مقام سے گذار کر جس مقام کے ساتھ چاہا مشرف فرمایا اس سے زیادہ لکھنا موجب اطناب ہے۔

نیز مکتوب ۱۰۹ میں شیخ فرید کو ارقام فرمایا ہے آپ کا عنایت نامہ پہنچا محبت فقراء اور اُن کے ساتھ ربط اور تعلق نتیجہ میراث فقر محمدی کا ہے علیہ افضل الصلوات والتسلیمات اُسکے جواب میں یہی مناسب معلوم ہوا کہ آپ کے جد بزرگوار سید العرب والعجم حضرت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں چند فقرے تحریر کروں اور اُسکو اپنے لئے وسیلہ نجات بناؤں اور درحقیقت یہ مداحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے بلکہ اپنے کلام کو آپ کے ذکر مبارک سے مشرف کرنا ہے ؎ ما ان مدحت محمدا بمقالتی + لکن مدحت مقالتی بمحمد +

میں نے اپنے قول سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح نہیں کی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک سے اپنے قول کی مدح سرائی کی ہے۔

فاقول وباللہ سبحانہ العصمۃ سو میں کہتا ہوں اور اللہ پاک توفیق دینے والا

والتوفيق ان محمدًا رسول الله
سيد ولد آدم واكثر الناس
تبعًا يوم القيمة واكرم الاولين
والاخرين على الله واول من ينشق
عنه القبر واول شافع واول
مشفع واول من يقرع باب
الجنة فيفتح الله له وحامل لواء
الحمد يوم القيمة تحته آدم
فمن دونه وهو الذى قال
عليه الصلوة والسلام نحن
الآخرون ونحن السابقون يوم
القيمة وانى قائل قول غير
فخر وانا حبيب الله وانا قائد
المرسلين ولا فخر وانا خاتم النبيين
ولا فخر وانا محمد بن عبد الله بن
عبد المطلب ان الله خلق الخلق
فجعلنى فى خيرهم ثم جعلهم فريقين
فجعلنى فى خيرهم فرقة ثم جعلهم قبائل
فجعلنى فى خيرهم قبيلة ثم جعلهم بيوتا فجعلنى
فى خيرهم بيتا فانا خيرهم نفسا وخيرهم بيتا
وانا اول الناس خروجا اذا بعثوا وانا
قائدهم اذا وفدوا وانا خطيبهم اذا
انصتوا وانا مستشفعهم اذا حبسوا وانا مبشرهم

اور بچانے والا ہے اور بیشک محمد رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم سردار اولاد آدم کے ہیں
اور قیامت میں آپ کے اتباع سب سے
زیادہ ہونگے اور آپ اولین وآخرین میں
بزرگتر ہیں اللہ پر اور آپ سب سے پہلے قبر سے
اٹھیں گے اور سب سے پہلے شفاعت فرماوینگے
اور سب سے پہلے آپ کی شفاعت قبول ہوگی
اور آپ سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاوینگے
پس کھولدیگا دروازہ جنت کو آپ کے لئے
اللہ تعالی اور آپ قیامت کے دن لواء الحمد
کے اوٹھانے والے ہیں آدم اور اون کے
سوا سب اُس جھنڈے کے نیچے ہونگے اور
آپ ہی ہیں وہ ذات بابرکات کہ آپنے فرمایا ہے
کہ ہم پچھلے ہیں اور ہم پہلے ہیں قیامت کے دن
اور بیشک میں کہنے والا ہوں یہ قول بلا فخر
کے اور میں اللہ کا حبیب ہوں اور میں پیغمبروں
کا امام ہوں اور کچھ فخر نہیں اور میں خاتم الانبیاء
ہوں اور کچھ فخر نہیں اور میں محمد بن عبد اللہ بن
عبد المطلب ہوں بیشک اللہ نے مخلوق کو
پیدا فرمایا سو مجھکو بہترین مخلوق میں پیدا فرمایا
پھر اون کو دو فرقہ کئے سو مجھکو بہتر فرقہ میں کیا
پھر اُن کو قبیلہ قبیلہ کئے سو مجھکو بہتر قبیلہ میں
کیا پھر اُن کو بیت بیت کیا سو مجھکو بہتر بیت میں کیا

اذا يئسوا الكرامة والمفاتيح يومئذ بيدي ولواء الحمد يومئذ بيدي وانا اكرم ولد آدم على ربي يطوف علىّ الف خادم كانهم بيض مكنون واذا كان يوم القيمة كنت امام النبيين وخطيبهم وصاحب شفاعتهم غير فخر لولاه ما خلق الله سبحانه الخلق ولما اظهر الربوبية وكان نبيا و ادم بين الماء والطين ٭

نماند بعصیاں کسی در گرو، کہ دارد چنیں سیدے پیشرو +

پس ناچار مصدقان اینچنیں پیغمبر سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام خیر الامم باشند۔ کنتم خیر امۃ اخرجت نقد وقت ایشان است و مکذبان او علیہ الصلوٰۃ والسلام بدترین بنی آدم۔ الاعراب اشد کفرا و نفاقا نشان حال ایشاں۔ تا کدام صاحب دولت را باتباع سنت سنیہ او بنوازند و بمتابعت شریعت رضیہ او سرفراز سازند۔

امروز امر قلیل راکہ مقروں بتصدیق حقیقت دین اوست علیہ الصلوٰۃ والسلام بعمل کثیر برمیدارند اصحاب کہف اینہمہ درجات کہ یافتند بواسطہ یک حسنہ است وآں ہجرت بود از دشمنان

پس میں اُن سب سے بہتر ہوں باعتبار ذات کے اور بہتر ہوں باعتبار گھرانہ کے اور جسوقت لوگ قبروں سے اُٹھائے جاویں گے میں سب سے پہلے قبر سے نکلونگا اور میں اُن کا پیشرو ہوں جب وہ آوینگے یعنی جسوقت قیامت میں اللہ تعالے کے روبرو حاضر ہونگے اور میں اُنکا خطیب ہوں جسوقت وہ خاموش ہوجاویں گے یعنی جسوقت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی شفاعت سے سکوت کریں گے اور حق تعالی کے سامنے بولنے کی ہمت نہ کریں گے میں اُسوقت دروازہ شفاعت کھولونگا اور حق تعالیٰ کی حمد و ثنا ایسے کروں کا جسکا وہ اہل ہے بعض احادیث میں وارد ہے کہ آپنے فرمایا کہ وہ حمد و ثناء حق تعالیٰ اوسیوقت مجھکو تعلیم فرماویگا اسوقت مجھکو بھی معلوم نہیں) اور میں شفاعت کرنے والا اُن کا ہوں جسوقت وہ روکے جاویں گے احقر کہتا ہے کہ مشکوٰۃ شریف میں اس موقع پر بروایت ترمذی و دارمی یہ الفاظ وارد ہیں وانا مستشفعهم اذا حبسوا ملا علی قاری اسکی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ لفظ بفتح فاء بصیغہ مفعول بھی پڑھا گیا ہے اور بکسر فاء بصیغہ فاعل بھی پڑھا گیا ہے۔

دار الحدیث اور دار العلوم دیوبند

دار العلوم دیوبند میں دار الحدیث بنانیکی مبارک تجویز جس مقدس جلسہ میں منظور ہوئی تھی اسکو ایک مدت منقضی ہوگئی اکابر ملت اور برگزیدگان قوم کی اجماعی راۓ سے دار العلوم دیوبند کے سر پر یہ منور اور ممتاز تاج رکھا گیا۔

آخر اس خصوصیت کی کوئی وجہ ہے۔ وجہ بجز اسکے اور کیا ہوسکتی ہے کہ اوسنے اپنی ابتداۓ آفرینش سے جو خدمت علوم دینیہ کی خالص مذہبی رنگ میں بلا آمیزش تلون جدت و بدعت کی ہے وہ ہندوستان اور بیرون ہندوستان آفتاب نیمروز کیطرح روشن اور نور افزاۓ عالم ہے۔ کوئی دل بشرطیکہ اوسمین انصاف کا صاف اور ستھرا جوہر مضمر ہو اسکی اختصاص خدمت کے اقرار سے ابا کو اپنی ہلاکت کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ جس خصوصیت کے ساتھ خدمت حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان ہوئی ہے ہندوستان کی کوئی دینی درسگاہ اوسکی تسلیم سے انحراف نہیں کرسکتی۔

آج اگر ہندوستان کے علماء کی مردم شماری باقاعدہ کیجاۓ تو اسمیں بالکل مبالغہ نہیں ہے کہ دار العلوم دیوبند ہی کیلئے بلاواسطہ یا بالواسطہ سب نہیں تو اکثر اعداد مخصوص ہوجائینگے۔ ہندوستان کی علمی درسگاہوں پر ایک نظر ڈال جائے آپ کو پتہ چلجائیگا کہ دار العلوم دیوبند کا دائرہ تعلیم کسقدر وسیع اور متعدی اور اوسکا نظام تعلیم کتنا مفید ہے۔

آج دار العلوم کے فرزندوں کی اولاد بھی آپ کو بہت سی علمی درسگاہوں اور انجمنوں میں علم کی مسندوں پر ایک ممتاز حیثیت میں صدر نشین نظر آویگی۔

آپکا بخت اگر مساعدت کرے اور آپ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفا و تعظیما کی زیارت سے مشرف ہوں تو آپ ارکان حج اور صلوٰۃ وسلام علی النبی سے فارغ ہوکر میری خاطر سے متجسسانہ نظر دوڑائیں تو آپکو دار العلوم دیوبند کی گرانقدر پونجی وہاں بھی ملیگی حرم محترم نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں آپکو سادات کے سدابہار گلشن کا ایک نونہال علوم دینیہ کی مسند پر ممتاز نظر آدیگا اور تھوڑی سی اور جستجو سے اوسکے تلامذہ کا وجود عرب اور شام وعراق کی درسگاہوں میں ملے گا۔

میں اسوقت دار العلوم کے حلقۂ اثر اور وسعت دائرہ کی تفصیلی اطلاع پیش کرنا نہیں چاہتا وہ میرے موضوع سخن سے باہر ہے اسلئے اسوقت اس اجمال کو ہی اپنے موضوع کلام کی وضاحت کیلئے کافی سمجھتا ہوں۔

دار العلوم کی یہ ہمہ گیری کیا کارکنوں کی قوت کے بل پر ہے کیا مدرسین کی عملی تحریکوں کا نتیجہ ہے۔

اس سوال کا جواب اگر اثبات میں دیا جاۓ تو پھر خود بخود ایک دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں اور بہت سی درسگاہیں موجود ہیں اونمیں بڑے بڑے سامان بڑے بڑے زیرک اور چست وچالاک کارکن لائق لائق مدرسین موجود ہیں اونکی جدوجہد اونکی قومی تحریکات اونکے مساعی جمیلہ بھی قابل فراموشی نہیں ہیں دار العلوم دیوبند میں نہ بڑے بڑے سامان نہ اونکے مقابل قومی تحریکات نہ اونکی سی جدوجہد نہ ایسی چستی

نہ ایسی پھرتی۔ یہاں انتظامی اور علمی پرزوں کو اگر دیکھئے تو اون میں کوئی نئی بات نہ پائی جاویگی وہی پرانے خیالات کے دلدادہ چند حضرات اس مشین کے چلتے پرزے نظر آدینگے ایک دربان سے اُن کی ابتدا ہوکر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نائب مہتمم اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم پر انتہا ہوجائیگی جماعت شوری میں بھی آپ کو کوئی نئی بات نہ ملیگی اُنکی زیارت سے بھی آپکو وہی پرانا اسلام یاد آجائیگا۔ درسگاہوں میں جاکر توسن نظر کو کاوا دیجئے گا تو آپ کو پرانی وضع کے ملا معمولی سادہ لباس میں چٹائی اور ٹاٹ پر بیٹھے ہوئے (گدڑیوں کے لعل) مصروف تدریس نظر آوینگے کوئی وہم ہم وحام اور اوچھل کود معلوم نہ ہوگی اور ان سب کی شمار کا انتہائی عدد ایک سیکڑہ سے متجاوز نہ ہوگا۔ اگر آپ قبض الوصول کا معائنہ کرینگے تو چہتر اور ساٹھ کی صرف ایک ایک رقم لکھی ملیگی اور دوسرے بہت سے مدارس ایسے موجود ہیں جنمیں عمال کی کثرت مشاہرون کی زیادت آمدنی کی وسعت ہے۔

یہ پرانی وضع کی پابندی یہ دینی تصلب بڑے بڑے ساز وسامان کا نہونا معمولی مشاہروں کی کثرت کو اگر آپ فراست ایمانی سے معائنہ کرینگے تو آپ کو سوال کے جواب میں سہولت نظر آویگی۔

آپ ہر صیغے کے کارکنوں کو جب ذرا غائر نظر سے تاڑینگے تو آپ کو بہت سے ایسے افراد ملینگے کہ اونمیں کا ہر فرد مختلف قسم کے متعدد کاموں میں مصروف ہوگا مثلاً آپ دیکھینگے کہ دار العلوم کے مہتمم صاحب جو تمام امور کے ذمہ دار ہیں بایں ذمہ داری تدریس کی مسند پر بھی متمکن نظر آدینگے۔ حضرت مفتی صاحب سے اگر کسیوقت آپکا مصافحہ مسند افتا پر ہوگا تو دوسرے وقت آپ کو اُنکی زیارت حلقہ تدریس میں ہوگی جن مدرسین کو آپ نے درسگاہوں میں محو تدریس پایا ہے اون کو آپ دوسرے وقت ملاحظہ کرینگے تو کوئی آپ کو معتمد تعلیمات کی صورت میں طلبہ کی تعلیمی اصلاح اور ترقی کی فکر میں مستغرق اور مجلس وعظ ومناظرہ میں اونکا شفیق مربی نظر آویگا۔ کوئی اونکی تہذیب اخلاق کی دھن میں سرشار اور کوئی اوقات مختلفہ میں اون کی نگرانی کرتا ہوا اور اون کے کاموں کو اونکے نظام الاوقات سے جانچتا ہوا ملیگا اور جب آپ کو نائب مہتمم صاحب کی حالت اور مصروفیت کا صحیح طور پر احساس ہوگا تو بالیقین فنا فی المدرسہ کے موصوف حقیقی کا نقشہ آپ کی آنکھوں کے سامنے آجائیگا وقس علی ہذا۔

یہ منظر اگر ایک طرف آپ کے سامنے دار العلوم اور اوسکے خدام کی مالی حالت کا نقشہ کھینچیگا تو دوسری جانب آپ کو اوائل کی پوری نہیں تو کچھ نہ کچھ مشابہت ضرور پیش کردیگا۔

دار العلوم کے بانی اور سرپرست قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم اگرچہ آج دنیا میں تشریف فرما نہیں ہیں مگر اُون کا وہ حقیقی اخلاص اور انابت اور وہ باطنی قوت اور للہیت وتقویٰ کہ جو اون کو نبوی وراثت میں عطا ہوئی تھیں اور جنپر اونہوں نے دار العلوم کے اساس کو قائم کیا ہے ایسی موثر اور برکت افزا چیزیں تہیں کہ اون کے آثار وانوار آج آنکھوں سے مشاہد ہیں انہیں برگزیدہ اوصاف کا جذب صادق ہے کہ جسنے ندام

دارالعلوم کو اپنے محور سے ہٹنے نہیں دیا۔ انہیں کی کرامت ہے کہ باوجود دنیا کے بدلجانے کے دارالعلوم اپنی پرانی لکیر کا فقیر ہے انہیں کا کرشمہ ہے کہ دشمن دوست نما کی چاپلوسی اور نفاق آمیز عقیدتمندی گھننے نہیں دیتی اور سیدھے سادے ملاؤں کو ان کے دام فریب سے سلامت رکھتی ہے اوسی نبوی وراثت کا اعجاز ہے کہ کوئی مہیب سے مہیب حادثہ اور قوی سے قوی مخالفت اور کوئی سحر پرور فتنہ بعونہ تعالیٰ وحسن توفیقہ خدام دارالعلوم کی رفتار میں لغزش گفتار میں لکنت وزلت وضع وانداز میں تغیر نہیں پیدا کرسکا اور انکے نصب العین (ترقی تعلیم) میں ذرہ برابر فرق نہ لاسکا اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔

یہ ہے دارالعلوم کی خصوصیات کی ایک بہت مجمل اور مختصر فہرست کہ جسمیں خدام دارالعلوم کے تگاپو کو صرف باعتبار ظاہر دخل ہے ورنہ حقیقت میں یہ سب کچھ من اللہ ہے اور جبتک یہ عقیدہ راسخ ہے اوسوقت تک خداتعالیٰ کے فضل سے کوئی ہراس نہیں ہے۔

غالباً دارالعلوم کی ہمہ گیری کیوجہ اور دارالحدیث کا اوسکے ساتھ اختصاص اور اس بے سروسامانی پر اوسکی ترقی کا راز اگر آپ غور کرینگے تو انہیں جزوں میں مضمر نکلے گا۔

دارالعلوم کی ان خصوصیات اور اوسکے اصلی نصب العین (تعلیم علوم عربیہ) اور نصب العین کے عین العین (تحدیث) کی شان قبول نے اکابر ملت کو متوجہ کیا اور منجانب اللہ اونکے دلوں میں القا ہوا کہ دارالعلوم دیوبند میں دارالحدیث بنایا جاوے چنانچہ کئی سال ہوئے کہ جلسہ بنیاد دارالحدیث منعقد ہوا بہت سے حضرات تشریف لائے اور بزرگان دین نے اپنے ہاتھوں سے اس متبرک مکان کی بنیاد رکھی۔ اسکی شہرت قریب قریب دیار و امصار میں ہوگئی اور چندہ آنا شروع ہوا چندہ کی رفتار نہایت خوش آیندہ اور امید افزا تھی گو اوسمیں زیادہ رقوم چھوٹی چھوٹی ہوتی تھیں مگر ایک خصوصیت یہ تھی کہ بہت سے حضرات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جانب سے ائمہ مجتہدین اور ائمہ محدثین رحمۃ اللہ علیہم کی جانب سے دوسرے اولیاء کبار کی جانب سے چندہ کی چھوٹی چھوٹی رقمیں روانہ فرماتے تھے جو برابر القاسم میں درج ہوتی رہتی تھیں۔

دارالحدیث کی تعمیر میں ایک سرکاری نالہ جو دارالعلوم کے عقب میں واقع ہے سدراہ ہوا نالہ سے اسطرف تالاب تھا اوسکو دارالعلوم نے مول لیا اور دو ثلث اوسکو اٹوا دیا ایک ثلث باقی ہے اب اسقدر زمین بفضل خدا موجود ہے کہ دارالحدیث کے بعد دارالاقامہ اور دوسرے ضروری مکانات کا اضافہ ہوسکے صرف مسلمانوں کی توجہ درکار ہے نالہ کے متعلق حکام ضلع سے درخواست کی گئی جناب صاحب کلکٹر بہادر ضلع نے نہایت خندہ پیشانی سے منظور فرمایا۔

جناب صاحب کمشنر بہادر قسمت میرٹھ بتقریب معائنہ تشریف لائے اور اس ضرورت کو احساس فرماکر نالہ کے ہٹا دینے کا حکم فرمایا جب یہ منظوریاں ہوچکیں تو نالہ کے ہٹانے اور دوسری طرف لیجانے کا صرف

پندرہ بیس ہزار روپیہ کا تجویز ہوا مدرسہ اس بار کا تحمل نہ کر سکتا تھا چنگی میں اسقدر گنجایش نہ معلوم ہوئی صاحب کلکٹر بہادر بھی اسقدر روپیہ صرف نہ کر سکتے تھے اسی میں ایک مدت گذر گئی بالآخر جناب صاحب کلکٹر بہادر ضلع سہارنپور کی توجہ سے یہ گرہ کھلی اور بحضور جناب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر صوبہ متحدہ آگرہ واودھ درخواست پیش کرنیکی رائے قرار پائی جناب مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دار العلوم ہزار بالقابہ سے ملے اور درخواست پیش ہوئی ہز آنر بالقابہ نے نہایت خندہ پیشانی سے درخواست کو سنتے ہی سرکاری صرف سے نالہ کا ہٹا دینا منظور فرمایا۔ یہ بھی مبارک ہو کہ وہ نالہ ہٹ گیا اور جسقدر زمین نالہ کی محاذات زمین مملوکہ دار العلوم میں واقع تھی وہ دار العلوم کو مل گئی بنیادیں کھودی گئیں بنیادوں کا کام شروع ہو گیا وہ متبرک چندہ جسکا ذکر اوپر ہوا اصل تعمیر یعنی تیاری خشت میں صرف ہوا۔

نواب سلیم اسد خاں صاحب مرحوم رئیس ڈھاکہ نے دار الحدیث کی تعمیر کی کفالت فرمائی تھی مگر نواب صاحب مرحوم ابھی اس کام کو شروع بھی نہ کرنے پائے تھے کہ پیام موت آ پہونچا انا للہ وانا الیہ راجعون نواب صاحب کے جانشین اگر اس طرف توجہ فرمائیں تو ایک بامعنی بات ہے حقیقت میں اس کام میں حصہ لینا گویا نواب صاحب مرحوم کے معنوی ترکہ کی وراثت ہے۔

اب ہم مسلمانان ہندوستان کی خدمت میں دار الحدیث کے لئے درخواست کرتے ہیں کہ جسقدر ذرائع اس مبارک کام کیلئے تحصیل چندہ کے ہو سکیں اونکو عمل میں لاویں۔

رؤسا زمیندار کاشتکار تجار حکام اہلکار ہر طبقہ کے حضرات کو اپنی اپنی آمدنی اور حوصلہ کیموافق اسطرف متوجہ ہونا چاہیئے۔

ہر ضلع کے برگزیدہ اور معتمد قوم حضرات کو ہر ضلع میں امداد دار الحدیث کی انجمن مقرر کرنی چاہیئے اور اوسکی شاخیں ضلع کے قصبات میں کھولنی چاہیئیں۔ ہر تحصیل کا روپیہ ضلع کی انجمن کے ذریعہ سے ماہوار ہفتہ وار مفصل فہرست کے ساتھ آنا چاہیئے۔

ہندوستان کو یہ شرف دیوبند ہی کی بدولت حاصل ہوا ہے کہ یہاں دار الحدیث تیار ہو شاہان سلف نے دار الحدیث بنائے ہیں مگر ہندوستان محروم رہا ہے اب یہ ہندوستان کے مسلمانوں کی قسمت کہ وہ کام آج اون سے لیا جا رہا ہے امید ہے کہ ہماری یہ درخواست رائگاں نہ جاویگی اور اسپر ہر طبقہ کے مسلمانوں میں ایک باثر تحریک پیدا ہو جاویگی وما ذلک علی اللہ بعزیز

قَصِیْدَۃٌ عَرَبِیَّۃٌ نَعْتِیَّۃٌ

(چکیدہ کلک فصاحت رقم جناب مولانا مولوی محمد عبد الرحمن صاحب سہواروی سلمہ)

ہمارے مکرم جناب مولانا مولوی محمد عبد الرحمن صاحب سہواروی رکن مجلس العلماء ریاست بھوپال سے ناظرین القاسم خوب واقف ہونگے آپکا کلام اکثر القاسم میں طبع ہوتا رہتا ہے آپکو عربی نظم میں خاص دستگاہ حاصل ہے قدرت کے فیاض ہاتھوں نے جب آپکا پتلا بنایا تھا تو اسمیں صلاح و تقوی کے ساتھ عربی نظم کا ملکہ بھی ودیعت فرمادیا تھا آپ وہ طبع موزوں لیکر آئے ہیں کہ ہندی الاصل ہوکر عربی نژاد معلوم ہوتے ہیں کلام میں کچھ ایسا لوچ ہے کہ دل کو بیقرار کردیتا ہے بندش الفاظ چستی ترکیب ۔ سلاست مضمون بیان بے تکلف ۔ قادر الکلامی ۔ فصاحت ۔ اور ان سب کے ساتھ سوز و درد جسقدر اوصاف ایک شاعر کیلئے ضروری ہیں وہ سب آپ کی ذات میں پائے جاتے ہیں اور طرفہ یہ ہے کہ آپ کا نام شعراء کی فہرست میں درج نہیں آپ ایک عالم ہیں اور ریاست میں رکن مجلس العلماء ہیں ۔ بقول مرزا غالب

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہگری　　کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

آپ شعرائے زمانہ کیطرح واہی خیالات اور بے اصل توہمات کے والہ و شیدا نہیں ہیں آپکا موضوع کلام کوئی فرضی مہ جبین نہیں ہے جسکے حسن و عشق اور ہجر و وصل کے فسانہ میں مبالغہ امیزیاں اور جھوٹی مضمون آفرینیاں آپکو کرنی پڑیں بلکہ آپ کے سوز سینہ میں ایک بیدار دل ہے اور وہ حضور پر نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک نیازمندانہ شغف رکھتا ہے اور اسکی بیچینی اور بیقراری کبھی کبھی آپ سے نعت رسول کہلالیتی ہے اور بس ۔ اللھم زد فی شغفہ ۔

حال میں ایک نعتیہ قصیدہ آپنے القاسم کی نذر فرمایا ہے وہ ہماری معروض کا ایک اچھا شاہد ہے اور بپاس خاطر عام ناظرین اردو ترجمہ بھی بین السطور درج ہے کہ ہر شخص اوس سے متمتع ہوسکے وھو ھذا

هٰذَا فُؤَادِیَ قُتْلِیْ بَیْنَ غِزْلَانِ　|　اَعْزَرْجَۃُ اَعْلٰی صَبْرِیْ وَسُلْوَانِیْ

یہ میرا دل اون ہرنیوں کیلئے خوان یغما ہے جنہوں نے میرے ...... صبر و سکون پر کھلم کھلا لوٹ مچا رکھی ہے

رَتَعْنَ مَا فِي رِيَاضِ الْقَلْبِ مِنْ أَمَلٍ | وَمِنْ سُرُورٍ وَمِنْ رَوْحٍ وَرَيْحَانِ

وہ باغ دل کی آرزو و خوشی وراحت وپھلواری..... وباغ و بہار سب کی سب چر گئیں ہیں

لَمَّا نَهَبْنَ مَتَاعَ الْقَلْبِ مِنْ جَلَدٍ | بَلَوْنَهُ بِعَذَابٍ بَعْدَ هِجْرَانِ

جب سامان صبر و شکیبائی سارا لوٹ چکیں تو وہ بیچارے دل کو جدائی کی بعد مبتلائے عذاب کردیا

لَهُنَّ غَارَةُ مِغْوَارٍ وَمُنْتَهِبٍ | عَلَى الْقُلُوبِ بِلَا جَسٍّ لِأَبْدَانِ

دلوں پر بڑے غارتگر لٹیرے کی سی لوٹ ڈالتی ہیں تماشا یہ ہے کہ بدن کو ہاتھ تک نہیں لگاتیں

اَلرَّامِيَاتُ بِلَا قَوْسٍ وَلَا وَتَرٍ | وَالْفَاتِكَاتُ بِلَا ضَرْبٍ وَطَعَانِ

وہ بلا کمان و چلہ کے تیر لگاتی ہیں اور بلا تیغ و سنان اچانک مار ڈالتی ہیں

اَلْقَاتِلَاتُ بِلَحْظٍ مِنْ نَوَاظِرِهَا | وَالْمُحْيِيَاتُ بِبَسْمٍ بَيْنَ أَسْنَانِ

وہ آنکھوں کی اک نگاہ ناز سے قتل کرتی ہیں اور خندۂ دنداں نما سے زندہ کردیتی ہیں

يَشْرَبْنَ عَلًّا نَجِيعَ الْقَلْبِ مَعْ نَهَلٍ | وَلَا يَرِدْنَ عَلَى مَاءٍ بِأَجْفَانِ

ایک بار دو دو بار خون دل تازہ تازہ پیتی رہتی ہیں اور دیدہ ہائے اشکبار کے گھاٹ پر کبھی ورود نہیں فرماتیں

يَنْفِرْنَ كُلَّ نِفَارٍ مِنْ ذَوِي مِقَةٍ | يُرَيْنَ آنِسَةً فِي زِيِّ إِنْسَانِ

محبت والوں سے سخت نفرت رکھتی ہیں بظاہر شکل انسانی میں مانوس نظر آتی ہیں

ذَوَاتُ خِدْرٍ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهَا | وَهُنَّ فِتْنَةُ زُهَّادٍ وَرُهْبَانِ

پردہ والیاں ہیں اپنی زینت و آرایش کو ظاہر نہیں کرتیں اور زاہدوں و تارکان دنیا کیلئے آفت ہیں

كَمْ مِنْ لَبِيبٍ أَرِيبٍ حَازِمٍ بَطَلٍ | تَرَكْنَهُ غَيْرَ ذِي لُبٍّ كَوَلْهَانِ

کتنے ہی عقلمند ہوشیار دور اندیش بہادر لوگوں کو مثل والہ و شیدا بے عقل کر چھوڑا

أَعُوذُ بِاللهِ رَبِّي كُلَّ آوِنَةٍ | مِنْ شَرِّ فَاتِنَةٍ مِنْ شَرِّ فَتَّانِ

میں تو اپنے پروردگار سے فتنہ گروں کی شرارت سے خواہ مذکر ہو خواہ مونث ہر وقت پناہ مانگتا ہوں

وَأَشْتَكِي مِنْ ضَلَالِ الْقَلْبِ عَنْ رَشَدٍ | إِلَى جَنَابِ رَسُولِ اللهِ ذِي الشَّانِ

اور میں دل کی راہ راست سے بیراہ ہوجانیکا شکوہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کرتا ہوں

مَنْ أَنْقَذَ النَّاسَ مِنْ نَارِ الْجَحِيمِ لَظًى | وَمَنْ هَدَاهُمْ إِلَى أَمْنٍ وَإِيمَانِ

وہ کہ جنھوں نے آدمیوں کو آتش دوزخ سے چھڑایا اور امن و ایمان کی طرف رہنمائی فرمائی

مَنْ صَانَ بِالنُّصْحِ أَحْرَارَ الْوُجُوهِ لَهُمْ | عَنْ أَنْ تَذِلَّ لِأَصْنَامٍ وَأَوْثَانِ

اور خیر خواہی سے اونکے آبرودار چہروں کو بتوں اور مورتوں کے سامنے ذلیل ہونے سے بچایا

مَنْ لَمْ يَخَفْ أَحَداً فِي اللهِ لَائِمَةً | وَأَظْهَرَ الْحَقَّ فِي سِرٍّ وَإِعْلَانِ

اللہ تعالیٰ کے کام میں کسی کی ملامت کا خوف نہیں کیا اور امر حق کا نہاں و آشکارا اظہار فرماتے رہے

سَمَتْ بِهِ عَجَمٌ بَاهَتْ بِهِ عَرَبٌ | هُوَ افْتِخَارُ قُرَيْشٍ فَخْرُ عَدْنَانِ

اہل عجم جناب کے طفیل سے مراتب عالی پر پہونچگئے اور اہل عرب کو جناب کی بدولت فخر حاصل ہوا جناب قریش و عدنان کیلئے مایۂ ناز ہیں

بَدْرُ الدُّجَى بَهْجَةً بَحْرُ الْعَطَا كَرَماً | حَازَ الْجَمِيلَيْنِ مِنْ حُسْنٍ وَإِحْسَانِ

حسن صورت میں ماہ کامل بخشش میں دریائے عطا۔ دونوں خوبیاں اپنے حسن ذاتی اور دوسرے کے ساتھ احسان کی پوری حاصل

قَدْ سَالَ نَائِلُهُ مَا خَابَ سَائِلُهُ | جَاءَتْ أَنَامِلُهُ أَنْهَارَ فَيَضَانِ

جناب کی بخشش جاری ہے سائل آپکا کبھی ناکام و محروم نہیں رہا جناب کی انگشتہائے مبارک فیض کی نہریں تھیں

أَلَا تَرَى كَمْ جَرَى الْأَمْوَاهُ مِنْ يَدِهِ | سَقْياً لِهِيمٍ وَإِرْوَاءً لِظَمْآنِ

تم دیکھتے نہیں کہ کتنی مرتبہ جناب کے دست مبارک سے پانی جاری ہوا شتران تشنہ و دیگر تشنگان آب سیراب ہوگئے

قَدْ قَرَّبَ الْعَبْدَ مِنْ مَوْلَاهُ رُؤْيَتُهُ | أَبْدَتْ أَسَارِيرُهُ أَسْرَارَ عِرْفَانِ

جناب کے دیدار سے بندوں کو اپنے مولیٰ کا تقرب حاصل ہوا۔ جناب کے خطوط پیشانی سے رازہائے معرفت ظاہر ہوئے

وَمَنْ رَآهُ بِتَصْدِيقٍ سَمَا وَعَلَا | يَرْقَى مَدَارِجَ إِيمَانٍ بِإِذْعَانِ

اور جسنے جناب کو تصدیق ایمانی کے ساتھ دیکھ لیا اوسکا مرتبہ بڑھتا چلا گیا مدارج کمال ایمانی سب طے کرگیا

وَصَارَ مِنْ أَوْلِيَاءِ اللهِ مَنْزِلَةً | وَقَدْ تَجَلَّتْ لَهُ أَنْوَارُ إِيقَانِ

مقربین بارگاہ خداوندی میں داخل ہوا۔ اور انوار آثار یقین اوسپر روشن و نمایاں ہونے لگے

قَدْ أَدْهَشَ الْعُرْبَ الْعَرْبَاءَ مَنْطِقُهُ | إِذْ جَمَّ مِنْ فِيهِ سِحْرٌ عِنْدَ تِبْيَانِ

جادو بیانی کے وقت جناب کی فصاحت گویائی نے فصحائے عرب کو اک حیرانی میں ڈالدیا

دُرٌّ يَتِيمٌ فَرِيدٌ لَا نَظِيرَ لَهُ | خَتْمُ النَّبِيِّينَ فَرْدٌ مَا لَهُ ثَانِ

جناب اک دُر یکتا ہیں کہ جسکی نظیر نہیں خاتم النبیین ہیں۔ فرد کامل ہیں کہ جسکے مقابل دوسرا نہیں

فِي الْخَلْقِ أَوَّلُهُمْ فِي الْبَعْثِ آخِرُهُمْ | بِفَضْلِهِ شَهِدَتْ آيَاتُ قُرْآنِ

پیدایش میں سب سے اول بعثت میں سب سے آخر جناب کی فضیلت پر آیات قرآنی گواہ ہیں

اَللّٰہُ فَضَّلَہٗ وَ اللّٰہُ اَرْسَلَہٗ ‏ | ‏ اِلَی الْقَبِیْلَیْنِ مِنْ جِنٍّ وَ اِنْسَانٖ

خدائے پاک نے ہی جناب کو فضیلت عطا فرمائی ہے اور خدائے پاک نے ہی جناب کو دونوں گروہ جن انسان کیطرف بھیجا

مَدَارُ کَوْنِ الْوَرٰی سِرُّ الْوُجُوْدِ لَہٗ ‏ | ‏ کَمْ مِنْ خَصَائِصَ لَا تُحْصٰی بِحُسْبَانٖ

تمام عالم کی ہستی کا دار و مدار اور مقصود و حاصل وجود جناب والا ہیں۔ اور جناب کے فضائل خاصہ بہت ہیں جنکا شمار نہیں ہوسکتا

لَقَدْ بَدَا اَوَّلًا نُوْرٌ لَہٗ فَبَدَا ‏ | ‏ مِنْ نُوْرِہٖ کُلُّ اَنْوَارٍ وَ اَکْوَانٖ

اولاً جناب کا نور ظاہر ہوا پھر جناب کے نور سے ..... اور انوار اور کائنات ظہور پذیر ہوئے

فَنُوْرُہٗ حَادِثٌ فِی الْکَوْنِ مَظْہَرُہٗ ‏ | ‏ وَ اِنَّہٗ اَزَلِیٌّ عَیْنُ اَعْیَانٖ

مظہر اس نور پاک کا باعتبار پیدایش حادث ہے اور خود وہ نور ازلی ہے اصل اصول ہیں اعیان ثابتہ میں

کَانَتْ بِضَاعَۃُ اِمْکَانِ الْوَرٰی عَدَمًا ‏ | ‏ رَاجَ الْوُجُوْدُ بِہٖ فِیْ سُوْقِ اِمْکَانٖ

ممکنات کی اصلی پونجی محض عدم تھی امکان کے بازار میں وجود کو رواج جناب کے ہی طفیل سے ہوا ہے

نَظِیْرُہٗ عِنْدَ اَہْلِ الْحَقِّ مُمْتَنِعٌ ‏ | ‏ حَقًّا وَ لٰکِنَّہٗ مَقْدُوْرُ رَحْمٰنٖ

جناب کا نظیر اہل حق کے نزدیک بیشک ممتنع ہے لیکن قادر مطلق باری تعالی کے تحت قدرت داخل ہے

اِنْ لَّمْ یَکُنْ ذَاکَ مَقْدُوْرًا فَکَیْفَ یُریٰ ‏ | ‏ حَمْدُ الْاِلٰہِ بِعَجْزٍ وَصْفُ نُقْصَانٖ

اگر وہ تحت قدرت داخل نہو تو جناب کا نظیر پیدا نکرنیمیں حمد باریتعالی کیونکر ہوسکتی ہے کیونکہ وہ بوجہ عجز ہے جو صفت نقصان ہے

کَمْ مِنْ خَزَائِنِ خَیْرٍ قَبْلُ قَدْ خَفِیَتْ ‏ | ‏ بَدَتْ بِبَعْثَتِہٖ مِنْ بَعْدِ اَزْمَانٖ

قبل بعثت بہت سے خزائن خیرات و برکات پوشیدہ تھے بعد مدت مدید جناب کے زمانہ خیریت نشان میں ظاہر ہوئے

لَوْلَاہُ لَمْ نَدْرِ مَا الْاِسْلَامُ شِرْعَتُنَا ‏ | ‏ لَوْلَاہُ مَا جَاءَ جِبْرِیْلُ بِقُرْاٰنٖ

اگر جناب نہوتے تو ہم سب اسلام اپنی شریعت مطہرہ سے ناواقف رہتے اور نہ حضرت جبرئیل علیہ السلام قرآن شریف لاتے

لَوْلَاہُ لَمْ نَدْرِ مَا الْعُقْبٰی وَ حِکْمَتُہَا ‏ | ‏ وَ لَا قَرَارَ بِجَنَّاتٍ وَّ نِیْرَانٖ

اگر جناب نہوتے تو ہم آخرت اور اوسکی حکمت اور آخر امر جنت اور دوزخ کیطرف استقرار ہرگز نہ جانتے

مَوْلَی الْوَرٰی کُلِّہِمْ مَوْلَی الْمُلُوْکِ لَہٗ ‏ | ‏ کِسْرٰی وَ قَیْصَرُ کُلٌّ مِّنْ عَبِیْدَانٖ

ساری عالم کے سردار بادشاہوں کے سردار۔ کسریٰ اور قیصر ہر ایک جناب کے غلاموں میں شمار ہیں

تُرَابُ سُدَّتِہٖ کُحْلٌ لِّاَعْیُنِہِمْ ‏ | ‏ شِرَاکُہٗ عِنْدَہُمْ اِکْلِیْلُ تِیْجَانٖ

آپکی دہلیز کی خاک پاک اونکی آنکھوں کا سرمہ ہے آپ کے نعل شریف کا تسمہ سربند تاجہائے شاہان ہے

کَم مِن رَہَابِینَ قَدنَالُوا زِیَارَتَہٗ | لَمَّا رَأَوا وَجہَہٗ خَرُّوا لِاَذقَانِ

بہت سے راہب تارک الدنیا زیارت سے مشرف ہوئے جب چہرہ مبارک پر نظر ڈالی مطیع ہوکر مونہہ کے بل سجدہ میں گر پڑے

فَاِنَّھُم عَرَفُوہٗ حَقَّ مَعرِفَۃٍ | ھُوَ المُبَشَّرُ نَسَّاخًا لِاَدیَانِ

کیونکہ اونھوں نے یقینی طور پر پہچان لیا کہ جناب والا ہی کی بشارت کتب سابقہ میں آئی ہے اور آپکا دین اور دینوں کا ناسخ ہے

ھو الشفیع لاھل الحشر فی فزعٍ | ھُوَ المُشَفَّعُ حَتمًا عِندَ دَیَّانِ

جناب ہی اہل محشر کی گھبراہٹ کیوقت شفاعت فرماوینگے اور جناب ہی بارگاہ خداوندی میں مقبول الشفاعۃ ہیں

تَاللّٰہِ یُسئَلُ عَنہُ المَرءُ فِی لَحَدٍ | مَعَ دِینِہٖ حِینَ یَاتِیہِ النَّکِیرَانِ

بخدا جب قبر میں منکر ونکیر آدمی کے پاس آوینگے ۔۔۔۔ جناب کی اتباع اور دین سے سوال ہوگا

اَقُولُ حِینَ اَرٰی فِی القَبرِ صُورَتَہٗ | ھٰذَا الَّذِی حُبُّہٗ دِینِی وَاِیمَانِی

میں تو صورت مبارک دیکھتے ہی قبر میں کہونگا انشاءاللہ یہی ذات پاک ہی ہے جسکی محبت میرا دین وایمان ہے

قَد سُرَّ قَلبُ بِاُنسٍ مِنہُ فِی بَدَنِی | قَرَّت بِرُؤیَتِہٖ فِی الرَّاسِ عَینَانِ

دل کو بدن میں کچھ انس محسوس ہوا خوش ہورہا ہے — سر میں آنکھوں کو ٹھنڈک پہونچی ہے

وَکُنتُ اُرزَقُ فِی الرُّؤیَا زِیَارَتَہٗ | فَنِلتُھَا الاٰنَ مُلتَقًا بِاَکفَانِ

مجھکو خواب میں زیارت نصیب ہواکرتی تھی — اب الحمد للہ بعد مرنے کے بھی نصیب ہوئی

اَدعُوہُ یَا سَیِّدِی یَا خَیرَ مُستَنَدِی | یَا خَیرَ مُعتَمَدِی یَا خَیرَ اَعوَانِی

میں جناب کو پکاروں گا میرے سردار میرے اچھے سہارے میرے اچھے بھروسے میرے اچھے مددگار

یَا مُبتَغٰی خَلَدِی یَا مُنتَھٰی اَمَلِی | یَا رَجَائِی اَیَا رُوحِی وَرَیحَانِی

میرے دل کی خواہش میری انتہائی آرزو — میری امید میری راحت وآرام اور باغ وبہار

فِدَاکَ قَلبِی وَاَبصَارِی وَسَامِعَتِی | فِدَاکَ رُوحِی وَاَعضَائِی وَجُسمَانِی

آپ پر دل ودیدہ وگوش سب قربان — جان اور سارے اعضا وجسم سب قربان

اَمَا تَرٰی کَیفَ مُلقًی ھٰھُنَا جَسَدِی | مَاکُولُ اَرضٍ لِبِلیٰ مَطعُومُ دِیدَانِ

کیا جناب ملاحظہ نہیں فرمانے کہ میرا جسم کیسے پڑا ہوا — زمین کی خوراک اور کیڑوں کی غذا ہے

مَن لِّی یُفَرِّجُ عَن ھَمِّی وَعَن کُرَبِی | مَن لِّی یُخَلِّصُنِی مِن قَیدِ اَحزَانِی

کون ہے کہ میرے رنج والم دور کرے — مجھکو قید درد وغم سے رہائی بخشے

مَن لِّی ھُنَا مِن اَسَارِ الضَّنکِ یُطلِقُنِی | مَن لِّلاَسِیرِ وَمَن لِّلمُوثَقِ العَانِی

کون یہاں تنگی گور کی قید سے چھڑاوے کون اسیر گرفتار کی مدد کرے کون وابستہ محنت رنج کی یاری کرے

مَن لِّلغَرِیبِ بَعِیدِ الدَّارِ مُنتَزَعًا | مِن اَقرَبِینَ وَاِخوَانٍ وَّخُلاَّنِ

ایسے مسافر غریب الوطن کا جو اپنے اقربا اور برادران و دوستان سے چھڑا لیا گیا ہو کون ہے

مَن شَافِعِی یَومَ خُسرَانٍ وَّمَندَمَۃٍ | مَن نَّاصِرِی یَومَ حِرمَانٍ وَّخِذلاَنِ

ندامت خسارہ کے دن میرا سفارشی کون ہے۔ محرومی و بے یاری کے دن کون مددگار ہے

اَرجٰی وَاَرجَی اَعمَالِی مَحَبَّتُکُم | اَوَانَ تُوزَنُ اَعمَالٌ بِمِیزَانِ

قابل امید اور سب اعمال میں وزنی عمل جس وقت کہ میزان میں اعمال تولے جاویں جناب کی محبت ہے

الی مُحِبُّکَ اَرجُو اَن سَتَشفَعُ لِی | عَلَی الشَّفَاعَۃِ یَومَ الحَشرِ تُکلاَنِی

میں جناب کا محب ہوں اور امیدوار شفاعت ہوں یوم حشر شفاعت ہی پر میرا بھروسہ ہے

اَنتَ الکَرِیمُ وَاِنِّی مُذنِبٌ یَقِینًا | فَاطلُب مِنَ اللّٰہِ ذِی الاِکرَامِ غُفرَانِی

جناب کا کریم ہونا اور میرا گنہگار ہونا یقینی ہے اب باریتعالی ذو الجلال والاکرام سے میرے لئے مغفرت طلب فرمایئے

مَن جَاءَ مُستَشفِعًا بِالمُصطَفٰی فَنَجَا | مِن خِزیِ یَومَئِذٍ مِن ذُلِّ حِرمَانِ

جو شخص جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خواستگار شفاعت ہوا اوسنے اوس دن کی محرومی و رسوائی سے نجات پائی

یَنَالُ فِی جَنَّۃِ الفِردَوسِ مَکرُمَۃً | یَلقٰی ھُنَالِکَ رَبًّا غَیرَ غَضبَانِ

جنۃ الفردوس میں اوسکو کرامت ملیگی۔ اور وہیں اپنے پروردگار کے دیدار سے جو کبھی غصہ نہوگا بہرہ ور ہوگا

مَولاَیَ عَبدُکَ بِالتَّقصِیرِ مُعتَرِفٌ | وَالعَفوُ عِندَکَ مَامُولٌ لِّعُبدَانِ

اے میرے مولی تیرا بندہ اپنی تقصیر کا معترف ہے اور بندوں کی لئے تیرے پاس معافی کی امید ہے

تَرجُو العَبِیدُ مِنَ الرَّحمٰنِ رَحمَتَہٗ | حَقٌّ رَجَائِی فَاِنِّی عَبدُ رَحمٰنِ

اور بندے اپنے مولی مہربان سے مہربانی کے امیدوار رہتے ہیں میری امیدواری بجا و درست ہے کیونکہ میں عبدالرحمن ہوں

یَا رَبِّ صَلِّ عَلَیہِ مَعَ صَحَابَتِہٖ | مَا غَرَّدَ الطَّیرُ شَوقًا فَوقَ اَغصَانِ

اے پروردگار جناب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اونکے اصحاب پر جب تک پرندے شاخوں پر چہچہاویں درود بھیجتا رہ

تمت

تقریظات کتب

افادات احمدیہ حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث امروہی سے جو حضرات واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ آپ حسن صورت و سیرت کے ایک دلربا تصویر تھے آپ کی سچی اور واقعی شہرت نے تحسین و ستایش سے ہمکو بے نیاز بنا دیا۔ آپ حضرت مولانا قاسم العلوم والخیرات کے ارشد تلامذہ میں سے تھے آپ کی حسن تقریر و تحریر سے حضرت قاسم العلوم قدس سرہ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ عظیم الشان جلسہ دستاربندی دار العلوم دیوبند کے موقع پر جو ایک مسدس بندہ نے پڑھا تھا اوس میں ایک بند آپ کی مدح میں تھا جسکا آخر شعر بے اختیار یہاں لکھنے کو دل چاہتا ہے۔

جو پوچھے کوئی کمالات قاسمی کی دلیل — تو اُس سے کہئے کہ آ دیکھلے یہ وجہ جمیل

یہ مختصر کتاب آپ کی متعدد اور گرانقدر تصنیفات کا ایک جزو قلیل ہے اور جو مولانا سے ناواقف ہیں اون کے لئے معرفت کی ایک سبیل ہے یہ کتاب نو مباحث پر مشتمل ہے۔

(۱) **دعوۃ الاسلام** — مخالفین اسلام کے مقابلہ میں اسلام کی حقانیت بزور دلائل عقلیہ ثابت کی گئی ہے

(۲) **العجالہ فی اثبات التوحید والرسالہ** — توحید و رسالت کا اثبات و توحید کو اقرار رسالت عقلاً لازم ہے بہت ہی نادر تقریر ہے۔

(۳) **ہدیہ احمدیہ فی سنیۃ الخطبۃ بالعربیۃ** — اس امر کا ثبوت کہ جمعہ کا خطبہ صرف عربی زبان میں ہونا چاہئے اور امام صاحب کے قول جواز بالفارسیہ کی توضیح۔

(۴) **الدلیل الاہر علے صحۃ القولین فی شق القمر** — شق القمر کے بارہ میں امام رازی اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے اور جمہور کے قول میں تطبیق قابل دید۔

(۵) **التحبیر فی اثبات التقدیر** — مسئلہ تقدیر کا اثبات

(۶) **ابطال تناسخ** — اون لوگوں کے خیال باطل کا ابطال اور مثنوی مولانا روم کے شعر سے مثبتین تناسخ کا جواب

(۷) **القول الاعلیٰ فی رویۃ اللہ تعالیٰ** — قیامت میں دیدار باریتعالی کا ثبوت اور شبہات مخالفین کا جواب

(۸) **القول المختصر فی ابطال جسمیۃ الرب الاکبر** — خدا تعالیٰ کے کسی مادی صورت میں ظاہر ہونے کا ابطال و جسمیۃ باریتعالی کا محال ہونا مدلل بیان کیا گیا ہے۔

(۹) **تفویض العلم الی الباری فی حق الذراری** — اولاد مشرکین کے دوزخی یا جنتی ہونے میں قول راجح کا بیان و رد وجوہ جحج

گو آج مولانا دنیا میں نہیں مگر آپ کے فیوض دنیا میں موجود ہیں تلامذہ و تصانیف آپکی یادگار ہیں۔

زندہ است نام نامی احمد حسن بعلم — گرچہ بسے گذشت کہ احمد حسن نماند

یہ کتاب اگرچہ مختصر ہے مگر آپ کے بحار فیوض سے ایک چشمہ فیض ہے امید ہے کہ اہل علم اس کی قدر کرینگے۔

ہمارے عزیز مولوی قاری حافظ سید محمد صاحب جعلہ اللہ کا بیہ ابن مولانا مرحوم نے مسلمانوں پر یہ احسان کیا بصرف زر کثیر اس نادر مجموعہ کو طبع فرما دیا۔ خدا کرے کہ یہ جلد فروخت ہو اور ہمارے عزیز مکرم آیندہ یکے بعد دیگرے مولانا مرحوم کی تمام تصنیفات کو طبع کرا کر اہل اسلام کو ممنون احسان بنائیں۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

خاکسار [illegible]

مناجات مقبول

کیا پیارا نام ہے کہ جسکو سنکر بے اختیار دل زیارت کا مشتاق ہوجاتا ہے یہ روحانی طب کا ایک مجموعہ ہے جسمیں ظاہری و باطنی دُکھ دردوں کے مجرب تیر بہدف نسخے درج ہیں۔ حضرت طبیب امت مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب دامت برکاتہم کا مسلمانوں پر بڑا احسان ہے کہ آپ نے آیات قرآنی واحادیث صحیحہ سے دعاؤں کو منتخب فرما کر یہ عجالہ نافعہ مرتب فرما دیا اور روزانہ بطور ورد کے پڑھنے کی غرض سے سات منزلوں پر منقسم فرما دیا کہ روزانہ ایک منزل کا ورد آسانی سے پڑھ لیا جائے۔ مولانا کے ایک شاگرد رشید نے عامۃ الناس کی سہولت کو مدنظر رکھکر بڑا مشکل کام یہ کیا کہ تمام ادعیہ کا ترجمہ نظم میں فرمایا۔ اب معنی فہمی کے ساتھ خشوع وخضوع کی بھی امید زیادہ ہوگئی۔ تتمہ کے طور پر حصن حصین سے خاص خاص دعائیں جنکی روزانہ مختلف احوال و اوقات میں انسان کو ضرورت ہوتی ہے اضافہ فرمادیں ہمارے مکرم منشی محبوب علی صاحب یاقوت رقم میرٹھی نے اس نادر مجموعہ کو اپنے مطبع نامی میرٹھ میں طبع فرمایا اور ایک تیسرا احسان یہ کیا کہ دعائے حزب البحر کا بھی اسمیں اضافہ فرمایا اور نہ صرف اضافہ بلکہ حضرت مولانا کے شاگرد رشید مولوی سید احمد حسن صاحب چشتی سنبھلی سے طریق زکوٰۃ بھی لکھاکر درج فرما دیا اور شجرہ منظومہ چشتیہ صابریہ قدوسیہ امدادیہ عربی مصنفہ حضرت مولانا مولوی ذوالفقار علی صاحب مرحوم ومغفور بنا بر ازدیاد نفع اہل سلوک بڑھا دیا اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب و مولانا محمد قاسم صاحب قدس اسرارہما و حضرت مولانا شیخ احمد صاحب تھانوی و قاضی محمد اسمٰعیل صاحب منگلوری و مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی و مولانا سید محمد حسن صاحب امروہی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین و حضرت مولانا اشرف علی صاحب و حضرت مولانا خلیل احمد صاحب و حضرت مولانا محمود حسن صاحب و مولانا عبدالرحیم صاحب رائپوری و مولانا صدیق احمد صاحب و حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند کے منتسبین کی سہولت کیلئے ایک ایک شعر اس شجرہ میں اضافہ کرکے کثیر النفع بنا دیا اور شجرہ منظومہ حضرت شاہ حاجی محمد امداد اللہ صاحب قدس سرہ و شجرہ منظومہ حضرت قطب گنگوہی و درود شریف منظوم عربی مترجمہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب کے اضافہ سے اور بھی شان دوبالا ہوگئی اللہ تعالیٰ منشی صاحب موصوف کو جزائے خیر دے اور اونکی یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رنگین کی قیمت ۷/ اور سادہ کی ۵/ ہے شہر میرٹھ محلہ کرم علی مطبع نامی منشی محمد محبوب علی صاحب مالک مطبع سے جلد از جلد طلب کرنا چاہیئے۔

خاکسار معتمد المدیر

اصلاح انقلاب امت

(اصلاح متعلق نکاح)

— (گذشتہ سے پیوستہ) —

ایک کوتاہی کہ جسطرح بعض لوگ لڑکے کے ایف۔ اے۔ ایم۔ اے۔ ہونیکو دیکھتے ہیں افسوس ہے کہ بعضے نئے مذاق کے لوگ منکوحہ ایسی تلاش کرتے ہیں کہ جس نے نئی تعلیم حاصل کی ہو یا تعلیم کے ساتھ ڈاکٹری یا پروفیسری کا پاس بھی حاصل کر چکی ہو کوئی ان عقلاء سے پوچھے کہ اس سے مقصود کیا ہے اگر یہ ہے کہ ان کا بار ہم پر کم ہو یہ خود بھی کمانے میں امداد دیں تب تو بیحد بے حمیتی ہے کہ مرد ہو کر عورت کے ہاتھ کو تکا جاوے عورت کا ممنون ہونا تو بدوں خلوص کامل کے خود خلاف غیرت ہے وہ تو اگر مہر بھی معاف کرے تو حتی الامکان اس معافی کو قبول نہ کرے جسطرح ہوا دسکو ادا ہی کردے حق تعالیٰ نے ایک آیت میں اس طرف اشارہ بھی فرمایا ہے فنصف ما فرضتم الا ان یعفون (فیسقط النصف) و یعفوا الذی بیدہ عقدۃ النکاح (ای الزوج بان یودی تاما) وان تعفوا (ایھا الرجال) اقرب للتقوی (والیق بشانکم لکونکم رجالاً) البتہ اگر خلوص کامل سے شوہر کی کچھ خدمت کی جاوے بدوں اسکے کہ شوہر کو اوس کی خواہش یا اوس پر نظر یا اوسکی نگرانی و انتظار ہو تو مضائقہ نہیں وھو معنی قولہ تعالیٰ ووجدک عائلاً فاغنی واشتراط عدم التطلع والتشرف بقولہ علیہ السلام ما اتاک من غیر اشراف فخذہ ومالا فلا تتبعہ نفسک او کما قال اور اگر یہ مقصود ہے کہ ایسی عورت سلیقہ دار ہوگی ہمکو راحت زیادہ پہونچاوے گی سو خوب سمجھ لو راحت رسانی کے لئے صرف سلیقہ کافی نہیں بلکہ اطاعت و خلوص و خدمت گذاری کے مادہ کی اوس سے زیادہ ضرورت ہے اگر یہ اوصاف ہوں اور سلیقہ میں کچھ کمی بھی ہو تو اوس کو برداشت کر لیا جاتا ہے اور گو کسی قدر

وقتی کلفت ہوتی ہے لیکن وہ بہت جلد دفع ہوجاتی ہے اوسکا اثر باقی نہیں رہتا اور اگر نرا سلیقہ ہوا اور وہ اوصاف نہ ہوں تو اول تو وہ خدمت ہی کیوں کرے گی کیونکہ تجربہ سے اس تعلیم جدید کا اثر (خاصکر اگر عورتوں کو یہہ تعلیم دیجاوے کہ وہ فطرۃً ہی ضعیف العقل وضعیف القلب ہوتی ہیں جس کے لئے زیادت تاثر لازم ہے) یہ ثابت ہوا ہے کہ اس سے تکبر وخود غرضی وخود رائی وبیباکی وآزادی وبیحیائی وچالاکی ونفاق وغیرہ اخلاق ذمیمہ جو تمام اخلاق ذمیمہ کی جڑ ہیں پیدا ہوتے ہیں پس جب اونکا دماغ تکبر ونخوت سے پر ہے تو وہ تمھاری وہ خدمت بھی کیوں کرینگی جس سے تمکو راحت پہونچے بلکہ برعکس بوجہ خود غرضی کے وہ خود تمسے اپنے حقوق کا اعلی پیمانہ پر مطالبہ کرینگی جس سے تمھاری عافیت تنگ ہوجاویگی غرض وہ خود تم ہی سے اپنی خدمت چاہیں گی اور اگر تم اون سے وہ خدمتیں چاہوگے بھی جو ایک شریف سادہ طبیعت کی عورت اوسکو اپنا فخر سمجھتی ہے تو وہ تم کو ضابطہ کا جواب دینگی کہ یہہ کام ہمارے ذمہ نہیں بلکہ جو اون کے ذمہ بھی قاعدہ سے ہوگا اوس میں بھی خلاف تہذیب ہونیکا یا تحمل صحت ہونے کا عذر کرکے ٹکا سا جواب دینگی اور اپنے حقوق تم سے پورے وصول کرلینگی تنخواہ تم سے کل رکھوالیں گی اور تین پانچ کروگے تو عدالت پہونچیں گی اور اگر کہو کہ یہہ بہت کم ہوتا ہے تو جواب میں عرض کرونگا کہ پھر وہ تعلیم یافتہ نہیں ہے اور اگر کہو کہ ہم ایسی تعلیم یافتہ نہیں چاہتے بلکہ کسی قدر نئی تعلیم سے بہرہ ور ہو تو خیر وہ بیشک اس قدر خطرناک نہ ہوگی لیکن آزادی بے حیائی مکروفریب چالاکی نفاق تو تمغہ مشترکہ ہے جو پوری اور ادھوری تعلیم سب میں ہے تو اس کے خطرات بھی ایک شریف اور غیور آدمی کیلئے کچھ کم نہیں میں تو یہہ کہتا ہوں کہ اگر عورت میں کوئی ہنر نہ ہو لیکن حیا ہو تو وہ اور کچھ نہیں مگر عورت تو ہے اور اگر سب ہنر ہوں لیکن حیا نہ ہو تو وہ سب کچھ ہے مگر عورت نہیں اور نکاح کے مصالح کیلئے چاہئے عورت جب وہ حکماً عورت ہی نہیں تو پھر اوس سے مصالح نکاح کیسے حاصل ہونگے پھر نکاح سے کیا فائدہ بالائی مصالح کے لئے چار مہذب نوکر رکھ لو اور آب ریزی کے لئے اہل فرانس نے بہت سے طریقے ایجاد کردئے آپ ہیں کفایت کرلو رہی اولاد سو وہ اختیار ہی سے خارج ہے اوسکی فکر ہی کیا پھر وہ بہر بدہنر عورت سے بھی حاصل ہوسکتی ہے اوس کے لئے اتنی کنج وکاؤ

بیکار ہے اور اسکی کیا ضرورت کہ سب مصالح ایک ہی شخص سے حاصل ہوں غرض نکاح میں مصالح نکاح کی رعایت سب سے مقدم ہے جو عورت کی بیحیائی کے ہوتے ہوئے سب گرد ہے البتہ اگر عورتوں میں تعلیم ڈھونڈی جاوے تو وہ علوم دینیہ کی تعلیم ہے جو انسان کو مہذب کامل بنا دیتی ہے جبکہ اُسپر عمل کرے اور غالب یہ ہے کہ جب علم دین حاصل ہوتا ہے تو کبھی نہ کبھی عمل کی بھی توفیق ہو ہی جاتی ہے سو اگر بے عملی سے فرضاً کچھ کلفت بھی ہوئی تو وہ دائمی نہ ہوگی عارضی ہوگی جو ایک منٹ میں ختم ہو سکتی ہے غرض اصل تعلیم قابل اہتمام تعلیم دینی ہے اور اس کے اساس التہذیب ہونیکی وجہ یہ ہے کہ اس سے خدا تعالی کا خوف پیدا ہوتا ہے اور جس کے قلب میں خدا کا خوف ہوگا وہ اسقدر چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھیگا کہ اُس سے احتمال ہی نہیں ہوگا کہ وہ کسیکا ذرا حق ضائع کرے یا کسی کو اوس سے تکلیف ہو نچے یا وہ اپنی غرض کو دوسرے کے حق پر مقدم کرے یا کسی کی بدخواہی کرے یا کسی کو دھوکہ دے اور اس سے بڑھکر تہذیب کونسی ہوگی اور جسکا نام آجکل تہذیب رکھا گیا ہے جسکا حاصل تصنع و تلبیس و خداع و نفاق ہے وہ سراسر تعذیب ہے جسکا پایا جانا عورت میں اُسکو اس شعر کا مصداق بناتا ہے ؎

زن بد در سرائے مرد نکو ہم دریں عالم ست دوزخ او

اِس تقریر سے بعض اجزا مسئلہ تعلیم نسواں کے متعلق بھی حل ہوگئے اور مکمل بحث اسکی ایک مستقل تقریر میں بندہ نے لکھی ہے جو القاسم شوال ۱۳۳۰ھ کے پرچہ میں شائع بھی ہو چکی ہے جسکی روح دو امر ہیں ایک یہ کہ اون کو صرف علم دین پڑھایا جاوے دوسرے یہ کہ یہ تعلیم خاص طرز سے متفرق طور پر گھروں میں ہونا چاہئے مدارس کے طرز پر مجتمع طور پر نہ ہونا چاہئے کہ شریعت نے بھی بلا ضرورت شدیدہ ان کے اجتماع و خروج عن البیوت کو پسند نہیں کیا اور واقعات نے بھی اسکے مفاسد ایسے دکھلا دئے کہ بجز متعامی کے اعمی نے بھی اُنکو دیکھ لیا اور راز اوس میں یہ ہے کہ اس اجتماع کو جس درجہ کی نگرانی کی ضرورت ہے عورتوں سے وہ بن نہیں پڑتا کہ وہ خود منتشر ہیں اور مردوں کے دخل میں پھر وہ نگرانی کہاں رہی کہ اوس نگرانی کا حاصل یہی عدم اختلاط بالرجال تو تھا ہی تو نگرانی تو کم اور خروج عن البیت کے بعد مواقع فساد میں وسعت ہوگئی دوسرے

معلم اگر شریف و متدین و شفیق و ذی اثر و باوجاہت و بارعب ہو تو اوسکا نوکر رکھنے کے لئے میسر ہونا قریب بمحال اور جو نوکر رکھنے کے لئے مل سکتی ہے وہ ان اوصاف سے معری جبکی صحبت مردوں سے زیادہ خطرناک خیر یہ جملہ معترضہ استطراداً آگیا اصل بحث یہ ہے کہ منکوحہ میں تعلیم پر نظر کرنا کیسا ہے اصل بات یہ ہے کہ اگر اوس میں علم دین ہو تو نور علی نور ہے اور اگر علم دین نہ ہو تو اوس کا بے علم ہونا یقیناً اوس کے اس نئے علوم کے عالم ہونے سے اسلم اور بے خطر ہے کیونکہ اگر بے علم میں اخلاق حمیدہ نہ ہونگے تو وہ اخلاق رذیلہ جو جڑ ہیں تمام اخلاق رذیلہ و افعال ذلیلہ کی وہ بھی تو ہونگے تو اس مصرعہ کا مضمون تو نا تھ آویگا ع مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں۔ آجکل تو یہ طوفان ہوگیا کہ اشتہاری دواؤں کی طرح ناکح و منکوحہ کے اشتہار بھی اخباروں میں چھپنے لگے کبھی ناکح صاحب اعلان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ جایدادیہ نوکری اور یہ کمالات ہیں اور ہمکو ان اوصاف کی منکوحہ چاہئے جسکو منظور ہو ہم سے خط و کتابت کرے پھر اسکے جواب میں کوئی بی بی صاحبہ (پتھر پڑیں اوس پر) اخبار میں یا خاص طور پر جواب لکھتی ہیں اور اپنا جامع اوصاف اور حسین ہونا اپنے بے شرم قلم سے لکھتی ہیں اور کچھ شرطیں کرتی ہیں بس اسی طرح خط و کتابت ہو کر کبھی سودا بن جاتا ہے کبھی نہیں بنتا کبھی نکاح سے پہلے ہی دوچار ملاقاتیں ہوجاتی ہیں تاکہ تجربہ و بصیرت کے بعد نکاح ہو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کیسی آفتیں نازل ہو رہی ہیں اللھم انا نعوذ بک من الفتن ما ظھر منھا و ما بطن اسمیں کلام نہیں کہ عاقلہ بالغہ اگر خود اپنے نکاح کی بات چیت ٹھیرالے اور ایجاب و قبول کرلے تو نکاح منعقد ہوجاویگا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آیا بلا ضرورت و بلا مصلحت معتدبہا ایسا کرنا کیسا ہے سو یہ امر نہ شرعاً محمود ہے نہ عقلاً شرعاً تو اسلئے کہ تخریج زیلعی میں دارقطنی و بیہقی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کیا ہے لا تنکحوا النساء الا من الاکفاء ولا یزوجھن الا الاولیاء ولا مھر اقل من عشرۃ دراھم گو بوجہ دوسری حدیث کے الایم احق بنفسھا من ولیھا رواہ مسلم و ابو داؤد و الترمذی و النسائی و مالک فی الموطا۔ لا یزوجھن کو نہی کہیں گے نفی نہیں گے جو کہ مستلزم ہو عدم صحت کو لیکن نہی بھی تو عمل ہی کے واسطے ہے اور کوئی باطنی راز ہے جبکی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توسط اولیاء کا تجویز فرمایا ہے۔

الاحادیث الموضوعہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

لیکن قابل غور یہ امر ہے کہ جس عقل کو مسائل مذہبی اور عقائد دینی کے پرکھنے کی اوس خود مختار شخصی سلطنت کے بادشاہ کی سی حکومت عطا کی جائے جسکے ایک اشارہ میں موت و زندگی کی لاینحل مشکلیں آسان ہوتی ہوں اور یفعل ما یشاء ویحکم ما یرید کے اختیارات رکھتا ہو اوسکی خود حقیقت کیا ہے اور وہ ادراک حقائق اور معرفت ماہیات میں کیا کام دیتی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ اوسکے ذریعہ سے اشیا کی جو جو حقائق معلوم کی گئیں وہ اگر ایک وقت میں عقلائے زمانہ کے نزدیک ثابت شدہ ہوئیں تو اونہیں کے خلاف دوسرے زمانہ میں مانا گیا اور جسطرح پہلے زمانہ میں اونکو قطعی اور ناقابل بطلان کہا جاتا تھا اوسیطرح یا اوس سے بھی زیادہ یقین کے ساتھ پچھلے لوگوں نے اونکو ناقابل تسلیم کہا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تہافت الفلاسفہ میں فرماتے ہیں۔

لیعلم ان الخوض فی حکایۃ اختلاف الفلاسفۃ تطویل و نزاعھم کثیرۃ و آراءھم منتشرۃ و طرقھم متباعدۃ متدابرۃ۔ فلنقتصر علی اظہار التناقض فی رأی مقدمھم الذی ھو الفیلسوف المطلق والمعلم الاول فانہ رتب علومھم وھذبھا بزعمھم وحذف الحشو من آرائھم ونقی ما ھو الاقرب الی اصول اھوائھم وھو ارسطاطالیس وقد رد علی کل من قبلہ

جاننا چاہیئے کہ فلاسفہ کے باہمی اختلافات کو نقل کرنے میں بہت تطویل ہے اور انکی باہمی منازعتیں بہت زیادہ ہیں انکی رائیں متفرق اور ان کے طریقے بعید اور متناقص ہیں۔ اسلئے ہم صرف اسقدر کرینگے کہ جو شخص سب کا امام مطلق اور معلم اول ہے اوسکی رائے کا تناقض ظاہر کریں کیونکہ انکے علوم کی ترتیب اور تہذیب اسیکے ہاتھوں ہوئی ہے اور اونکے خیالات کی تنقیح اسی نے کی ہے یعنی ارسطو۔ اس نے اپنے تمام اسلاف کی تردید کی

حتی علی استاذہ الملقب عندھم
بافلاطون الالٰھی ثم اعتذر عن
مخالفۃ استاذہ بان قال افلاطون
صدیق والحق صدیق ولکن الحق
منہ وانما نقلنا ھذہ الحکایۃ عنھم
لیعلم انہ لا ثبت ولا ایقان لمذھبھم
عندھم وانھم یحکمون بظن وتخمین
من غیر تحقیق ویستدلون علی
صدق علومھم الالھیۃ بظھور
العلوم الحسابیۃ والمنطقیۃ
ویستدرجون بہ ضعفاء العقول
ولو کانت علومھم الالھیۃ متقنۃ
البراھین نقیۃ عن التخمین کعلومھم
الحسابیۃ والمنطقیۃ لما اختلفوا
فیھا کما لم یختلفوا فی الحسابیۃ ثم
المترجمون لکلام ارسطاطالیس
لم ینفک کلامھم عن تحریف و
تبدیل یحوج الی تفسیر وتاویل
حتی اثار ذلک ایضًا نزاعًا
بینھم وافقھم بالنقل والتحقیق
من المتفلسفۃ الاسلامیۃ الفارابی
ابو نصر وابن سینا فلنقتصر علی
ابطال ما اختارہ ورایاہ الصحیح

یہانتک کہ اپنے اُستاذ کو جسکا لقب افلاطون تھا الٰہی تھا چھوڑا۔ اور خود ہی اس تردید کو اپنا قصور سمجھکر یوں عذر کیا کہ افلاطون اور امر حق دونوں میرے دوست ہیں لیکن حق کی دوستی افلاطون کی دوستی سے زیادہ ہے۔ ارسطو کے یہ الفاظ ہم نے صرف اسوجہ سے نقل کئے ہیں تاکہ یہ بات بالکل حیز خفا میں نر ہے کہ اپنے مذہب کا خود انکو بھی کچھ یقین نہیں۔ انکے حکم صرف ظن اور تخمین سے ہوتے ہیں اونمیں تحقیق کا پتہ بھی نہیں ہوتا ہے اور اپنے علوم آلٰہیہ کے صادق ہوتے علوم حسابیہ اور منطقیہ کے یقینی ہونے سے استدلال کرتے ہیں اور کمزور عقلوں کو آہستہ آہستہ پھانسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اگر فی الواقع انکے علوم الٰہیہ کے دلائل یقینی اور ظن اور تخمین کی آمیزش سے اوسیطرح پاک ہوتے جسطرح کہ علوم حسابیہ اور منطقیہ تو یقینًا ایسا اختلاف عظیم اونمیں برپا نہوتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ علوم حسابیہ میں اونمیں اختلاف نہیں۔ علاوہ ازیں جن لوگوں نے ارسطو کے کلام کا ترجمہ کیا خود اونکا کلام بھی تحریف اور ایسی تبدیل سے محفوظ نہیں کہ جسمیں تفسیر کی حاجت نہ پڑتی ہو۔ اور یہ بھی ایک قوی وجہ باہمی اختلاف کی آگ بھڑک جانے کی ہوئی مسلمانوں میں سے سب

من مذاهب رؤسائهم في الضلال فان ما هجراه واستنكفاه من المتابعة فيه لا يتمارى في اختلاله ولا يفتقر الى نظر طويل في ابطاله فليعلم انا مقتصرون على رد مذاهبهم بحسب نقل هذين الرجلين كيلا ينتشر الكلام بحسب انتشار المذاهب

زیادہ نقل اور تحقیق میں فارابی ابونصر اور ابن سینا اسلئے مناسب ہے کہ جو انکے نزدیک محقق ہو چکا ہے اپنے گمراہ سرداروں میں سے جس مذہب کو صحیح سمجھکر انہوں نے لیا ہے ہم اوسی کو باطل کریں کیونکہ جس مذہب کو خود انہوں نے ہی چھوڑ دیا اور اسکے اتباع کو پسند نہ کیا اوسکے ناقص ہونے میں شک ہی نہیں ہو سکتا ہے اور نہ اوسکے باطل کرنے میں زیادہ رد وکد کی ضرورت پیش آوے اسلئے ہم فلاسفہ کا رد انہیں دونوں کی نقل کے موافق کرینگے تاکہ کثرت مذاہب کی وجہ سے بحث طویل نہو جاوے۔

مثال میں اسکو یوں سمجھو کہ اگر ایک زمانہ میں افلاک کا تحرک اور زمین کا سکون اسلئے مسئلہ تھا کہ اگر اوسکے خلاف (نعوذ باللہ من ذلک) بلاواسطہ خود انبیاء مرسلین بھی اونسے کہتے تو اونکا قول رد کر دیا جاتا تو زمانہ مابعد کے عقلا کی تحقیق نے یہ مانا کہ افلاک کا وجود فرضی اور اعتباری ہے اسی لئے بلاخوف تردید صاف صاف کہدیا جاتا ہے۔ "پس اب ہم مسلمانوں کو یہ اعتقاد کرنا چاہئے کہ درحقیقت آسمان کوئی وجود مجسم مثل گول گنبد یا چورس چھت کے نہیں ہے بلکہ تمام ستارے چاند اور سورج جنمیں زمین بھی ایک ستارہ ہے فضائے بسیط میں معلق ہیں اور قدرتی ستونوں[۱] کے ذریعہ سے جسکو ہم نہیں دیکھ سکتے اور جسکا نام لسان شرع میں غیر مرئی اور زبان اہل علم میں جذب ہے اپنی اپنی جگہ قائم ہے جو کہ ہمارے سر کے اوپر ہے اوسکا نام آسمان۔ جسطرح کہ ہم اپنے سر کی چیزوں کو جو حقیقت میں امریکہ کے رہنے والوں کے تحت قدم میں آسمان کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح امریکہ کے رہنے والے اپنے سر پر کی چیزوں کو جو درحقیقت ہمارے تحت قدم میں آسمان کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں" آسمان کا صرف یہی وجود ہے جسکا دعوی یہ فاضل اور اپنے فن کا ماہر شخص کر رہا ہے۔

[۱] اس غیر مرئی اور قدرتی ستون کیلئے کونسا مشاہدہ اور کونسی عقلی دلیل آپ کے پاس ہے ۱۲۔ اعزاز علی

یا وہ وجود ہے جسکو حکمت یونانی نے ثابت کیا ہے یہ مسئلہ ہماری بحث سے خارج ہے اور اگر توفیق خداوندی نے مساعدت کی تو ہم اسکے متعلق آئندہ کسی مضمون میں تفصیلی بحث کرینگے۔ اسوقت اس مثال سے ہمارا صرف یہ مقصود ہے کہ جس زمانہ میں حکمت یونانی کا دور دورہ تھا اور اوسکے احکام نافذ تھے اگر اوس زمانہ میں الہی مقدس کلام یہی دعوی کرتا جو تم آج کہہ رہے ہو تو اوس زمانہ کے عقلا اسکو خلاف عقل اور غلطی کرنے والے انسان کا بنایا ہوا کہکر رد کرتے یا نہیں۔ رد کرتے اور ضرور کرتے۔ ان دو متضاد نتیجوں پر پہونچنے کی وہ کونسی چیز ہے جس سے اس امر کا فیصلہ کیا جاسکے کہ آج جو کچھ اُنہوں نے ثابت کیا ہے وہ یقینی اور کالمشاہدہ ہے اور گذشتہ زمانہ میں جو کچھ ثابت ہوا یا زمانہ مابعد میں جو کچھ اسکے خلاف ثابت ہوگا وہ غلط ہے اور کس اعتماد پر یقین کیا جاسکتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں درجۂ ثبوت کو پہونچنے والی تحقیق کے خلاف ثابت ہی نہیں ہوسکتا۔

اور پھر صرف یہی نہیں کہ دو زمانوں میں دو جماعتیں اس قسم کے متضاد اور کبھی جمع نہوسکنے والے نتیجے نکالتی ہوں بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی زمانہ میں مدعیان عقل کی ایک جماعت کسی ایک مسئلہ کو عقل کے موافق اور دوسری جماعت اوسکی نقیض کو عقل کے مطابق مانتی ہے۔ اسکی مثالیں ایک دو نہیں بے شمار ملینگی۔ ایک فریق دعوی کرتا ہے کہ آسمان پر اس خاکی جسم کے ساتھ چڑھجانا ممکن اور واقع ہے دوسرا فریق اوسکے مقابل اسکو ناممکن اور غیر واقع کہکر اپنے مخالفین کو عقل سے خارج کہتا ہے۔ ایک جماعت قائل ہے کہ افلاک میں خرق والتیام ممکن ہے دوسری جماعت اسکو محال کہنے پر طیار ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ بغیر باپ کے بچہ کا ماں کے پیٹ سے پیدا ہونا ممکن اور ثابت ہے دوسرا اسکو محال عقلی مان رہا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ اسباب کے بغیر مسببات کا وجود محال دوسرا اسکو حد امکان میں داخل کرتا ہے بعض کہتے ہیں کہ تعدد ذُعبات ناقابل تسلیم ہے بعض اسکو واجب التسلیم کہتے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ الواحد لایصدر عنہ الا الواحد کسی کا خیال ہے کہ اس سے زیادہ لغو کوئی دوسری بات ہو ہی نہیں سکتی۔

(باقی آیندہ)

السرور

بظہور النور

ملقب بہ

ارشاد العباد فی عید المیلاد

ایجاد او بدعت پسندی کا زمانہ ہے خود رائی اور آزادی کی حکومت ہے اسلئے جو جسکے جی میں آتا ہے بلا تکلف کر گذرتا ہے اپنی من گھڑت باتوں کو وحی آسمانی کا مرادف سمجھ لیتا ہے۔ دین کے پیرایہ میں دین کی بیخکنی کرنا اس زمانہ میں جسقدر آسان ہو گیا ہے شاید کبھی ہوا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روحی فداہ کی محبت کا محض دعوی کافی ہے اسکے بعد کسی دلیل کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی اس مدعی کا قول و فعل گو شریعت غرا کے خلاف ہو مگر وہ عین شریعت سمجھا جاتا ہے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

ایک تازہ ایجاد چند دنوں سے بشکل دین ظاہر ہوئی ہے۔ یعنی بارہوین ربیع الاول کو عید منانا اسکا نام عید میلاد النبی رکھا گیا ہے اس مبارک عنوان پر عوام کی دلچسپی جسقدر ہو تھوڑی ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس فعل کی حقیقت کیا ہے اور اوسمیں اتباع شریعت کہاں تک ہے۔ یہ رسالہ جسکا نام آپنے عنوان میں پڑھا ہے اسی مبحث میں ہے حضرت طبیب الامۃ مولانا **محمد اشرف علی صاحب** عم فیضہم نے اسکے متعلق وعظ فرمایا اوسکو بعض خدام نے ضبط کر لیا اور بنظر رفاہ عام طبع کر دیا گیا خدا تعالی جزائے خیر دے جناب حاجی سید **محمد مرتضی علی صاحب** مراد آبادی کو اونھوں نے اس خیر کثیر کو جاری کیا اور مسلمانوں کو اپنا ممنون احسان بنایا دیکھنے سے رسالہ کے مضامین کی حقیقت واضح ہو جائیگی اہل علم اور طلبا اور عام مسلمین کیلئے بیحد نفع رساں ہے۔ والحمد للہ علی ذلک۔ قیمت فی نسخہ ۲۰ ر ہے۔ مقام مراد آباد بازار چوک حاجی سید محمد مرتضی علی صاحب سے ملتا ہے۔

خاکسار معتمد المدیر

قواعد و ضوابط رسالہ القاسم

۱ = یہ رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے اور کسی ماہ کا رسالہ تبیس ۳۲ صفحے سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھ جاتا ہے۔

۲ = یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوتا ہے اور عام قیمت سالانہ مع محصول دو روپیہ آٹھ آنہ ۲؎ پیشگی لیجاتی ہے۔ ممالک غیر سے صرف اسیقدر زیادہ لیا جائیگا۔ جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے۔

۳ = جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچ روپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائینگے وہ رسالہ کے معاونین خاص میں شمار ہونگے۔ اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہیگی۔

۴ = سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے جملہ حضرات کی خدمت میں شروع کا (یا خریدار کا جب سال شروع ہو اُسکا) پہلا پرچہ ویلو بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کرکے ۲؎ کا ویلو روانہ ہوگا۔

۵ = یہ رسالہ ہرگز کبھی کسی صاحب کی خدمتمیں بلا طلب و تحریک ویلو نہیں روانہ کیا جاتا۔ بعض حضرات خود طلب فرماتے ہیں اور بعض حضرات اپنے اعتماد پر دوسروں کی خدمت میں ویلو بھیجنے کی فرمایش کرتے ہیں۔

۶ = شعبان ۱۳۳۳ھ مطابق جولائی ۱۹۱۵ء سے اس رسالہ کا چھٹا سال شروع ہوا ہے پہلے پانچ سالوں کی کامل جلدیں موجود ہیں قیمت ہر جلد کی ۲؎ مع محصول ڈاک ہے۔

۷ = نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں اُنکے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کئے جائینگے جو اصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں۔

۸ = القاسم کے متعلق جملہ تحریرات و ترسیل زر بنام حضرت مدیر یا بنام خاکسار ہونی چاہیئے۔

المشتہر

خاکسار سراج احمد عفی عنہ معتمد المدیر "رسالہ القاسم" مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

(رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۳)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

قیمت سالانہ

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی ماہوار رسالہ

نمبر ۴ بابت ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۳۳۳ھ جلد ۶

خاکسار حبیب الرحمن ایڈیٹر رسالہ

(نے)

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

(اور)

مطبع قاسمی دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھپوایا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ

(مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۱۵ء)

جو حضرت مولانا محمود حسن صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

(اور)

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

(شائع ہوتا ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصلاح انقلاب امت

بقیہ مضمون اصلاح متعلق بہ نکاح

(گذشتہ سے پیوستہ)

اگر ہم کو اسکی لم بھی معلوم نہ ہو مگر ہمارے پاس دلیل انی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بات اس میں ضرور ہے اور وہ دلیل انی یہ ہے کہ ہم نے جو آثار برکت کے بزرگوں کے تجویز کئے ہوئے نکاح میں دیکھے ہیں وہ اُس نکاح میں نہیں دیکھے جو براہ راست خود زوجین کر لیتے ہیں باقی خاص خاص مواقع ضرورت کے مستثنیٰ ہوا ہی کرتے ہیں اور عقلاً اس لئے محمود نہیں کہ ظاہر ہے کہ بلا ضرورت شدیدہ خود نکاح کی بات چیت یا خط و کتابت کرنا دلیل اُسکی وقاحۃ کی ضرور ہے اور اذا فاتک الحیاء فافعل ما شئت کے موافق قلیل الحیاء آدمی سے جو رذیلہ بھی صادر ہو جاوے بعید نہیں عاقل آدمی کو ایسی عورت سے بچنے کیلئے یہی علامت کافی ہے کہ وہ بیحیا ہے۔ اس جگہ سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ بعضے آدمی بازاری عورتوں سے نکاح کر لیتے ہیں گو نکاح بھی ہو جاتا ہے اور بلا وجہ اُس پر بدگمانی بھی نہ چاہیئے کہ یہ اب بھی بے قید و آوارہ ہی ہے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ متدین آدمی کیلئے احتیاط کے خلاف ضرور ہے اسی واسطے شریعت غرا نے ایک درجہ اسکو نامناسب قرار دیکر قانون مقرر فرمایا الزانی لا ینکح الا زانیۃ او مشرکۃ والزانیۃ لا ینکحہا الا زان او مشرک وحرم ذلک علی المومنین گو عموم نصوص و اطلاق دلائل سے یہ تحریم نفی کے درجہ میں نہیں کہ نکاح منعقد ہی نہ ہو نہی کے درجہ میں ہے اور نہی بھی بالذات نہیں کہ یہ نکاح معصیت ہو بلکہ لغیرہ بعارض لزوم دیوثیۃ کے ہے اور اسی لئے یہ تحریم اوس صورت میں ہے کہ اُس نے توبہ نہ کی ہو اور توبہ کی صورت میں یہ تحریم لغیرہ بھی نہیں لیکن جبکہ اس ناپسندیدگی کا مدار اُسکا زانیہ ہونا ہے

سو جہاں وہ متیقن ہوگا وہاں ناپسندیدگی اقوی درجہ حرمت میں ہوگی اور جہاں محتمل ہوگا وہاں ناپسندیدگی خفیف درجہ خلاف اولی میں ہوگی اور حدیث تخیروا النطفکم میں اسکی صریح تائید ہے اور یہی وجہ ہے کہ کسی نبی کے واسطے اللہ تعالی نے ایسی عورت بھی پسند نہیں فرمائی جو اس میں کبھی ملوث ہوئی ہو گو توبہ بھی کرلی ہو اور یہی معنی ہیں اس آیت شریفہ کے والطیبات للطیبین الآیۃ البتہ اگر توبہ خالصہ کرلے جس سے وہ احتمال نہ رہے اور اُس کو کوئی قبول نہ کرے تو اُسکی عفت کی حفاظت کیلئے یا جبکہ اس شخص کو اُس سے تعشق ہو تو یہ محل اُس سے مستثنیٰ ہے لعموم قولہ علیہ السلام لم یر للمتحابین مثل النکاح۔

اب نکاح کے متعلق بعض وہ کوتاہیاں مذکور ہوتی ہیں جن سے زیادہ تر مسائل فقہیہ کا تعلق ہے اون میں سے ایک کوتاہی گو درجہ ترک واجب میں نہیں یہ ہے کہ بعض لوگ مصلحت نفسانیہ خفیہ نکاح کرلیتے ہیں جس میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ یہ سنت کے یقیناً خلاف ہے حدیث میں مصرح ہے اعلنوا ھذا النکاح اور جن ائمہ کے نزدیک اعلان شرط نکاح ہے اُن کے نزدیک ایسا نکاح منعقد ہی نہ ہوگا تو اون کے نزدیک واجب کا بھی ترک ہے جو ترک سنت سے بھی اشد ہے اور گو ہمارے نزدیک اس نکاح کا انعقاد ہوجاتا ہے جبکہ اُسمیں ضروری شہود ہوں یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت مگر تاہم علماء کے اختلاف میں بلاوجہ پڑنا خود ناپسندیدہ ہے خصوص معاملہ بضع میں کہ اوس میں اصل حرمت ہے تو یہ دوسری خرابی ہوگئی اور تیسری خرابی یہ ہے کہ یہ ایک مفسدہ عظیمہ کی طرف مفضی ہے یعنی اگر یہ طریقہ معمول بہ ہوجاوے تو بہت سے مرد و عورت زنا میں مبتلا ہونے کے بعد جب حمل سے یا کسی کو اطلاع ہوجانے سے رسوائی ہوتی دیکھیں گے بہت آسانی سے خفیہ نکاح کے دعوے کی آڑ لے لیا کرینگے اور اس کے قبائح و فضائح ظاہر ہیں کہ کسقدر کبیر اور کثیر ہیں چوتھی خرابی یہ ہے کہ بعض عوام کو خود ہی معلوم نہیں کہ ادنی درجہ شہادت کا صحت نکاح میں کیا ہے جب وہ کسی خفیہ نکاح کو سنیں گے اور خفیہ ہونے کے سبب اُن کو گواہونکا عدد معلوم نہ ہوگا عجب نہیں کہ اس کے معنی نکاح بلا شہود قرار دیکر شہادت کے شرط نہ ہونیکا اعتقاد کرلیں اور کسی موقعہ پر اس پر عامل بھی ہوجاویں تو اس میں اعتقادی عملی دونوں خرابیاں جمع ہوگئیں تو اس میں چوتھی کے ساتھ پانچویں خرابی بھی ہوگئی خصوص اس زمانہ میں جہل بسیط سے

بڑھکر جہل مرکب شائع ہے چنانچہ خاص اس مسئلہ اشتراط شہود میں بھی افسوس ہے کہ بعض متجرئین کلام کرنے لگے ہیں ایک شخص کا تو یہ مقولہ سنا گیا ہے کہ شہود نکاح میں شرط مقصود نہیں ہے اصل شرط تراضی جانبین ہے چونکہ بعد تراضی کے احیاناً انکار تراضی کا بھی احتمال تھا قطع نزاع کے لئے شہود کا حکم کیا گیا تاکہ اختلاف رفع ہونے میں آسانی ہو ورنہ نفس حل وصحت نکاح شہود پر موقوف نہیں انتھی کلامہ الشنیع اور ایک شخص کا یہ مقولہ معلوم ہوا کہ نکاح بھی مثل دوسرے معاملات بیع وشراء کے ایک معاملہ ہے پس جس طرح دوسری چیزوں کا لین دین باہم متعاقدین کی رضا سے ہو جاتا ہے اسی طرح اس میں بھی اسیکو کافی سمجھا جاویگا پس عورت سے نکاح کرنا مثل گائے اور بکری کے خرید لینے کے ہے انتہی مقالہ الفظیع اس شخص نے شرط شہود کو بالکل ہی حذف کر دیا بالغیر بھی مقصود نہ رکھا اور حکم شرعی کی صاف نفی کردی پس پہلے شخص کا قول تو الحاد تھا اور یہ زندقہ ہے جو الحاد سے اشد ہے اور ان دونوں قولوں کے ابطال کیلئے اتنا کافی ہے کہ یہ رائے محض ہی بمقابلہ نص صریح اور اجماع کے جو کہ احد الامرین یعنی شہادت یا اعلان کے اشتراط پر منعقد ہے پس غیر مسموع ہے حسیات میں اسکی ایسی مثال ہے جیسے کسی جاہل گنوار سے جسکی بغل میں دو من پختہ کشمش کا بورہ تھا ریل میں جب ٹکٹ کلکٹر نے بلٹی مانگی تو اس نے پھر اپنا ہی ٹکٹ پیش کردیا اوس نے کہا کہ اسکا ٹکٹ الگ لاؤ اُس نے جواب دیا یہی اسکا ٹکٹ بھی ہے بابو نے کہا کہ اس ٹکٹ میں پندرہ سیر سے زیادہ لیجانیکی اجازت نہیں اوس نے جواب دیا کہ نہیں جتنا بوجھ شخص آسانی سے اُٹھادے وہ اُسکا پندرہ سیر ہے تم لوگ ضعیف ہو پندرہ سیر سے زیادہ نہیں اوٹھا سکتے ہم قوی ہیں ہم زیادہ اوٹھا سکتے ہیں پس اس گنوار کے قول کے اگر یہ معنی ہیں کہ پندرہ سیر کا قانون تو ٹھیک ہے مگر معلل ہے علت مذکورہ سے تو جہاں علت نہ ہوگی معلول بھی نہ ہوگا تب تو اسکا جواب مشابہ ہے قائل اول کے قول کے اور اگر یہ معنی ہیں کہ یہ قانون ہی لغو ہے تو مشابہ ہے قائل ثانی کے قول کے اور دونوں حال میں کیا قانون کے مقابلہ میں اسکا قول مانا جا سکتا ہے یہی حال سمجھ لیجئے ان دونوں قولوں کا بہرحال یہ کیفیت ہے اس زمانہ میں جہل مرکب کے شیوع کی پس بعد نکاح کرنے میں چونکہ شہود کی اطلاع عام نہ ہوگی بہت قریب ہے کہ اوسکو نکاح بلا شہود سمجھا جاوے اور ان دونوں اقوال باطلہ کے قائلین اس سے اپنی رائے کی تائید کا کام لیں اور ظاہر ہے

کہ الحاد و زندقہ کا مؤید بننا گو بالتسبب ہی ہو بالمباشرۃ نہ ہو کیسا امر قبیح ہوگا یہ چھٹی خرابی ہوگئی بعضے
لوگ مسئلہ شہود کے متعلق ایک جہل بسیط میں مبتلا ہیں اور اس جہل پر عمل بھی کرنے لگے ہیں وہ یہ کہ
بعضے مرد و عورت دونوں محض خط و کتابت سے ایجاب و قبول کر لیتے ہیں اور اُسکو کافی سمجھتے
ہیں پھر بعضے تو صرف اپنے ہی خطوط پر اکتفا کرتے ہیں اور بعضے اپنے مضمون پر دو گواہوں کے
بھی دستخط کرا دیتے ہیں اور نکاح کو صحیح سمجھ لیتے ہیں حالانکہ دونوں صورتوں میں نکاح نہیں ہوتا صورت
اول میں تو بوجہ عدم شہود کے اور صورت ثانیہ میں اس لئے کہ شہود میں حسب تصریح فقہاء یہ بھی شرط
ہے کہ وہ ایجاب و قبول کے الفاظ کو ایک ہی مجلس میں سُن بھی لیں غرض دونوں صورتوں میں نکاح
صحیح نہیں ہوگا پس خفیہ نکاح میں ان دونوں غلطیوں کی بھی تقریب ہے یہ ساتویں خرابی ہوگئی بعضے
لوگوں نے خفیہ نکاح میں ایک اور ایجاد کی ہے اور بزعم خود سب گناہوں سے بچنے کی پوری تدبیر
کر لی ہے اور یہ خبر نہیں کہ فر من المطر و وقف تحت المیزاب کے مصداق بنتے ہیں اور وہ ایجاد
یہ ہے کہ نکاح بلا شہود تنہائی میں اس شرط پر کر لیتے ہیں کہ صحبت وغیرہ کچھ نہ ہوگی خالی نکاح کئے لیتے ہیں
تاکہ تنہائی میں بیٹھنا ایک دوسرے کو دیکھنا باہم ہنسنا بولنا یہ امور جائز ہو جاویں اور صحبت سے مجتنب
رہیں تو گویا ان لوگوں کے اعتقاد میں نکاح کے دو درجے ہیں ایک وہ جس سے صحبت حلال ہو جاوے
اس درجہ کے تحقق کیلئے تو شہود شرط ہیں اور دوسرا درجہ وہ جس سے صحبت حلال نہ ہو لیکن خلوت
و مس و نظر وغیرہ حلال ہو جاویں اس درجہ کے تحقق کیلئے شہود شرط نہیں صرف مرد و عورت کا ایجاب
و قبول و تراضی کافی ہے اس جہل میں ایک بدعت ضلالت کی بھی آمیزش ہے کہ تصرف فی الحکم
الشرعی ہے نیز بدون ایسے نکاح کے تو معاصی کو معاصی بھی سمجھتے تھے اور اس نکاح کے بعد خلوت
وغیرہ کو حلال سمجھنے لگے معصیت کو حلال سمجھنا کتنی بڑی سخت بات ہے سو خفیہ نکاح میں اس ایجاد
کیلئے بھی استناد ہے یہ آٹھویں خرابی ہوئی۔ اور یہ سب احتمالات فرضی و اختراعی نہیں ہیں مجھکو یہ سب
واقعات معلوم ہوئے ہیں نویں خرابی یہ ہے کہ اسکے دعوے کے ذریعہ سے کسی ایسی عورت پر ظلم
ہو سکتا ہے جس سے یہ شخص نکاح کی خواہش رکھتا ہو اور وہ قبول نہ کرتی ہو پس کسی وقت اگر
اسکو شیطان اغوا کرے تو دو مردہ شخصوں کے نام لیکر دعوے کر سکتا ہے۔

(باقی آیندہ)

مبدأ و معاد

(گذشتہ سے پیوستہ)

حق سبحانہ وتعالی بنور یقین ایمانی در وقت استیلاء معاندان مثلاً سپاہیان در وقت غلبہ دشمنان و استیلاء مخالفان اگر اندک تردد می کنند آن قدر نمایان می شود و اعتبار میگیرد کہ در وقت امن اضعاف آن در حیز اعتبار نمی آید۔

پس اول صورت میں مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم۔ سے شفاعت طلب کیجاویگی اور آپ شفاعت فرماویں گے اور دوسری صورت میں مطلب یہ ہے کہ میں اُن کا شفیع ہونگا جبکہ وہ محبوس ہونگے میدان حشر میں۔ اور میں اون کو بشارت دینے والا ہوں جبکہ وہ ناامید ہوجاوینگے بزرگی اور ہر یک چیز کی کنجیاں اُسدن میرے ہاتھ میں ہونگی اور لواء حمد اُسدن میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اللہ کے نزدیک تمام اولاد آدم سے بزرگ تر اور عزیز تر ہوں ہزار ایسے خادم میری خدمت میں رہیں گے کہ گویا وہ بیضہ ہیں محفوظ گرد وغبار سے اور مشکوۃ شریف میں بروایت ترمذی و دارمی اس موقع پر یہ لفظ زیادہ ہیں اولولوء منثور یعنی . وہ خادم مثل بکھرے ہوے موتیوں کے ہونگے۔ بیض مکنون کی تفسیر میں بعض نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شتر مرغ کے بیضہ مراد ہیں کہ وہ نہایت مصفے اور سفید ہوتے ہیں اور اون میں کسیقدر زردی سفیدی میں مخلوط ہوتی ہے جو عمدہ رنگ بدن کا شمار ہوتا ہے اور جب دن قیامت کا ہوگا میں امام انبیاء کا ہونگا اور اُن کا خطیب ہونگا اور اُن کا شفیع ہونگا اور یہ قول ازراہ فخر نہیں۔ اور اگر وجود باجود آپ کا نہ ہوتا تو حق تعالی سبحانہ مخلوق کو پیدا نہ فرماتا اسی کا ترجمہ حضرت قدوۃ اکارم مولانا محمد قاسم رحمتہ اللہ علیہ نے قصیدہ بہاریہ کے ایک شعر میں فرمایا ہے ؎

جو حق تجھے نہ بناتا تو سارے عالم کو — نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار

صاحب قصیدہ بردہ فرماتے ہیں ؎

وکیف تدعو الی الدنیا ضرورۃ من | اور کیونکر بلا سکتی ہے دنیا کیطرف ضرورۃ اس ذات بابرکات
لولاہ لم تخرج الدنیا من العدم | کی کہ اگر وہ نہوتے تو دنیا عدم سے وجود میں نہ آتی۔

وکان نبیاً وآدم بین الماء والطین۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم متصف بالنبوۃ تھے اور حال یہ کہ ابھی آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے یعنی پیدا نہ کئے گئے تھے۔ شعر

نماند بہ عصیاں کسے در گرو | کہ دارد چنیں سید پیش رو

پس ایسے پیغمبر سید البشر کی پیغمبری کے تصدیق کرنے والے بالضرور خیر الامم کے لقب سے مشرف ہونگے جیسا کہ ارشاد باریتعالیٰ ہے۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس | تم بہترین امت ہو جو لوگوں کیلئے پیدا کئے گئے ہو

اختصر کہنا ہے کہ یہ آیت پوری اسطرح ہے۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ۔ تفسیر مدارک میں اسکی تفسیر اسطرح فرمائی ہے۔ کنتم خیر أمّۃ کانہ قیل وجدتم خیر امۃ او کنتم فی علم اللہ او فی اللوح خیر امۃ او کنتم فی الامم قبلکم مذکورین بانکم خیر امۃ موصوفین بہ حاصل یہ ہے کہ اگر کان کو تامہ لیا جاوے تو معنی کنتم کے وجدتم ہونگے یعنی تم بہترین امت پائے گئے اور موجود ہوئے اور اگر کان کو ناقصہ لیا جاوے تو مطلب یہ ہے کہ تم علم الٰہی میں بہترین امت ہو یا لوح محفوظ میں بہترین امت لکھے ہوئے ہو یا پہلی امتوں میں تم خیر امم کے لقب سے مذکور ہوا اور اس صفت کاملہ کے ساتھ متصف ہو اخرجت للناس اظہرت اللام متعلق باخرجت یعنی للناس کا لام جارہ اخرجت کے متعلق ہے اور معنی اخرجت کے اظہرت ہیں یعنی تم لوگوں کے لئے ظاہر کئے گئے ہو تامرون کلام مستانف بین بہ کونھم خیر امۃ کما تقول زید کریم بطعم الناس ویکسوھم بینت بالاطعام والالباس وجہ الکرم فیہ بالمعروف بالایمان وطاعۃ الرسول وتنھون عن المنکر عن الکفر وکل محظور وتومنون باللہ وتدومون علی الایمان بہ۔ حاصل یہ ہے کہ تامرون بالمعروف جملہ مستانفہ ہے اور اسمیں وجہ انکی بہتر ہونے کی بیان فرمائی گئی ہے جیسا کہ زید کریم یطعم الناس ویکسوھم من لطعام واللباس سے زید کی کرم کی وجہ بیان کی گئی ہے بالمعروف میں معروف سے مراد

ایمان اور اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے وتنھون عن المنکر میں منکر سے کفر اور ممنوعات شرعیہ مراد ہیں وتومنون باللہ میں دوام علی الایمان یعنی قائم رہنا ایمان پر مراد ہے اور تفسیر خازن میں اس آیۃ کی شان نزول یہ لکھی ہے کہ مالک بن صیف اور وہب بن یہودا نے (یہ دونوں یہودی ہیں) عبداللہ بن مسعود رضا اور ابی بن کعب اور معاذ بن جبل اور سالم مولی حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہم سے کہا کہ ہم تم سے افضل ہیں اور ہمارا دین تمہارے دین سے بہتر ہے اسپر یہ آیۃ نازل ہوئی نیز تفسیر خازن میں ہے۔

واختلف فی لفظة کان فقیل ھی بمعنی الحدوث والوقوع والمعنی حدثتم ووجدتم وخلقتم خیر امة وقیل کان ھھنا ناقصة وھی عبارة عن وجود الشئ فی زمان ماضٍ ولا تدل علی انقطاع طارئ بدلیل قوله وکان اللہ غفورا رحیما فعلی ھذا التقدیر یکون المعنی کنتم فی علم اللہ خیر امة وقیل کنتم مذکورین فی الامم الماضیة بانکم خیر امة وقیل قوله خیر امة تابع لقوله فاما الذین ابیضت وجوھھم والتقدیر انه یقال لھم عند دخول الجنة کنتم فی دنیاکم خیر امة فلھذا استحققتم ما انتم فیه من بیاض الوجه والنعیم المقیم وقیل کنتم بمعنی انتم وقیل یحتمل ان یکون کان بمعنی صار معنی قوله کنتم ای صرتم خیر امة فاما المخاطبون بھذا من ھم ففیه خلاف

اور لفظ کان میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ وہ حدوث اور وقوع کے معنوں میں ہے اور معنی یہ ہیں کہ تم پیدا کئے گئے اور موجود ہوئے بہترین امم اور بعض نے کہا ہے کہ کان اسجگہہ ناقصہ ہے اور مراد اس سے زمانہ ماضی میں کسی شے کا موجود ہونا ہے اور وہ انقطاع عارض پر دلالت نہیں کرتا جیسا اس آیت میں ہے وکان اللہ غفورا رحیما اس تقدیر پر معنی یہ ہیں کہ تم اللہ کے علم میں بہترین امت ہو اور یا یہ مطلب ہے کہ گذشتہ امتوں میں تم بہترین امم کے نام سے مذکور رہتے اور یا یہ کہ تم لوح محفوظ میں اس صفت کے ساتھ موصوف ہوا اور یا یہ جب سے تم ہو بہترین امت ہو اور بعض نے فرمایا کہ اسکا تعلق فاما الذین ابیضت وجوھھم سے ہے اور تقدیر عبارت کی یہ ہے کہ ان کو دخول جنت کے وقت کہا جاویگا کہ تم دنیا میں بہترین امت تھے اسی لئے تم مستحق اس

قال ابن عباس فی قوله کنتم خیر امۃ هم الذین هاجروا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم وروی ابن جریر عن عمر بن الخطاب رضہ قال لو شاء الله تعالی لقال انتم فکنا کلنا ولکن فی خاصۃ من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم ومن صنع مثل ما صنعتم کانوا خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر و وقال الضحاک هم اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم یعنی به کانوا هم الرواۃ الدعاۃ الذین امر الله عزوجل المسلمین باتباعهم وطاعتهم بخاری ومسلم ق۔ عمران بن حصین ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال خیر الناس قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم قال عمران فلا ادری اذکر بعد قرنه قرنین او ثلاثۃ ثم ان بعدهم قوما یشهدون ولا یستشهدون ویخونون ولا یؤتمنون وینذرون ولا یوفون ویظهر فیهم السمن زاد فی روایۃ ویحلفون ولا یستحلفون بخاری ومسلم ق عن ابن مسعود ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال خیر الناس قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم

انعام بایں وجوہ اور نعمت دائمی کی ہوئی اور کہا گیا ہے کہ کنتم بمعنی انتم ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ کان بمعنی صار ہو اب مطلب یہ ہوگا کہ تم بہترین امت ہو گئے۔ پھر اسمیں اختلاف ہے کہ اس آیت کے مخاطب کون ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضہ سے مروی ہے کہ مخاطب اسمیں وہ صحابہ ہیں جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی۔ اور ابن جریر حضرت عمر بن الخطاب رضہ سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا اگر اللہ تعالی چاہتا تو بجائے کنتم کے انتم فرماتا تو ہم سب اسمیں داخل ہو جاتے لیکن یہ آیۃ خاص ہے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور جو لوگ کہ صحابہ تم جیسے اعمال کریں گے وہ بھی بہترین امت ہونگے اسلئے آخر الایۃ اور ضحاک فرماتے ہیں کہ مخاطب اس آیۃ میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ وہ راوی احادیث اور بلانے والے ہیں لوگونکو خیر کی طرف اُنکی اطاعت اور اتباع کا مسلمانوں کو اللہ عزوجل نے حکم فرمایا ہے۔ بخاری ومسلم میں عمران بن حصین سے روایت ہے کہ بیشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہتر آدمیوں میں میرا قرآن ہے پھر وہ لوگ جو اُن سے قریب ہیں

ثم يجئ قوم تسبق شهادة احدهم
يمينه ويمينه شهادته- قوله خير
الناس قرني يعني اصحابي والقرن
اهل كل زمان ماخوذ من الاقتران
فكانه الزمان الذي يقترن فيه
اهل ذلك الزمان في اعمارهم و
احوالهم وقيل القرن اربعون
سنة وقيل ثمانون وقيل مائة سنة
في بخاري ومسلم- عن ابي سعيد
الخدري رض قال قال رسول الله صلى الله
عليه وسلم لا تسبوا اصحابي فلو ان
احدا انفق مثل احد ذهبا ما بلغ مد
احدهم ولا نصيفه النصيف النصف
وقال ابن عباس في رواية عطاء في
قوله كنتم خير امة هم امة محمد صلى
الله عليه وسلم قال الزجاج قوله كنتم
خير امة الخطاب فيه مع اصحاب
رسول الله صلى الله عليه وسلم ولكنه
عام في كل الامة ونظيره قوله تعالى
كتب عليكم الصيام كتب عليكم
القصاص فان كل ذلك خطاب مع
الحاضرين بحسب اللفظ ولكنه عام في حق
الكل كذا ههنا- عن بهز بن حكيم

پھر وہ لوگ جو اُن سے قریب ہیں عمران کہتے
ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ آپ نے اپنے قرن کے بعد
دو قرن کا ذکر فرمایا یا تین کا پھر اُن کے بعد ایسے
لوگ ظاہر ہونگے کہ گواہی دینگے اور گواہ نہ بنائے
جاویں گے اور خیانت کرینگے اور امانت دار
نہ ہونگے اور نذر کرینگے اور اُسکو پورا نہ کرینگے اور
اُن میں مٹاپا ظاہر ہوگا یعنی عیش وعشرت اور
تن پروری میں مشغول ہونگے دین کا خیال نہ ہوگا
اور ایک روایت میں یہ زیادتی ہے کہ وہ لوگ
قسمیں کھاوینگے اور حال یہ کہ قسم نہ کھلوائی جاوینگی
نیز بخاری ومسلم میں ابن مسعود رض سے روایت ہے
کہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
بہترین آدمیوں کی میرا قرن ہے پھر وہ لوگ جو
اُن سے متصل ہیں پھر وہ لوگ جو اُن سے متصل
ہیں پھر ایسے لوگ آوینگے کہ اُن کی گواہی قسم
سے سابق ہوگی اور قسم گواہی سے سابق ہوگی۔
اور آپ کے قرن سے مراد صحابہ ہیں۔ جو لوگ ایک
زمانہ میں ہوتے ہیں وہ قرن کہلاتا ہے بسبب
اقتران بعض کے بعض کے ساتھ اور بسبب
قریب ہونے اُنکی عمر وحالات کے اور بعض
نے کہا ہے کہ قرن چالیس برس کا ہے اور بعض
نے کہا اسّی برس کا اور بعض نے کہا سو برس کا
نیز بخاری ومسلم میں ابو سعید خدری رض سے

عن ابیه عن جده انه سمع النبی صلی الله علیه وسلم یقول فی قوله تعالیٰ کنتم خیر امة اخرجت للناس قال انتم تتمون سبعین امة انتم خیرها واکرمها علی الله تعالیٰ اخرجه الترمذی وقال حدیث حسن واصل الامة الجماعة المجتمعة علی الشیٔ وامة محمد صلی الله علیه وسلم هم الجماعة الموصوفون بالایمان بالله عزوجل وبمحمد صلی الله علیه وسلم بخاری خ عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کل امتی یدخلون الجنة الا من ابیٰ قالوا ومن ابیٰ قال من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقد ابیٰ - عن ابن عمر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ان الله لا یجمع امتی او قال امة محمد صلی الله علیه وسلم علی ضلالة وید الله علی الجماعة ومن شذ شذ فی النار اخرجه الترمذی - عن ابی موسیٰ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان امتی امة مرحومة لیس لها عذاب فی الاخرة عذابها فی الدنیا الفتن والزلازل والقتل اخرجه ابوداود - عن انس رضی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے صحابہ کو بُرا نہ کہو تم میں سے کوئی اگر احد پہاڑ کی برابر سونا صدقہ کرے تو صحابہ کے ایک مُد اور نصف مُد کے صدقہ کی برابر بھی نہیں ہوسکتا۔ اور عطاء کی روایت ابن عباس رضی سے یہ ہے کہ کنتم خیر امة میں خطاب امتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور زجاج یہ کہتے ہیں کہ خطاب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن مراد آیۃ سے عام ہے تمام امت کو شامل ہے جیسا کہ آیۃ کتب علیکم الصیام اور کتب علیکم القصاص میں خطاب خاص حاضرین کو ہے لیکن حکم عام ہے اسیطرح یہاں بھی ہے۔ بہز بن حکیم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے دادے سے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ آیۃ کنتم خیر امة اخرجت للناس کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ تم ستر امتوں کو پورا کرتے ہو تم انمیں بہتر اور بزرگتر ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک روایت کیا اس حدیث کو ترمذی نے اور کہا کہ یہ حدیث حسن ہے اور معنی امت کی جماعت مجتمعہ کے ہیں اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ جماعت ہے کہ متصف ہے اللہ عزوجل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے ساتھ۔

مثل امتی کمثل المطر لا یدری اخرہ
خیر ام اولہ اخرجہ الترمذی۔
ولہ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم قال اھل الجنۃ عشرون
ومائۃ صف ثمانون منھا من ھذہ
الامۃ واربعون من سائر الامم۔
ولہ عن ابن عمر رض قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم باب امتی الذی
یدخلون منہ الجنۃ عرضہ مسیرۃ
الراکب المسرع الجید ثلاثا ثم انھم
لیتضاغطون علیہ حتی تکاد مناکبھم
تزول قال الترمذی سالت محمدا یعنی
البخاری عن ھذا الحدیث فلم یعرفہ
وقال لخالد بن ابی بکر مناکیر عن سالم بن
عبد اللہ زاد غیرہ فی الحدیث وھم
شرکاء الناس فی سائر الابواب۔
عن ابی سعید الخدری قال قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من امتی من
یشفع فی الفئام من الناس ومنھم من
یشفع فی القبیلۃ ومنھم من یشفع
للعصبۃ ومنھم من یشفع للواحد
اخرجہ الترمذی۔ خ عن سھل بن سعد
قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت
ہے کہ میری تمام امت داخل جنت ہوگی مگر وہ
کہ جسنے انکار کیا صحابہ نے عرض کیا کہ منکر کون ہے
فرمایا جسنے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل
ہوگا اور جسنے میری نافرمانی کی اُس نے انکار کیا
ابن عمر رض سے روایت ہے کہ بے شبہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی میری امت
کو یا فرمایا امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہی پر
جمع نہ کریگا اور اللہ کی رحمت اور حفاظت ہے
جماعت پر اور جو شخص جماعت سے علیحدہ ہوا وہ
نار میں داخل ہوگا روایت کیا اسکو ترمذی نے
ابوموسی اشعری رض سے روایت ہے وہ کہتے
ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
میری امت امت مرحومہ ہے آخرت میں اُسپر
عذاب نہیں ہے اُسکا عذاب دنیا میں فتنے
اور زلزلے اور قتل و قتال ہے روایت کیا
اسکو ابوداود نے۔ حضرت انس رض سے روایت
ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
میری امت کی مثال بارش کی سی ہے نہیں
معلوم کہ اُسکا آخر حصہ بہتر ہے یا پہلا حصہ روایت
کیا اسکو ترمذی نے اور اُسی میں روایت ہے
ابوہریرہ رض سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے اہل جنت ایک سو صفیں ہونگے

ليدخلن الجنة من امتي سبعون
الفا او سبعمائة الف متماسكين
آخذ بعضهم ببعض حتى يدخل
اولهم وآخرهم الجنة وجوههم على
صورة القمر ليلة البدر - عن ابي امامة
قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم
يقول وعدني ربي ان يدخل من امتي
الجنة سبعون الفا لا حساب عليهم
ولا عذاب ومع كل الف سبعون
الفا وثلث حثيات من حثيات ربي اخرجه
الترمذي وروى البغوي باسناد الثعلبي
عن عمر بن الخطاب رضه عن رسول الله
صلى الله عليه وسلم قال ان الجنة حرمت
على الانبياء كلهم حتى ادخلها وحرمت
على الامم حتى تدخلها امتي -

اسّی صف اس امت کی ہونگی اور چالیس صف
باقی تمام امتوں کی۔ اور ترمذی شریف میں ابن عمر رضہ
سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ میری امت کا دروازہ جس دروازہ سے
وہ جنت میں داخل ہونگی اسکی چوڑائی اسقدر
ہے کہ تیز سوار اسکو تین دن میں قطع کر سکے پھر
بھی وہ اسمیں تنگی سے اور جھکر چلیں گے یہانتک
کہ قریب ہے کہ انکے مونڈھے علحدہ ہو جاویں اور ٹوٹ
جاویں امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاری
رحمۃ اللہ سے اس حدیث کا حال پوچھا انہوں نے
اس حدیث کو نہیں پہچانا اور یہ کہا کہ خالد بن ابوبکر
کی روایتیں سالم بن عبداللہ سے صحیح نہیں ہیں منکر
ہیں غیر ترمذی کی روایت میں یہ زیادتی بھی ہے
کہ وہ باقی دروازوں میں لوگوں کی شریک ہونگی۔ ابو سعید
خدری سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت میں سے بعض ایسے لوگ ہونگے کہ وہ ایک مجمع کثیر کی شفاعت کرینگے اور
بعض ایک قبیلہ کی شفاعت کرینگے بعض اس سے چھوٹی جماعت کی شفاعت کرینگے اور بعض ایک کی
شفاعت کرینگے روایت کیا اسکو ترمذی نے۔ احقر کہتا ہے کہ قاموس میں ہے الفئام کالکتاب جماعۃ من
الناس اور حدیث مذکور میں فئام کو قبیلہ سے مقدم کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فئام قبیلہ سے بڑی جماعت ہے،
بخاری شریف میں سہل بن سعد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت میں سے
ستر ہزار یا سات لاکھ آدمی اس کیفیت سے داخل جنت ہونگے کہ وہ صف ہونگی بعض بعض سے متصل اور
بعض بعض کو پکڑے ہوئے یہانتک کہ انمیں سے پہلے اور پچھلے سب داخل جنت ہوجاوینگے انکے چہرے ایسے
روشن اور چمکدار ہونگے جیسے چودھویں رات کا چاند۔

(باقی آئندہ)

کلمۃ الحق

—— (گذشتہ سے پیوستہ) ——

حدیث کی سچی دھن میں آپنے حجاز و عراق و شام و مصر کے پیہم سفر اُس زمانہ میں کہ ریل وغیرہ کا وجود نہ تھا یا مردی کے ساتھ کئے اور اساتذہ و مشائخ حدیث کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ایسا ملکہ راسخ آپنے بعون اللہ تعالیٰ حاصل کیا کہ اہل عصر کی گردنیں آپکے سامنے خم ہونے لگیں اہل حفظ و اتقان نے آپ کی صحرا نوردی کی داد دی اور بڑے بڑے ائمہ عصر اور حفاظ دہر نے آپکا ربقۂ تلمذ اپنی گردن میں ڈالا چنانچہ ابو حاتم رازی موسیٰ بن ہارون احمد بن سلمہ امام ترمذی ابوبکر بن خزیمہ جیسے سیکڑوں محدث آپ کے حلقہ تدریس میں شریک ہوئے الحاصل شاگردوں کا احصار مشکل ہے۔ حدیث صحیح وسقیم کی معرفت میں وہ ید طولیٰ حاصل کیا کہ اہل فن دنگ رہجاتے تھے اور آپ نے اہل عصر حیرت زدہ ہوجاتے تھے برابری کا دعویٰ کرنا سخت مشکل تھا۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

آپ کی متعدد تصانیف ہیں منجملہ اُن کے صحیح مسلم اجل کتب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر احسان ہے کہ یہ صحیح آج اُن کے ہاتوں میں ہے اور آنکھیں اُسکے مطالعہ سے متمتع اور دل شادماں ہیں۔ علم حدیث کے جواہر اور عجائب کی دکان ہے بیان اسانید اور حسن سیاق متون کی داد وہ ہی دیسکتے ہیں جو اس میدان کے مرد ہیں۔ ان اداؤں پر غش ہونے والوں میں سے حافظ ابو علی نیشاپوری سے نہ رہا گیا اور بیساختہ بول اٹھے۔ ماتحت ادیم السماء اصح من کتاب مسلم فی علم الحدیث۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ کے کمالات اغبیا و غیر ماہرین کے لئے بلائے جان ہوگئے بعض الفاظ کی تقدیم وتاخیر اور حذف و اسقاط کی وجہ سے بعض احادیث کے متون میں تعقید پیدا ہوجاتی ہے اور تمام روایات کے ملانے سے یہ معما حل ہوسکتا ہے اس صنعت میں امام بخاری کی مراد سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں ایسے ہی جب وہ بطریق مناولہ روایت کرتے ہیں تو ایک راوی کا ذکر کہیں تو کنیت سے کرتے ہیں اور کسی جگہ نام سے

تو غیر ماہر اُسکو دو شخص سمجھتا ہے حتی کہ بعض نے خود امام بخاری پر یہ الزام لگایا ہے کہ اہل شام کی بیشتر روایات چونکہ بطریق مناولہ ہیں اسلئے امام بخاری علیہ الرحمہ ایک شخص کو دو سمجھ جاتے ہیں اور کنیت اور نام کی تحقیق سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ درحقیقت ایک ہی شخص ہے۔ امام مسلم ایسے امور سے قطعی احتراز کرتے ہیں وہ حدیث کے پورے الفاظ اور حدیث کے راویوں کو اسطرح بیان کرتے ہیں کہ کوئی خفا نہیں رہتا اسیوجہ سے معرفت صحیح وسقیم میں امام مسلم کو مقدم بھی سمجھا گیا ہے۔ امام بخاری علیہ الرحمہ اگر قبلۃ المحدثین ہیں تو امام مسلم علیہ الرحمہ کے کمالات نے اہل علم کو مجبور کیا کہ آپکا لقب جبل الحدیث ہو امام بخاری کی ذات میں اگر یکتائی کے بہت سے جوہر ودیعت ہیں تو امام مسلم بعض بے نظیر موتیوں کے جوہری ہیں۔ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست۔

امام مسلم علیہ الرحمہ نے صحیح مسلم کو تین لاکھ احادیث صحیحہ مسموعہ سے ملخص فرمایا ہے۔ تین لاکھ احادیث کا مشائخ حدیث سے سننا اور یاد رکھنا اللہ اکبر کسقدر گراں بہا کمال ہے تین لاکھ کے مجموعہ سے صحیح مسلم کے تلخیص میں جو احتیاط ہوئی ہے وہ محتاج بیان نہیں یہ تھا حفظ و اتقان ہمارے علمائے محدثین کا کہ آج دنیا اُسکی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

آپ امام بخاری علیہ الرحمہ سے بھی تلمذ رکھتے ہیں مگر بعض اصول حدیث میں مخالف ہیں اور اس مخالفت میں جمہور آپکے تابع ہیں اور یہ مخالفت لوجہ اللہ ہے نہ نفسانیت کی بناپر۔ للناس فیما یعشقون مذاہب آپ کی حقانیت اور بے نفسی کا اظہار اس واقعہ سے بخوبی ہوتا ہے کہ محمد بن یحیی ذہلی بھی نیشاپور کے اعیان محدثین میں ایک بڑے پایہ کے شخص تھے اُنکا حفظ و اتقان مسلم تھا بڑے بڑے محدثین آپ سے اخذ و سماع رکھتے تھے حتی کہ بخاری و مسلم و ترمذی و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ سے ائمہ حدیث آپ کے شاگرد ہیں۔ امام بخاری علیہ الرحمہ سے امام ذہلی کو ایک علمی مسئلہ میں اختلاف ہوا اور یہانتک وحشت بڑھ گئی کہ امام ذہلی نے حکم دیدیا کہ جو شخص امام بخاری کے حلقہ تدریس میں جائے وہ میرے درس میں شریک نہو امام مسلم علیہ الرحمہ کو دونوں سے تلمذ۔ اور امام بخاری علیہ الرحمہ سے باوجود جزوی اختلاف کے مربوط اور اُن کے فضل و کمال کے معتقد تھے اور جو فرق مراتب دونوں اوستادوں میں باہم تھا اُسکو خوب جانتے تھے۔ امام ذہلی سے امام مسلم کی شکایت کی گئی کہ باوجود منع انھوں نے امام بخاری کے درس کی شرکت نہیں چھوڑی ذہلی نے شکایت سے متاثر ہو کر آپ کو پھر منع کیا حلقہ درس شاگردوں سے

بھرا ہوا تھا امام مسلم نے اپنی چادر سر کے اوپر دوپٹہ پر رکھی اور بھرے مجمع میں اُٹھکر چلدئے اور مدت العمر میں جسقدر احادیث امام ذہلی سے لکھی تھیں ایک بلہ دار کی کمر پر لاد کر امام ذہلی کے پاس بھیجدیں۔ عطاہی تو بلغائے تو۔ اور یکسو ہو کر بیٹھ رہے۔ اور امام بخاری علیہ الرحمۃ کے ہاں جانا نچھوڑا۔

اس حکایت سے چند باتیں موٹی موٹی مستنبط ہوتی ہیں۔ اول امرا و خلفا و مشائخ و علماء کے ہاں کبھی اہل غرض و فساد کی چال چلجاتی ہے اور خود غرض اپنی چالاکی و عیاری سے اپنی دال گلا لیتے ہیں اور بزرگوں کے حسن ظن اور امرا و خلفا کی بیخبری کی بدولت یہ بدترین خلائق فرقہ فائز المرام ہوجاتا ہے اور سچے مخلص جاں نثار دودہ کی مکھی کی طرح نکالکر پھینکدئے جاتے ہیں آپنے ابھی چند روز ہوئے اخبار میں پڑھا ہوگا کہ قیصر جرمنی کا کوئی مخصوص شخص زار روس کے ہاں اپنی عیاری کی بدولت اسقدر مقرب ہوا کہ زار کی جان کا محافظ تھا شاہی پلنگ پر اُسکا پہرہ تھا۔ تاریخ پر نظر ڈالو ایسے واقعات بہت سے آنکھوں کے سامنے گذرجاوینگے اور بہت سی اونچی اونچی عمارتیں وسیع وسیع ملک اس ایک چال پر خاک سیاہ نظر آوینگے۔ بسا اوقات ایسے خود غرضوں کا سراغ جب لگتا ہے کہ مرض لاعلاج ہوجاتا ہے اور خود اپنے حسن ظن سے سوء ظن کرنا پڑتا ہے اور کچھ نفع نہیں ہوتا۔ دق کے مرض کی اگر کوئی شخص خارج میں مثال مانگنا چاہے تو اُس سے کہدو کہ ایسے خود غرض عیاروں کو دیکھو جو امرا و سلاطین یا علماء و مشائخ کے دربار میں دخیل ہیں اور اُنکی چاپلوسی اور چکنی چپڑی باتوں نے اُنکی حقیقت کو چھپا رکھا ہے۔

اگر طبیب حاذق نبض شناس کیطرح کسی زیرک نے تاڑ لیا تو آسانی سے مادۂ فاسد کا قلع و قمع کردیا ورنہ اندر ہی اندر ایسا گھن لگ جاتا ہے کہ ایک روز خاتمہ ہوجاتا ہے اور جب شرارت کام کرچکتی ہے تو پھر کوئی تدبیر نافع نہیں ہوتی۔ اللہم احفظنا سچ ہے جنکے رتبے ہیں سوا اُنکو سوا مشکل ہے۔

سلاطین و امرا علما و مشائخ کو بڑے تیقظ کی ضرورت ہے۔ الہام و کشف نے اگر رہبری نہ کی مردم شناسی کا جوہر عطا نہیں ہوا۔ تیقظ سے کام نہیں لیا تو پھر خود غرضوں کی بن آتی ہے اور جاں نثاروں کی جاں نثاری اور عقیدت کیشی و وفاداری کا خون ہوجاتا ہے اور خوں بہا نہیں ملتا اور لٹے مجرم بنائے جاتے ہیں اور گردن زدنی قرار دئے جاتے ہیں۔ اُنکی مظلومیت قابل رحم نہیں شمار کیجاتی انکا صدق و اخلاص اُنکے مونہ پر مارا جاتا ہے اُنکی عفو تقصیر کی درخواست پر کچھ شنوائی نہیں ہوتی اُنکا معقد مخارج اور سپاہی ڈسمس۔

اپنی تعریف اپنی اطاعت بالطبع انسان کو پسند ہے نبی کو پسند ہے بادشاہ کو پسند ہے خدا کو پسند ہے مگر اُس تعریف واطاعت کا خمیر ایمان واخلاص محبت وعقیدت سے ہوا ہے ریا ونفاق سے اللہ تعالیٰ تو چونکہ دلوں میں چھپے ہوئے وساوس پر مطلع ہے جانتا ہے اور مومن ومنافق کو پہچانتا ہے ریاکاروں کی دال نہیں گل سکتی مگر انسان کے سامنے مومن ومنافق کی پہچان ایک مشکل کام ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ اسمیں بسا اوقات عیار ہتیلی پر سرسوں جماکر اپنی شعبدہ گری کی بدولت فائز المرام ہوجاتے ہیں اور ریاکار سحرکاری کر جاتے ہیں اور سچے مخلص مونہہ تکتے رہجاتے ہیں اور امام مسلم کیطرح ذہلی جیسے امام رفیع الشان کی درسگاہ سے بیک بینی و دو گوش دم چرائے اور گردن جھکائے چلے آنا پڑتا ہے یہ شان تو نبی کی ہے کہ اُسکے دربار میں مومن مخلص بالآخر فتح پاتے ہیں اور منافق وریاکار کی عیاری ومکاری خفا میں نہیں رہتی وحی آسمانی سے دودہ کا دودہ پانی کا پانی کردیا جاتا ہے۔ منافقین کی چکنی چپڑی باتیں حسن ظن کی بنا پر اگر سرکار نبوی میں قبل وحی مقبول ہوگئیں تو بعد وحی اُنکو بقا نصیب نہو سکا آیہ کریمہ۔

لا تعلمھم نحن نعلمھم | اے محمد تم منافقین کی چالوں کو نہیں جانتے ہم انکو خوب جانتے ہیں

نے اُنکے دعوی توحید ورسالت کی قلعی کھولدی۔ مگر غیر نبی کو یہ نعمت کہاں میسر ہے۔

حسن ظن بلاشبہ ایک محمود صفت ہے مگر اسکے ساتھ تیقظ اور مردم شناسی کی اشد ضرورت ہے۔

دوم یہہ کہ صدق ودیانت کی روشنی پر اگرچہ عیاروں کی عیاری بادل کی طرح چھاجائے اور ظاہر بینوں کی آنکھوں میں گو یا ذلعت دکھائی دے مگر صدق کی پائیدار اور عالمتاب روشنی بالآخر جگمگا کر رہتی ہے۔

اہل صدق واخلاص کے دلوں میں قوت طبیعتوں میں ہمت پیدا کرنا اُسکا خاصہ ہے لوم لائم اور افترای مفتری سے اُنکے پاکیزہ سینوں اور نورانی دلوں میں کوئی تاثر اور انقلاب نہیں ہوتا وہ جس شی کی حقیقت کو سمجھے ہوئے ہیں اُس سے اُنکو کوئی ہٹا نہیں سکتا طعنوں کی تیر وپیکاں بہتانوں کی گولیاں اُنکو جادہ صدق سے ہٹا نہیں سکتیں اور وہ کسی بڑی سے بڑی چوکھٹ پر خلاف حق سر نیاز خم کرنا اپنی ایمانی لغزش وگمراہی سمجھتے ہیں اور کسی ذلت وناکامی کی پروا نہیں کرتے۔

سوم یہہ کہ اُستاد وشاگرد میں بسا اوقات علمی مسائل میں اختلاف ہوتا ہے اور اُسکا مبنی اگر محض دیانت ہے تو وہ محمود ہے اور اگر نفسانیت ہے تو مردود۔

چہارم یہ کہ یہہ اختلاف کبھی قطع تعلق کا سبب بھی بنجاتا ہے اور یہہ فرقت بھی دونوں کے لئے ایک

خاص مزا پیدا کردیتی ہے۔

پنجم یہہ کہ اُستاد کی مخالفت سے شاگرد کو اگرچہ فوری نقصان کا احساس ہو لیکن اگر وہ اُس اختلاف میں اپنی نیت صاف و صادق رکھتا ہے تو اُسکو کوئی گزند نہیں پہونچ سکتی اور اگر خدانخواستہ اُستاد کی مخالفت کا مبنی محض عیاروں کی چالاکی اور اُستاد کی مردم ناشناسی ہے تو پھر معاملہ بالعکس ہو جاتا ہے امام ذہلی کی شہرت آج علمی دنیا میں امام بخاری و امام مسلم کی برابر نہیں ہے عوام بخاری و مسلم سے آشنا ہیں مگر ذہلی کا نام بھی نہیں جانتے۔

ششم یہہ کہ ایسے اختلاف سے اُستاد و شاگرد اہل حق باقی رہتے ہیں اور اہل عالم اُنکو اُنکے مراتب کے اعتبار سے اپنا مقتدا مانتے ہیں۔

ہفتم یہہ کہ تصلب دینی چونکہ آفتاب توحید کی تمازت سے نشو و نما پاتا ہے اسلئے وہ غیر کی مسند آرائی دل میں ہونے کا سخت مخالف ہے اور اپنی باطل سوز آتش سے ماسوا کی محبت اور مروت کو جلا کر خاکستر سیاہ کر دیتا ہے اور مداہنت فی الدین کو اپنے شعلوں سے پھونک کر میدان صاف کر لیتا ہے۔ اللھم ارزقنا منہ حظا کاملا وافرا۔

ہشتم اختلاف جب لوجہ اللہ ہو تو مومن کی شان یہہ ہے کہ اپنی طرح دوسروں کو بھی اُس سے بچانے کی کوشش کرے

لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق	اللہ تعالی کی نافرمانی میں مخلوق کی طاعت و فرمانبرداری نہ کرنی چاہئے
وأمر بالمعروف وانہ عن المنکر	اچھی بات کا حکم کر اور بری باتوں سے منع کر

کی تعلیم کا دل سے مطیع ہونا چاہئے۔

نہم۔ اُستاد کی بیجا سختی اور عدم مبالاۃ لایق اور ہونہار شاگردوں کے لئے موجب نفرت ہے۔ جسکے بہت ناگوار وقائع سے کتب سیر مملو ہیں۔

دہم یہہ کہ حدیث موصوف اپنے بے شمار فوائد کے ساتھ امام مسلم کی پاکیزہ اور سادہ و بے تکلف وضع پر بھی اپنی ایک جھلک ڈالتی ہے جسکو فراموش کرنا اسلام کے ہواخواہوں سے بعید ہے۔

امام مسلم علیہ الرحمۃ کا چادر سر پر رکھکر چلدینا مشیر ہے کہ اُسوقت کے علماء و طلبہ اسی سادگی کے خوگر تھے ابتک یہ رواج دیہاتی سادہ زندگی بسر کرنے والوں میں بلا قید مذہب باقی ہے۔ بیشتر دھوپ کی شدت کے وقت اس چادر سے چھتری کا کام لیا جاتا ہے گو اب ہمارے علماء و طلباء روشن خیالان علم کی

دیہاچوکڑی سے متاثر ہوکر رواج عالم کی سنگین بیڑیاں پہنکر کچھ تاویلیں کریں اور کسی ڈاکٹری تجربہ یا کسی طبی مشورہ کی آڑ میں اپنی جان بچانا چاہیں مگر اس سے کوئی انکار کی وجہ نہیں ہے کہ آپکے اسلاف صالحین مجامع میں ایسی بے تکلف ہیئت سے چلتے پھرتے تھے آپ کی طرح تکلف کے عادی نہ تھے۔ ایسے حضرات علماء وطلباء کو زیادہ توجہ کی ضرورت ہے کہ جو اپنی پرانی وضع اور کورتہ وعمامہ سے اوکتا گئے ہیں اور دستار فضیلت کی ممتاز جگہ ترکی ٹوپی کو عطا ہوئی ہے کرتہ کی عیب پوشی شیروانی سے کرنا گویا ایک واسطہ ہے اپنی قدیمی وضع اور نئی روشنی کی اجنبی وضع میں۔ ان صاحبوں پر یہ مثل خوب صادق آتی ہے کہ کوا چلا ہنس کی چال وہ اپنی چال بھول گیا۔

مجھے وہ زمانہ یاد ہے کہ اس لباس کے حامی بہت کم لوگ تھے خاص خاص سر ترکی ٹوپی کے رہین منت تھے اور اہل عالم کو اُس سے دلچسپی نہ تھی کوٹ وپتلون کو اپنا لباس نہ سمجھا جاتا تھا اپنا لباس تو یہ ملبوسات اب بھی نہیں ہوسکتے۔ انسان کامل پختہ کار آدمی کو کہہ سکتے ہیں ہر ملک کے باشندے اپنے ملکی امتیازات کو بحد امکان باقی رکھنے کے متمنی ہیں اور ہونا چاہیے آپنے کسی یورپ نژاد کو نہیں دیکھا ہوگا کہ اُس نے لکھنؤ اور دہلی کی وضع کو پسند کرکے اپنا شعار بنایا ہو کسی اور غیر ملکی پختہ کار نے ہندوستان آکر اپنی ملکی اور قومی وضع کو خیرباد کہدیا ہو۔ یہ مصیبت بھی ہمارے ہندی بھائیوں پر نازل ہوئی اور وہ اپنی پختہ کاری کے اوعا کے باوصف خام نکلے۔ ہر ملک اور ہر قوم کے لباس ووضع کے متعلق اگر سوال پیش کیا جائے تو اُسکی ایجاد اور اختیار کے متعلق تسلی بخش جواب دینا اُنکے ذمہ ہے مجھے بحث صرف اپنے بھائیوں سے ہے کہ اُنکی وضع کیا ہونی چاہیئے۔

اگر لباس کو اپنے امتیازات میں کوئی درجہ حاصل ہے تو بیشک ہندی مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے کو ایک لباس میں ممتاز دکھائیں اور چونکہ وہ مسلم ہیں اسلئے اُنکو ماننا پڑے گا کہ اُنکا لباس اسلامی لباس ہو۔ اسلامی لباس سے ملتا جلتا ہو۔ دوسری قوموں کے ساتھ اختلاط کیوجہ سے اگر کوئی وسعت ہوگئی ہو تو مابہ الفرق ضرور پایا جاتا ہو۔

مبارک ور پختہ کار اور اپنی دُھن کے پورے ہیں وہ مقدس نفوس جنہوں نے ہر لباس میں ہر طرز میں ہر قول میں ہر فعل میں ہر حرکت میں ہر سکون میں قیام وقعود میں گفتار رفتار میں غرض ہر ہر بات میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کی اور اُسپر جمے رہے ان کے بعد جب ملک میں وسعت ہوئی

اور تمول و فراخی نے اپنا ممنون بنایا تو اکل و شرب لباس وغیرہ میں بھی توسع ہوا تو یہہ توسع وہانتک جائز ہے کہ جہانتک قواعد شرعیہ کے زیر نگرانی ہو اُنکی سرحد سے خارج ہو کر وہ اسلامی احاطہ میں داخل نہیں رہ سکتا۔

ہم بیشک حرّ ہیں مگر آزاد نہیں احکام شرعیہ کی روئیں بیڑیاں ہمارے پانوں میں پڑی ہیں اطاعت خدا و رسول کا طوق ہماری گردنوں کا ہار ہے حدود شرعیہ کی چار دیواری کی محکم فصیل ہمکو ہر چہار طرف سے گھیرے ہوئے ہے ہماری حریت کی بقا اِن قیود میں ہے - تلك عشرة كاملة -

اِس موقع پر لباس کی بحث چھڑ گئی اگر اُسکو شروع کر دیا جائے تو اصل مضمون سے ہم بہت دور جا پڑینگے اسلئے یوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جیسے الرشید میں علم نافع کے مضمون میں پردہ کا تذکرہ آگیا تھا اور اُسکے متعلق میں نے ایک مستقل مضمون لکھنے کا قصد کر لیا ہے ایسے ہی القاسم میں لباس کے متعلق ایک عنوان (کتاب اللباس) قائم کر دیا جائے اور اُسمیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے لباس کی کیفیت احادیث صحیحہ سے بیان کرکے ناظرین القاسم کو اپنے اسلاف کے ملبوسات کی تصویر دکھا دی جاوے تو انشاء اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے علم میں ایک قابل قدر اضافہ ہوگا اور زمانہ حال کے تغیر کو اُس سے ملا کر دکھلا دیا جائے تو عمل کرنیوالوں کو اصل کیطرف رجوع کرنے میں آسانی ہوگی۔

امام مسلم علیہ الرحمہ نے پندرہ سال میں صحیح مسلم کی تالیف سے فراغت حاصل کی اور قابل قابل تلامیذ کتابت میں شریک رہے۔ جب اس مہم سے فارغ ہوئے تو ابو زرعہ رازی پر کہ آپکے اساتذہ کبار سے ہیں صحیح مسلم کو پیش کیا جس کسی روایت میں اونھوں نے کوئی علت یا سقم سمجھا بر بنائے احتیاط اُسکو بھی امام مسلم نے خارج کر دیا اور جسکی صحت پر اتفاق کیا اُسکو رکھا۔

جن علماء نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دی ہے اُسکی بڑی وجہ یہہ بیان کیجاتی ہے کہ امام مسلم نے صحیح مسلم میں وہ احادیث روایت کی ہیں کہ جنکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم از کم دو صحابی روایت کرتے ہوں اور اُن سے کم سے کم دو تابعی اور اُن سے دو تبع تابعی اسی طرح ہر طبقہ میں دو دو راوی روایت کرنے والے ہوں۔ یہ شرط درحقیقت بہت زیادہ اہم ہے امام بخاری علیہ الرحمہ نے یہ شرط نہیں مقرر کی تھی امام مسلم کو غالباً اِس شرط کے التزام کی یہ وجہ پیش آئی ہے کہ شہادت میں دو گواہونکی

ضرورت ہے ایک شاہد سے اثبات دعوی نہیں ہوتا اُنھوں نے روایت حدیث میں نصاب شہادت کو مرعی رکھا کہ طمانیت اور یقین میں ترقی اور کمال کا درجہ ہاتھ سے نجائے۔

ابن صلاح نے امام مسلم کی یہ شرط نقل کی ہے کہ وہ جو روایت حدیث کی صحیح مسلم میں کرتے ہیں اُسکی سند اُن سے لیکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہوتی ہے اور کل راوی ثقہ ہوتے ہیں اللہ اکبر یہہ شرط بھی ان حضرات کی کسقدر احتیاط فی الدین کی شہادت دیتی ہے حقیقت میں اگر یہہ حضرات ان عرق ریز مساعی سے کام نہ لیتے تو آج ہمکو حدیث کی روشنی دیکھنی نصیب نہ ہوتی اصول شریعت کا بقا اور ثبات مشکل ہوجاتا۔

امام بخاری علیہ الرحمہ اور امام مسلم علیہ الرحمہ دونوں اس اشتراط میں متفق ہیں کہ کل روایات صحیح متصل السند ہوں اور رواۃ سب ثقہ ہوں تو پھر اسکے کیا معنی کہ بعض احادیث کو صحیح علی شرط البخاری اور بعض کو صحیح علی شرط المسلم کہا جاتا ہے۔ کیا امام مسلم کی صحیح حدیث امام بخاری کے نزدیک اور امام بخاری کی حدیث امام مسلم کے نزدیک صحیح نہیں۔

بات یہہ ہے کہ امام مسلم اور امام بخاری علیہما الرحمہ نے صدہا مشائخ سے علم حدیث حاصل فرمایا ہے بہت سے شیوخ حدیث ایسے ہیں کہ امام مسلم اپنی تحقیق میں اُنکو ثقہ سمجھتے ہیں اور امام بخاری اُنکو بالکل ثقہ نہیں سمجھتے یا کم درجہ کا ثقہ جانتے ہیں ایسے ہی امام بخاری بہت سے مشائخ حدیث کو اپنی تحقیق کی رو سے ثقہ اور معتمد جانتے ہیں امام مسلم نہیں جانتے۔ علی ہذا حفظ اتقان وغیرہ میں اسی قسم کا اختلاف ہوسکتا ہے

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں چھ سو چھپن ایسے مشائخ ہیں کہ امام بخاری اُن سے احتجاج نہیں فرماتے ایسے ہی امام بخاری علیہ الرحمہ کے اساتذہ میں چار سو چونتیس ایسے مشائخ ہیں کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اُن سے احتجاج نہیں فرماتے اسلئے بہت سی احادیث ہیں کہ وہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح ہیں اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح نہیں ایسے ہی بہت سی احادیث ہیں کہ وہ امام مسلم کے نزدیک صحیح ہیں اور امام بخاری کے نزدیک صحیح نہیں (رحمۃ اللہ علیہما) ان بزرگوں کی یہہ احتیاط کہ ذرا سی بات پر راوی کو پایہ اعتماد سے ساقط کردیتے تھے نہایت قابل قدر ہے جب ثقات سے اسقدر بازپرس تھی تو غیر ثقات کس شمار میں ہیں اُن کی تو پرسش ہی نہیں۔

باقی آئندہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ امام مسلم کے استاد ہیں مگر انکے بہت سے ایسے اساتذہ ہیں کہ جنکو امام مسلم نہیں قبول کرتے یہ غایت دیانت ہے کہ استاد کی تقلید آنکہ میچکر نہیں کرنا چاہتے مقصود حقیقی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے امام بخاری کے واسطہ سے ہو یا کسی دوسرے استاد کے مگر شرط یہ ہے کہ وہ ثقہ ہو اور جو شروط اعتبار اور قبول کی لئے انکے نزدیک ہیں وہ اسمیں پائی جاتی ہوں۔

امام مسلم کی خصوصیات سے ہے کہ وہ ایک حدیث کو پوری عبارت سے متعدد طرق سے ایک ہی جگہہ بیان فرماتے ہیں اور روایت باللفظ میں بہت ہی سعی فرماتے ہیں اور اقوال صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نفس حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخلوط نہیں کرتے یہ سب عرق ریزی صرف اسلئے ہے کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جداممتاز حیثیت میں امت کی آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہو۔

باسایہ ترا نمے پسندم عشق است و ہزار بدگمانی

امام مسلم نے صحیح مسلم میں جسقدر احادیث کو جمع فرمایا ہے اسکی صحت میں سلفا خلفا علماء کو کلام نہیں قاطبۃً سب نے اسکو تسلیم کیا اور مفید علم نظری جانا علی ہذا القیاس صحیح بخاری شریف کی نسبت اتفاق ہے ان دونوں کتابوں کو جو تلقی بالقبول نصیب ہوئی ہے وہ اور کتاب کو نہیں ہوئی۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط اور دیانت کا ثبوت اس واقعہ سے بخوبی ہوگا کہ آپکو امام ذہلی سے کچھ صدمہ پہونچا تھا جسکا کچھ حال ہم ابھی لکھ آئے ہیں ایسے ہی امام بخاری علیہ الرحمۃ سے آپکو کچھ علمی اختلافات کی بناء پر نزاع تھا اور اپنے ان دونوں استادوں سے بعض بعض امور کی وجہ سے دل گرفتہ تھے اپنے باوجودیکہ ان کے فضل وکمال کے معتقد تھے مگر ان سے کوئی روایت صحیح مسلم میں نہ کی۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ امام مسلم نے انصاف کیا نہ بخاری سے صحیح مسلم میں روایت کی نہ ذہلی سے۔ جب احتیاط کی یہ حالت ہو کہ امام بخاری اور امام ذہلی رحمۃ اللہ علیہما جیسے جلیل الشان بزرگوں کی منافرت کی حقیقت پر نظر غائر ڈالکر اور ہر ایک کے مطمح نظر اور تشدد کو تاڑ کر ان سے روایت صحیح مسلم میں نہ کیجائے تو آپ خوب سمجھ سکتے ہیں کہ صحیح مسلم کی صحت کس درجہ کی ہے اور اس میں

کسی نکتہ چین کو کیا خاک گنجایش ملسکتی ہے۔

امام الحرمین کا یہہ مقولہ صحیح بخاری شریف وصحیح مسلم شریف کے متعلق ناظرین کی دلچسپی سے خالی نہوگا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہہ قسم کھائے کہ صحیحین میں جسقدر روایات کی نسبت حکم صحت امام بخاری وامام مسلم نے کیا ہے وبلاشبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ ایسا نہو تو اُسکی زوجہ پر طلاق۔ تو اس کہنے سے اُسکی زوجہ پر طلاق نہ واقع ہوگی اور وہ اپنی اس قسم میں حانث نہوگا کیونکہ علمائے مسلمین نے ان دونوں کتابوں کی صحت پر اجماع کرلیا ہے۔

صحیح مسلم کی خصوصیات سے یہہ بھی ہے کہ امام مسلم نے تعلیقات سے حتی الامکان احتراز کیا ہے چند تعلیقات کے سوا تمام احادیث مسند متصل ہیں۔

اب ہم انہیں چند واقعات پر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کو ختم کرکے دوسرے اہل کمال کا کچھ تذکرہ کرنا چاہتے ہیں

حافظ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی - آپ کی ولادت باسعادت تیرھویں رجب المرجب ۲۰۹ھ میں شب دوشنبہ کو شہر ترمذ میں ہوئے ترمذ کی خاک میں علم کا جوہر ودیعت تھا جو اُسکو نصیب ہوا اور امام ترمذی کی بدولت یہ شہر دنیا بھر میں مشہور ہوگیا۔

جب آپ سن رشد کو پہونچے تو علم کا جوہر جو ان کی ذات میں قدرت کے ہاتوں نے ودیعت کیا تھا چمکا آپنے علم کی طلب میں شدید صفت کمرہمت باندھی اور مشائخ حدیث کی خدمت میں زانوئے ادب طے کرکے علم حدیث میں وہ ید طولیٰ حاصل کیا کہ اقران میں ممتاز ہوگئے اونگلیاں اُٹھنے لگیں۔ بصرہ کوفہ خراسان رے واسط مکہ مدینہ کے مشائخ حدیث کی درسگاہیں آپنے چھان ڈالیں۔ صدر اول کے مشائخ محمود بن غیلان احمد بن منیع محمد بن مثنی وغیرہم سے علمی دولت کے وارث ہوئے۔ گو آپنے امام بخاری وامام مسلم رحمۃ اللہ علیہما سے بھی اخذ حدیث کیا مگر امام بخاری علیہ الرحمہ کے ساتھ بعض شیوخ حدیث میں شرکت بھی ہے مثلاً قتیبۃ بن سعید وابن بشار وغیرہ سے امام بخاری کو بھی تلمذ ہے امام ترمذی کو بھی امام بخاری سے اُن کو خاص تعلق ہے آپکے بعض جملوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کی عظمت قلب میں لئے ہوئے ہیں۔ درحقیقت آپ امام بخاری علیہ الرحمہ کے جانشین اور خلیفہ ہیں حاکم نے نقل کیا ہے کہ امام بخاری نے اپنے بعد امام ترمذی جیسا کامل الفن یکتائے دہر صاحب ورع

قوی الحفظ زاہد نہیں چھوڑا - زہد اور خوف الہی کا اسقدر غلبہ آپ پر تھا کہ روتے روتے آنکھیں جاتی رہیں
آپکے مناقب میں یہ امر بھی کچھ کم درجہ کی منقبت نہیں ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے بایں فضل آپ سے
ایک حدیث روایت کی ہے جو صحیح بخاری کے علاوہ کسی اور تصنیف میں موجود ہے -
آپ کی تصانیف متعدد ہیں اُنہیں جامع ترمذی اور کتاب العلل کے مطالعہ سے آپکی علمی فضیلت
تبحر حفظ اتقان وسعت نظر تفقہ تحدیث علم مذاہب کا اچھی طرح پتہ چلتا ہے - آپکی تصانیف میں
شمائل نبوی بھی ایک عجیب کتاب ہے جو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کا آئینہ ہے
مشتاق آئیں اور زیارت کرکے دل بیتاب کو ٹھنڈا کرلیں - جیسے کہ صحیح بخاری شریف کا ختم مہمات
اور مصائب کیلئے مجرب ہے ایسے ہی شمائل کا ورد بھی مشکلات کیلئے تیر بہدف ہے اور اکابر کا
مجرب ہے -
جامع ترمذی کی مقبولیت تو اس سے ظاہر ہے کہ علماء نے اُسکو یہانتک سراہا ہے بعض نے
فرمادیا کہ علم حدیث میں ایسی کوئی کتاب جمع نہیں ہوئی -
ابن اثیر کہتے ہیں کہ جامع ترمذی کتب حدیث میں ایک بڑی اچھی کتاب ہے بہت سے فوائد پر
مشتمل ہے ترتیب اسکی بہت ہی مفید اور عجیب ہے تکرار روایات بھی اسمیں بہت کم ہے اور دیگر کتب
حدیث سے اسمیں یہ ایک انوکھی اور کار آمد بات ہے کہ مذاہب محدثین وفقہا کا پورا بیان اور وجوہ
استدلال خوب بیان کئے گئے ہیں اور ایک دوسرا عظیم الشان فائدہ یہ ہے کہ ہر حدیث کا حال اپنی
تحقیق کے موافق بیان کردیا گیا ہے -
حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ دہلوی بستان المحدثین میں امام ترمذی کا حال لکھتے ہوئے
ارقام فرماتے ہیں کہ آپ کی بہت تصانیف ہیں اُن سب میں اچھی جامع ترمذی ہے بلکہ یہ کتاب بعض
اعتبارات اور حیثیات سے حدیث کی تمام کتب میں فائق ہے اول حسن ترتیب اور عدم تکرار دوم
ذکر مذاہب فقہا اور بیان وجہ استدلال ہر مذہب کی سوم بیان انواع حدیث یعنی ہر حدیث کے بعد
خود بیان فرمادیتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے یا حسن ہے یا ضعیف ہے غریب ہے یا معلل ہے چہارم بیان
اسمائے رواۃ کا اور اظہار اُن کی کنیتوں کا اور اُنکے القاب کا - اسکے علاوہ اور بہت سے فوائد متعلقہ
علم رجال وفن حدیث کے متعلق مذکور ہیں چونکہ یہ کتاب اُن بیش بہا ضروری فوائد پر مشتمل ہے اس لئے

علمارنے کہاہے کہ یہ کتاب امام ترمذی کی مجتہد کے لئے کافی ہے اور مقلد کے لئے بھی بے پرواکرنیوالی ہے
ابو اسمٰعیل ہروی کا قول ہے کہ میرے نزدیک جامع ترمذی صحیحین سے زیادہ نافع ہے اسلئے کہ صحیحین سے
تو علمائے متبحرین ہی نفع اُٹھاسکتے ہیں اور جامع ترمذی سے ہر اہل علم کو نفع حاصل ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ جب میں اس جامع کی تالیف سے فارغ ہوا تو علمائے حجاز و عراق وخراسان پر اسکو پیش کیا سبنے اسکو پسند فرمایا۔ جس کے گھر میں یہ کتاب ہے تو گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسکے گھر میں تشریف فرما ہیں اور کلام فرمارہے ہیں۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میری اس کتاب میں جسقدر احادیث ہیں وہ کسی نہ کسی اہل حق کے معمول بہ ہیں اور کسی نہ کسی اہل علم نے اُس سے استدلال کیاہے سوائے دو حدیثوں کے
اول حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمع بین الظہر والعصر بالمدینۃ والمغرب والعشاء من غیر خوف ولا سفر ولا مطر	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر کی نماز کو مدینہ میں جمع کیا اور ملاکر پڑھا اور مغرب و عشا کو بلا کسی خوف کی حالت کے اور مطر و سفر کے۔

مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث اگرچہ باعتبار اسناد صحیح ہے مگر اسپر کسیکا عمل نہیں۔
کہ بلا عذر بحالت قیام شہر میں دو نمازوں کو جمع کرلیا جائے اس حدیث کے متعلق جو کچھ ہم کو ناظرین کے افادہ اور اپنے اصل مضمون کی رعایت سے لکھنا ہے اُس سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کی مختصر توضیح کر دیجائے۔

میدان عرفات میں بروز عرفہ نماز ظہر و عصر کا وقت ظہر میں بجماعت ادا کرنا اور وہاں سے روانہ ہوکر مزدلفہ میں مغرب و عشا کا عشا کے وقت میں پڑھنا تو بین الائمہ متفق علیہ ہے۔ اس تاریخ اور ان موقعوں کے علاوہ دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا جائز ہے یا ناجائز اسمیں ایمہ کا اختلاف ہے اس اختلاف کی پیدائش کا مادہ وہ بعض احادیث ہیں جن سے بحالت سفر ظہر و عصر کی نماز اور مغرب و عشار کی نماز کا جمع کرنا بظاہر معلوم ہوتا ہے ملاحظہ ہوں احادیث ذیل۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یجمع بین المغرب والعشار اذا جد بہ السیر بخاری ترمذی	ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مغرب و عشار کی نماز کو جمع کرتے تھے جب سفر میں عجلت ہوتی تھی اور کوئی امر اہم پیش آتا تھا

(باقی دارد)

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(گذشتہ سے پیوستہ)

جب خلافت راشدہ کی حقیقت۔ اور اُسکے اختیارات و آثار کا حال ہمارے بیان مذکورۂ بالا سے بخوبی منکشف ہوگیا۔ تو اب سنئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔

(جو خلفاء میں بھی ایک خاص درجہ رکھتے ہیں بلکہ یوں کہدیا جائے کہ خلافت راشدہ اپنی دونوں جانبوں اختیارات و لوازم سلطنت اور آثار و برکات نبوت سے پوری قوۃ کے ساتھ آپ ہی کے عہد میں ظاہر ہوئی۔ اگرچہ درجہ و مرتبہ صدیق اکبر کا ہر معاملہ میں آپ سے بڑھا ہوا ہے۔ اور خلافت کے اصول۔ فتوح امصار و بلاد کی قواعد ترتیب جیوش تنظیم عساکر تولیۂ امراء و قواد سب کی بناء آپ ہی کے ہاتھوں سے پڑی۔ ملکِ عرب کو فتنہ و فساد کے عام زلزلہ سے پاک و صاف کرنا صرف آپ ہی کی ذات سے ہوا ہے۔ اُسوقت آپ نے انبیاء اولوالعزم کی سی استقامت و صبر۔ سلاطین قاہرین کی سی قوۃ و شوکت کا ثبوت دیا اور سب کچھ وہ کیا جسکے کرنے بلکہ سمجھنے سے بھی جلیل القدر صحابہ قاصر ہو رہے تھے۔ مگر بایںہمہ آپ کی خلافت کو شاہراہ نبوت کا تتمہ سمجھنا چاہئے۔ آپ میں آثار نبوت کا غلبہ تھا۔ تنظیم بلاد وغیرہ امور سے آپ کو فطرتاً مناسبت زیادہ نہ تھی۔ آپ نے جو کچھ کیا وہ اُس داعیۂ خیر کی وجہ سے کیا جو بعد وفات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منجانب اللہ آپ کے روشن اور پاک دل میں پیدا کردیا گیا تھا۔ جسکی وجہ سے تمام مہم اور عظیم الشان امور آپ نے سرانجام دئے۔ اور اسی وجہ اور عدم رغبت فی الدنیا کی بناء پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکی خلافت کیطرف اشارہ فرماتے ہوئے فرمایا۔ وفی نزعہ ضعف) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں ایک جانب تو شان محدثیت کا امتیازی درجہ موجود۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشکوٰۃ نبوۃ سے اقتباس انوار کامل و مکمل حاصل تھا اور ہر شان انتظامی ایسی اعلیٰ پیمانہ پر کہ اشدھم فی امر اللہ کا گرانمایہ

گرانمایہ خطاب آپ کو ملا۔ اِدھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس واقعہ میں جسکے اندر خلافت خلفاء راشدین کی طرف اشارہ فرمایا فلم اَرَ عبقریا یفری فریہ)
کے حالات و معاملات۔ احکام و قضایا سے جو در بارہ حضرت خالد اول سے آخر تک ظاہر ہوئی۔ دونوں قسم کے امور ظاہر ہوئے۔ بعض معاملات تو بربناء قواعد و اصول سلطنت تھے اور منشاء مواخذہ یا اجراء احکام یہ اصول تھے۔ اور بعض معاملات کا مقتضاء وہی امور تھے جو منصب نبوۃ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُنمیں عام اعتقاد کا تحفظ۔ حضرت خالد کو دنیا اور اُسکے لذائذ و حظوظ سے بے لوث رکھکر تزکیہ خاطر کرنا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن چونکہ اِن تمام حالات کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے اور ہم ہر موقعہ پر اشارہ بھی کرتے آئے ہیں۔ اسلئے یہاں اُن کے اعادہ کی حاجت نہیں سمجھی۔ ہر صاحبِ فہم سلیم منطبق کرسکتا ہے۔ ہمنے اصل اور علم بیان کردی سلطنت و خلافت کے فرق کو تبلادیا ہے۔ اسکو سمجھ لینا چاہیئے۔ اور پھر اِسکو دیکھکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دونوں قسم کے معاملات کس قوۃ و صلابت کیساتھ صادر ہوئے ہیں۔ ہر ایک بات کی تہ کو پہونچ جانا چاہیئے۔ واللہ الھادی الی صراط مستقیم

فائدہ ثالثہ - جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ انما بعثت معلماً (میں معلم بناکر بھیجا گیا ہوں) یعنی میرا اصلی اور حقیقی کام یہ ہے کہ جہل کی عام تاریکی کا پردہ عقول و بصائر سے اُٹھاکر علم کے انوار و برکات سے عالم کو منور کردوں۔ اِدھر دوسرا ارشاد ہے۔

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق	میں مکارم اخلاق۔ ملکات فاضلہ و اوصاف حسنہ کی تکمیل و تتمیم کیلئے بھیجا گیا ہوں۔

یعنی مکارم اخلاق و ملکات فاضلہ کی تعلیم و تلقین کا سلسلہ گو ابتداء آفرینش سے جاری ہے۔ ہر نبی نے اپنی شریعت میں اسکی تعلیم دی ہے۔ ہر ایک امۃ کے افراد صالحہ نے اخلاق و ملکات فاضلہ کے ذریعہ سے مدارج روحانی و جسمانی میں ترقی حاصل کی۔ انبیاء علیہم السلام کے بیان فرمودہ اصول و قواعد کو دیکھکر اور سمجھکر عقلاء ہر زمانہ خواہ کسی دین و نبی کے پیرو ہوں یا نہوں۔ اخلاق حسنہ و ملکات فاضلہ کی تعلیم کو انسانی تمدن و تہذیب کا جزو لاینفک سمجھتے چلے آئے ہیں مگر شریعت محمدیہ چونکہ تمام شرائع سابقہ کی مکمل ہے اُنکے اندر جو افراط و تفریط تھی اُسکو زائل کرکے

جادۂ اعتدال قایم کرنیوالی ہے اور اسی کی طرف اشارہ ہے آیۂ شریفہ

یضع عنهم اصرهم والاغلال التی کانت علیهم | دفع کرتے ہیں اُن سے اُنکا بوجھ اور شدائد جو اُنپر پہلے سے تھے۔

اسلئے جسطرح احکام شریعت کے اندر امم سابقہ میں افراط و تفریط کو دخل تھا۔ اسیطرح مکارم اخلاق کے اندر بھی ایک گونہ افراط و تفریط موجود تھی۔ وجہ اُسکی ظاہر ہے۔ ہر حکم شریعت کا منشا کوئی خلق طبعی اور ملکۂ اصلی ہوتا ہے اور اس حکم و رکن شریعت سے اُن اخلاق و ملکات کے آثار و ثمرات ظاہر ہوتے ہیں۔ کسی حکم میں اگر کسی ملکۂ فاضلہ کی تقویت و اصلاح مدنظر ہوتی ہے تو دوسری میں کسی ملکہ رذیلہ اور خلق ردی کا ازالہ و محو مقصود ہوتا ہے۔ پس ضرور ہے کہ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت تمام شرائع سابقہ کی ناسخ یا بالفاظ دیگر مکمل ہے تو آپکی اخلاقی تعلیم بھی مکارم اخلاق کی مکمل و متمم ہوگی۔

اکمال و تتمیم کے یہی معنی ہیں کہ اگر کسی ملت یا طبقہ میں کسی خلق حسن پر عملدرآمد نہیں ہوا اُسکو زیادہ مستحسن یا قابل عمل و التفات نہیں سمجھا تو اُسکی ترویج دیجائے۔ اُنکو اُسکے آثار و ثمرات سے مطلع کیا جائے۔ یا اگر کوئی خلق حسن گو بجائے خود مستحسن واجب العمل سمجھا جاتا ہے مگر افراد قوم نے اپنے خود تراشیدہ خیالات سے اُسکی صورت نوعیہ کو بدل ڈالا ہے۔ اُسکے طرق استعمال میں تغیر کر دیا ہے۔ اُسکے اندر افراط و تفریط پیدا کر دی ہے۔ تو اُن امور زوائد کو حذف کر کے اصلی محاسن کی تعلیم دیکر جبر نقصان کر دیا جائے اور اسطرح اُسکی تتمیم کر دیجائے۔

ہر ملک۔ ہر ملت۔ ہر طبقہ ہر قرن بلکہ ہر قوم اور اُسکی کل افراد میں اخلاق کی تقسیم حسنہ و قبیحہ کے اندر موجود ہے کسی جاہل سے جاہل قوم کے حالات و معاملات کا بھی اگر تجسس و تفقد کرینگے تو آپ کو اُنکی روزانہ زندگی کو دیکھنے سے صاف صاف معلوم ہو جائیگا۔ کہ اُنکی رسوم و عادات میں بعض اخلاق کا استحسان بعض کا استکراہ و قبح داخل ہے۔ اور اُسی پر اُن کی باہم معاشرت کے حسن و قبح کا مدار ہے۔ یہ تو طبقہ جہال غیر متمدن وحشی منش لوگونکا حال ہے۔ لیکن جو اہل عقل کہلاتے ہیں۔ متمدن ہیں۔ تہذیب و تمدن نے اُنکی عقول کو مصفی و مجلی کر دیا ہے وہ انسانی معاشرت کے آداب و اُصول سے کما حقہ واقف ہیں۔ اُن کے اندر تو اخلاق حسنہ و سیئہ کی توزین و تقسیم کو بہت ہی بڑا دخل ہوتا ہے۔ جو اخلاق

اُن کے نزدیک حسن جمیل قرار دیدی گئے ہیں خواہ فطرۃ سلیمہ کے نزدیک وہ جمیل نہوں۔ کسی شریعت نے اُن کی تعلیم ندی ہو۔ مگر وہ اپنی زندگی کا لب لباب۔ اپنی برتری و بہتری قوم میں اپنی عزت ورفعت اُنھیں اخلاق کے ساتھ متصف ہونے میں سمجھتے ہیں۔ بسا اوقات ایسے اخلاق کسی قوم میں رائج ہوجاتے ہیں جو جیسا کہ نفس الامر میں قبیح اور قابل نفرت ہیں۔ اُس قوم کے بعض افراد کو بھی اسیطرح کھٹکتے ہیں۔ مگر یہ شخص باوجود ایسے افعال اور اُن کی منشا یعنی اُس خلق و ملکہ کو سخت نفرت وحقارت سے دیکھنے کے اپنی قوم کے خود تراشیدہ تہذیب و تمدن کو سنبھالنے کیلئے اُن اخلاق کے ساتھ مجبورًا متصف ہوتا اور وہ افعال اُس سے سرزد ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ملک عرب میں بہت سے ایسے اخلاق ذمیمہ رواج پکڑ گئے تھے جنکو برا سمجھنے والے اُنمیں موجود تھے۔ مگر جمہور اور قوم کی قوم اُنہیں اخلاق و ملکات کی تابع تھی۔ علی ہٰذا دوسری متمدن اقوام کا حال دیکھ لیجئے۔ ہماری اس عرض کا حاصل یہہ ہوا کہ تعلیم اخلاق عالم کیلئے ایک لازمی امر ہے۔ جو قومیں شرائع الٰہی کی متبع ہیں اُن کے اندر وہی اخلاقی تعلیم ہے جو بواسطہ نبی اُن تک پہونچی ہے۔ اور جو قومیں کسی مذہب و ملت حقہ کے تابع و منقاد نہیں رہی اُن کے اندر بھی اخلاق کی اصولی تعلیم تو بواسطہ شرائع انبیاء علیہم السلام پہونچی ہے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو باعتبار اپنی روایات قدیمہ کے کسی نبی یا کسی شریعت کی متبع نہوئی ہو۔ جہل و تمرد۔ سرکشی و نافرمانی نے رفتہ رفتہ اپنا اثر جماکر اُن کو دائرہ اتباع انبیاء و شرائع سے نکالکر مستقل بنادیا۔ اور ان اقوام نے اُنہی اصولی تعلیم اخلاق کو ترمیم کرتے کرتے اس حد تک پہونچادیا کہ بظاہر سوا چند امور کے تعلیم انبیاء اور اخلاق و رسوم مروجہ اقوام میں کچھ مناسبت معلوم نہیں ہوتی۔

دیکھئے تو سہی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام اور آپکے جانشین حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام نے حرم محترم میں بیٹھکر مکارم کی تعلیم دی۔ وہ کونسا خلق حسن تھا۔ جسکی آپ نے تعلیم ندی تھی۔ اور پھر زمانہ دراز تک اُنہی اخلاق اُنہی اقوال و افعال اُنہیں اعمال و معاملات پر عملدرآمد بھی ہوتا رہا۔ مگر آخر میں جو عرب کی حالت تھی کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ تعلیم خلیل الٰہی کا کچھ بھی اثر باقی تھا۔ جب اخلاق تمدن عالم کیلئے ایسا جزو لاینفک ہیں۔ اور کسی قوم میں خواہ کسی شریعت کے پابند ہوں۔ یا اپنی عقل و رسوم مقررہ کے۔

اخلاق وملکات فاضلہ علی وجہ الکمال موجود نہ تھے۔ کچھ تو اسوجہ سے کہ کسی ملت میں تعلیم اخلاق مکمل طور پر نہیں ہوئی۔ اور جسقدر تھی اُس ملت کے افراد نے خود اُن کو بگاڑ ڈالا تھا۔ اور ردوبدل کرکے اصلی تعلیم کا ایسا ملیامیٹ کردیا تھا کہ حقیقت وغیر حقیقت کا پتہ لگنا دشوار تھا۔ اور زیادہ تر اسوجہ سے کہ عالم کے اکثر افراد نے جہاں احکام الٰہی کا اتباع ترک کیا۔ وہیں اپنی اخلاقی حالت کو اپنی عقول واوہام۔ رسوم وعادات کے تابع کرلیا۔ اور یہ ہم ابھی عرض کرچکے ہیں کہ منشاء جملہ افعال واقوال کا اخلاق وملکات ہیں۔ جیسا خلق اور جیسا ملکہ ہوتا ہے ویسے ہی اقوال وافعال صادر ہوتے ہیں۔ پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی جب رحمۃ للعالمین ٹھیری اور آپکی ذات پر تمام عالم کی نجات کا مدار ٹھیرا تو لازمی امر تھا کہ تکمیل شریعت کے ساتھ تکمیل وتتمیم مکارم اخلاق بھی آپکے ذریعہ سے ہوتی۔ جو اخلاق وملکات حسنہ عالم سے مٹ چکے تھے اُنکو از سر نو زندہ فرماتے جنمیں جو نقصان آگیا اُنکی حالت وصورت بدل چکی تھی یا اُن کے مواقع استعمال میں تغیر آچکا تھا۔ اُنکو اصلی حالت پر نمایان فرماتے۔ اور یہی مطلب آپکے ارشاد فیض بنیاد کا تھا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض تعلیمی کو آیۃ شریفہ کے اندر ان جامع الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم ایاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة	وہ وہ ذات پاک ہے کہ جسنے امی لوگوں میں ایک رسول بھیجا اُنکی قوم میں سے جو اُنپر اسکی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور اُنکے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے اور کتاب کی تعلیم کرتا ہے اور حکمت کی باتیں سکھاتا ہے

مفہوم آیۃ سے ظاہر ہے کہ آپ کی تعلیم میں تلاوت آیات وبیان احکام شرعیہ تزکیہ باطن و تطہیر اخلاق۔ تعلیم دقائق کتاب اللہ۔ واصول ولمیات شرع۔ تعلیم اسرار معرفت وتوحید سب ہی کچھ داخل تھے۔ آپ کی تعلیم نے شریعت حقہ کو من کل الجوانب ایسا محفوظ ومستحکم کردیا کہ کسی جانب سے اُسمیں رخنہ پڑنے اور گزند پہونچنے کا اندیشہ واحتمال باقی نہ رہا۔ آپنے شریعت کے حدود۔ اخلاق کے حسن وقبح اُن کے استعمال کے طریقے اس طرح بیان فرما دیے کہ جو شخص اُنپر تیقظ وفہم کے ساتھ قائم رہے کسی ورطۂ ہلاکت ورسوائی میں نہیں گر سکتا آپنے ظاہری احکام کی تعلیم کے ساتھ اسرار شرائع اور لمیات احکام کی تلقین بھی اسطرح فرمادی کہ کسی کو شک وشبہ کی اُسمیں گنجایش

نہ چھوڑی۔ تزکیۂ باطن وتطہیر اخلاق کے ذریعہ سے علم الیقین کو حق الیقین کے درجہ تک پہونچا دیا۔ اسطرح شریعت کے حصار کو اتنا محکم و استوار فرما دیا کہ خداوند عالم جل جلالہ نے شریعت محمدیہ کو متعہ کمال وتکمیل سے سرفراز فرمایا۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا	آج کے دن تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ اور اپنی نعمت کو تمہارے اوپر پورا کر دیا۔ دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کیا

یہ تھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل تعلیم اور اس تعلیم گاہ کے سند یافتہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے استاد تو کامل وبے نظیر تھے ہی۔ مگر شاگرد بھی بے مثل تھے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے شریعت اسلامیہ کی حدود وفرائض اخلاق حسنہ کے استعمال۔ خصائل ذمیمہ سے اجتناب۔ علوم اذواق ومواجید۔ اسرار معرفت ذات وصفات توحید وتنزیہ اسقدر جریائی تھی کہ اولین وآخرین میں انکا کوئی مثل نہیں ہوا۔ صحابہ مکمل دین تھے۔ باطن انکا نور معرفت وتوحید سے لبریز تھا۔ ان کے تمام اخلاق وملکات مرضیات الٰہی کے تابع تھے۔ انکے تمام قوی وحرکات شریعت کے پابند۔ حدود شریعت کو اسطرح سمجھے ہوئے تھے ایک انچہ ان سے ادھر ادھر ہٹنا ناممکن تھا۔

واقعۂ امارت وعزل خالد رضی اللہ عنہ سے صحابہ کے حالات پر ایک بسیط روشنی پڑتی ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس واقعہ کے جزئیات پر غور کر کے صحابہ کے کمال کا اذعان کرے۔ اس واقعہ کے اندر اسقدر امور قابل بیان ہیں جنکے احاطہ سے میں قاصر ہوں۔ مگر تتمیم فائدہ کی غرض سے چند باتیں عرض کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔

(۱) تمام دنیا میں جسطرح لائق وباتدبیر افسران افواج کی ضرورت ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو بھی خصوصاً اس حالت میں جبکہ جزیرہ نمائے عرب کی تنگنائے سے نکلکر ساری دنیا کا مقابلہ کرنا تھا۔ کوئی بڑی ترتیب یافتہ فوج انکے ساتھ نہ تھی۔ صحابہ میں مہاجرین وانصار رضوان اللہ علیہم اجمعین اگرچہ بدیں معنی آزمودہ و پختہ کار تھے کہ صحبت کیمیا اثر نے اور شب وروز کی حاضری وخدمتگذاری۔ معرکہائے رزم کے نشیب وفراز نے انکے تمام ملکات وقوی کو روشن ومنور بنا دیا تھا۔ آئین کا ہر ایک فرد امت واحدہ کا حکم رکھتا تھا۔ مگر ایسے قدیم الایام مہاجرین وانصار کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ صحابہ میں بھی زیادہ تعداد ایسے حضرات کی تھی جنکو سوا شرف زیادہ جمال مبارک یا چند ایام یا چند ساعت یا ایک ہی بار حاضری دربار

زیادہ نوبت خدمتگذاری نہ آئی تھی۔ کیونکہ قبائل کے قبائل فتح مکہ کے بعد اور حجۃ الوداع کے درمیان مسلمان ہوئے۔ اگرچہ اکثر قبائل کے وفد حاضر دربار نبوی ہوئے۔ مگر وفود میں چند افراد حاضر ہوتے تھے۔ نہ کہ سارا قبیلہ کا قبیلہ۔ اور حجۃ الوداع میں گو بکثرت قبائل عرب شریک حج ہوتے۔ اور یہی موقعہ عام طور پر قبائل عرب کو اقتباس انوار و دیدار جمال مبارک کا نصیب ہوا۔ مگر اول تو اُسمیں بھی سارا عرب شریک نہ تھا۔ حجۃ الوداع میں کل تعداد ایک لاکھ سے زیادہ بیان کی جاتی ہے۔ حالانکہ مسلمان قبائل عرب کی تعداد اُسوقت بہت زیادہ تھی۔

مسلمانوں میں ایک بڑی جماعت اُن طلقاء کی تھی جو فتح میں اسیر ہوئی۔ اور اُن کو چھوڑ دیا گیا۔ یہ لوگ مسلمان بھی ہو گئے تھے۔ اور صحابہ کے عدد میں بھی داخل سمجھے جاتے تھے۔ مگر درحقیقت ابھی پختہ مسلمان ہی نہ ہوئے تھے۔ ہان اسوقت کا اسلام اُنکے حقیقی اسلام کی مضبوط بناء کا حکم رکھتا تھا۔ بعض تو اُسیوقت پختہ مسلمان ہو گئے۔ اور اکثر کچھ زمانہ بعد۔

طائف میں مسلمانون کی ہزیمت انھیں طلقاء مکہ کی طفیل تھی۔ جو کہ عدد میں ہزاروں تھے۔ گر جہاد کے فضائل اُسکے متاعب و مصائب سے واقف نہ تھے۔ پھر دل میں اسلام کی محبت نہ تھی۔ مسلمانوں کا درد نہ تھا۔ کوئی مضمون تھا تو بوجہ عدم الفت اسلام۔ والفت دین آبائی و محبت قومی یہی تھا کہ مسلمانوں کی مغلوبی سے دل میں مسرت پیدا ہوتی تھی۔ چنانچہ ابوسفیان باوجود مسلمان ہو جانے کے بول ہی اُٹھے تھے۔

لن تنتھی الھزیمۃ الا الی البحر | (یہ ہزیمت سمندر سے ورے نہ رکے گی)

پھر منافقین کی ایک جماعت بھی اُسوقت تک دخیل و شریک تھی۔ ادھر وہ قبائل عرب جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے بلکہ برسر مقابلہ تھے۔ اُن کا شمار بھی مسلمانوں کے شمار سے زیادہ تھا۔ چنانچہ صدیق اکبر کو جو کام سب سے پہلے کرنا پڑا وہ یہی تھا کہ مسیلمہ کذاب۔ اسود عنسی وغیرہ مرتدین اور کفار عرب و منافقین کے فتنہ سے عرب کو صاف کیا اور یہ ظاہر ہے کہ گو حضرت صدیق اکبر کی بے مثل استقامت بروقت تدبیر و تدارک نے اسلام کی جڑ کو مضبوط کر دیا۔ کفر و شرک کی بیخ و بنیاد نکال کر پھینکدی۔ مگر یہی تو وہ مسلمان تھے جو ابھی ابھی برسر جنگ تھے اور اب اُنکو عساکر اسلامی میں بھرتی کر کے روم و شام۔ عراق و فارس جیسے قدیم الایام سلطنتوں کے بیشمار عساکر قاہرہ کے

مقابلہ پر بھیج رہے تھے۔ جو تہذیب و تمدن کے علاوہ کامل و مکمل سامان حرب ضرب سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ غرض عساکر اسلام کا اکثر عنصر ایسی ہی افراد سے مرکب تھا۔

ایسی حالت میں مسلمانوں کو کیسے لائق۔ کیسے جری۔ کیسے آزمودہ سرد و گرم چشیدہ معرکہائے رزم اور کیسے کوہ وقار باتمکین مدبر و فرزانہ امراء عساکر و قواد کی ضرورت تھی۔

پھر یہ بھی دیکھ لینے کی بات ہے کہ مہاجرین و انصار میں کی ایک بڑی جماعت جو علماً و عملاً ہر طرح سے ممتاز و فائق سمجھے جاتے تھے۔ اُنکی ضرورۃ خاص دار الخلافت میں کسقدر تھی۔ چنانچہ ایسے افراد میں سے سوا بعض چیدہ بزرگوں کے جیسے امین الامۃ ابو عبیدہ ابن الجراح۔ یا سعد بن ابی وقاص وغیرہ رضی اللہ عنہم کے باقی کل وہ حضرات جنکو صحابہ کے اندر علم و زہد تقوی وغیرہ میں امتیاز تھا۔ تعلیم امت اور ضروریات خلافت کیلئے مدینہ منورہ ہی میں مقیم ہوئے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ میں تمام وہ اوصاف موجود تھے جو ایک اول درجہ کے جرنیل میں ہونے چاہئیں مسلمانوں بالخصوص طبقہ اول صحابہ میں ایک سے ایک جری ایک سے ایک بڑھکر مدبر و ذی رائے موجود تھے مگر کوئی تو خصوصیت تھی کہ سیف من سیوف اللہ کا خطاب حضرت خالد کو عطا ہوا۔

حضرت خالد کے اندر جس وصف کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک قائد جیش میں اس سے بڑھکر اوصاف نہیں ہو سکتے۔ اُن کی شجاعت و بسالت۔ دانائی و فرزانگی۔ جرامۃ و چستی۔ حزم و تیقظ۔ غرض جس وصف کو دیکھئے یوں کہنے کو دل چاہتا ہے کہ اُس سے بڑھکر ہونا مشکل ہے۔ پھر ان اوصاف کے ساتھ اعداء پر اُن کا یہ رعب کہ نام سنتے ہی ہوش و حواس خطا ہو جائیں۔ تدبیر بھول جائیں۔ دوستوں کو یہ اعتماد کہ جدہر لیجائیں بلا پوچھے ساتھ ہولیں۔ یہ وہ باتیں تھیں کہ کسی اقبالمند قوم کو بھی آجتک نصیب ہوئیں تھیں اور یہی وہ اوصاف تھے کہ آج تیرہ سو سال گذرتے پر حضرت خالد کا سکہ مخالف و موافق کے قلوب میں اُسی طرح بیٹھا ہوا ہے جیسا جب تھا۔

اِدھر تو یہ حالات تھے جنکا اقتضا یہ تھا کہ ایسے بے مثل جرنیل کی خدمات سے عساکر اسلامیہ کو محروم کر دینا مہلک غلطی اور خودکشی سے کم نہ تھا۔ لیکن اُدھر شان فاروقی دیکھئے کہ بوجہ بعض اُن لغزشوں یا بے احتیاطوں کے جو حضرت سے بمقابلہ مرتدین عرب صادر ہو چکی تھیں۔ عظیم الشان معرکہ یرموک میں جہاں مسلمانوں کی مٹھی بھر فوج کو بے شمار تربیت یافتہ افواج سے مقابلہ تھا۔ (باقی آئندہ)

تقریظات کتب

افادات احمدیہ حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث امروہی سے جو حضرات واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ آپ حسن صورت و سیرت کے ایک دلربا تصویر تھے آپ کی سچی اور واقعی شہرت نے تحسین ستائش سے ہمکو بے نیاز بنا دیا۔ آپ حضرت مولانا قاسم العلوم والخیرات کے ارشد تلامذہ میں سے تھے آپ کی حسن تقریر و تحریر سے حضرت قاسم العلوم قدس سرہ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ عظیم الشان جلسہ دستاربندی دار العلوم دیوبند کے موقع پر جو ایک مسدس بندہ نے پڑھا تھا اس میں ایک بند آپ کی مدح میں تھا جسکا آخر شعر بے اختیار یہاں لکھنے کو دل چاہتا ہے۔

جو پوچھے کوئی کمالات قاسمی کی دلیل + تو اُس سے کہئے کہ آ دیکھ لے یہ دو جمیل

یہ مختصر کتاب آپ کی متعدد اور گرانقدر تصنیفات کا ایک جزو قلیل ہے اور جو مولانا سے ناواقف ہیں اُن کیلئے معرفت کی ایک سبیل ہے یہ کتاب نو مباحث پر مشتمل ہے

(۱) **دعوۃ الاسلام** مخالفین اسلام کے مقابلہ میں اسلام کی حقانیت بزور دلائل عقلیہ ثابت کی گئی ہے۔

(۲) **العجالہ فی اثبات التوحید والرسالہ** توحید و رسالت کا اثبات و توحید کو اقرار رسالت عقلاً لازم ہے بہت ہی نادر تقریر ہے۔

(۳) **ہدیہ احمدیہ فی سنیۃ الخطبۃ بالعربیۃ** اس امر کا ثبوت کہ جمعہ کا خطبہ صرف عربی زبان میں ہونا چاہیئے اور امام صاحب کے قول جواز بالفارسیہ کی توضیح۔

(۴) **الدلیل الاہر علی صحۃ القولین فی شق القمر** شق القمر کے بارہ میں امام رازی اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہا کے اور جمہور کے قول میں تطبیق قابل دید۔

(۵) **التجبیر فی اثبات التقدیر** مسئلہ تقدیر کا اثبات۔

(۶) **ابطال تناسخ** اواگون کے خیال باطل کا ابطال اور مثنوی مولانا روم کے شعر سے مثبتین تناسخ کا جواب۔

(۷) **القول الاعلی فی رویۃ اللہ تعالیٰ** قیامت میں دیدار باریتعالیٰ کا ثبوت اور شبہات مخالفین کا جواب۔

(۸) **القول المختصر فی ابطال جسمیۃ الرب الاکبر** خدا تعالیٰ کے کسی مادی صورت میں ظاہر ہونے کا ابطال اور جسمیۃ باریتعالیٰ کا محال ہونا مدلل بیان کیا گیا ہے۔

(۹) **تفویض العلم الی الباری فی حق الذراری** اولاد مشرکین کے دوزخی یا جنتی ہونے میں قول راجح کا بیان

اور وجوہ ترجیح گو آج مولانا دنیا میں نہیں مگر آپ کے فیوض دنیا میں موجود ہیں تلامذہ و تصانیف آپکی یادگار ہیں۔

زندہ است نام نامی احمد حسن بعلم + گرچہ بسے گذشت کہ احمد حسن نماند

یہ کتاب اگرچہ مختصر ہے مگر آپکے بحار فیوض سے ایک چشمہ فیض ہے امید ہے کہ اہل علم اسکی قدر کرینگے۔ ہمارے عزیز مولوی قاری حافظ سید محمد صاحب جعلہ اللہ کاسمہ ابن مولانا مرحوم نے مسلمانوں پر یہ احسان کیا بصرف زر کثیر اس نادر مجموعہ کو طبع فرما دیا۔ خدا کرے کہ یہ جلد فروخت ہو اور ہمارے عزیز مکرم آئندہ یکے بعد دیگرے مولانا مرحوم کی تمام تصنیفات کو طبع کرا کر اہل اسلام کو ممنون احسان بنائیں

وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

خاکسار معتمد المدیر

[illegible]

قواعد و ضوابط رسالہ القاسم

۱ - یہ رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے اور کسی ماہ کا رسالہ بتیس ۳۲ صفحے سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھجاتا ہے۔

۲ - یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوتا ہے اور عام قیمت سالانہ مع محصول دو روپیہ ۸ آنہ عہ پیشگی لیجاتی ہے۔ ممالک غیر سے صرف اسقدر زیادہ لیا جائیگا۔ جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے۔

۳ - جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالکی قیمت سالانہ پانچ روپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائینگے وہ رسالہ کے معاونین خاص میں شمار ہونگے۔ اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہیگی۔

۴ - سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے جملہ حضرات کی خدمت میں شروع کا (یا خریدار کا جب سال شروع ہو اُسکا) پہلا پرچہ ویلو بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کرکے عہ۹ کا ویلو روانہ ہوگا۔

(۵) - یہ رسالہ ہرگز کبھی کسی صاحب کی خدمتمیں بلا طلب و تحریک ویلو نہیں روانہ کیا جاتا۔ بعض حضرات خود طلب فرماتے ہیں اور بعض حضرات اپنی اعتماد پر دوسرونکی خدمت میں ویلو بھیجنے کی فرمایش کرتے ہیں

۶ - شعبان ۱۳۳۳ھ مطابق جولائی ۱۹۱۵ء سے اس رسالہ کا چھٹا سال شروع ہوا ہے۔ پہلے پانچ سالوں کی مکمل جلدیں موجود ہیں قیمت ہر جلد کی عہ۲ مع محصول ڈاک ہے۔

۷ - نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں اُنکے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین درج رسالہ کئے جائینگے جو اصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں۔

۸ - القاسم کے متعلق جملہ تحریرات و ترسیل زر بنام حضرت مدیر یا بنام خاکسار ہونی چاہئے۔

المشتـــــہر

خاکسار **سراج احمد** عفی عنہ معتمد المدیر "رسالہ القاسم" مدرسہ اسلامیہ **دیوبند** (ضلع سہارنپور)

(رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۳)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی ماہوار رسالہ

نمبر ۵ | بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ | جلد ۶

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

(اور)

مطبع قاسمی دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھپوایا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

(مطابق ماہ نومبر ۱۹۱۵ء)

جو حضرت مولانا محمود حسن صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

(اور)

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

(شائع ہوتا ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلمۃ الحق

(گذشتہ سے پیوستہ)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم یجمع بین صلوٰۃ الظہر و العصر اذا کان علی ظہر سیر و یجمع بین المغرب والعشاء بخاری شریف

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز ظہر و عصر کو جمع کرتے تھے قطع مسافت سفر کے وقت میں۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یجمع بین صلوٰۃ المغرب و العشاء فی السفر

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں مغرب و عشا کی نماز کو جمع کرتے تھے۔

(بخاری شریف)

تیسری حدیث سے محض یہ معلوم ہوا کہ آپ سفر میں مغرب و عشا کی نماز کو جمع کرتے تھے مگر پہلے دو روایتوں میں سفر کے ساتھ ایک اور قید بھی ہے یعنی جب عجلت ہوتی تھی اور قطع مسافت کی حالت میں نماز کا وقت آجاتا تھا تو تاخیر کیجاتی تھی ان احادیث کے ظاہر معنی پر ایک جماعت نے تکیہ کیا اور وہ جمع بین الصلوتین کے قائل ہوئے مگر ان حضرات میں بھی باہم اتفاق نہیں کچھ کچھ اختلاف ہے۔

تتبع سے ان حضرات کے اقوال جو کچھ معلوم ہوئے حسب ذیل ہیں۔

قول اول۔ جمع بین الصلوتین سفر میں مطلقاً جائز ہے۔ منشاء اس قول کا غالباً احادیث مذکورہ میں سے تیسری حدیث ہے۔ اس قول کا انتساب صحابہ کرام میں حضرت علی۔ ابن عباس۔ اسامہ بن زید۔ ابو موسی۔ ابن عمر۔ معاذ بن جبل۔ سعد بن ابی وقاص۔ سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی طرف سے اور حضرات تابعین میں سے عطا بن ابی رباح۔ طاوس۔ مجاہد۔ عکرمہ۔ جابر بن زید۔ ربیعۃ الرای

ابو الزناد۔ محمد بن المنکدر۔ صفوان بن سلیم ایمہ میں سے سفیان ثوری امام شافعی امام احمد واسحق وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اسطرف گئے ہیں۔

قول ثانی۔ جمع بین الصلوتین جب جائز ہے کہ سفر میں عجلت ہو صحابہ کرام میں سے اسامہ بن زید وابن عمر کا یہ قول ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول بھی یہی ہے۔

قول ثالث۔ جمع بین الصلوتین جائز ہے جبکہ قطع طریق مقصود ہو۔ یہ قول ابن حبیب مالکی کیطرف منسوب ہے۔

قول رابع۔ جمع تاخیر جائز ہے جمع تقدیم جائز نہیں یعنی ظہر کی نماز کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشا کے وقت میں جمع کرنا جائز ہے اور عصر کو ظہر کے وقت میں اور عشا کو مغرب کے وقت میں جمع کرنا جائز نہیں یہ قول ابن حزم کا ہے۔

قول خامس۔ جمع بین الصلوتین مکروہ ہے۔ یہ اہل مصر کی روایت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔

قول سادس۔ سوائے عرفات و مزدلفہ کے جمع حقیقی بین الصلوتین جائز نہیں۔ یہ قول صحابہ کرام میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود وسعد بن ابی وقاص وابن عمر وابوقتادہ ابوموسی رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین اور تابعین میں سے حسن بصری۔ ابن سیرین۔ ابراہیم نخعی۔ اسود۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔

اور نیز جابر بن زید۔ مکحول عمرو بن دینار سفیان ثوری۔ عمر بن عبدالعزیز۔ سالم۔ لیث بن سعد کا اور باعتبار روایت ابن قاسم کے امام مالک کا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد قول منقول ہوئے مگر مشہور قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ثانی ہے۔ اصحاب ابوحنیفہ اصحاب اسود بھی اسی کے قائل ہیں۔ یہ قول گو بحسب ظاہر و بادی النظر احادیث مذکورہ کے مخالف ہے مگر دوسری احادیث صحیحہ اور نصوص قویہ کے موافق ہے جسکو ہم انشاء اللہ تعالی ابھی بیان کرینگے۔

اگر جزئی واقعات کو اصول کلیہ سے منطبق کرنے کی تکلیف برداشت نہ کیجائے یا اوپر خیال ہی نجائے یا تعدد واقعہ کو اصل قرار دے لیا جائے تو بیشک جواز جمع بین الصلوتین کا اثبات بموجب احادیث مذکورہ ہو جائے گا اور اگر ذرا نظر کو غائر کیا جائے اور دوسرے اصول اور نصوص کی طرف دیکھا جائے تو حقیقی جمع کا جواز محل تامل نظر آتا ہے۔

مثبتین جواز احادیث مذکورہ جو نہایت صحیح ہیں اور ایسی اور روایات پیش کرتے ہیں۔ جن سے دو نمازوں کا یکے بعد دیگرے پڑھنا معلوم ہوتا ہے۔ میں مثبتین اور مانعین کی روایات کا استقرا کرنا نہیں چاہتا اور نہ اُنمیں کسی راوی پر جرح وقدح کرنا پسند کرتا ہوں اگر میں ایسا کروں تو یہ تحریر بہت طویل ہو جائیگی اور میں اپنے مدعا سے بہت دور نکلجاؤنگا اگر خدا تعالی نے میری مساعدت کی تو کیا عجب ہے کہ پھر کبھی میں اس مسئلہ کی تفصیلی بحث پیش کروں اسوقت مجھے صرف اسقدر لکھدینا کافی معلوم ہوتا ہے کہ اس اختلاف سے ہمارے عوام مشوش نہوں اُنکو خوب یاد کرلینا چاہیئے کہ۔

اختلاف الامۃ رحمۃ — امت کا اختلاف رحمت ہے۔

اس سے مراد سلف کا وہی اختلاف ہے جو فروع میں ہو۔ لکل وجہۃ۔ ہر گلے را رنگ و بوی دیگر ست یہ سب حضرات اہل حق ہیں اور اُن کے مذاہب مذاہب حقہ ہیں۔ انکی نیتیں صاف ہیں۔ نفسانیت اور ضد اور سخن پروری کے شوائب سے پاک ہیں۔ قول سادس جو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا قول ہے اُسکی ترجیح کے متعلق مختصر کچھ کہدیا جائے اور بس۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن روایات میں دو نمازوں کا جمع کرنا مذکور ہے اس جمع سے کیا مراد ہے۔ کیا حقیقۃً ایک وقت میں دو نمازوں کو پڑھا یا صورتاً جمع کیا کہ ایک نماز کو اُسکے آخر وقت میں اور ایک کو اول وقت میں کہ ایک دیکھنے والا جسکو جمع سمجھہ سکتا ہے اور وہ حقیقت میں جمع نہیں۔ اِس سوال کا جواب مثبتین کی طرف سے تو یہی ہوگا کہ دو نمازوں کو حقیقی طور پر جمع کیا مگر اسکو تسلیم کرلینے سے بعض دقتیں پیش آوینگی اور بعض روایات کا ترک کرنا پڑیگا بعض نصوص قطعی کا خلاف لازم آویگا ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ سب روایات بھی بحالت خود قایم رہیں صحیح تو صحیح ضعیف روایات بھی ٹھکانے لگجائیں اور نصوص قطعیہ کا بھی خلاف لازم نہ آئے کوئی روایت بھی ترک نہو اوسکی یہی صورت ہے کہ اس سوال کے جواب میں یوں کہا جائے کہ جن روایتوں میں دو نمازوں کا جمع کرنا مذکور ہے اُنمیں صورتاً جمع ہے اور حقیقۃً نہیں اس صورت میں سب روایات معمول بہ ہوجائینگی اور کسی ایک کا بھی ترک لازم نہ آئیگا۔ اب خود انصاف کرلو کہ اگر دونوں قسم کی روایات کو اپنے اپنے محل پر اوتار لیا جائے اور کسیکو ترک نہ کیا جائے یہ اچھا ہے یا ایک قسم کی روایات کو لیکر دوسری قسم کی روایات کو چھوڑ دیا جائے یہ اچھا ہے۔

اگر ان احادیث کا محل صحیح متعین ہوجائے اور بظاہر جو کسی کو اختلاف معلوم ہوتا ہے اسکی توجیہ مناسب جو الفاظ حدیث سے ٹپکتی ہو کر دیجائے تو یہی طریق اہل علم کے نزدیک انسب ہونا چاہئے وہ دل جسکو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ہے جو سنت رسول پر فدا ہے اُسکا مطمح نظر یہی ہوتا ہے کہ کسی پہلو حدیث ترک نہو اور حقیقت میں یہ ایک ایمانی جذبہ ہے جو ہر مسلم کے دل میں مضمر ہے۔

بعض اہل تصوف کی تصانیف میں آپ دیکھینگے ضعیف روایات کو بھی اونہوں نے ترک نہیں کیا اور اُسکو اثبات مدعا میں پیش کرنے کے عادی ہیں اسکی وجہ بجز اسکے اور کیا ہوسکتی ہے کہ اُنکو حدیث سے باطنی رابطہ ہے جسکی رسیاں اُنکو جکڑ بند کئے ہوئے ہیں۔ رواۃ حدیث سے اُن کو حسن ظن ہے اور سلسلہ اسناد ختم ہونے پر جب قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں تو انکا دل اندر سے لبیک کہتا ہوا اُسکو قبول کی آنکھوں میں جگہہ دیتا ہے اور تصدیق کی مسند پر بٹھا دیتا ہے۔ لیکن کیا یہہ پاک باطن گروہ تمام احادیث پر عمل کرتا ہے اور کسی حدیث کو ترک نہیں کرتا اسکا جواب یہی ہوگا کہ نہیں بعض احادیث کو ترک کرتا ہے۔

محدثین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے دلوں میں جو عظمت حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے آپ کو معلوم ہے۔ اُنکا یہ شغل اور یہ خدمت ہی اُنکی سچی با اخلاص محبت پر ایک شاہد عدل ہے کیا محدثین تمام احادیث پر عمل کرتے ہیں اور کسی ایک حدیث کو بھی ترک نہیں کرتے وہی جواب ہے جو ابھی ذکر ہوا اچھا پھر یہ کیسے عاشق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو ترک کر دیتے ہیں۔ بات یہی کہ یہ عشق و ارادت ہی انکو اس ترک پر مجبور کرتا ہے حدیث پر عمل کرنے کیلئے اونہوں نے وہ جانکاہیاں کی ہیں کہ جو کسی سے نہو سکیں اُسکے لئے قواعد و ضوابط مقرر کئے حدیث کے راویوں کی پوری تحقیقات کی ہیں جو حدیث کہ اُنکو تحقیق کی کسوٹی پر کسنے کے بعد کندن نظر آتی ہے اوسکو لیتے ہیں اور جسمیں غل وغش معلوم ہوتا ہے اُسکو ترک کر دیتے ہیں حدیث بحیثیت قول و فعل رسول ہونے کے آنکھوں کا نور ہے اور کسی خارجی علت کیوجہ سے جسکو محدثین اور علما جانتے ہیں وہ قابل ترک ہوجاتی ہے اور چونکہ کتب حدیث میں ہر قسم کی صحیح و ضعیف معلول و موضوع روایات درج ہیں اسلئے اتباع رسول اسکا اجازت نہیں دیتا کہ آنکھہ میچکر جسپر چاہیں عمل کرلیں۔ طب کی کتابوں کو دیکھئے۔

اور ہر مرض میں متعدد اور مختلف نسخوں کا ملاحظہ کیجیئے اور اختلاف اخلاط کی بنا پر اُنکے اجزا اور ادویہ کے اختلاف پر ایک نظر ڈالیئے اطبار کے طرز علاج اور اختلاف تدابیر کو پرکھئے اور اس کل مجموعے کو سمجھنے کے بعد اسی کے قریب قریب اس اختلاف کو بھی سمجھئے طبیب حاذق ایک وقت مریض کو کوئی ایسی غذا کھلاتا ہے جو تیمارداروں کی نظروں میں نامناسب ہوتی ہے مگر وہ حقیقت پر نظر رکھتا ہے اور اسیکو مناسب تصور کرتا ہے اور کوئی اُسکی تجویز کے مقابلہ میں ہرتائی نہیں کرتا اور جب بعد تجربہ صحت ہوتی ہے تو اُسکے اس فعل کی گو لم اور حقیقت معلوم نہو مگر سب کو ایک قوی اذعان ہوجاتا ہے ایسے ہی محدثین اور علمائے راسخین احادیث کے اندرونی عوارض سے واقف ہوتے ہیں وہ کبھی صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے ضعیف حدیث پر عمل کرتے ہیں اور اونکی مہارت اور حذاقت اُنکو اسطرف داعی ہوتی ہے صحیح حدیث کے مقابلہ میں ضعیف حدیث کا ترک کرنا اگر معمول بہ ہوتا تو ہر شخص کے نزدیک قابل قبول ہوتا مگر جب صحیح کے مقابلہ میں کبھی ضعیف کو ترجیح دیدیجاتی ہے اور صحیح کا اثر روایت تک محدود رہتا ہے اور ضعیف روایت سے متجاوز ہو کر عمل تک پہونچ جاتی ہے اور مذہب بنجاتی ہے گو عوام اور ناواقف اسکو نہ سمجھیں مگر اہل علم اپنے علمی نکات کے اشاروں سے ایسا کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں اور وہ اسکو اپنی حذاقت اور تیقظ و اتقان کا شیریں پھل سمجھتے ہیں اور بہت محظوظ ہوتے ہیں اہل فن اُنکی داد دیتے ہیں اور عقیدت میں چار چاند لگجاتے ہیں۔ اسوقت مجھے کتب حدیث سے ایسی مثالیں پیش کرنا مقصود نہیں ہیں اہل علم خود جانتے ہیں اور عوام کیلئے اسوقت اُسکے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن جب اہل حذاقت و مہارت کا یہ طرز و طریق مستحسن ہے تو کیا کوئی خاص گروہ علماءِ اہل فن کا اس سے انتفاع اوٹھانے کا مستحق ہے یا یہ حصہ سب کیلئے مساوی ہے۔ جواب یہ ہے کہ حذاق اور ماہرین اسکے اہل ہیں اور اہل حق کی یہ وراثت ہے فقہا و محدثین کا حصہ ہے عوام کو نہ یہ حق ہے نہ اُنکا یہ منصب نہ اُنکا یہ درجہ نہ اُنکو جانچ نہ پرکھ۔

آپ کو یہ ابھی معلوم ہوچکا ہے کہ احناف اس مسئلہ میں جواز جمع بین الصلوتین کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ صرف حج کے زمانہ میں عرفات میں ظہر و عصر اور مزدلفہ میں مغرب و عشا کا حقیقی طور پر جمع کرنا ثابت ہے اور سب کا معمول بہ و مقبول ہے گو اوسکی وجہ میں اختلاف ہو مثلاً یہ کہ احناف اُسکو

نسک حج کے لوازم سے خیال کرتے ہیں اور شافعیہ اُسکی وجہ سفر کو قرار دیتے ہیں مگر جمع کے جواز میں خلاف نہیں ان کے سوا اور نمازوں میں جمع کرنا نہیں چاہیئے - یہ ایک ایسی بات ہے کہ جس شخص کے کانوں میں یہ آواز پہونچ چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر وعصر کی نماز کو جمع کیا ہے یا مغرب وعشا کی نمازوں کو جمع کیا ہے اور پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کا عمل بھی اسکے موافق معلوم ہوا اور ساتھ ہی یہ بھی اُسکو معلوم ہو کہ یہ جواز جمع کی حدیثیں صحیحین سی مقبول کتب میں مروی ہیں تو وہ حنفیہ کے اس مسلک کو ابتدا ء وقعت کی نظر سے دیکھے گا اور اگر عصبیت بیجا کا بھی اُسکے دل میں مسکن ہے تو وہ زبان طعن دراز کرنے کو بھی اپنی سعادت خیال کریگا اور یہ کوئی انوکھی اور ان ہوئی بات نہیں ہے بہت سے عنایت فرما اس کہنے کے اسقدر عادی ہو گئے ہیں کہ گویا حنفیہ پر لعن طعن کرنا اُنکے نزدیک اگر داخل ایمان نہیں تو ثواب ضرور ہے -

جس شخص کا یہ مذہب ہے کہ سفر میں مطلقاً جمع کرنا نماز مغرب وعشا اور ظہر وعصر کا جائز ہے جیسا کہ قول اول میں مذکور ہوا تو اس شخص نے ایک حدیث پر عمل کر کے اسی باب کی وہ حدیثیں ترک کر دیں جنمیں عجلت اور قطع طریق اور ضرورت شدیدہ کی قید مذکور تھی اور جس شخص نے ضرورت اور عجلت کی قید لگائی اُسنے اس حدیث کو ترک کیا مگر اس ترک پر کوئی ملامت نہیں کیجاتی حنفیہ نے ان حدیثوں کو ترک نہیں کیا اُنھوں نے انکے ظاہر معنیٰ سے نظر کو اور آگے متجاوز کیا اور دوسری نصوص قطعیہ کو بھی ملحوظ رکھا گو اُنکا یہ ہنر ابنائے زمانہ کی آنکھوں میں عیب نظر آئے مگر جنکو پیشانی کی آنکھوں کے ساتھ انصاف کی آنکھیں عطا ہوئی ہیں وہ اگرچہ اس مسلک کے پابند نہوں تاہم اُنکی اس جدّ وجہد کی داد ضرور دیتے ہیں -

قرآن مجید وحدیث شریف میں نماز کے فریضہ کے متعلق چند قواعد مذکور ہوئے اول اُنکو دیکھو اور سمجھو -

حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ	سب نمازوں پر اور نماز وسطےٰ پر نگہبانی کرو

اسکی تفسیر میں ہمارے مفسرین نے جہاں سب کچھ ذکر کیا ہے وہاں محافظت کے معنی کی تشریح یہ بھی کی ہے نماز کو اُسکے وقت پر ادا کرو پھر اسکو اور زیادہ وضاحت سے بیان فرما دیا کہ کسیکو بھی نقش باقی نہ رہے -

ان الصلوة كانت على المؤمنين كتابا موقوتا — نماز مومنوں پر ایک فریضہ ہے جسکے اوقات مقرر کردئے گئے ہیں

ان آیتوں سے صاف معلوم ہوگیا کہ نماز کا اُسکے وقت میں ادا کرنا ضروری ہے قبل از وقت اگر کوئی نماز ادا کیجائے تو کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں بعد خروج وقت نماز اگر ادا کیجائے تو ادا نہوگی بلکہ قضا ہوگی۔

عن عبدالله بن مسعود قال سالت رسول الله صلے الله عليه وسلم اى العمل احب الى الله تعالىٰ قال الصلوٰة على وقتها الحديث (بخاری ومسلم)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کونسا عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے تو حضور نے فرمایا کہ نماز پڑھنی اُسکے وقت میں۔

عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الوقت الاول من الصلوٰة رضوان الله والاخر عفو الله۔ ترمذی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کا اول وقت میں ادا کرنا سبب ہے رضائے الٰہی کا اور آخر وقت میں پڑھنا عفو ہے اللہ کا۔

ان روایات سے بھی معلوم ہوا کہ نماز کو اُسکے وقت میں ادا کرنا چاہئے اور یہ قاعدہ نماز کیلئے مقرر ہوچکا ہے آیتیں نازل کیجاتی ہیں جبریل امین کو حکم ہوتا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دو روز نماز کے اوقات کی تعلیم کرآئیں پھر حضور بشیر اسکے متعلق تاکیدات اور تنبیہات فرماتے ہیں اوقات نماز کی معرفت کیلئے آپ ضرورت سے زیادہ وضاحت فرماتے ہیں۔ غرض کہ نماز کا وقت سبب وجوب اور شرط ادا اور شرط انعقاد قرار دیا جاتا ہے پس جسطرح دوسری شروط کا وجود ضروری ہے اسطرح وقت کا بلاشبہ وقت کے اندر نماز پڑھنا ضروری ہے۔ اذا فات الشرط فات المشروط۔

جبکہ آیات قطعی الدلالۃ اور قطعی الثبوت سے نماز کیلئے وقت کا وجوب اور شرط ہونا ثابت ہوگیا اور کسی وقت اور کسی نماز کی تخصیص اور استثنا نہیں کیا گیا تو ہمارا فرض ہے کہ ہم ان آیات کے حکم کی برابر رعایت کریں۔

اجتماع عرفات اور مزدلفہ میں ان آیات کی رعایت کیوں نہیں کیجاتی۔ بات یہ ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وہاں ان نمازوں کا حقیقۃً جمع کرنا ثابت ہے زمانہ حج کا واقعہ ہے آنحضرت

آدمیوں کے سامنے کی بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امت کا اسپر اتفاق ہے اور اسکے علاوہ دوسرے موقعوں میں جمع کرنے میں اختلاف ہے درحقیقت عرفات اور مزدلفہ میں ان نمازوں کا جمع کرنا بطور تواتر ثابت ہے اور اُسکے قطعی ہونے میں کسیکو تردد نہیں ہاں اُسکی علت میں اختلاف ہے یہ دوسری بات ہے۔

کیا عرفات و مزدلفہ میں نمازوں کا جمع کرنا جن احادیث سے ثابت ہوتا ہے وہ متواتر ہیں؟ اسناد کے اعتبار سے تو متواتر نہیں کہ سلسلہ اسناد جو کتب میں مذکور ہے اصطلاح محدثین کے موافق اُسپر تعریف تواتر صادق آتی ہو۔ ہاں اصولیوں کی اصطلاح کے موافق متواتر ہے اور ہماری مراد بھی متواتر کہنے سے یہی ہے۔ جبکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے میدان میں زمانۂ حجۃ الوداع میں ظہر و عصر کو جمع کیا تو ہزاروں آدمیوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ایسے ہی جب مزدلفہ میں مغرب و عشا کو جمع کیا تو ہزاروں نے دیکھا جسنے اوقات کی پابندی کی تاکید فرمائی تھی وہ ہی ذات اقدس آج ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت میں ادا کرتی ہے اور حج سے فراغت کے بعد پھر اس طور سے دیکھنے کا موقع اتنی جماعت کو نہیں ہوتا تو امت نے سمجھ لیا کہ کوئی حکمت ہے جسکی بنا پر آج موسم حج میں ایسا کیا گیا اور چونکہ یہ واقعہ خاص ہے اور قاعدۂ کلیہ مقررشدہ اور معمول بہا کے مخالف ہے اسلئے اسی محل پر محدود رہے گا۔

شرکائے حج نے جب یہ جمع صلوتین دیکھا تو اپنے اپنے وطن میں پہونچکر اُن لوگوں کو اطلاع کی جو شریک حج نہ تھے بس ایک طبقہ نے ایک طبقہ سے اس علم کو حاصل کیا اور برابر اسکی شہرت ہوتی رہی بخلاف دوسرے مواقع کے کہ اُنکی روایت کا یہ حال نہیں ہے۔

محدثین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی اصطلاح کے موافق دائرہ تواتر کا بہت ہی تنگ ہے۔ حدیث من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار کی نسبت دعوی تواتر کیا جاتا ہے اور بہت سے امور ایسے ہیں کہ جو درحقیقت متواتر ہیں مگر اسناد کے اندر شروط تواتر نہ پائے جانے سے اُنکو متواتر نہیں کہا جاتا۔

(باقی آیندہ)

بعض جزئیات انقلاب مع اصلاح

بقیہ اصلاح معاملہ متعلق بنکاح

(گذشتہ سے پیوستہ)

کہ اون کے سامنے اس سے میرا خفیہ نکاح ہوگیا تھا اور اس دعوی کے بعد دو چار مددگاروں کی اعانت سے اُسپر جبر کرے اور عام لوگ اس شبہ میں خاموش رہیں کہ نکاحی عورت پر قبضہ کرنے کا حق ہے ہم کیوں تعرض کریں دسویں خرابی یہ کہ کسی منکوحہ عورت کی نسبت یہی دعوی اسطرح ہوسکتا ہے کہ دوسرے شخص کے علانیہ نکاح کے قبل کی تاریخ میں ہمارے عزیز سے خفیہ نکاح ہوچکا تھا چنانچہ ان ایام میں ایک ایسا ہی حادثہ خونبار ایک شہر میں واقع ہورہا ہے جسکے واقعات سُنکر رونگٹا کھڑا ہوتا ہے اور عجب نہیں کہ ان ہی مفاسد کے انسداد کے لئے شریعت نے اعلان کا حکم فرمایا ہو اور بعض ائمہ نے اوس حکم کو ان ہی وجوہ سے وجوب پر محمول کیا ہو مگر اکثر علماء نے سنیت پر اس لئے محمول کیا کہ بعض اوقات عذر شرعی سے بھی اسکی ضرورت واقع ہوتی ہے مثلاً ایک بیوہ عورت نکاح ثانی کسی سے کرنا چاہتی ہے مگر اعلان میں اپنے جاہل ورثہ سے اوسکو اندیشہ عضل یا ہلاک ہے اور دوسری جگہ جاکر نکاح کرنے میں سفر میں کوئی محرم نہیں اس لئے اُس نے خفیہ نکاح کرلیا پھر اُسی کے ساتھ امن کی دوسری جگہ میں چلی گئی اسی لئے میں نے شروع مضمون میں بمصلحت نفسانیہ کی قید لگائی تھی۔

ایک کوتاہی کہ وہ بھی خفیہ نکاح کے ساتھ ملحق ہے یہ ہے کہ اکثر جاہل نکاح خوان ایجاب کے وقت منکوحہ کا نام بہت ہی آہستہ آواز سے لیتے ہیں جس میں صرف ناکح تو سن لیتا ہے لیکن آس پاس والے بالکل نہیں سُنتے تو ایسا نکاح بھی بلا شہود ہوگا کیونکہ شہود کا صرف مجلس نکاح میں حاضر ہونا کافی نہیں ہے بلکہ صحت نکاح کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ ایجاب و قبول کے الفاظ کو بھی صاف صاف

سُنیں سو جب اونھوں نے منکوحہ کا نام ہی نہ سنا تو یہ شرط صحت کی نہیں پائی گئی اسواسطے نکاح صحیح نہیں ہوگا نکاح خوانوں کو اسکا بہت لحاظ رکھنا چاہئے اور اگر وہ ناواقفی سے ایسا کریں تو اہل مجلس کو خصوص ناکح و منکوحہ کے سرپرستوں کو چاہئے کہ نکاح خواں سے دوبارہ ایجاب کراویں اور تاکید کریں کہ بلند آواز سے منکوحہ کا نام لے اپنے نزدیک اس میں تو احمق شرم کا ادا کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اول تو بضرورت شرعیہ عورت کا نام مردوں کی مجلس میں ظاہر کرنا کچھ شرم کے خلاف نہیں پھر مجلس کے اکثر حاضرین اہل تعلق ہوتے ہیں جنکو منکوحہ کا نام معلوم بھی ہوتا ہے البتہ اس معلوم ہونے سے نکاح منعقد نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ صیغۂ ایجاب میں اوسکا نام نہ سنیں سو جب معلوم ہے تو نکاح خواں کی زبان سے سننے میں کونسی نئی بات ہوگئی جو موجب شرم ہے علاوہ اس کے اگر نام سنانا بیحیائی ہے تو نکاح صحیح نہ ہونے کی صورت میں جو عمر بھر بلا نکاح وہ استعمال میں رہے گی کیا یہ اوس سے بڑھکر بیحیائی نہیں ہے دیکھا تو بھی جاتا ہے کہ شرع کو چھوڑ دینے سے عقل بھی چھوٹ جاتی ہے۔

اب بعض کوتاہیاں تحلیل بعض محرمات وتحریم بعض محللات کے متعلق مذکور ہوتی ہیں

یعنی احکام شرعیہ کی ناواقفی یا تجاہل سے بعضی ایسی عورتوں سے جو کہ حرام ہیں نکاح کرلیا جاتا ہے اور بعضی ایسی عورتوں سے جو کہ حلال ہیں نکاح کرنے کو ناجائز سمجھا جاتا ہے چنانچہ ایک جگہ کا واقعہ خبر متواتر سے سُنا گیا ہے کہ ایک مدعی تحقیق نے اپنی علاتی بہن سے نکاح کیا لوگوں نے جو ملامت کی کہ یہ تو بنص قرآنی حرام ہے کما قال تعالی حرمت علیکم امہاتکم وبناتکم واخواتکم الایہ تو جواب دیا کہ آیت میں اخوت سے مراد حقیقی بہنیں ہیں یہ علاتی بہن کچھ شامل نہیں اھ استغفر اللہ من الجرأۃ فی الدین اگر ہر شخص کو بلا دلیل شرعی ایسی تقییدات کا اختیار حاصل ہو تو دوسرا شخص یہ کہدیگا کہ علیکم میں ضمیر خطاب کی ہے اور اصل مقتضا خطاب کا مخاطب کا موجود عند التکلم ہونا ہے اور ہم نزول آیت کے وقت موجود تھے نہیں۔ پس اس کے مخاطب خاص اوسی زمانہ کے حضرات ہیں ہمکو یہ خطاب ہی نہیں اور اس لئے وہ شخص حقیقی بہنوں کو بھی حلال سمجھے اسی طرح امہات و بنات کو بھی حلال سمجھے تو اس متجری فی الدین سے سوال ہے کہ تمہارے پاس اس شخص کے دعوی کی ابطال کی ایسی

کونسی دلیل ہے جو تمھارے فعل کے کرنے والے کے پاس نہ ہو اگر تمھاری وہ دلیل اوس کے مقابلہ میں کافی ہے تو تمھارے منکر کی بھی دلیل تمھارے مقابلہ میں کافی ہے اور اگر تمھارے منکر کی دلیل کافی نہیں تو تمھاری دلیل بھی کافی نہیں حضرت اجتہاد ایسا عام اور اختیاری نہیں ہے ورنہ شریعت کا ایک جزو بھی باقی نہ رہیگا اُس کے خاص شرائط ہیں اوس کے خاص محل ہیں جہاں جہاں مجتہد جامع شرائط کا مقبول ہے اور اُس محل کے غیر میں کسیکا اجتہاد مقبول نہیں اور محض حرف شناسی سے اسکی اہلیت ومعرفت نہیں ہوتی ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند　　نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

اور ایک دوسرے مدعی اجتہاد کا فتوی منقول دیکھا گیا کہ جد حقیقی کی منکوحہ سے نکاح حلال کر دیا گیا اور جو کسی نے نص قرآنی پیش کی ولا تنکحوا ما نکح اباءکم الایۃ تو جواب میں کہدیا کہ یہ اباء کے منکوحات کے لئے ہے اور آباء میں اجداد داخل نہیں اھ نعوذ باللہ من الرای فی القرآن المبین یہاں بھی مثل سابق کے معروض ہے کہ اگر ایسی تفسیریں مقبول ہوں تو دوسرا شخص کہدیگا کہ جدہ سے نکاح حلال ہے کیونکہ قرآن سے امہات کی حرمت ثابت ہے اور امہات میں جدات داخل نہیں تو اس مدعی کے پاس بجز اطلاق لفظ امہات کے اشتمال جدات کی کونسی دلیل ہے سو ویسا ہی اطلاق لفظ اباء اشتمال اجداد کی بھی دلیل ہے اور جمع بین الاختین کی آفت تو حد احصار سے خارج ہے یعنی بیشمار مواقع پر جہلا اسکا ارتکاب کر رہے ہیں اور گو وہ اس کے حلال ہونے کا شاید موبنہ سے دعوی نہ کرتے ہوں لیکن بیباکی اور استخفاف اور اصرار اور اوسکو عیب نہ سمجھنا اور منع کرنے والوں کو بے پروائی سے جواب دینا بلکہ اون سے رنج ونزاع کرنا ایسا ہی ہے کہ اوسکو استحلال کہہ سکتے ہیں جس میں زوال ایمان کا توی اندیشہ ہے اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک صاحب فارغ عن الدرسیات کلما واکثرنا کی بنت اپنی حقیقی ہمشیرزادہ کی دختر پر ڈانواڈول ہوئی اور اونکو اوسکی حلت کا بھی احتمال ہوا مگر کچھ تردد ہونے سے مجھ سے سوال کیا خیر اون کو حرمت کا فتوی دیا گیا یہ بھی حیرت انگیز قصہ ہے قرآن مجید میں بنات الاخت اپنے اطلاق سے اجماعًا بنت ابن الاخت کو بھی شامل ہے فقہانے اس کے محرمات میں سے ہونیکی تصریح کی ہے پھر بھی اونکو گنجائش کا احتمال ہوا اللھم احفظنا من الزیغ والھوی یہ سب خرابیاں

قلت مناسبت علم دین وغلبۂ اتباع آراء وہواسے ہیں اللہم ثبتنا علی الصراط السوی والیقین القوی

ایک آفت کثیر الشیوع حرمت مصاہرت کے متعلق مختلف واقعات ہیں بعضے لوگ ایک عورت سے ایک مدت تک ناجائز تعلق رکھتے ہیں جب وہ دل سے اوتر جاتی ہے اور اس درمیان میں اوسکی کوئی لڑکی سیانی ہوجاتی ہے اُسکی طرف میلان ہوتا ہے اور اپنے نزدیک گناہ سے بچتے ہیں کہ اُس لڑکی سے نکاح کرلیتے ہیں حالانکہ حرمت مصاہرۃ کے قاعدہ سے اس شخص پر اطلاق مدلول وربائبکم اللاتی فی حجورکم من نسائکم اللاتی دخلتم بہن میں داخل ہونے سے حرام ہے **اور بعضے دونوں** ماں بیٹیوں کو استعمال میں رکھتے ہیں حالانکہ بیٹی سے منتقطع ہونے کے بعد اُس ماں سے نکاح تک حرام ہوگیا اور بلا نکاح تو دو حرمتیں جمع ہوگئیں ایک وطی بلا نکاح دوسری امہات نسائکم سے انتفاع بعضے عمدًا تو اسباب حرمت مصاہرۃ کے مرتکب نہیں ہوتے مگر احیانًا غلطی سے بیوی کے دھوکہ میں اس بیوی کی ماں پر یا اس بیوی کی بیٹی پر شہوت سے ہاتھ پڑجاتا ہے اور بعد تنبہ کے فورًا دست کش ہوجاتا ہے لیکن اس سے بھی اس شخص کی بیوی اس پر حرام ہوجاتی ہے اس میں بہت لوگوں کو کلام ہوتا ہے کہ عمدًا تو اس فعل کا ارتکاب نہیں کیا گیا پھر ایسی سخت سزا کیوں دی گئی سو یہ کلام کرنا غلطی ہے اس حرمت کا مدار سزا نہیں ہے جو یہ سوال کیا جاوے جسطرح بعض اعیان میں بعض خواص ایسے ہوتے ہیں کہ بلا قصد بھی اُن کے تناول سے وہ خواص ظاہر ہوتے ہیں جیسے سنکھیا کھانے سے ہلاک ہوجانا اور اسکو اطبا اور کبھی بعض عوام بھی جانتے ہیں اسی طرح بعض افعال میں بھی بعض خواص ایسے ہی ہوتے ہیں کہ بلا قصد بھی اُن کے صدور سے وہ خواص واقع ہوتے ہیں اور اُسکو شارع علیہ السلام اور ماہران شریعت بارشاد شارع جانتے ہیں پس ان اسباب حرمت مصاہرہ میں یہ خاصہ اسی قبیل کا ہے البتہ آخرۃ میں جو مضار بعض افعال کے واقع ہونگے وہ سزا ہیں وہ عمد وقصد پر موقوف ہیں۔

اسی طرح کبھی ایسے ہی دھوکہ میں یا براہ شرارت کوئی شخص اپنے بیٹے کی بیوی پر ہاتھ ڈالدیتا ہے تو یہ بیوی اپنے شوہر پر یعنی اُس شخص کے بیٹے پر حرام ہوجاتی ہے اسی طرح کوئی اپنے باپ کی بیوی پر ہاتھ ڈالدے تو اپنے شوہر پر حرام ہوجاتی ہے۔

اس میں عوام کو پہلے سے زیادہ کلام ہوتا ہے کہ پہلی صورتوں میں تو جس شخص پر حرمت ہوئی ہے اُسکی اتنی کوتاہی تو تھی کہ اُس نے تحقیق نہ کرنے میں بے احتیاطی کی مگر یہاں جس شخص پر حرمت ہوئی ہے اوس بیچارہ کی کیا خطا اور اسکا کیا دخل جو اس پر ایسی سختی کی گئی۔ اسکا جواب بھی اوپر کی تقریر سے ہو چکا ہے کہ یہ سزا نہیں ہے اُس فعل کے خاصہ کا ظہور ہے اور خاصہ ہونا دلیل شرعی سے ثابت ہے اور گو یہ مسئلہ حرمت مصاہرت بدون النکاح کا مجتہدین میں مختلف فیہ ہے مگر جو شخص ایسے مجتہد کی تقلید کا التزام کئے ہوئے ہو جو حرمت کے قائل ہوں اُس شخص کا محض اتباع ہویٰ سے اس حرمت پر عمل نہ کرنا نفس پرستی ولعب فی الدین ہے اور اس مسئلہ میں کچھ شرائط و تفاصیل بھی ہیں جنکا محل کتب فقہ ہیں اُن سے یا علماء سے وقوع حوادث کے وقت تحقیق کرنا ضرور ہے تاکہ حرمت کی جگہ حلت اور حلت کی جگہ حرمت نہ سمجھ لی جاوے کہ اول میں حقوق شرع کا اتلاف اور دوسری میں حقوق زوجہ کا اتلاف ہے اور چونکہ یہ مسئلہ بہت نازک ہے اور بعض صورتوں میں بلا قصد بھی حرمت ہو جاتی ہے اس لئے اسکی احتیاط کا بہت ہی اہتمام رکھے یعنی اول تو جہاں بیوی سوتی ہو اوسکی ماں یا بیٹی وہاں نہ ہونا چاہئے اسی طرح وہاں اپنے بیٹے کی بیوی یا باپ کی بیوی نہ ہونا چاہئے اور اگر کسی ضرورت سے ایسا ہو تو جبتک بیوی کو پکار کر اُسکی آواز نہ سن لے اور خوب پہچان نہ لے اُسکو ہاتھ نہ لگاوے اسی طرح ان مذکورہ عورتوں کے ہاتھ سے اگر کوئی چیز لے تو اسکا بہت خیال رکھے کہ اُن کے ہاتھ کو اسکا ہاتھ نہ لگ جاوے نفس کا کیا اعتبار اگر ہاتھ لگنے کے وقت مرد کے دل میں یا عورت کے دل میں شہوت کا اثر ہو گیا تو حرمت مصاہرۃ کا طوق پڑ گیا پھر بعض اوقات تو ایک کو دوسرے کی کیا خبر کہ اس کے نفس میں اس وقت کیا کیفیت تھی جب خبر ہی نہیں تو حرمت پر کیسے عمل کریگا اور اگر اپنے نفس کی خبر بھی ہو گئی تو دنیا کی شرم یا خوف سے زبان سے نکالنا مشکل تو تمام عمر ارتکاب حرام کا یہ شخص مباشر یا سبب بنا کتنی مصیبتیں جمع ہو گئیں۔

ایک کوتاہی حرمت رضاع کے متعلق ہے کہ وہ بھی مثل حرمت مصاہرۃ کے کثیر الوقوع ہے اکثر لوگ تو بوجہ دقیق وغیر مشہور ہونے اس کے مسائل کے باوجود علم رضاع اس میں بے احتیاطی کرتے ہیں مثلاً بعض عوام کو یہ کہتے سُنا ہے کہ اگر ایک لڑکا اور لڑکی ایک ہی عورت کا

دودھ پئیں لیکن ایک زمانہ میں نہ پئیں بلکہ چار پانچ سال سے پئیں تو یہ بھائی بہن نہیں بنتے حالانکہ یہ سمجھنا بالکل غلط ہے اور مثلاً بہت لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اگر ایک شخص کی ایک بی بی نے ایک لڑکے کو دودھ پلایا اور ایک ہی زمانہ میں یا دوسرے زمانہ اُسی شخص کی دوسری بی بی نے کسی لڑکی کو دودھ پلایا تو یہ مسئلہ بہتوں کو معلوم نہیں کہ یہ لڑکا لڑکی بھی آپس میں بہن بھائی ہو گئے اور ان کا نکاح بھی باہم ناجائز ہے یہ ضرور نہیں کہ دودھ ایک ہی عورت کا ہو بلکہ ان دونوں عورتوں کا دودھ چونکہ ایک ہی مرد کے سبب ہے اس لئے دونوں دودھ بحکم ایک ہی دودھ کے ہیں اور بعض اوقات خود رضاع ہی کی تحقیق نہیں کرتے اور ایسی غلطی اُن مقامات پر زیادہ ہوتی ہے جہاں مائیں دودھ کم پلاتی ہیں انّائیں نوکر رکھکر زیادہ دودھ پلاتی ہیں جیسے شہروں کے امرا میں۔ اسی لئے علماء نے فرمایا ہے کہ اول تو انّا کا دودھ بلا ضرورت پلانا خلاف احتیاط ہے اور اگر ایسا اتفاق ہو تو اُسکو خوب مشہور کر دینا چاہئے اور احقر کے نزدیک اسکا سہل طریقہ یہ ہے کہ جس انّا کا دودھ پلوائے اُس سے بھی تحقیق کر لے کہ تو نے کہاں کہاں دودھ پلایا ہے اور اسکی یادداشت لکھکر اپنے خاندان میں محفوظ رکھے تاکہ رشتہ ناطہ کے وقت اُسکا لحاظ رکھنا آسان ہو، اور بعض جگہ سب سے بڑھکر یہ غضب ہوتا ہے کہ اولاً رضاع کا علم نہ ہونے سے نکاح ہو گیا اور پھر بعد میں معتبر طریقہ سے علم بھی ہو گیا لیکن اب تفریق سے عار آتی ہے کہ لوگ ہنسیں گے اور طعن کرینگے کہ ان لوگوں نے کیا حماقت کی تھی اور بھائی بہن میں مثلاً نکاح کر دیا تھا اس لئے وہ کبھی اسکی کوشش کرتے ہیں کہ رضاع کسی طرح ثابت نہو اور کبھی اور طرح طرح کے حیلے نکالتے ہیں کبھی دوسرے علماء کے اقوال کی تلاش کرتے ہیں حتی کہ کل جن فرقوں کو بُرا بھلا کہتے تھے آج اُن سے استفسار کر کے اُن کے جواب کا سہارا ڈھونڈھتے ہیں چنانچہ ایک مقام پر رضاعی بھائی بہن کے نکاح میں ایسی ہی غلطی ہو گئی جب علم ہوا تو بہت پریشان ہوئے مجھ سے سوال کیا میں نے حرمت کا فتویٰ دیا کہنے لگے کہ صاحب اب تو بڑی بدنامی ہو گی میں نے کہا اول تو حکم شرعی کے ماننے میں اگر بدنامی بھی ہو تو کچھ پروا نہ کرنا چاہئے دوسرے بدنامی بھی نہ ہو گی بلکہ نیک نامی ہو گی کہ ایسے حق پرست دیندار لوگ ہیں کہ جب غلطی کا علم ہوا فوراً تدارک کر دیا البتہ بدنامی اب ہے کہ کیسے بھیا اور بددین ہیں کہ باوجود علم ہو جانے کے پھر بھائی بہن حرام کرتے ہیں جب یہ بات نہ چلی تو

کہنے لگے کہ اس لڑکے نے اُس لڑکی کی ماں کا دودہ ایک ہی بار پیا تھا میں نے کہا تب بھی حرمت ثابت ہوگئی کہنے لگے جب وہ تو اوگل بھی دیا تھا میں نے کہا تب بھی حرمت باقی رہی کہنے لگے خدا کے واسطے کوئی صورت تو حلت کی نکالو میں نے کہا دیوانہ ہوئے ہو کیا میں احکام میں تحریف کروں غرض مایوس ہو کر چلے گئے ایک مقام پر اہل حدیث میں سے کسی نے کہدیا کہ پانچ گھونٹ سے کم میں حرمت نہیں ہوتی پس فوراً اُنھوں نے سوال تراش لیا کہ اگر پانچ گھونٹ سے کم پیا تو کیا حکم ہے اور اوسی قائل کے کسی ہم مشرب نے جواب لکھدیا کہ حرمت نہیں ہوئی بس فتوٰی لیکر بیفکر ہو گئے حالانکہ اول تو یہ لوگ اہل معاملہ اُن مفتیوں کو اُس دن تک اہل حق میں سے بھی نہ سمجھتے تھے پھر یہ کہ مرضعہ مرگئی زمانہ دراز ہوگیا اب یہ کسطرح معلوم ہوا کہ پانچ گھونٹ سے کم پیے تھے اسکو بجز دین کو دنیا کے تابع بنانے اور دین کو دنیا کیلئے بدلنے کے کیا کہا جاویگا۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہا۔

بعض لوگوں کو اس میں مبتلا پایا کہ مخطوبہ کے ساتھ جو کہ قبل نکاح حرام ہے مثل منکوحہ کے معاملہ کرتے ہیں یوں سمجھتے ہیں کہ یہ جب عنقریب حلال ہونے کو ہے تو ابھی سے حلت شروع ہوگئی اسکا بطلان عقلاً و سمعاً ظاہر ہے اور شاید کسیکو اس سے شبہ واقع ہو کہ مخطوبہ کو قبل خطبہ کے دیکھ لینا جائز ہے تو یہ بھی ایک قسم کا استمتاع ہے اور استمتاع استمتاع سب برابر ہیں سو جواب اس شبہ کا خود ہی سوال میں موجود ہے یعنی خطبہ کے قبل ہی تو دیکھ لینا جائز ہے جس سے مقصود استمتاع نہیں بلکہ اسکا اندازہ کرنا ہے کہ اس عورت میں جو وصف حسن وغیرہ میں نے سنکر یا سمجھکر اس سے استمتاع کے حلال ہونے یعنی انعقاد نکاح کی تجویز سوچی ہے آیا وہ وصف اسمیں ہے یا نہیں ہے چونکہ نہ ہونے کی صورت میں سوء معاشرہ کا خوف تھا شریعت نے محض اس غرض کیلئے ایک بار چہرہ دیکھ لینے کی اجازت دیدی سو اس نظر ضروری پر جو کہ بغرض استمتاع نہیں ہے دوسری نظر غیر ضروری بعد الخطبہ کو اور اسی طرح مس وغیرہ کو جو کہ محض بغرض استمتاع بلا ضرورت ہے کیونکہ وہ ضرورت ایک بار دیکھنے سے مرتفع ہو چکی کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے۔

منجملہ محرمات کے بنص قرآنی محصنات یعنی شوہر والی بیبیاں ہیں اور شریعت میں شوہر والی کا مفہوم عام ہے یعنی کسی کے نکاح میں ہو وہ بھی اور جو کسی کے عدت میں ہو وہ بھی اس میں داخل ہے

اس میں بھی بکثرت حدود سے تجاوز کیا جاتا ہے چنانچہ بعضے تو صرف خاوند کے مدت تک خبرگیری نہ کرنے سے اور بعضے عورت کے اپنے خاوند کو چھوڑ کر نکل آنے سے اور بعضے عورت کے وحشہ ہو جانے سے اور ایک مدت اسی حالت میں گذر جانے سے سمجھ بیٹھتے ہیں کہ اب نکاح نہ رہا ہوگا بس بے تکلف اُس سے نکاح کر لیتے ہیں۔ اور بعضے عدت کے اندر یہ سمجھکر کہ جب شوہر نے طلاق دیدی یا وہ مرگیا تو نکاح تو رہا ہی نہیں اور عدت ویسے ہی ایک امر زائد ہے تو اس میں نکاح کر لینے سے کون امر مانع ہے معتدہ سے نکاح کر لیتے ہیں سخت افسوس ہے یہ لوگ نص کے مقابلہ میں رائے چلاتے ہیں خوب سمجھ لینا چاہئے کہ وہ عدت بھی بقیہ اثر اسی نکاح کا ہے خواہ شوہر نے طلاق دیدیا ہو یا وہ مرگیا ہو اور یہ بقیہ اثر احکام حرمت تزوج غیر میں بعینہ مثل نکاح کے ہے بس ایسا نکاح اصلاً منعقد نہیں ہوتا اور تمام عمر حرام ہوتا ہے۔

بعضے یہ غضب کرتے ہیں کہ نکاح کو جائز تو نہیں سمجھتے مگر اس لئے کرتے ہیں تاکہ یہ عورت دوسری جگہ نکاح نہ کرلے اس کے مفاسد بعض وجوہ سے اور بھی شدید ہیں ایک تو دھوکہ دینا جو صریح گناہ ہے دوسرا ابتلاء عوام کو صحت نکاح کا گمان ہونا جس سے اونکا اعتقاد اور ایسے ہی موقع پر انکا عمل بھی فاسد ہوتا ہے تیسرے بعض جگہ یہ دیکھا گیا ہے کہ پھر نکاح ہی نہیں کرتے چوتھے غلبہ نفس میں اگر اُس سے استمتاع کرنے لگے تو وہ بگمان صحت نکاح کے انکار نہیں کرتی جس سے ایقاع فی المعصیت لازم آیا بعض جگہ انکار کرنے پر ظلم بھی کیا گیا اور دوسرے لوگ اس مظلومہ کی اس لئے نصرت نہیں کرتے کہ اسکو منکوحہ سمجھتے ہیں جس پر زوج کو حق جبر حاصل ہے۔

اور ایک کوتاہی اس نکاح محصنات کے متعلق بعض خواص میں ہو رہی ہے کہ مفقود کی بی بی سے بزعم خود امام مالک رح کے مذہب پر چار برس کے بعد حکم بالموت کیلئے قضاء قاضی کے اشتراط کی کتب مالکیہ میں تصریح ہے اور اگر اُن کے نزدیک اسکی تصریح بھی نہ ہوتی تب بھی ہمارے فقہاء نے اس اشتراط کی تصریح کی ہے باقی یہ شبہ کہ ہمارے فقہاء نے مالکیہ کے قول پر عمل کو جائز کہا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ بجائے نوّے سال کے چار سال مدت کو لے لینا جائز کہا ہے باقی یہ اشتراط مطلق ہے کسی حال میں اس کے استثناء کی کوئی دلیل نہیں بلکہ خود نوّے سال کے بعد حکم بالموت کرنے کیلئے بھی قضاء قاضی کی حاجت ہے۔

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(گذشتہ سے پیوستہ)

صف کارزار مرتب تھیں حضرت خالد کے سر پر زیادہ عامہ کا پھریرا لہلہا رہا تھا۔ ایک دم معزولی کا حکم بھیجدیا۔ اس اول معزولی میں ان معمولی گرفتوں کے ساتھ وہ خیالات حفظ اعتقاد امۃ بھی تھے جو دوبارہ کلی عزل اور واپس طلب کر لینے کے سبب بنے۔ مگر جیسا کہ تواریخ کے مطالعہ سے مفہوم ہوتا ہے عزل کو ظاہراً انھیں گرفتوں پر مرتب رکھا گیا۔

اگر ذرا خیال و غور سے دیکھیے تو اسوقت فاروق اعظم کو سخت اشکال تھا۔ حدود شریعت کی محافظت تو اسطرف داعی تھی کہ ایک ایسے ذمہ دار افسر کی ادنی فروگذاشت پر چشم پوشی کیجائے اور پھر افسر بھی محض افسر ہی نہیں بلکہ اول درجہ کا مقبول و خاص صحابی جنکا فعل و قول خود قابل اقتدار۔ کیونکہ تھوڑی سی چشم پوشی کرنے سے اسمیں مفسدہ عظیمہ کی بنیاد پڑ سکتی ہے۔ افسران افواج کو ایسے مواقع میں اپنے خیالات اور جرأتوں کے پورا کرنے کیلئے حجت ہاتھ آتی تھی خصوصاً اس وجہ سے اور بھی کہ وہ ایک صحابی کا فعل تھا۔ ادھر خلفاء و سلاطین مابعد کو ماتحت افسروں کی ناجائز و مہلک غلطیوں سے چشم پوشی کرنے کیلئے حضرت عمر کا طرز عمل ایک نہایت قوی حجت ہوجاتی۔ اور حضرت خالد کی فتوحات عظیمہ کفار پر انکا رعب و داب مسلمانوں کو ایسے سخت وقت میں ایسے لائق و قائد و سپہ سالار کی ضرورت یہ امور اسطرف بلاتے تھے کہ انکو اس عہدہ سے جنبش نہ دیجائے مگر بالآخر آپ کا فیصلہ یہ ہوا کہ شریعت کی حدود میں رخنہ پڑنا ایسا مفسدہ عظیمہ ہے جسکی اصلاح خارج از امکان ہے۔ ادھر صحابہ میں ان سے بڑے درجہ کے موجود ہیں جنکی یمن و برکت سے وہ کام ہوجائیں گے جو حضرت خالد کی آزمودہ کاری تیقظ و تجربہ سے ہوتے تھے۔ اور اسکے ساتھ ہی یہ بھی یقین تھا کہ حضرت خالد کی خدمات محض ایک سبب سے زیادہ نہیں ہیں۔ انکا کوئی فعل مؤثر نہیں ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے خداوند عالم کے حکم و اذن سے ہوتا ہے۔ ایک مسبب کیلئے بہت سے سبب ہوتے ہیں۔

دوسرے اسباب پیدا ہوجائیں گے ادھر آپ کو حضرت خالد کی دینداری۔ اسلام اور مسلمانوں پر جاں نثاری سے کامل توقع تھی کہ اس عزل کا اُنکے کسی حال پر اثر نہ پڑے گا۔ بلکہ وہ بمقابلہ کفار اداء خدمات جہاد کیلئے پہلے سے زیادہ چست و چالاک ہوجائیں گے۔ اور اُس سے زیادہ کر دکھائیں گے جو حالت قیادۂ عامہ میں کرتے تھے۔ چنانچہ آپکا یہ حُسن ظن پورا ہوکر رہا۔

حضرت خالد نے وہ خدمات کیں جنکی وجہ سے حضرت عمر کو بھی مان لینا پڑا کہ اُنکی خدمات نے خود اُنکو امیر بنا دیا۔ یہ تھا حضرت عمر کا تصلب دین۔ محافظت حدود شریعت۔ انسداد فتنۂ متعدیہ اور یہ تھا اُنکا توکل وایمان۔ کہ ایک ذراسی فروگذاشت کو جنکی تاویل حضرت خالد کے پاس موجود تھی بوجہ انسداد مفسدۂ عظیمہ گوارا نہ کیا۔

یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ یہ زمانہ قرن اول تھا۔ بکثرت صحابہ عساکر اسلامیہ میں موجود تھے۔ مسلمانوں پر اُنکی صحبت کا گہرا اثر تھا۔ شرک وجہل کی بنیادیں اکھڑ چکی تھیں۔ اسلئے کسی ایسے اعتقاد باطل کے راسخ ہوجانیکا تو اندیشہ بالکل نہ تھا۔ کہ مسلمانوں کا کوئی ایک فرد بھی حضرت خالد کی کسی تدبیر یا فراست کو نتیجہ حرب میں مؤثر سمجھنے لگے۔ اور خدائے بے نیاز کی طرف سے توجہ اور انابت سے ذہول ہوجائے۔ مگر اسمیں شک نہیں کہ جو اعتماد حضرت خالد کے تدابیر جنگ جرأت و بسالت کے اوپر تھا اُسکا فوری نقصان ایک تو یہ تھا کہ بہت سے افراد اُنپر اور اُنکی تدابیر پر ایسے مطمئن ہو چلے تھے کہ خود اپنی طرف سے اقدام کرنے کی گویا ضرورۃ نہ سمجھتے تھے۔ اور یہ امر جیسا کچھ مضر ہے ظاہر ہے خصوصًا ایسی قوم کیلئے جو دنیا کو ہدایت کرنے نکلے ہیں۔ اور اُسکو حضرت خالد جیسے ہزارہا افراد کی ضرورت ہے۔

پھر صحابہ جیسے جلیل القدر افراد اور قرن اول کے مسلمانوں میں غیر اللہ پر اعتماد و بھروسہ گو وہ کسی درجہ کا ہو یا سوا خدا و ند عالم اور کسی کے فعل کو دخیل و مؤثر سمجھنے کا شائبہ گو ظاہری صورت کے اعتبار سے ہی ہو اُنکے رسوخ علم۔ ذوق معرفت۔ فنا ر ذات۔ توکل و تقدیر ایمانی ذوق و وجدانی کے سراسر خلاف تھا۔

سب سے بڑھکر یہ کہ مفاسد اعتقاد۔ اعمال و افعال کی بنیاد ہمیشہ ابتدا ئیوں ہی پڑی ہے در نہ تعقلا اور راسخین فی العلم میں تو کبھی اعتقاد فاسد کی بنیاد جم ہی نہیں سکتی۔ ہاں اُسوقت اگر کسی ادنی درجہ کے

جائز یا مباح پر مسامحہ کیا گیا تو قرون ما بعد میں اونہیں مباحات نے شرک و بدعات کی صورت اختیار کر لی ہے۔ بت پرستی کی بنیاد یہیں سے چلی ہے کہ انبیاء و صالحین کی تصاویر کو اُن کی یاد تازہ کرنے اُنکی صورت سے اُنکی طاعات و عبادات کی طرف راغب و متحرک ہوجانے اپنے مکانوں کو اُنکی پاک صورتوں دل لبھانے والی وضع قطع سے برکات و فیوض حاصل کرنے کے لئے رکھا جانا شروع ہوا اس طبقہ میں اُن بزرگوں کی عظمت تھی تو اُنکے بندۂ کامل و عابد و ذلیل بدرگاہ رب العالمین ہونے کی حیثیت سے۔ لیکن دو چار طبقہ گذر جانے پر وہ اصلی وجہ تو گم ہوگئی۔ وہی عباد صالحین اب بصورت رب و معبود پرستش کیے جانے لگے۔

بعینہٖ اسی طرح حضرت خالد پر یہ اعتماد و بھروسہ جو عساکر اسلامیہ میں پھیل گیا تھا اوسوقت تو گو اوسی درجہ کا تھا جیسے کہ تدابیر پر اعتماد کی شرع نے اجازت دی ہے۔ مگر تدابیر پر افراط کی حد تک اعتماد اول تو اعمال و افعال میں ترک توکل کی طرف داعی ہوتا ہے بڑے بڑے صلحا صبح سے شام تک تدابیر میں منہمک رہتے ہیں۔ ترک تدبیر کے وقت پریشان خاطر ہوجاتے ہیں۔ اونکو بہت کم خیال ہوتا ہے کہ تدبیر و عدم تدبیر دونوں حالتوں میں فاعل حقیقی حق تعالیٰ ہے۔ اور پھر شدہ شدہ نوبت یہانتک پہونچ جاتی ہے کہ توکل کو محض ڈھکوسلہ سمجھنے لگتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ جہالت کسل و کاہلی جب غالب ہوتی ہے تو توکل کو آڑ بنا لیا جاتا ہے۔

اسمیں شک نہیں ہے کہ خام کاروں کا توکل اسی درجہ کا ہوتا ہے۔ مگر حقیقی توکل ایسا نہیں ہے اور حقیقی توکل سے بے خبر ہوکر رسمی توکل کو سنبھالنا جسکے معنی عجز عن التدبیر کے ہیں یہ بھی اُسی کا تتمہ ہے۔ کہ اول تدابیر ہی کو معتمد علیہ اور معول بنایا گیا۔ اور جب تدابیر کی تاثیرات قلوب میں راسخ ہوچکیں تو اب صرف توکل پر ایمان ہی ایمان رہگیا۔ اور پھر اس سے بڑھکر جب عقل اور فلسفہ کی اولجھنوں میں پڑے۔ عالم کو تدابیر ہی کا مظہر دیکھا۔ حقیقی اسباب و موثرات۔ خالق الاسباب والتاثیرات تک رسائی نہ ہوئی۔ نہ عقول سلیمہ کی ہدایت باقی رہی۔ نہ قوانین فطرۃ پر عملدرآمد رہا نہ علم ذوقی رہا نہ وجدانی۔ نہ کشف حقائق سے تعلق رہا اور نہ اسرار معرفت سے نہ اہل اللہ کے علوم و معارف پر ایمان و اذعان میسر آیا۔ نہ اُنکے آگے سر تسلیم خم کیا تو اب توکل کے اعتقاد سے بھی خلاصی ہوگئی۔ یہ تو وہ مراحل ہیں جو عالم میں پیش آچکے۔ اور آرہے ہیں۔

انہیں وجوہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے فاتح سپہ سالار کو ظاہراً ایک قسم کی بے عنوانی کے ساتھ معزول اور میدان کارزار سے واپس بلا کر بروقت امت کو سنبھالا۔ اور اس مفسدہ عظیمہ سے نجات دی۔ جسکا اثر گو ابھی سوا ایسی قدسی نفوس کے دوسرے حضرات کو محسوس نہ ہوا ہو۔ مگر آپ کو اور آپ جیسوں کو عیاناً مشہود تھا۔

آج صدہا اولیاء امت کی قبروں کی پرستش ہو رہی ہے۔ اُنکی ذوات کی تعظیم مفرط میں گروہ کے گروہ مبتلا ہیں۔ مگر حضرت خالد جنکی عظمت خود اُنکی حیات میں اُنکی اقران و امثال میں اسقدر تھی آج اُنکی تعظیم مفرط کا وجود نہیں ہے۔ نہ اُنکی قبر کا عرس ہوتا ہے نہ آداب و سجدات تعظیمی بجا لائے جاتے ہیں۔ یہ اُس برگزیدہ تعلیم کا اثر بین تھا۔ اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اُس قرن پر اور تمام امت پر احسان عظیم تھا۔ جزاہ اللہ عنا و عن جمیع المسلمین خیرا۔

اصل وجہ تو اس عزل کی یہی تھی جو عرض کیگئی۔ چنانچہ حضرت عمر کا ارشاد کہ میں نے خالد کو کسی ناراضی ریبہ اور تہمت کی وجہ سے معزول نہیں کیا اسکی واضح اور بین دلیل ہے۔

لیکن بعض اُن جزوی امور کو بھی اسمیں دخیل مان لیا جاوے۔ مثلاً کسی شاعر کو کچھ زیادہ رقم انعام میں عطا فرما دینا۔ یا حمام میں جاکر اُبٹنے کا استعمال جسمیں شراب کا کوئی جزو مخلوط تھا۔ تو ظاہر ہے کہ یہ اُس قسم کی بات ہے جو وجوہات عزل میں بیان ہو چکیں۔ حضرت خالد نے اپنے خیال و رائے کے موافق کوئی ناجائز امر نہیں کیا۔ شعراء کو انعام دینے کا منشاء موجود ہے۔ معہذا حفظ ناموس کیلئے بعض اوقات ضروری ہو جاتا ہے۔ مگر حضرت عمر جانتے تھے کہ خالد کوئی معمولی شخص نہیں ہے اُنکا فعل قابل اقتدار و تقلید ہے۔ اُنھوں نے آج ایک شاعر کو اپنے ملک سے ہزار دیدئے تو دوسرے امراء و سلاطین بیت المال سے لاکھوں کروڑوں دینگے۔ اور اس فعل کو حجت گردانیں گے۔

علیٰ ہذا اُبٹنے کا قصہ گو حضرت خالد کے نزدیک اسوجہ سے کہ شراب باقی نہ رہی تھی اُسکا استعمال جائز تھا مگر اس سے عوام کے خیالات کی تصحیح نہیں ہو سکتی۔ شہرت یہی ہوتی کہ ایسا اُبٹنا استعمال کیا جسمیں شراب تھی اور ظاہر ہے کہ آپ کا یہ فعل دوسروں کیلئے حجت ہوتا۔ اور آگے چلکر بلا توریہ و بلا تاویل ایسے اُبٹنے استعمال ہونے لگتے جنمیں ظاہراً شراب اپنی اصلی حالت میں مخلوط ہوتی۔ یہ تھی حضرت عمر کی شان کہ مسئلہ توکل و تقدیر کو جو ایک اعتقادی مسئلہ اور دین کا اصل اصول

ہونے کے ساتھ کشفی و ذوقی تھا۔ سنبھالتے اور امت کو فساد عظیم سے قائد عام کے مشیر بلکہ کے عزل میں پس و پیش نہ کیا۔ اور کچھ پرواہ نہ کی کہ عساکر اسلامیہ کو انکی علیحدگی تھے۔ اکثر موقعوں پر گزند پہونچے۔ بیشک پہونچتا اگر منشاء اس انتظام کا شائبہ نفسانی ہوتا۔ ہرگز کچھ ضرر سے حملہ اور یہ تھا صحابہ کا توکل تام۔ اور یہ تھی حضرت عمر کی صلابت دینی کہ ایک امر قابل تاویل ہو یا دلدادہ اس مسامحت و رواداری کو جائز نہ رکھا۔ جس کی وجہ سے خیالات میں تغیر اعمال و افعال میں نقص پہونچے۔ امت کسی گمراہی میں مبتلا ہو۔

(۲) حضرت خالد کی اول معزولی میدان یرموک کے صف کارزار میں ہوئی۔ جس وقت انکی زیر کمان ۳۵ ہزار جرار لشکر کی کمان تھی۔ اور جلیل القدر صحابہ بطور امراء ڈویژن انکے حکم اور ارشاد کے تابع تھے۔ اس لشکر جرار میں کس درجہ کے لوگ تھے۔ اسکے اندازہ کیلئے یہی کافی ہے کہ بکثرت صحابہ انمیں موجود تھے۔ یا وہ لوگ جو دن رات صحابہ کے فیوض و برکات سے مستفیض رہتے تھے انکے قلوب صاف۔ ذہن سلیم۔ اور علم راسخ تھے۔ ہر حکم کے منشاء و مبنیٰ کو سمجھتے تھے۔ وہ اسکو بھی جانتے تھے کہ اسلام نے انکے حقوق کو کسقدر قوی کر دیا ہے ان میں کا ادنیٰ سے ادنیٰ عہد کر سکتا تھا جسکی ذمہ داری سب پر عائد ہوتی تھی۔ بایں ہمہ علو شان شریعت میں بال بال جکڑا ہوا تھا انکو خوب معلوم تھا کہ اللہ اور اسکے رسول کے بعد اطاعت اولی الامر و خلفاء بھی فرض ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ فتنہ و اختلاف قومی شیرازہ کو پراگندہ کر دیتے اور دین کی جڑوں کو کھوکھلا بنا دیتے ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ باوجود حضرت خالد کی عظمت و اقتدار کا قلوب میں سکہ بیٹھ جانے کے اور باوجودیکہ انمیں کا ہر شخص فدا ہونے جان دینے کو تیار تھا۔ مگر جب خلیفہ وقت کا ایک سفیر نامہ بر یا چپراسی حکمنامۂ عزل سپہ سالار اعظم لیکر پہونچا۔ تو تواریخ ہمیں پتہ نہیں دیتی کہ اس عظیم الشان لشکر میں سے ایک نے بھی خلیفہ کے حکم سے سرتابی تو درکنار۔ اسمیں کسی حد تک نکتہ چینی بھی کی ہو۔

اس عظیم اجتماع میں حضرت خالد کے قریبی رشتہ دار۔ خاص احباب۔ ہم عصر و ہم قرن خوص و مصاحب۔ ایڈیکانگ۔ و باڈیگارڈ سب ہی موجود تھے۔ حضرت خالد کے جن امور کو سبب عزل بنایا گیا تھا۔ وہ ایسے نہ تھے کہ تاویل نہ ہو سکتی ہو۔ ایسے وقت بالکل ممکن تھا کہ اقرباء و احباب

خواص و مصاحبوں کی طرف سے کسی جانبداری و حمایت کا اظہار ہوتا۔ حضرت عمر کے حکم پر نکتہ چینی ہوتی۔ یا کم از کم اسکو بے محل اور بے موقع بتلایا جاتا۔ اس عجلت کو انکی سوء تدبیری پر محمول کیا جاتا۔ اس سے کم درجہ یہ بات تھی کہ ایسے سخت مقابلہ کے وقت یکلخت اتنے بڑے سپہ سالار اور قائد فرزانہ کی معزولی انکے عزم و ہمت میں فتور ڈالتی۔ انکو دشمن کے غلبہ اور اپنی مغلوبیت کے خطرات ستاتے۔ اور اس بناء پر خلیفہ کی خدمت میں نظر ثانی کی درخواست بھیجتے

ہمعصر و ہمقرن ہم رتبہ حضرات کی جانب سے حضرت عمر کے حکم کو عین مصلحت و صواب ظاہر کرنے کی کوشش کیجاتی۔ حضرت خالد کو اس سزا مستحق ظاہر کیا جاتا۔ مگر اللہ اکبر یہ حکم عزل کس سکون و اطمینان سے سنا گیا۔ نہ موافق کی جانب سے صدائے حمایت بلند ہوئی۔ نہ اقران و امثال کی طرف سے حکم کی تائید و تقویت۔ ہمکو تو یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ اس حکم کے بارہ میں باہم بھی سرگوشیاں ہوئی ہوں۔

حکم آیا سپہ سالار معزول ہوا۔ دوسرا انکی جگہہ قائم ہوا۔ اور کسی نظم و ترتیب میں فرق واقع نہ ہوا۔ نہ خیال میں ہیجان و تلاطم پیدا ہوا۔ جسکی روک تھام کی جاتی۔

یہ کیوں ہوا۔ اسلئے کہ تعلیم اسلام نے سب کے قلوب میں ایک ہی رنگ جما دیا تھا۔ جن غامض حکمتوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عزل میں پیش نظر رکھا تھا۔ گو اول اول عام قلوب میں اسکا احساس نہوا ہو۔ اور جنکے قلوب میں یہ خلش و خلجان ہو بھی تو اول انکو اس قسم کے اختیارات نہ تھے کہ خود معزول کر دیتے۔ اور ایسی ذو جہتین معاملہ میں انقلاب کی تحریک کو بھی پسند نہ کرتے تھے مگر جب حکم آ ہی پہنچگیا تو سب نے برضا و رغبت اسکو منظور کر لیا۔ اور اس بات کی تہ کو پہونچگئے جسکی خلیفۂ وقت کی فراست ایمانی نے ہدایت فرمائی تھی۔ کیا کوئی قوم ایسی پاک تعلیم اور ایسے پاک نفوس کی مثال پیش کر سکتی ہے۔

(۲۳) امین الامۃ ابو عبیدہ ابن الجراح کے نام حکم پہونچا۔ کہ خالد سے اپنے ہاتھ میں کمان لے لیں۔ حضرت امین الامۃ نے اس حکم کی تعمیل تو اتنی ترمیم کے ساتھ کی کہ عین معرکہ کے وقت اسکا اظہار نہ کیا اور اتنا اختیار بوجہ رعایت مصلحت مسلمین انکو تھا۔ مگر آخر اعلان عام اسطرح کر دیا کہ حضرت خالد کی

عظمت ووقار میں سرمو فرق نہ آنے دیا۔ وہ پہلے اگر قائد عام تھے۔ تو اب قائد عام کے مشیر بلکہ مدار کل ہو کر رہنے لگے۔ حضرت امین الامۃ بغیر انکی صلاح ومشورہ کے کچھ نہ کرتے تھے۔ اکثر موقعوں پر کسی بڑے حصہ عسکر کی کمان انکے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ اکثر مواقع میں مستقلاً اپنی رائے سے حملہ کرتے یا کسی شہر وقلع کو فتح کر لیتے تھے۔ اپنے لئے ماتحتوں کا خود انتخاب کر لیتے تھے۔ غرض جو امور ایک قائد عام کے ہاتھ میں ہونے چاہئیں وہ سب کچھ انکے ہاتھ میں تھے۔ اور یہی انکی مستعدی وچستی۔ جان بازی وجان نثاری تدبیر وفراست تھی کہ ظاہر میں قائد عام کے تابع فرمان اور کام کرنے میں بااختیار تھے۔ اور اسی حالت کو دیکھکر حضرت عمر نے فرمادیا۔

امّر خالد نفسہ — خالد نے خود اپنے آپ کو امیر بنالیا۔

امین الامۃ وہ شخص تھے کہ اس امت مرحومہ کے اندر فرد اکمل شمار ہوتے تھے۔ انکے بارہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق امین فرمایا ہے۔ ایسے شخص سے یہ تو ممکن نہ تھا کہ اپنے اندر قابلیت سرانجامی فرائض عامہ قیادۃ جیوش مسلمین نہ پاتے۔ اور پھر اسکو قبول کر لیتے ایسا کرتے تو بجائے امین ہونے کے سخت خائنوں اور مجرموں میں شمار ہونے کے قابل ہوتے یہ بھی ممکن نہ تھا کہ پاسداری قرابت یا رشتۂ مودۃ ومصاحبت حضرت خالد کی اتنی طرفداری کرادیتی کہ خلیفہ وقت کے حکم میں فرق پڑجاتا۔ نہیں نہیں۔ آپ میں لیاقت خداداد تجربہ حرب وضرب وفتح بلاد وامصار ہر قسم کے امور موجود تھے۔ اور اسکے ساتھ فراست ایمانی ورسوخ علم بھی کامل موجود تھے۔ آپ نے خلیفہ کے حکم کے منشاء کو خوب سمجھا کہ امت کو ایک عام درطۂ ضلالت سے بچانا۔ اور شریعت کے حدود کو رخنہ اندازی سے محفوظ رکھنا۔ ادھر آپ حضرت خالد کے ذاتی جوہر انکے کمال خداداد کو بھی بخوبی جانتے تھے۔ اسلئے آپنے بکمال حزم دونوں پہلوؤں کو سنبھالا۔ انکی معزولی کا اعلان فرمادیا۔ اور حضرت خالد کے ذاتی کمالات اور انکی فراست وتدابیر۔ انکی جرارۃ وبسالت۔ آراء صحیحہ ومشاورۂ مفیدہ سے ویسے ہی بلکہ پہلے سے زیادہ منتفع ہوتے رہے۔

آمین الامۃ کیلئے اسوقت دو حالتوں میں سے ایک حالت سامنے تھی۔ یا تو یہ کہ ایسے مشہور ، نبرد آزما مقبول خلائق قائد عام کی جگہہ قائم ہونے میں اپنی عدم قابلیت ومسلمانوں میں

عدم مقبولیت کے احتمال سے حضرت خالد پر اعتماد کرتے۔ یا یہ کہ اس جلیل الشان منصب قیادۂ عامہ کو اپنے لئے عزت و وجاہت کا ذریعہ بنا کر حضرت خالد کو بالکل نظر انداز کر دیتے۔ اور انکو ایک عام سپاہی کے درجہ میں پہونچا دیتے۔ یا اس سے بھی بڑھکر یہ خطرہ ہوتا کہ ایسا شخص جو اتنے بڑے درجہ سے گرایا گیا ہے۔ ممکن ہے بوجہ اپنے رسوخ و مقبولیت عام کوئی ایسی ریشہ دوانی کر بیٹھیں جس سے اُنکے کارناموں میں فرق پڑ جائے۔ فتوحات رُک جائیں۔ اور بالآخر قومی صدائے احتجاج حضرت خالد کو دوبارہ قائد عام بنائے جانے کیلئے بلند ہو۔

مگر سبحان اللہ کوئی ایک امر بھی اُنکے لئے کسی ایسی بات کا محرک نہوا جس سے کچھ بھی شائبہ نفسانیت کا پتہ چلتا۔ بشاشت ایمانی رگ و ریشہ میں سمائی ہوئی تھی۔ تعلیم اسلام نے اُنکے تمام قوی و اخلاق کو جکڑ رکھا تھا۔ تہذیب نفس نے کسی نا ملائم خلق کا اثر باقی نچھوڑا تھا۔ توکل و ایمان بالتقدیر نے کسی شخص کے فعل و قول کو مؤثر حقیقی باقی نہ رکھا تھا۔ اُنکو علم راسخ تھا کہ جو اللہ چاہیگا ہوکر رہیگا۔ عمر و خالد ابو عبیدہ سب ملکر بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ اسلئے اسوقت اُنہوں نے وہی کیا جو ایک کامل الایمان۔ صاحب فراست و تدبیر کو کرنا چاہئے تھا۔

(۴) یہ وقت سب سے زیادہ حضرت خالد کیلئے پرخطر تھا۔ کیسا ہی کوئی مخلص و ہمدرد کتنا ہی دانشمند و ہوشمند ہو اُسکو بھی ایسے وقت اپنے ننگ و ناموس کی پامالی رفعت کے بعد ہبوط۔ عروج کے بعد نزول۔ عزت کے بعد ذلت کے خیالات ستاتے ہیں۔ خصوصًا جبکہ ایک شخص اپنے آپ کو بالکل بے لوث سمجھتا ہو۔ اور وہ اور تمام دنیا جانتی ہے کہ اُسنے تائید اسلام و نصرۃ مسلمین میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اور پھر اُسکو مسلمانوں کے خلوص و اعتماد سے یہ بھی خیال ہو کہ میں کچھ بھی زبان سے نکالونگا۔ یا کوئی حرکت کرونگا۔ ہزاروں دل میرے ساتھ ہونگے سیکڑوں زبانیں تائید میں جنبش کرنے لگیں گی۔ مگر وہی ایک پاک اسلامی تعلیم تھی جسکی بدولت حضرت خالد بھی حظوظ نفسانیت سے اتنی دور نکل چکے تھے جتنے حضرت ابو عبیدہ و حضرت عمر۔ آپ کو بمقتضاء بشریت اپنی برارۃ کی بنا پر یہ خیال گذرا ہو کہ میرے ساتھ یہ معاملہ درست نہیں ہوا۔ تو ممکن ہے مگر قابل گرفت نہیں لیکن آپنے بھی خلیفہ کے حکم کو اُسی طوع و رغبت سے سنا جیسے عام افراد نے۔

(باقی آیندہ)

مبدأ و معاد

(گذشتہ سے پیوستہ)

احقر کہتا ہے کہ سماط کے معنیٰ قاموس میں صف کے لکھے ہیں وسماط القوم بالکسر صفہم وہم علی سماط واحد نظم۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ فرماتے تھے کہ مجھ سے میرے رب نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار آدمی ایسے داخل جنت فرماوے گا کہ اُن سے نہ کچھ حساب ہوگا اور نہ اون پر کچھ عذاب ہوگا اور ہر ایک ہزار کے ساتھ ستر ہزار آدمی ہونگے اور تین دہوتڑیں میرے رب کی دہوتڑوں سے روایت کیا اسکو ترمذی نے۔ (دہوتڑ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں میں بھر کر کوئی چیز اٹھائی جاوے مراد اس سے کثرت ہے) اور بغوی نے ثعلبی کی سند سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام انبیاء پر جنت حرام ہے جبتک کہ میں جنت میں داخل نہ ہوجاؤں گا اور سب امتوں پر جنت حرام ہے جبتک کہ میری امت جنت میں داخل نہ ہوگی۔

وقوله تعالى اخرجت للناس معناه كنتم خير الامم المخرجة للناس في جميع الاعصار ومعنى اخرجت اظهرت للناس حتى تميزت وعرفت وقيل معناه كنتم للناس خير امة اخرجت خ عن ابي هريرة قال كنتم خير امة اخرجت للناس قال خير الناس للناس تاتون بهم في السلاسل في اعناقهم

اور قول اللہ تعالیٰ کا اخرجت للناس معنیٰ اسکے یہ ہیں کہ تم بہتر اون امتوں کے ہو جو نکالی گئیں لوگوں کی لئے تمام زمانوں میں اور اخرجت کے معنی اظہرت للناس ہیں یعنی لوگوں کے لئے ظاہر کی گئیں۔ یہانتک کہ متمیز ہوگئی اور پہچانی گئی۔ اور بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ معنی اس کے یہ ہیں کہ تم لوگوں کیلئے بہتر امت ہو جونا ہر کیگئی بخاری میں ابوہریرہ سے آیۃ کنتم خیر امۃ اخرجت

حتی ید خلوا فی الاسلام وقیل
اخرجت صلة والتقدیر کنتم خیر امة
للناس وقیل معناہ ما اخرج للناس
امة خیر من امة محمد صلی اللہ علیہ
وسلم۔

للناس کی تفسیر میں منقول ہے ابوہریرہ فرماتے
ہیں کہ تم بہتر لوگوں کے ہو لوگوں کیلئے لاؤگے تم
انکو اس حال میں کہ زنجیریں انکی گردنوں
میں ہونگی یہانتک کہ داخل ہونگے وہ اسلام
میں اور کہا گیا ہے کہ اخرجت صلہ ہے یعنی زائد ہے
اور تقدیر عبارت یہ ہے کنتم خیر امة للناس کہ تم بہتر امت ہو لوگوں کیلئے اور کہا گیا ہے کہ معنی اسکے
یہ ہیں کہ لوگوں کیلئے کوئی امت امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر نہیں نکالی گئی۔

تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر
هذا الکلام مستانف والمقصود منه
بیان علة تلک الخیریة وکونهم خیر
امة کما تقول زید کریم یطعم
الناس ویکسوهم ویقوم بمصالحهم و
المعروف هو التوحید والمنکر هو
الشرک والمعنی تامرون الناس بقول
لا اله الا الله وتنهونهم عن الشرک
وتؤمنون بالله ای وتصدقون بالله
وتخلصون له التوحید والعبادة
فان قلت لم قدم الامر بالمعروف والنهی
عن المنکر علی الایمان بالله فی
الذکر مع ان الایمان یلزم ان
یکون مقدما علی کل الطاعات
والعبادات قلت الایمان بالله امر
یشترک فیه جمیع الامم المومنة

حکم کرتے ہو تم بھلائی کا اور منع کرتے ہو برائی سے
یہ جملہ مستانفہ ہے اور مقصود اس سے اس
امت کے بہتر ہونے کی علت کا بیان فرمانا ہے
جیساکہ تو کہے زید کریم ہے کہ وہ لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے
اور لباس پہناتا ہے اور انکی خبرگیری کرتا رہتا ہے
اور معروف سے مراد توحید ہے اور منکر سے مراد شرک
یعنی معروف ومنکر کے بڑے افراد یہ ہیں ورنہ معنی
اصلی معروف کے یہ کہ ہر ایک بھلا کام جسکو عقل اور
شریعت اچھا سمجھیں اور منکر اسکی خلاف ہے یعنی ہر وہ
فعل عقل اور شریعت قبیح سمجھیں۔ اور معنی آیتہ کے
یہ ہیں کہ حکم کرتے ہو تم لوگوں کو کلمہ توحید یعنی لا الہ الا اللہ کا
اور منع کرتے ہو انکو شرک سے اور تصدیق کرتے ہو اللہ
کی اور خالص کرتے ہو اسکے لئے توحید اور عبادت کو
پس اگر اے مخاطب تو کہے کہ امر بالمعروف ونہی عن
المنکر کو ایمان باللہ پر کسلئے ذکر میں مقدم کیا باوجودیکہ
ایمان تمام طاعات وعبادات پر مقدم ہے تو اسکے

وانما فضلت هذه الامة الاسلامية
بالامر بالمعروف والنهي عن المنكر
على سائر الامم وان كان كذلك
كان المؤثر في هذه الخيرية هو الامر
بالمعروف والنهي عن المنكر واما الايمان
بالله فهو شرط في هذا الحكم لانه ما لم
يوجد الايمان لم يصر شيء من الطاعات
مقبولا فثبت ان الموجب لهذه الخيرية
لهذه الامة هو كونهم آمرين بالمعروف
ناهين عن المنكر فلهذا السبب
حسن تقديم ذكر الامر بالمعروف
والنهي عن المنكر على ذكر الايمان۔

جواب میں میں کہتا ہوں کہ ایمان باللہ ایسا امر ہے
کہ اس میں تمام ایمان والی امتیں مشترک ہیں اور فضیلت
اس امت کی تمام امتوں پر اسی امر بالمعروف اور نہی عن
المنکر کی وجہ سے ہے اور جب یہ تو ثابت ہوا کہ وجہ
اس امت کے بہتر ہونے کی اور خیر الامم ہونے کی
یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے اور لیکن ایمان
باللہ سو وہ شرط ہے اس حکم کی اسلئے کہ جب تک
ایمان نہ ہو کوئی عبادت قبول نہیں ہو سکتی پس
موجب وجہ اس امت کے بہتر ہونے کی یہ ہوئی کہ وہ
حکم کرنے والے ہیں ساتھ بھلائی کے اور منع کرنے والے
برائی سے تو اس سبب سے امر بالمعروف اور نہی
عن المنکر کا ذکر ایمان باللہ سے پہلے اچھا ہوا۔

احقر کہتا ہے کہ اس آیۃ سے پہلے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تشریح تفسیر مدارک و تفسیر خازن میں آیۃ
ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويامرون بالمعروف وينهون عن المنكر کی تفسیر میں فرمائی
تفسیر مدارک کی عبارت یہ ہے ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويامرون بالمعروف بما
استحسنه الشرع والعقل وينهون عن المنكر عما استقبحه الشرع والعقل او المعروف ما وافق
الكتاب والسنة والمنكر ما خالفهما او المعروف الطاعة والمنكر المعاصي والدعاء
الى الخير عام في التكاليف من الافعال والتروك وما عطف عليه خاص ومن للتبعيض
لان الامر بالمعروف والنهي عن المنكر من فروض الكفاية ولانه لا يصلح له الا من علم
بالمعروف والمنكر وعلم كيف يرتب الامر في اقامته فانه يبدء بالسهل فان لم ينفع
ترقى الى الصعب قال الله تعالى فاصلحوا بينهما ثم قال فقاتلوا او للتبيين اي وكونوا امة
تامرون كقوله تعالى كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف واولئك
هم المفلحون اي هم الاخصاء بالفلاح الكامل قال عليه الصلوة والسلام من امر بالمعروف

ونہی عن المنکر فھو خلیفۃ اللہ فی ارضہ فھو خلیفۃ اللہ فی ارضہ وخلیفۃ رسولہ وخلیفۃ کتابہ وعن علی رضی اللہ عنہ افضل الجہاد الامر بالمعروف والنہی عن المنکر۔

اور چاہیئے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو کہ لوگوں کو خیر کیطرف بلاوے اور معروف کا حکم کرے اور منکر سے منع کرے معروف وہ ہے کہ شریعت اور عقل اسکو اچھا سمجھے اور منکر وہ ہے کہ شریعت اور عقل اسکو برا سمجھے یا معروف یہ ہے کہ کتاب و سنۃ کے موافق ہو اور منکر یہ ہے کہ کتاب و سنۃ کے خلاف ہو یا معروف طاعت ہے اور منکر معصیت۔ اور خیر کیطرف بلانا عام ہے تکالیف شرعیہ میں خواہ وہ فعل ہو یا ترک (یعنی یہ کہ اوامر شرعیہ کے کرنے کیطرف بلایا جاوے اور نواہی و ممنوعات کے ترک کی طرف بلایا جاوے) اور وہ جو اُسپر عطف کیا گیا وہ خاص ہے یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر دعا الی الخیر کے افراد ہیں۔ اور منکم میں من تبعیضیہ ہے (یعنے تم میں سے بعض لوگ ایسے ہونے چاہئیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں) اسلئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے اور یہ کام وہی کر سکتا ہے جو معروف و منکر کو جانتا ہو اور یہ کہ اسکے کرنے کی کیا ترتیب ہے جو شخص واقف ہے وہ آسان طریقہ سے شروع کرتا ہے اگر اُس سے نفع نہ ہو تو سخت طریقہ اختیار کرتا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ۔ فاصلحوا بینہما یعنی اُن دو جماعتوں میں جو آپس میں لڑتی ہیں اصلاح کرو پھر فرمایا فقاتلوا (یعنی اگر ایک جماعت باغی ہو جاوے اور دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو باغیوں سے مقاتلہ کرو) یا من واسطے بیان کے ہے یعنی تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والی جماعت ہو جاؤ جیساکہ آیۃ کنتم خیر امۃ الآیۃ کا حاصل ہے۔ اور وہی لوگ ہیں فلاح پانے والے یعنی فلاح کامل اُنھیں کا حصہ ہے اور وہ اُسکے ساتھ مخصوص ہیں جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جسنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا وہ اس بارہ میں اللہ کا خلیفہ ہے پس وہ خلیفہ اللہ کا ہے زمین میں اور خلیفہ اُسکے رسول برحق کا ہے۔ اور خلیفہ اُسکی کتاب کا ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بہترین جہاد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ تفسیر خازن میں آیۃ مذکورہ کی تفسیر اسطرح کی ہے۔

اللام فی قولہ تعالیٰ ولتکن لام الامر۔ لتکن منکم امۃ دعاۃ الی الخیر

لام ولتکن کا لام امر ہے یعنی چاہیئے کہ تم میں سے ایک جماعت خیر کیطرف بلانے والی ہو

وقیل انّ کلمة من فی قوله تعالیٰ منکم
للتبیین لا للتبعیض وذلك لان الله
عزوجل اوجب الامر بالمعروف والنهی
عن المنکر علی کل الامة فی قوله تعالیٰ
کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون
بالمعروف وتنهون عن المنکر فیجب
علی کل مکلف الامر بالمعروف
والنهی عن المنکر اما بیدہ او
بلسانه او بقلبه م عن ابی سعید
الخدری رض قال سمعت رسول الله
صلی الله علیه وسلم یقول من رای
منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ
فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع
فبقلبه وذلك اضعف الایمان
فعلی هذا یکون معنی الایة کونوا
امةً دعاة الی الخیر آمرین بالمعروف
ناهین عن المنکر ومن قال بهذا القول
یقول ان الامر بالمعروف والنهی عن
المنکر فرض کفایة اذا قام به واحد
سقط الفرض عن الباقین وقیل انّ من
هنا للتبعیض وذلك لانّ فی الامة
من لا یقدر علی الامر بالمعروف والنهی
عن المنکر بعجز او ضعف فحسن اشتغال

اور کہا گیا ہے کہ کلمہ مِن کا منکم میں بیان کیلئے
ہے نہ تبعیض کیلئے اور یہ اسلئے کہ دوسری آیۃ
یعنی کنتم خیر امة اخرجت للناس الخ میں اللہ تعالیٰ
نے تمام امت پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
فرض فرمایا سو ہر ایک مکلف پر لازم ہے کہ امر
بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے ہاتھ سے یا زبان
سے یا دل سے (احقر کہتا ہے کہ دل سے امر بالمعروف
اور نہی عن المنکر کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اچھے کام کو
دل سے اچھا جانے اور برے کام کو دل سے
برا جانے) مسلم شریف میں ابو سعید خدری رض
سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے جو شخص تم
میں سے کسی امر خلاف شرع کو دیکھے تو چاہئے
کہ اُسکو اپنے ہاتھ سے بدلدے یعنی لوگوں کو اُس
فعل بد کے کرنے سے روکدے اگر یہ نہ ہو سکے تو
زبان سے روکے اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دل میں
برا سمجھے اور یہ ادنی درجہ ایمان کا ہے۔ پس اس صورت
میں معنی اس آیۃ کے یہ ہونگے کہ تم ایسی جماعت
بنجاؤ کہ لوگوں کو نیکی کیطرف بلاؤ امر بالمعروف
اور نہی عن المنکر کو اختیار کرو اور جو لوگ اس قول
کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ امر بالمعروف و نہی
عن المنکر فرض کفایہ ہے اگر ایک بھی اُسکے ساتھ
قائم ہوا باقیوں سے فرض ساقط ہوا اور بعضوں نے

لفظ من فی قوله ولتكن منكم امة
يدعون الى الخير وقيل ان الامر
بالمعروف والنهى عن المنكر مما يختص
بالعلماء وولاة الامر فعلى هذا يكون
المعنى ليكن بعضكم آمرًا بالمعروف
ناهيًا عن المنكر خ عن النعمان بن
بشير عن النبى صلى الله عليه وسلم
قال مثل القائم فى حدود الله والواقع
فيها كمثل قوم استهموا على
سفينة فاصاب بعضهم اعلاها
وبعضهم اسفلها فكان الذى فى
اسفلها اذا استقوا من الماء مروا
على من فوقهم فقالوا لو انا خرقنا فى
نصيبنا خرقًا ولم نوذ من فوقنا فان
تركوهم وما ارادوا هلكوا جميعًا
وان اخذوا على ايديهم نجوا جميعًا.
والخير المذكور فى الاية هو كل شيء
يرغب فيه من الافعال الحسنة و
قيل هو ههنا كناية عن الاسلام والمعنى
لتكن امة اى جماعة دعاة الى
الاسلام والى كل فعل حسن يحسن
فى الشرع والعقل وقيل الدعوة الى
فعل الخير يندرج تحتها نوعان

کہا ہے کہ من الجگہ تبعیض کیلئے ہے اور یہ اسلئے
کہ امت میں بعض وہ لوگ ہیں کہ انکو امر بالمعروف
اور نہی عن المنکر پر قدرت نہیں ہے بسبب عجز کے
یا ضعف کے سوا اچھا ہوا داخل کرنا لفظ من کا آیۃ
ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر میں اور کہا گیا ہے کہ
کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر علما اور حکام کے
ساتھ خاص ہے اس صورت میں معنی یہ ہیں کہ
تم میں سے بعض معروف کا حکم کریں اور منکر سے
منع کریں۔ بخاری شریف میں نعمان بن بشیر سے
روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
روایت کرتے ہیں کہ مثال اُس شخص کی جو اللہ کے
احکام پر عمل کرتا ہے اور دوسروں کو حکم کرتا ہے
اور مثال اُسکی جو ایسا نہیں کرتا مانند ایک قوم کی ہے
کہ وہ سب ایک کشتی میں سوار ہوئے اور رضا ر
باہمی اور تقسیم باہمی سے بعض اوپر کے درجہ پر بیٹھے
اور بعض نیچے درجہ میں جو لوگ نیچے بیٹھے تھے
جسوقت پانی بھرنے کی ضرورت ہوتی تو اوپر کے
درجہ پر جاتے اور پانی بھر کر لاتے اور اوپر والے اس
سے تنگدل ہوتے تو اُنھوں نے باہم مشورہ کیا کہ
ہم نیچے کی طرف سے ہی کشتی کا کوئی تختہ توڑ دیتے
ہیں تاکہ اوپر والوں کو ہماری وجہ سے تکلیف نہ ہو
پس اگر اوپر کے بیٹھنے والوں نے اُنکو تختہ توڑنے
۔ اور روکا نہیں تو یہ اور وہ سب ہلاک ہوجاویں گے

احدهما الترغيب فی فعل ما ينبغی وهو الامر بالمعروف والثانی الترغيب فی ترک مالا ينبغی وهو النهی عن المنکر فذکر الحسن اولاً وهو الخير ثم اتبعه بنوعيه مبالغةً فی البيان والمعروف اسم لکل فعل يعرف بالعقل والشرع حسنه والمنکر ضد ذلک وهو ما عرف بالعقل والشرع قبحه ۔

اور غرق ہو جاوینگے اور اگر اُنکا ہاتھ پکڑ لیا اور اُنکو روکا تو سب نجات پاوینگے ۔ اور خیر حسن کا ذکر اس آیۃ میں ہے مراد اُس سے ہر ایک نیک کام ہے جسکی طرف رغبت ہو اور وہ اُنکے اسلام ہے اور معنی یہ ہیں کہ چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت لوگوں کو اسلام کیطرف اور ہر ایک بھلے کام کیطرف جو شرعاً اور عقلاً پسندیدہ ہو بلانے والی ہو اور کہا گیا ہے کہ خیر کیطرف بلانا شامل ہے دو قسم کو جنکا ذکر اسکے بعد فرمایا ایک رغبت دینا اُن امور کیطرف جو شرعاً پسندیدہ ہیں یہ امر بالمعروف ہے اور دوسری قسم رغبت دینا ناجائز کے امور کے چھوڑنے کی طرف اور یہ نہی عن المنکر ہے۔

سو اول خیر کو ذکر کیا گیا اور اسکے بعد اُسکی دونوں قسموں کو تاکیداً اور مبالغۃً خاص کرکے بیان کیا گیا اور معروف نام ہے ہر ایک اُس فعل کا کہ عقل اور شرع سے اُسکا اچھا ہونا معلوم ہو اور منکر اُسکی ضد ہے کہ جسکا بُرا ہونا عقل اور شرع سے معلوم ہو ۔ احقر کہتا ہے کہ نعمان بن بشیر کی حدیث جو مشکوۃ شریف میں بخاری سے منقول ہے اُسکے الفاظ میں بعض جگہ اختلاف ہے الفاظ اُسکے یہ ہیں ۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل المدهن فی حدود الله والواقع فيها مثل قوم استهموا سفينة فصار بعضهم فی اسفلها وصار بعضهم فی اعلاها فکان الذی فی اسفلها يمر بالماء علی الذين فی اعلاها فتاذوا به فاخذ فاساً فجعل ينقر اسفل السفينة فاتوه فقالوا مالک قال تاذيتم بی ولابد لی من الماء فان اخذوا

یعنی مثال اُس شخص کی جو اسکی حدود اور احکام میں مداہنت کرتا ہے اور اُس شخص کی جو اُن حدود میں واقع ہے اُس قوم کی سی مثال ہے کہ وہ سب ایک کشتی میں بیٹھے اور باہم اسطرح جگہ کی تقسیم کی کہ بعض اُنمیں سے نیچے کے درجہ میں بیٹھے اور بعض اوپر کے درجہ میں جو نیچے تھا وہ پانی لینے اوپر جاتا تھا اور اوپر کے درجہ والوں کو اُسکے آنے جانے اور پانی کھینچنے سے تکلیف ہوئی

على يديه انجوه ونجوا انفسهم وان تركوا اهلكوه واهلكوا انفسهم رواه البخاري-

سو اُسنے ایک کلہاڑی لیکر کشتی کے نیچے سے تختہ توڑنا شروع کیا تاکہ وہیں سے پانی لیا کرے پھر اوپر کے درجہ والے اُسکے پاس آئے اور کہا کہ تو کیا کرتا ہے اُسنے کہا کہ تمکو میرے آنے سے تکلیف ہوئی اور مجھے پانی لینا ضروری ٹھیرا- سو اگر وہ لوگ اُسکو اُسکے اس فعل سے روکیں گے تو اُسکو بھی ڈوبنے سے بچا وینگے اور اپنی جانوں کو بھی ہلاکت سے بچا وینگے اور اگر اُسکو اُسکے حال پر چھوڑ دینگے اور تختہ توڑنے سے نہ روکیں گے تو اُسکو بھی ہلاک کرینگے اور اپنی جانوں کو بھی ہلاکت میں ڈالیں گے روایت کیا اسکو بخاری نے-

صاحب مرقاۃ لفظ مدہن کی تحقیق میں لکھتے ہیں- قوله مثل المداهن الخ

اى المداهن المساهل والفرق بين المداهنة المنهية والمداراة المامورة ان المداهنة فى الشريعة ان يرى منكرا ويقدر على دفعه ولم يدفعه حفظا بجانب مرتكبه او جانب غيره لخوف او طمع او لاستحياء منه او قلة مبالاة فى الدين والمداراة بترك حظ نفسه وحق يتعلق بماله وعرضه فيسكت عنه دفعا للشر ووقوع الضرر منه

یعنی مدہن کے معنی مداہنت اور مساہلت کرنے والا ہے اور فرق درمیان مداہنۃ ممنوعہ اور مداراۃ مشروعہ کے یہ ہے کہ مداہنۃ شریعت میں یہ ہے کہ امر خلاف شریعت کو دیکھے اور اُسکی دفع کرنے کی قدرت بھی ہو اور پھر دفع نہ کرے یعنی منع نہ کرے اُس خلاف شریعت کرنے والے کی رعایت اور جانب داری کی وجہ سے یا کسی دوسرے کی رعایت کی وجہ سے کہ اُس سے کچھ خوف ہے یا طمع ہے یا شرم کی وجہ سے منع نہیں کرتا یا دین کی پرواہ نہونے کی وجہ سے سکوت کرتا ہے اور مداراۃ یہ ہے کہ اپنی ذات یا اپنے مال اور آبرو کے نقصان کا خیال نہ کرے شر کے دفع کرنے کو اور اُس سے نقصان پہنچنے کے اندیشہ سے

(باقی آئندہ)

تقریظات کتب

مطبع قاسمی دیوبند سے دو کتابیں بغرض تقریظ موصول ہوئیں ہم انکی طرف ناظرین القاسم و الرشید کو خاص طور پر توجہ دلاتے ہیں

العقل والنقل آپ اگر بنظر امعان اس نام میں غور کرینگے تو ان دو لفظوں ہی میں آپکو کتاب کے مضامین کی مجمل فہرست نظر آوے گی یہ کتاب ہمارے محترم جناب مولانا مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی کی ذہانت اور وسعت نظر و تبحر علمی کا ایک ایسا زبردست شاہد ہے کہ آپ تنہا وجود سے نصاب شہادت کو پورا کر دیتا ہے اور اپنی وحدت کے ضمن میں جو کثرت دلائل لئے ہوئی ہے اس سے ناظرین کو مطمئن بنا دیتا ہے۔ عقل و نقل کی حقیقت ان دونوں کی قوت انکا باہمی علاقہ انکے مراتب پر محققانہ قلم فرسائی کیگئی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ عقل سلیم اور نقل صحیح میں ہرگز اختلاف کی گنجایش نہیں جہاں اختلاف ہے وہاں یا عقل کی سلامت مجروح ہے یا نقل کی صحت لنگ اگر عقل کی سلامت یا نقل کی صحت میں قصور ہوا اور اسکی بنا پر اختلاف ہو جائے تو اسکا فیصلہ کسطرح ہونا چاہئے اسکا معیار بتا دیا گیا ہے۔

مطالعہ سے مناظرہ کے داؤ گھات اور علم کلام کے پیچ اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتے ہیں ان سب خوبیوں پر جو ایک اور اضافہ ہی جسکو تاج پر طرہ کہنا زیبا ہے وہ یہ کہ عبارت نہایت پر زور متانت اور سنجیدگی کے ساتھ طرز بیان اور انداز افہام میں وہ سلاست اور سہولت ہے کہ جسکی اس زمانہ میں کہ علما کے طرز تحریر و تقریر کی شکایت عام ہو اور ابنائے زمانہ اسکو اپنے بے علمی اور دینی ناواقفیت کی سپر بنا کر کامیاب ہونا چاہیں اشد ضرورت ہے۔ یہ تو ایک نہایت مجمل مرقع اسکے حسن معنوی کا تھا اب حسن صورت کے متعلق بھی اسقدر کہدینا ضروری معلوم ہوتا کہ جناب منشی محمد محبوب علی صاحب سلمہ یاقوت رقم میرٹھی نے اسکی کتابت میں اپنے جوہر دکھا دئیے ہیں۔ چھپائی میں لیکن عماد الدین صاحب نے اپنے انتظام کی داد لینے کا استحقاق ظاہر کیا ہے کاغذ نہایت عمدہ ہے غرضکہ حسن سیرت کے ساتھ حسن صورت بھی دلفریب ہے جسکی اس زمانہ میں زیادہ ضرورت ہے ان سب خوبیوں پر قیمت آٹھ آنہ ہیں۔ ۸ر

مناجات مقبول ناظرین اس کتاب سے واقف ہونگے اسکی تقریظ القاسم میں بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ حضرت حکیم الامۃ مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہم نے کتب حدیث سے ہر قسم کی دعائیں منتخب فرماکر ایک مجموعہ تیار فرمادیا اور اسکو سات منزلوں پر تقسیم فرمادیا کہ روزانہ بطور ورد کے ایک منزل پڑھلیجائے ان تمام دعاؤں کا اردو ترجمہ نظم میں بھی کر دیا گیا مولوی عماد الدین صاحب نے بھی اس نافع کتاب کو مطبع قاسمی میں طبع کیا ہے چونکہ جدت پسندی کا دور ہے تو مولویصاحب موصوف نے اسمیں یہ جدت کی ہے کہ ایک صفحہ پر عربی اور دوسرے صفحہ پر اسکا نظم ترجمہ طبع کیا ہے کہ عام قارئین ساتھ ساتھ اگر پڑھنا چاہیں تو پڑھنے میں سہولت اور خط ہائل نہ ہو اب تک یہ طرز اور مطبوعہ نسخوں میں مرعی نہیں ہے۔ آخر میں ۴۸ صفحات کا ایک اور اضافہ ہے جو مناجات مطبوعہ کانپور میں نہیں ہے اور یہ ضمیمہ مستقل بصورت رسالہ علیحدہ بھی چھپا ہوا موجود ہے۔ قیمت کی تفصیل یہ ہے۔

مناجات مع ضمیمہ حاشیہ شدہ	بلا جلد	۶ر
	مجلد نقرئی نہایت عمدہ	۱۰ر
ضمیمہ مناجات جسکا ذکر اوپر ہوا	بلا جلد	۱۰ر

خاکسار معتمد المدیر

ملنے کا پتہ۔ مطبع قاسمی دیوبند ضلع سہارنپور۔ مولوی محمد عماد الدین صاحب ناظم مطبع

قواعد و ضوابط رسالہ القاسم

۱ - یہ رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے اور کسی ماہ کا رسالہ بتیس ۳۲ صفحے سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھجاتا ہے۔

۲ - یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوتا ہے اور عام قیمت سالانہ مع محصول دو روپیہ آٹھ آنہ (عہ) پیشگی لیجاتی ہے۔ ممالک غیر سے صرف اسیقدر زیادہ لیا جائیگا جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے

۳ - جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچ روپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائینگے وہ رسالہ کے معاونین خاص میں شمار ہونگے۔ اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہیگی۔

۴ - سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے جملہ حضرات کی خدمت میں شروع کا (یا خریدار کا جب سال شروع ہو اُسکا) پہلا پرچہ ویلو بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کر کے عصہ کا ویلو روانہ ہوگا۔

۵ - یہ رسالہ ہرگز کبھی کسی صاحب کی خدمت میں بلا طلب و تحریک ویلو نہیں روانہ کیا جاتا۔ بعض حضرات خود طلب فرماتے ہیں اور بعض حضرات اپنے اعتماد پر دوسروں کی خدمت میں ویلو بھیجنے کی فرمایش کرتے ہیں۔

۶ - شعبان ۱۳۳۳ھ مطابق جولائی ۱۹۱۵ء سے اس رسالہ کا چھٹا سال شروع ہوا ہے۔ پہلے پانچ سال کی مکمل جلدیں موجود ہیں قیمت ہر جلد کی عہ مع محصول ڈاک ہے۔

۷ - نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں اُنکے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کئے جاینگے جو اصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں۔

۸ - القاسم کے متعلق جملہ تحریرات و ترسیل زر بنام حضرت مدیر یا بنام خاکسار ہونی چاہیئے۔

المشتہر

خاکسار سراج احمد عفی عنہ معتمد المدیر "رسالہ القاسم" مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

(رجسٹرڈ نمبر ۵۲۳)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ

علمی۔ مذہبی۔ اخلاقی۔ ادبی۔ تمدنی۔ تاریخی ماہوار رسالہ

نمبر بابت ماہ محرم الحرام ١٣٣٢ھ جلد

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

(اور)

مطبع قاسمی دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھپوایا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

(مطابق ماہ دسمبر ۱۹۱۵ء)

جو حضرت مولانا محمود حسن صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

(اور)

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

(شائع ہوتا ہے)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کلمۃ الحق

(گذشتہ سے پیوستہ)

اہل اصول روایت طبقہ کی طبقہ سے جو ہر زمانہ میں پائی جائے تواتر کیلئے کافی سمجھتے ہیں اور محدثین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو بھی اس معنی کے قبول سے چارہ نہیں ہے۔ فہم و درایت کے مرتبہ میں یقین اور علم کے مرتبہ میں مذہب اور عمل کے درجہ میں انکو انکار کی گنجایش نہیں ہے۔

کیا قرآن شریف کے تواتر کو کوئی شخص من حیث الاسناد ثابت کرنیکی تکلیف برداشت کرسکتا ہے اگر تواتر اسناد ہی پر بس کیا جائے تو قرآن مجید کا تواتر جو مسلم عند الکل ہے ثابت نہو سکے گا بس معلوم ہوا کہ تواتر کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ من حیث الاسناد اسپر تعریف تواتر صادق ہوا اور یہ ہی وظیفہ محدثین کا ہے اور اس کا وجود بہت ہی کم ہے اور دائرہ بہت تنگ ہے دوسرا تواتر من حیث العلم والیقین کہ ایک طبقہ ایک طبقہ سے روایت کرے اور اسمیں تعیین راوی سے بحث نہو یہ وظیفہ اصولیین کا ہے اور اسکی تسلیم کی بناپر قرآن مجید کا تواتر ثابت ہے نماز ہائے پنجگانہ اور سنن رواتب عدد رکعات۔ فضیلت مسواک۔ مسح خفین کا ثبوت من حیث الروایۃ والاسناد یا خبر واحد پر ہو جاتا ہے یا شہرت پر۔ تواتر کی حد میں داخل نہیں ہوتا۔ اور حقیقت میں یہ اور مثل ان کے اکثر جزئیات میں جو متواتر ہیں۔ اور من حیث الاسناد وہ خبر واحد کے درجہ سے ترقی نہیں کرتیں۔ چونکہ اصولی قاعدہ کی پابندی کی بناپر عرفات و مزدلفہ میں نمازوں کا جمع کرنا متواتر ہے اسلئے قابل عمل ہے اور آیات کے اُس عموم سے اپنی قوت ثبوت کی بنا پر جدا ہے دوسرے مواقع جمع صلوتین چونکہ من حیث الاسناد متواتر ہے نہ من حیث العلم لہذا وہ آیت کے عموم میں تخصیص نہیں کرسکتی۔

جمع بین الصلوتین کی روایات پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تین قسم کے پہلو لئے ہوئے ہیں

بعض میں توہم جمع ہے۔ بعض میں صراحت جمع ہے بعض میں صراحت عدم جمع مثال کے طور پر ملاحظہ ہوں احادیث ذیل۔

ان معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخبرھم انھم خرجوا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ تبوک فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجمع بین الظھر والعصر والمغرب والعشاء فاخر الصلوۃ یوما ثم خرج فصلی الظھر والعصر جمیعا ثم دخل ثم خرج فصلی المغرب والعشاء جمیعا (ابوداؤد)

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر مغرب و عشا کو جمع کرتے تھے ایک دن نماز کو تاخیر کیا پھر تشریف لیگئے پھر ظہر و عصر کو جمع کیا پھر داخل ہوئے پھر تشریف لیگئے پھر مغرب و عشا کو جمع کیا

چونکہ یہ تصریح نہیں کہ ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت میں ادا فرمایا اسلئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بسبب سفر اور مہمات غزوہ کے ظہر کو آخر وقت تک موخر کیا اور عصر کو اول وقت میں ادا فرمایا۔ ایسے ہی مغرب کو آخر وقت تک موخر کیا اور عشا کو اول وقت میں ادا فرمایا اور یہ تاویل نہیں ہے بلکہ ایسا بعض احادیث سے بصراحت ثابت ہے چنانچہ عنقریب مذکور ہوگا۔

یہی روایت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باین الفاظ مروی ہے۔

فجمع بین الصلوتین فی سفرۃ سافرھا فی غزوۃ تبوک فجمع بین الظھر والعصر والمغرب والعشا جمیعا۔ (مسلم)

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یوخر الظھر ویعجل العصر ویوخر المغرب ویعجل العشاء فی السفر۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ظہر کی نماز کو تاخیر کرکے پڑھتے تھے اور عصر کو تعجیل سے اور مغرب کی نماز میں تاخیر فرماتے اور عشا میں عجلت۔

اس سے محض تاخیر ظہر و مغرب اور تعجیل عصر و عشا ثابت ہوئی نہ یہ کہ ظہر کو عصر کے وقت ادا فرمایا اور مغرب کو عشا کے وقت میں۔

ان ابن عمر رضی الله تعالی عنه استصرخ علی صفیة وهو بمکة فسار حتی غربت الشمس وبدات النجوم فقال ان النبی صلی الله علیه وسلم کان اذا عجل به امر فی سفر جمع بین هاتین الصلوتین فسار حتی غاب الشفق فنزل فجمع بینهما (ابو داود)	حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ مکہ میں تھے آپکو حضرت ام المومنین صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا کی وفات کی خبر ملی آپ مدینہ کو روانہ ہوئے چلتے چلتے آفتاب غروب ہوگیا اور تارے ظاہر ہوگئے تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سفر میں کوئی جلدی کا کام پیش آتا تھا تو ان دونوں نمازوں کو جمع فرمایا کرتے تھے پھر چلے یہاں تک کہ شفق بھی غائب ہوگئی تو اُترے اور مغرب و عشا کو جمع کیا

اس حدیث کے الفاظ صراحۃً دلالت کرتے ہیں کہ مراد جمع حقیقی ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے شفق کے غائب ہونے کے بعد نماز مغرب پڑھی بعد شفق کے وقت مغرب باقی نہیں رہتا لاریب کہنا ہوگا کہ مغرب کو عشا کے وقت میں پڑھا اس روایت کے بعض طرق میں اور زیادہ تصریح ہے سنن بیہقی میں ایک روایت میں یہ لفظ ہیں۔

اخر المغرب بعد ذهاب الشفق حتی ذهب هوی من اللیل ثم نزل فصلی المغرب والعشاء۔	حضرت ابن عمر نے مغرب کی نماز کو بعد شفق کے غائب ہونے کے موخر کیا حتی کہ ایک حصہ رات کا گذر گیا۔

ایک اور روایت میں ہے۔

انه سار قریبًا من ربع اللیل ثم نزل فصلی	ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ قریب چوتھائی رات تک چلتے رہے پھر اُترے اور نماز پڑھی۔

ان تصریحات کے بعد بھی کیا کوئی خفا اس مسئلہ میں باقی رہگیا اب حنفیہ کی دلائل کو لیجئے حضرت معاذ کی ایک روایت ابھی مذکور ہوئی جو موہم جمع ہے دوسری روایت انکی جمع حقیقی کے اثبات میں نہایت مصرح ہے لیجئے ملاحظہ فرمائیے۔

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان فی غزوة تبوک	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں تھے

تبوك اذا زاغت الشمس قبل ان يرتحل جمع بين الظهر والعصر وان يرتحل قبل ان تزيغ الشمس اخر الظهر حتى تنزل للعصر وفي المغرب مثل ذلك ان غابت الشمس قبل ان يرتحل جمع بين المغرب والعشاء وان يرتحل قبل ان يغيب الشمس اخر المغرب حتى تنزل للعشاء ثم جمع بينهما	اگر کوچ کرنے سے پہلے آفتاب ڈھل جاتا تھا تو وہیں ظہر وعصر کو جمع کرلیتے تھے اور اگر آفتاب ڈھلنے سے پہلے کوچ کرتے تھے تو ظہر کو موخر کرتے حتی کہ عصر کی نماز کے لئے اوترتے اور مغرب میں بھی ایسا ہی کرتے تھے اگر قبل کوچ کرنے کے آفتاب چھپ گیا تو وہیں مغرب وعشا کو جمع کرلیتے تھے اور اگر قبل غروب آفتاب کوچ کرتے تھے تو مغرب کو مؤخر کرتے حتی کہ عشار کے لئے اوترتے پھر دونوں کو جمع کرتے تھے۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت بھی حقیقی جمع صلوتین کی مثبت نظر آتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جو علما اسطرف گئے ہیں وہ حق بجانب ہیں ایسی تصریحات کے بعد بھی کیا کچھ اور وضاحت کی ضرورت ہے اگر ہے تو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت اور سنلیجیے۔

عن جابر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم غابت الشمس بمكة فجمع بينهما بسرف (ابوداؤد)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ ہی میں آفتاب غروب ہوگیا اور آپ نے مقام سرف میں پہنچکر مغرب وعشا کو جمع کیا۔

مکہ میں آفتاب غروب ہوگیا اور آپ روانہ ہوئے کہ سے سرف تک دس میل کی منزل طے فرمائی اور وہاں نماز مغرب کیلئے اوترے کیا کوئی یہ خیال کرسکتا ہے کہ دس میل کی مسافت طے کرنے کے بعد مغرب کی نماز کا وقت باقی رہگیا تھا اگر یہ جمع حقیقی نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

مجھے اسوقت استیعاب روایات مقصود نہیں ہے اسلئے یہ چند روایات یہاں لکھدینی کافی سمجھتا ہوں غرض صرف اسقدر ہے کہ جمع بین الصلوتین کے مسئلہ میں بہت کچھ مواد موجود ہے جسکا خلاصہ میں نے یہاں درج کیا۔ ان احادیث نے ایک علما کی ایک جماعت کو مشورہ دیا کہ وہ ایسا کریں میں اول یہ کہہ چکا ہوں کہ میں ان احادیث کے راویوں میں جرح وقدح نہ کرونگا گو یہ بحث چھڑ جانے سے ایک طوالت ہوجائیگی اور ان احادیث کا ایک طریق محدثین کے مذاق کے موافق نکل آئیگا اور جو حدیثیں صحیح باقی رہینگی صرف انکی جوابدہی باقی رہجاویگی مگر میں ان حدیثوں کو

سب کو تسلیم کرتا ہوں اور جن علماء کا اس پر عمل ہے اُنکو بھی علمائے اہل حق سمجھتا ہوں اور خود ان احادیث سے اسقدر متاثر نہیں ہوتا کہ میں جمع بین الصلوتین کا قائل ہو جاؤں۔

اگر اس باب میں صرف یہی ذخیرہ پیش نظر ہو تو بیشک یہی ایک طریق ہے جو بیان ہوا مگر کتب حدیث کا مطالعہ کرتے ہوئے آنکھوں کے سامنے ایسی روایات بھی گذر جاتی ہیں جو ان احادیث مذکورہ کے بعض مخفیات پر اپنی جھلک ڈالنے کے ساتھ حامل کو چونکا دیتی ہیں۔ ایک حدیث بیان کرتی ہے کہ آپنے ایک نماز کو موخر کیا اور دوسری میں تعجیل فرمائی اور یکے بعد دیگرے پڑھا ایک متجسس اور طالب حدیث دل میں یہ سوال طبعی اقتضا سے پیدا ہوتا ہے کہ تاخیر نماز کی صورت کیا ہے آیا انکو اُسکے آخر وقت میں اور دوسری کو اُسکے اول وقت میں ادا فرمایا یا اسقدر تاخیر فرمائی کہ ایک کا وقت نکل کر دوسری کا وقت آگیا جب تک اس سوال کا صحیح جواب اُسکو نہیں ملتا وہ آگے چلنا اپنی کوتاہی طلب اور قصور ہمت سمجھتا ہے محض ظہر و عصر کا اکٹھا پڑہنا اور مغرب و عشا کا اکٹھا پڑھنا اُسکی پیاس کو نہیں بجھاتا جبکہ وہ اول سے ضابطہ تعلیم پا چکا ہے کہ ہر نماز ایک وقت کے اندر محفوظ ہے اُسکی ایک ابتدا ہے اور ایک انتہا ہے۔ اُسکو یہ یقین کر لینا آسان ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے مجموعہ وقت اور اُسکے اجزائے آنی کی صحیح معرفت حاصل ہے۔ گو گھڑی گھنٹہ نہ تھا علم ہیئت کی معلومات کا کوئی ذریعہ نہ تھا بیشک نہ تھا اور بالکل نہ تھا مگر جو امور دقیقہ افلاطون اور اُسکے معاصرین کو پریشانی میں ڈالدیتی ہیں وہ کیا ہمارے عربی حکیم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بھی اُسی حیثیت سے حاضر ہوتے ہیں جس حیثیت سے حکما کے سامنے مسلم کی حقیقت شناس آنکھیں اور اُسکے حق نیوش کان نہایت پختہ اور کبھی نہ زائل ہونیوالا احساس رکھتے ہیں اُسکا صاف اور پاک ضمیر اپنی صحیح معرفت اور قوی اذعان کی بدولت قائل ہے کہ جن امور کا ادراک انسانی عقل کی قدرت سے باہر ہے وہ اُس مقدس ذات کو آسان ہے کہ جسکے جسمانی قویٰ کی امداد کیلئے قدرت کی فیاضی سے روحانی قویٰ دست بستہ حاضر ہیں۔ جبرئیل سے صادق اور امین اُسکے ہرکارے ہیں اور وحی آسمانی اُسکی معلم ہے وہ آنکھ سے جگہ وہ بات کہہ سکتا ہے جو دنیا بھر کے حکما ساری عمر آنکھیں خیرہ کر کے نہیں کہہ سکتے بیشک وہ ایسی معرفت رکھتا ہے کہ نمازوں کو ایسے انداز پر پڑھے اور اسکے تسلیم کرنے میں کوئی مسلم تامل نہیں کر سکتا۔

مگر جب وہ سنتا ہے کہ صرف تاخیر اور تعجیل ہی نہیں ہے اسکے ساتھ یہ بھی ہے کہ زوال آفتاب کے بعد آپ سفر کرتے ہیں تو دونوں نمازوں کو پڑھکر روانہ ہوتے ہیں اور قبل زوال سفر کرتے ہیں تو اسقدر تاخیر کرتے ہیں کہ پھر عصر کیلیئے بھی اوترتے ہیں پھر اُسکے دل میں ایک تشویش پیدا ہوتی ہے جو اُسکے سکون حاصل شدہ کا خاتمہ کردیتی ہے جب وہ یہ سنتا ہے کہ نماز مغرب بعد شفق پڑھی گئی۔ جب وہ یہ معلوم کرتا ہے کہ دن مکہ میں چھپ گیا اور سرف میں نماز مغرب ادا کی گئی اور دس میل کی مسافت کا قطع کرنا بھی کوئی سہل کام نہیں ہے تو وہ اپنی ساری تحقیق کو ناقابل کفایت سمجھنے کے وسوسہ میں پڑجاتا ہے اگر اُسکی تحقیق کا یہیں خاتمہ ہولیا تو وہ اب دوسرا سکون حاصل کرکے اطمینان کے ساتھ عمر اسی خیال میں گذار دیتا ہے اور اُسکو کوئی قابل ملامت نہیں سمجھتا اور درحقیقت نہیں سمجھنا چاہیئے ایک طالب علم اور جویائے حق کو جو کچھ کرنا چاہیئے تھا اوسنے اپنے بل بوتے کے موافق کیا اور حدیث کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

لیکن ایک دوسرا دل طلب جب یہی دامن پکڑکر زیادہ جدوجہد کرتا ہے تو اُسکو اسکی تحقیق ایک دوسری منزل پر پہونچاتی ہے اور وہاں پہونچکر وہ اطمینان اور سکون حاصل کرتا ہے اُسکی محققانہ روش کا مرقع ذیل کی سطروں سے آپکی آنکھوں کے سامنے اپنی حقیقت پیش کرتا ہے

قرآن مجید قطعی ہے وہ متواتر ہے اسکے احکام قطعی ہیں۔ خبر متواتر سے جو اذعان اور یقین کا درجہ حاصل ہوتا ہے وہ خبر مشہور سے بھی نہیں ہوسکتا خبر واحد کی تو وہاں رسائی کیونکر ہو قرآن پاک نے نماز کو فرض وقتی قرار دیا اور محافظت وقت کا امر فرمایا۔ اس حکم میں کوئی خفا نہیں ہے کسی نماز کو خاص یا کسیکو مستثنیٰ نہیں کیا سفر و حضر کو ایک حال پر چھوڑا۔ وقت کی پابندی شریعت غرا میں نماز کیلئے جسقدر کی گئی ہے وہ بھی معلوم ہے۔ بس جن احادیث میں یہ صراحت ہے کہ نماز عصر کو ظہر کے وقت میں یا ظہر کو عصر کے وقت مغرب کو عشا کے وقت میں جمع فرمایا اسکا ثبوت قوت میں کیا درجہ رکھتا ہے۔ یہ کل روایات خبر آحاد کے قبیل سے ہیں اور خود محدثین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے خبر واحد کو تیسرے درجہ میں رکھا ہے اور اسکی قوت کو تیسرے درجہ کی قوت شمار کیا ہے تو کیا یہ عقل کی بات ہے کہ ایک قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ حکم کو جسکی قوت اول درجہ کی ہے جسکا عموم معلوم ہے اُس سے کم درجہ کی دلیل سے چھوڑ دیا جائے۔

میں اسکے تسلیم کرنے کیلئے آمادہ نہیں ہوں۔ اور نہ میں اسکو قوی خیال کرتا ہوں۔ اس مسئلہ کی تحقیق کامل سے اسوقت بحث نہیں کیجاتی۔ مختصرسی بات محض ناظرین کی خاطر سے لکھدینا کافی معلوم ہوتا ہے۔

احناف وشوافع میں اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ خبر واحد سے زیادت کتاب اللہ پر جائز ہے یا نہیں۔

شوافع کہتے ہیں کہ خبر واحد سے زیادت کتاب اللہ پر جائز ہے حنفیہ کہتے ہیں کہ جائز نہیں (ولكل وجهة) وللناس فيما يعشقون مذاهب۔

خبر واحد اور متواتر کے متعلق مختصر اور کافی بحث اوراق سابقہ میں گذرچکی ہے عام ناظرین کی طمانیت کیلئے وہ کافی ہے اُسکا اعادہ فضول ہے۔

کتاب اللہ پر خبر واحد سے زیادت کرنے سے کیا مراد ہے اہل علم پر تو یہ اچھی طرح روشن ہے عام ناظرین کے افادہ کیلئے اسکی وضاحت اس سے زیادہ میں اس مقام پر نہیں کرنا چاہتا کہ قرآن شریف سے ایک امر ثابت ہوا کسی خبر واحد سے اسمیں کوئی شرط یا رکن اضافہ کرسکتے ہیں یا نہیں حنفیہ کی تحقیق یہ ہے کہ نہیں کیونکہ قرآن قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہے جو امر اُس سے ثابت ہوا ہے وہ بھی قطعی ہے خبر واحد کو اپنے ثبوت کے اعتبار سے وہ درجہ قوت کا حاصل ہے تو وہ علم جو قرآن سے ثابت ہوسکتا ہے خبر واحد ظنی الثبوت سے حاصل نہیں ہوسکتا اور شرط ورکن کا اضافہ کسی ایسی دلیل سے ہونا چاہئے جو اُسکے ہم پایہ ہو اگر قرآن سنکو نہو تو خبر متواتر ضرور ہو یہ ایک معتدل اور محکم طریق ہے کہ عقل سلیم واعیہ ارادت وبندگی وظیفہ اطاعت وفرمانبرداری اسکے قبول کیلئے ہر آن کمربستہ ہیں۔ مسلمانوں کا مقصود حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اُسکی اطاعت وعبادت اُنکا سرمایہ وجود اور منشاء آفرینش ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُنکے ہادی ہیں موصل الی اللہ ہیں آپ کی اطاعت آپکی فرمانبرداری اُنپر فرض ہے خدا ورسول کا فرمان واجب القبول ہے لیکن قرآن جس طریق سے ہمکو پہونچا وہ ایسا محکم طریق ہے کہ اُسکی قوت یقین واذعان کے دوش بدوش ہے اور خبر واحد کا علم جس طریق سے ہمکو ہوا وہ گو ایسے مسلمانوں کے واسطے سے ہوا جو صادق القول ہیں ثقہ ہیں عادل ہیں حافظ ہیں جامع کمالات ہیں مگر ان تمام کمالات نے بھی اُس ہمارے علم

میں وہ قوت پیدا نہ کی جو اُس محکم طریق نے پیدا کر دی تھی جس سے قرآن کا علم ہمکو ہوا۔ اب واعیہ قلبی خود فیصلہ کرلے کہ حنفیہ کا یہ مسلک بھی کسقدر قوی اور صاف ہے۔

حدیث حقیقت میں کلام اللہ ہے کیوں اسلئے کہ خود قرآن پاک میں اسکی تعلیم ہمکو کی گئی ہے اور صاف مطلب سمجھا دیا ہے۔

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ — آپ اپنی خواہش سے کوئی کلام نہیں کرتے جو کچھ فرماتے ہیں وہ خدا کی طرف سے وحی ہوتی ہے

صاف معلوم ہو گیا کہ آپ کا کلام وحی ہے پھر اُسکی قوت میں کسی مومن کو کیا کلام ہو سکتا ہے۔ بیشک نہیں ہو سکتا اور نہ ہونا چاہیئے۔ ایک صحابی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بلا واسطہ کوئی حدیث سنتا ہے وہ اُسکے لئے بیشک قطعی ہے متواتر سے زیادہ قوی ہے اور اثبات مدعی کیلئے بڑی قوی دلیل ہے اسمیں کچھ شک و شبہ کو گنجایش نہیں ہے۔ اگر کلام کی گنجایش کسیکو ملیگی تو صرف اسقدر کہ حضور کے ارشاد اور فرمان کی فہم مراد میں تو کوئی خفا اُس سامع پر نہیں رہا یہ دوسری بحث ہے اور گو ایسے واقعات موجود ہیں مگر ہمارے مدعا میں اس احتمال کے تسلیم کرنے سے بال برابر فرق نہیں آتا۔ جسطرح اب صحابہ کرام آیات قرآنی تلاوت کرتے تھے ویسے ہی آپ احادیث بھی سُناتے تھے اور جب ایک حکم کو اُنھوں نے آپ کی زبان مبارک سے سُن لیا اور سمجھ لیا اور فہم مراد میں کوئی خفا نہیں رہا تو دونوں علموں سے جو اُنکے دلوں میں ایقان اور اذعان کا تموج ہوا وہ برابر ہے اسمیں کمی وزیادت نہیں ہے۔ لیکن یہ قوت علم اور کمال اذعان وطمانیت صحابی سے آگے باقی رہتا ہے یا نہیں تفصیل طلب ہے اگر وہ حدیث اول طبقہ میں تواتر کی حد کو پہونچگئی اور ہر طبقہ و درجہ میں اُسکو تواتر حاصل رہا تو وہ اُسکی ابتدائی قوت آخر تک باقی رہتی ہے اور ہم بھی اُس سے وہی پھل چنتے ہیں جو صحابی نے چنا تھا گو اسمیں بھی فرق ہے۔ اور اگر اُس حدیث کو تواتر کی قوت نصیب نہ ہوئی اور خبر واحد کے مفہوم سے آگے اُسنے ترقی نہ کی تو جو علم قوی اُس سے صحابی کو حاصل ہوا تھا وہ وہیں ختم ہو جاتا ہے اور اُسکی جگہ ظن ہمکو حاصل ہوتا ہے۔ ذریعہ علم میں چونکہ ضعف ہے اسلئے وہ حدیث جو ایک صحابی کو بلا توسط غیر کی وجہ سے یقین عطا کرتی تھی ہمارے علم میں یقین کی قوت پیدا نہیں کرتی مگر الحمد للہ جہل کی تاریکی سے ضرور نکالدیتی ہے۔

(باقی آیندہ)

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(گذشتہ سے پیوستہ)

نہ چین بر جبیں ہوئے۔ نہ کسی کے پاس شکوہ شکایت لیکر گئے۔ نہ اس منصب جلیلہ سے معزولی نے اُنکے اندر کچھ تحریک کی۔ نہ چہرہ پر حزن و ملال کے آثار ظاہر ہوئے۔ نہ بشاشت میں فرق پڑا۔ نہ کسی امر میں تقاعد ہوا۔ بلکہ ادائے فرائض میں پہلے سے زیادہ چست و چالاک ہو گئے۔ قیادۃ عامہ کی صورت میں اگر ان مساعی جمیلہ میں تحصیل رفعت و نیکنامی کا بھی احتمال لگا رہتا تھا تو اب اسکا لوث بھی نہ رہا اور اُنکا پاک نفس ان توہمات سے بھی بری ہو گیا۔ اور آپنے وہ کچھ کیا کہ دنیا نے دیکھ لیا۔

ذرا انصاف سے دیکھو کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ مہاجرین اولین میں سے نہیں ہیں عشرہ مبشرہ اور دوسرے جلیل القدر صحابہ سے قبول اسلام میں۔ خدمت و جاں نثاری میں۔ تحمل مصائب و شدائد میں بہت ہی موخر ہیں۔ غزوۂ خندق تک تو مسلمانوں سے بر سر پیکار رہے۔ مگر جب اسلامی تعلیم۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کیمیا اثر نے اپنا اثر دکھلایا۔ تو اُنکو بھی ایک دم میں وہی حالات و مقامات طے کرا دئے گئے جو علی فرق المراتب قدیم الایام صحابہ کو طے ہو چکے تھے۔ اُنکے اخلاق و ملکات میں نہ شائبہ جاہلیت باقی رہا۔ نہ واہمۂ نفسانیت۔ اُنکا بال بال شریعت کے محکم و استوار اصول سے بندھ گیا۔

(۵) عزل ثانی میں امین الامۃ کیلئے ایک قسم کی زیادہ آزمایش و امتحان کا وقت تھا۔ اُدھر تو حضرت خالد کی عظمت عام قلوب میں سابق سے زیادہ راسخ و مستحکم ہو چکی تھی۔ اُنکی تدابیر جنگ فراست و دانائی بسالت و شجاعت کے ساتھ ساتھ اُنکی پاک نفسی یمن و برکات کا اعتقاد اور بھی بڑھ چکا تھا۔ اور اب ہر ایک فتح و نصرۃ کو اُنکی تدبیر یا جرارۃ۔ یا اُنکے وجود کی یمن و برکت کیطرف منسوب سمجھنا ایک کھلی ہوئی بات تھی۔ مسلمان اپنی آنکھ سے دیکھتے تھے کہ قائد عام امین الامۃ

باوجود اس رفعت وشان وعلو مرتبت ہر قسم کے تجربہ وتدبیر کی ہر بات میں حضرت خالد پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور گویا حقیقت میں قیادۃ عامہ کی تمام ذمہ داری انھیں کے سپرد ہے۔ ادھر انکے دلمیں یہہ اعتقاد۔ اودہر امین الامۃ کا یہہ معاملہ۔ پھر کیسے ممکن تھا کہ انکا یک لخت معزول کردینا۔ تمام خدمات سے سبکدوش کرکے میدان کارزار سے واپس بلا لینا۔ اُنکو نہ کھٹکتا۔ اس وقت امین الامۃ کو یہہ خطرہ ہوجاتا کہ اُنکی معزولی مسلمانوں میں کسی ہیجان کا سبب نہ بن جائے۔ خلیفہ ارشد کیطرف کسی قسم کی سوء ظنی نہ پیدا ہوجائے کچھ مستبعد امر نہ تھا۔

دوسری جانب اُنکو یہہ اشکال کہ خلیفہ وقت کی اطاعت تو اسکی مقتضی ہے کہ حرف بحرف تعمیل ارشاد کریں۔ ادھر حضرت خالد کی جلالت شان۔ علو مرتبت اور پھر خود امین الامۃ سے قرابت اور اہل قرابت کے ساتھ مراعات اور رعایۃ حقوق کا حکم اس سے مانع۔ اُدھر حکم عزل ایسا سخت کہ حقیقی مجرموں کے ساتھ بھی ایسا برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ بالخصوص جبکہ باوجود جرم کے ناقابل معافی و درگذر ہونے کے وہ شخص کسی اعلی رتبہ پر ممتاز ہو۔ ایسے وقت تو ایسے احکام میں نہایت احتیاط برتی جاتی ہے۔ اخفاء کے ساتھ کسی اور بہانہ سے طلب کرکے نظر بند کردیتے۔ یا حکم سنا دیتے ہیں مگر آپنے باوجود ان اشکالات اور پرخطر آزمائش کے وہی کیا۔ جو ایک پاک دل۔ راسخ فی العلم کو کرنا چاہیے جو اسباب وتاثیرات اسباب ظاہری سے گذرکر مؤثر حقیقی کی بارگاہ تک رسوخ یافتہ ہو۔ جو حدود شریعت کو کماحقہ سمجھے ہوئے اور حفاظت حدود کو اولین فرض سمجھے ہوئے ہو۔

آپ بہ تعمیل حکم خلیفہ ارشد امراء اجناد کو جمع کرکے حکمنامۂ خلافت ہاتھ میں لیکر ممبر پر بیٹھے اور بموجب مضمون حکمنامہ۔ حضرت خالد سے سوالات شروع کئے۔ مگر مشکیں باندھنے میں ابھی کچھ تامل تھا جسکی وجہ یہ نہ تھی کہ ایسے کرنے میں مسلمانوں کیطرف سے کچھ خطرہ پایا یا سرداری حضرت خالد و جنبہ داری قرابت مانع تھی۔ نہیں بلکہ رفعت شان وجلالت قدر حضرت خالد کی وجہ سے ایک قسم کی حیا تھی۔ جو اقدام سے اول وہلہ میں مانع آتی تھی۔ حضرت امین الامۃ فطری طور سے نہایت حلیم۔ بردبار واقع ہوئے تھے۔ اُنکی طبیعت بھی نرم تھی۔ لیکن یہ تامل بھی چند لمحوں کی بات تھی۔ ادھر آپ اس سے قبل مسلمانوں کو منشاء حکم کی اطلاع دیچکے تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپنے خود پہلے ہی سے تعمیل حکمنامۂ خلافت کیلئے کسیکو مامور فرمادیا ہو۔ حضرت بلال کا خود کھڑے ہوکر سر سے

عمامہ اُتارنا۔ اور اُسی سے مشکیں باندھنا۔ جبکہ قائدعام۔ امین الامتہ۔ ساکت بیٹھے ہوں اسکا زبردست قرینہ ہے۔

حضرت خالد نے امین الامتہ سے سوالات سنکر کچھ جواب ندیا۔ اس بھاری اور عظیم الشان اسلامی جماعت میں ایک قسم کا سناٹا اور سکوت تھا۔ لوگ اِدھر حضرت خالد کی عظمت شان کو دیکھتے تھے۔ اُدھر خلیفہ کے سخت حکم کو خیال کر کے امین الامتہ کو دیکھ رہے تھے۔ کہ کیا کرینگے اِس سکوت کو حضرت بلال حبشی موذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرکت قدم اور جنبش دست نے توڑا۔ آپ اپنی جگہہ سے کھڑے ہوئے۔ اور آگے بڑھکر سر سے عمامہ اتارا۔ اور اُسی سے اُن کے ہاتھ کسکر باندھ دیئے۔ اب پھر اُنھیں سوالات کا اعادہ ہوا۔ اور اب حضرت خالد نے بھی صفائی سے جو جواب صحیح تھے دیئے۔

جواب سننے کے بعد حضرت امین الامتہ نے خود کھڑے ہوکر اپنے ہاتھ سے سر پر عمامہ باندھتے ہوئے فرمایا۔ نطیع ونسمع لوِلاتنا ونکرم ونخدم موالینا۔ | ہم اپنے وُلاۃ وحکام کا حکم سنتے اور اُسکی اطاعت کرتے اور قرابت دار اور بنی عمام کا اکرام و احترام کرتے ہیں

ایسے اشکال اور خطرہ کے وقت امین الامتہ نے تمام جوانب کو کسطرح سنبھالا۔ ہر معاملہ میں حدود شریعت کی کتنی محافظت کی۔ ظاہر ہے اور یہ اسلام کی اُسی پاک تعلیم کا اثر تھا جسنے سوا ایک سوداء عشق الٰہی کے سب خیالات کو مٹا دیا تھا۔

خلیفہ راشد کے حکم کی بھی پوری اطاعت کی۔ حضرت خالد کی قرابت کا حق بھی پورا ادا کیا۔ اونکی جلالت شان کو بھی اُسکے درجہ پر قائم رکھا۔

کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ اپنے ہاتھ سے عمامہ سر پر باندھنے اور اُن الفاظ کے ادا کرنے میں جن سے حضرت خالد کی تعظیم ثابت ہوتی ہے۔ منشاء حکمنامہ خلافت کے خلاف ورزی تھی کیونکہ منشاء حکمنامہ تو بر سر مجمع توہین تھا۔ اور اِسکا منشاء تعظیم و تکریم۔ جس سے خیال ہو سکتا ہے کہ تعمیل حکمنامہ بہ جبر و اکراہ تھی۔

ایسا ہرگز نہ تھا۔ حضرت امین الامتہ کو منشاء حکمنامہ معلوم تھا۔ وہ جانتے تھے کہ حضرت عمر کے قلب میں اِس بے مثل و جان باز سپہ سالار کی عظمت مرکوز ہے۔ اُن کی جلالت شان کو جانتے ہیں۔

جو خطاب سیف من سیوف اللہ کا اُنکو بارگاہ رسالت سے ملچکا ہے وہ بھی اُنھیں معلوم ہے۔ یہ کچھ کیا گیا انتظاماً۔ وسداً الباب الفتنہ۔ حفظاً للنفس خالد کیا گیا ہے اور یہی امین الامہ کی غایت فراست ایمانی تھی۔ کہ ہر بات کو اُسکی حد پر رکھا۔ افراط و تفریط کی جانب ایک انچہ بھی قدم نہیں بڑھایا۔

ایک لطیف اور باریک نکتہ اسکی بظاہر کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ امین الامۃ نے قبل تعمیل حکمنامہ خلافت ممبر پر بیٹھکر حضرت خالد سے سوال کیا۔ تو آپنے محض سکوت کیا۔ کچھ جواب نہ دیا اور جب حضرت بلال عمامہ اُتار کر اور مشکیں باندھ کر تعمیل تمام کرچکے اور اُسوقت اُنسے اُن سوالات کا اعادہ کیا گیا۔ تو آپنے جو اصلی اور حقیقی جوابات تھے۔ عنایت فرمادئے۔ یہ وجہ تو ہو نہیں سکتی کہ اول مرتبہ سوالات کو محض معمولی بات سمجھا تھا۔ یہ خیال تھا کہ بات یوں ہی ٹل جائے گی۔ اور جب تعمیل حکمنامہ ہو چکی تب آپ سمجھے کہ بلا جواب دئے چارہ نہیں کیونکہ حضرت خالد بھی اُسی مقدس جماعت کے ایک برگزیدہ فرد تھے۔ شان صلابت عمری اور شدۃ فی امر اللہ کو بخوبی جانتے تھے۔ احکام خلافت کی اطاعت مسلمانوں کے دلوں میں جسقدر مرکوز تھی وہ بھی معلوم تھی۔ حضرت ابو عبیدہ کی امانت و دیانت۔ راستبازی و صداقت سے بخوبی واقف تھے۔ اسلئے یہ گمان ہی نہیں ہو سکتا کہ بات یوں ہی سکوت سے ٹل جائیگی۔ بلکہ درحقیقت اسمیں ایک نہایت باریک پہلو اور غامض نکتہ تھا۔ جسکے سمجھنے کے بعد حضرت خالد کی عظمت شان و رفعت قدر قلوب میں اور بھی بڑھجاتی ہے۔

بات یہ تھی کہ حضرت خالد کو خواہ بوجہ اپنی فراست باطنی و نور ایمانی۔ اور خواہ بربنا مذاکرہ باہمی معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت عمر نے میرے ساتھ کیا معاملہ فرمانا چاہا ہے۔ اور وہ سوالات کے جوابات مجھ سے کس حالت اور کس انداز میں لینا چاہتے ہیں۔ اور اُن کو یہ بھی معلوم تھا کہ اس معاملہ سے مقصود حقیقتاً میری توہین نہیں ہے۔ گو صورتاً توہین ہے۔ بلکہ اصلاح خیالات۔ و سد باب فتنہ اور خود میرے امراض نفسانی کا علاج کرنا مقصود ہے۔ اُدھر یہ بھی جانتے تھے کہ اطاعت اولی الامر واجب ہے۔ کسی ایک فرد کو بھی گنجایش پس و پیش نہیں ہے۔ ادہر امین الامۃ کی نسبت یہ خیال تھا کہ وہ حیاءً اس سے رکیں گے۔ اسلئے آپنے تمام جوانب کو ملحوظ رکھکر یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ جب تک ہو بہو تعمیل حکمنامہ ہو کر مجھسے جواب نہ لیا جائیگا۔ کچھ نہ کہونگا۔ یہ وجہ تھی سکوت خالد کی اور یہ وہ بات تھی جسکو ہر شخص نہیں ہوپنچ سکتا۔ ہوپنچیگا تو وہ شخص جسکے دل میں نور ایمان کی وہی جھلک ہو جس سے

اُس قرن کے قلوب معمور و مستنیر تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ صحابہ کے ہر ایک قول و فعل میں جسقدر بھی زیادہ خیال کیا جاتا ہے اُسکے اندر سے نہایت لطیف و دقیق پہلو نکلتے آتے ہیں والحمد للہ علی ذلک۔

(۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت صفائی اور نہایت آزادی سے حضرت خالد جیسے بے مثل قائد عام کو ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ۔ معمولی طور پر نہیں بلکہ نہایت عنف اور ایک قسم کی بے عنوانی سے معزول فرمایا۔ اور وجوہات عزل میں ہم اُنکے حکم کی اصل منشاء اور صحیح غرض کو بالتفصیل بیان کر چکے ہیں۔ اُسکے اعادہ کی تو ضرورت نہیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ آنکو ایسا کرنے میں اشکالات کیا تھے۔ اور ایک عقل کے پابند۔ شریعت کے تابع و منقاد کو کس قسم کے خلجان ہو سکتے تھے۔ حضرت خالد کے فضائل و کمالات سے واقف اُنکی نمایاں خدمتگذاری اسلام و فتوحات ممالک ہویدا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُنکے اُس قسم کے افعال سے باوجود اظہار ناراضی درگذر فرمانا۔ اور اُسی طرح خدمات اسلام پر مامور و برقرار رکھنا۔ صدیق اکبر کا باوجود اصرار معزول نہ کرنا۔ اُنکے افعال کو قابل تاویل سمجھنا یہ سب کچھ معلوم تھا مسلمانوں میں اُنکے اقتدار و عظمت کا پہلو بھی پیش نظر تھا۔ سب سے بڑھکر اسلامی عساکر کو ایسے سپہ سالار کی سخت ضرورت و حاجت۔ ایسے وقت اُنکو محض اپنی رائے و اجتہاد پر عمل کرنے میں کسقدر پس و پیش ہو سکتا تھا۔ دوسری جانب جن فتنوں کا استیصال اور جن رخنوں کا سد باب کرنا چاہتے تھے وہ ایسے نہ تھے کہ آپ اُن سے اغماض کرتے۔ اور امت کو گمراہی و ضلالت سے نہ بچاتے۔ مگر سچا ابن حضرت عمر نے وہی کیا جو ایک پاک تعلیم گاہ کے رشید ارشد شاگرد کو کرنا چاہیئے تھا۔ آپنے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر کے منشاء حکم کو صحیح و مناسب وقت سمجھا۔ آپنے یہ بھی سمجھا کہ وقت و اسباب کے تغیر سے احکام بدل جاتے ہیں۔ آپنے یہ بھی سمجھا کہ احکام اجتہادیہ میں مجتہد وقت کو اپنی رائے پر عمل کرنا جائز ہے۔ آپ کو حضرت خالد و جملہ عساکر اسلامیہ و افراد مسلمین پر یہ بھی اطمینان تھا کہ اسلامی تعلیم نے اُنکے اندر خود غرضی۔ احکام اسلام سے انحراف۔ خلیفہ وقت سے تعنت و سرکشی کا مادہ ہی نہیں چھوڑا۔ باوجود حریت و جرارۃ اخلاق جو اسلامی تعلیم کا جزو اہم تھا شریعت کے احکام میں سب جکڑے ہوئے ہیں۔ اسلیئے آپنے بیدھڑک اصلاح امت کے پہلو کو مرجح

سمجھکر احکام جاری کر دئے۔ جسکی مو بمو تعمیل ہوئی

لیکن اسکے ساتھ جو بات سب سے زیادہ ہمارے دعوی پر روشنی ڈالتی ہے۔ یہ ہے کہ خلیفۂ وقت نے اپنے حکم کی تائید اور ترویج میں کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالی جس سے حضرت خالد کی تنقیص شان یا توہین و عدم کمال کی طرف ادنی اشارہ بھی ہوتا۔ بلکہ اس عزل کی وجہ سے مسلمانوں میں جو داہمۂ نقص و توہین پیدا ہو جانے کا خیال تھا۔ اور ایسے مواقع میں اکثر ایسا ہوا کرتا ہے اُسکو آپنے نہایت کشادہ دلی۔ فراخ حوصلگی سے بکرات و مرات ظاہر فرما کر بذریعہ گشتی عام امرا اجناد و ولاۃ امصار کو مطلع فرما دیا کہ خالد کی معزولی کسی سوءظنی یا تہمت کی وجہ سے نہیں ہوئی۔ حضرت خالد کو خود خطاب کرکے فرمایا۔

واللہ انك لی لحبیب و اللہ انك علی کریم۔	خدا کی قسم تم مجکو محبوب و پیارے ہو۔ تمہاری عظمت و اکرام میرے دل میں ہے۔

آپکے اس طرز عمل سے صاف ظاہر ہے کہ آپنے جملہ جوانب کی پوری رعایت کی۔ حدود شرعیہ سنبھالا۔ حضرت خالد کے درجہ کو قایم رکھا۔ مسلمانوں کے عقائد و خیالات کی اصلاح کی اُمۃ کو فتنہ و فساد سے بچایا۔ اور اس جملہ کارروائی میں از ابتدا تا انتہا کہیں لوث نفسانیت یا شائبۂ غرض کا وہم بھی ظاہر نہوا۔

یہ تھی اسلام کی اصلی تعلیم۔ جسنے مسلمانوں کو اوج رفعت پر پہونچایا۔ اور جب مسلمانوں نے جسقدر اس اصل تعلیم سے بے توجہی کی اُتنا ہی اُنپر ادبار آیا۔ ترقی سے تنزل کی طرف جھکے۔ و اللہ الھادی و الیہ المرجع والمآب۔

فائدہ رابعہ = عزل ثانی کے وقت خلیفہ کا یہ حکم پہونچا کہ حضرت خالد کے سر سے عمامہ اُتار کر اُسی سے اُنکی مشکیں باندھی جائیں۔ اور جواب طلب کئے جائیں۔ جو نہایت سخت و ہتک آمیز تھا مگر تاہم اگر حضرت خالد کے اقران و امثال۔ عرب کے رؤسا و سادات۔ عساکر کے امراء و قواد میں سے کوئی اسکی تعمیل کرتا تب بھی ایک بات تھی۔ اپنی اقران و امثال سے کوئی بات ہتک آمیز یا خلاف شان بھی پہونچ جاتی ہے تو اُسکو گوارا کر لیا جاتا ہے۔ لیکن یہاں معاملہ برعکس ہوا۔ اس حکم کی تعمیل کیلئے عظیم الشان عساکر اسلامیہ میں سے جہاں ہر درجہ اور ہر طبقہ کے لوگ موجود تھے۔

کھڑے ہوئے تو حضرت بلالؓ۔ حبشی۔ موذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
بلالؓ اپنے فضائل و مناقب کی وجہ سے کیسے ہی اعلیٰ درجہ کے مقرب و برگزیدہ ہوں۔ مگر تھے ایک حبشی غلام۔ اُنکا ایک ایسے عظیم الشان پُرخطر کام کیلئے خواہ تو اسوجہ سے کہ امین الامۃ نے خود اشارہ کیا ہو۔ اور خواہ اس وجہ سے کہ تعمیل حکمنامۂ خلافت نے اُنکو آمادہ کیا ہو کھڑا ہونا حیرت انگیز ضرور تھا۔ مگر سبحان اللہ کیا صفائی اور پاکبازی تھی۔ قلوب کیسے منور و مجلی ہو چکے تھے۔ رذائل نفسانی کس حد تک ناپدید ہو چکیں تھیں۔ کہ کسی شخص نے اس حرکت کو ناگواری سے نہیں دیکھا۔
اس واقعہ سے معلوم ہوگیا کہ اسلام نے حریت و مساوات کی تعلیم کس حد تک دی ہے۔ اُسنے توازن و تماثل کی میزان کو کیسا صحیح قایم کیا۔ جو قومیں آج حریت و مساوات کے مدعی ہیں اور فخر کرتی ہیں کہ اسلام نے غلامی کو قایم کیا۔ اور ہمنے اُسکو مٹا کر حریت و مساوات کو جاری کیا اپنے دل میں انصاف کریں کہ اُنکا فخر کہانتک بجا ہے۔ اور وہ کیونکر اسلام کی حریت و مساواۃ کا مقابلہ کرسکتی ہیں۔ ہرگز نہیں۔ اس حریت و مساوات کو۔ اسلام کی حریت و مساوات توازن مراتب سے کیا نسبت۔ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔
جو لوگ اس غلطی میں مبتلا ہو کر اسلام پر اعتراض کر بیٹھتے ہیں۔ اُنہوں نے درحقیقت حریت و مساوات کی حدود اور اُنکے احکام کو سمجھا ہی نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ حریت و مساوات اُسکی حدود و احکام۔ طرقِ استعمال کے متعلق بھی کچھ وضاحت کردوں۔

تفصیل و تحقیق مسئلہ حریت و مساوات

مساوات ۔ عالم کے تمام اجزا پر نظر ڈالنے سے خواہ وہ افراد ہوں۔ یا اصناف۔ انواع ہوں یا اجناس" صاف واضح ہے کہ اُنکے نظام کا محور اشتراک و انفراد۔ اجتماع و افتراق۔ تماثل و تمایز ہے عالم بجمیع اجزائہ وجود میں مشترک ہے۔ موجودات میں وصف حیوۃ سے تفریق شروع ہوتی ہے اور یہیں سے احکام و معاملات میں بھی تفریق کی بنیاد پڑتی ہے۔
موجودات غیر ذی حیات میں جمادات نباتات۔ اشجار و احجار۔ درو دیوار کوہ و کوہسار سب شامل ہیں
موجودات ذی حیات میں پھر ایک کلی تقسیم ہوگئی۔ ایک جزو وہ ہے جو احکام خداوندی کا مکلف

بنایا گیا۔ جنسے احکام شرع کا تعلق ہے۔ جنکے اقوال و افعال۔ حالات و معاملات قانون مذہب شرع میں جکڑ دیئے گئے ہیں اور یہ حصہ ذوی العقول کا ہے۔ دوسرا جزو وہ ہے جو غیر ذوی العقول کہلاتے ہیں اور مکلف و مخاطب احکام الٰہی نہیں ہیں۔ اس جزو کے اندر گو ہزارہا انواع و اقسام داخل ہیں جنکا احاطہ دشوار ہے۔ بری۔ بحری۔ طیور۔ سباع و بہایم۔ حشرات الارض وغیرہ۔ مگر کلی طور پر ہم اسکو بھی دو حصوں پر منقسم کرتے ہیں۔ ایک موذی مثل سباع طیور و بہایم اسمیں شیر۔ چیتا۔ سانپ و بچھو وغیرہ داخل ہوگئے دوسرا غیر موذی۔

غیر موذی کی بھی ہم کلی تقسیم کرکے اسکو دو حصوں میں منقسم کرتے ہیں۔ ایک وہ جسکا کام میں لانا انسان کیلئے جائز حلال مفید قرار دیا گیا۔ دوسرے وہ جنکا کسی طرح سے بھی ہو استعمال ناجائز و حرام ہے جزو مکلف بالاحکام بھی دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک انسان جو جسم کثیف ارضی ہے۔ دوسرا جن جو جسم لطیف۔ ناری۔ قادر علی التشکل بالاشکال المختلفہ ہے۔

وصف وجود میں سارا عالم شریک تھا۔ اور یہاں تک حقوق و استحقاق کا تعلق نہ تھا۔ وصف حیوۃ نے اونمیں تفریق پیدا کردی۔ مساوات وجودی کے احکام بدل دیئے۔ حقوق کے تعلق قائم کردیئے۔ تمام موجودات پر جزو مکلف کا حق تفوق قایم کردیا۔ عالم کو بجمیع اجزاءہ اس جزو کے لئے کارآمد بنایا گیا خداوند عالم نے ایک عام فرمان کے ذریعہ سے ہمکو اس عظیم الشان احسان سے ان الفاظ میں مطلع فرمایا۔

خلق لکم ما فی الارض جمیعًا — زمین کی ساری چیزوں کو تمہارے نفع کیلئے پیدا کیا۔

اشتراک وجودی کا نفع تو صرف اتنا ہے کہ موجودات میں سے ایک موجود دوسری موجود کے کارآمد ہو۔ لیکن چونکہ احکام کا تعلق حیوۃ سے ہے۔ اسلئے کسی کا دوسرے پر حق نہیں ہے۔

حیوۃ کی تفریق نے اول تو یہ امتیاز قایم کیا۔ کہ غیر ذیحیات اس جزو کا خادم و تابع ہوا۔ جو ذیحیات ہے چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ غیر ذیحیات تمام افراد ذیحیات کیلئے کارآمد ہے۔ حیوانات۔ طیور۔ دواب۔ سب انہیں اجزاء سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ پانی پیتے ہیں۔ گھانس درختوں کے پتے میوے پھل غلہ کھاتے ہیں۔ درختوں کے سایہ میں پہاڑوں کے غاروں میں۔ زمین کی کھو میں آرام کرتے اور پناہ لیتے۔ سردی گرمی سے محفوظ رہتے ہیں۔

(باقی آیندہ)

مبدأ و معاد

(گذشتہ سے پیوستہ)

وعن اسامة بن زيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يجاء بالرجل يوم القيامة فيلقى فى النار فتندلق اقتابه فى النار فيطحن فيها كطحن الحمار برحاه فيجتمع اهل النار عليه فيقولون اى فلان ما شانك اليس كنت تأمرنا بالمعروف وتنهانا عن المنكر قال كنت آمركم بالمعروف ولا آتيه وانهاكم عن المنكر و آتيه متفق عليه۔

اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ایک رجل قیامت کے میدان میں حاضر کیا جاوے گا پھر وہ دوزخ میں ڈالا جاویگا پس اُسکی آنتیں نکل پڑینگی۔ وہ اُنکو اُسطرح لئے پھریگا جسطرح گدھا اپنی چکی کو کھینچتا ہے سو اُسکے پاس تمام اہل دوزخ جمع ہونگے اور یہ کہیں گے کہ اے فلاں تیرا یہ کیا حال ہے تو تو ہمکو شریعت کے احکام کا حکم کیا کرتا تھا اور خلاف شرع کاموں سے منع کیا کرتا تھا وہ جواب دیگا کہ میں تمکو شریعت کے احکام کا حکم کیا کرتا تھا مگر خود اُنپر عمل نہ کرتا تھا اور تمکو منکر سے منع کرتا تھا اور خود اُسکا مرتکب ہوتا تھا روایت کیا اسکو بخاری اور مسلم نے۔

حاصل یہ ہے کہ اس حدیث میں اُس شخص کیلئے وعید ہے کہ جو دوسرونکو معروف کا حکم کرے اور خود اُسپر عمل نہ کرے اور دوسرونکو منکرات سے روکے اور خود اُنکا مرتکب ہو کسی نے خوب کہا ہے ؎

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر میکنند ۔۔۔ چوں بخلوت میروند آں کار دیگر میکنند

کسی دوسرے کا قول ہے ؎

مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس ۔۔۔ توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر میکنند

حق تعالے کا ارشاد ہے۔

یا ایها الذین امنوا لم تقولون ما لا تفعلون　　ای ایمان والو کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے۔

الحاصل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسا کہ دوسروں کو ضروری ہے خود بھی اُسپر کاربند ہونا ضروری ہے ورنہ آیۃ موصوفہ کی وعید میں داخل ہوگا۔

عن حذیفة رضی الله تعالی عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال والذی نفسی بیده لتامرن بالمعروف ولتنهون عن المنکر او لیوشکن الله ان یبعث علیکم عذابا من عنده ثم لتدعنه ولا یستجاب لکم رواه الترمذی۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی کہ میری جان اُسکے قبضۂ قدرت میں ہے کہ تم لوگ بالضرور بھلے کاموں کا حکم کرو اور بُرے کاموں سے منع کرو ورنہ نزدیک ہے کہ اللہ تعالی تمپر اپنے پاس سے کوئی عذاب بھیجیگا پھر تم اللہ سے دعا مانگوگے اور تمہاری دعا قبول نہ ہوگی روایت کیا اسکو ترمذی نے۔

حاصل یہ ہے کہ جیسا تم حق تعالی کے حقوق کی محافظت نہ کروگے حق تعالی بھی تمہاری دعا قبول نہ فرماویگا اور بڑا عذاب یہ ہے کہ دل سخت ہوجاویں گے اور رجوع الی اللہ کی توفیق نہ ہوگی۔

وعن العرس بن عمیرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا عملت الخطیئة فی الارض من شهدها فکرهها کان کمن غاب عنها ومن غاب عنها فرضیها کان کمن شهدها رواه ابوداؤد۔

عرس بن عمیرہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب زمین میں کوئی معصیت ہوتی ہے جو شخص وہاں موجود ہوا اور اُس معصیۃ کو بُرا سمجھے اور اوسپر انکار کرے وہ مثل اوسکے ہے جو اُس سے غائب ہے اور جو غائب ہے اور اُس معصیت سے خوش ہے وہ مثل اُسکی ہے جو وہاں موجود ہے اور اُس سے خوش ہے روایت کیا اسکو ابوداؤد نے۔

حاصل یہ ہے کہ معصیۃ پر انکار نہ کرنا اور اُسکو بُرا نہ سمجھنا معصیۃ میں شریک کرتا ہے اور اُسپر انکار کرنا اور برا سمجھنا معصیت سے بیزاری اور حقتعالی کی خوشنودی کی دلیل ہے معصیۃ

جس جگہ بھی ہو اور جو کوئی بھی کرے اُسکو بُرا سمجھے اور اُس سے بیزار ہو نہ ظاہر سے اُسمیں شریک ہو اور نہ دل سے اُسکو پسند کرے۔

عن ابی بکر الصدیق قال یا ایھا الناس انکم تقرؤن ھذہ الآیۃ یا ایھا الذین امنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الناس اذا راوا منکرا فلم یغیروہ یوشک ان یعمھم اللہ بعقابہ رواہ ابن ماجۃ والترمذی وصححہ وفی روایۃ ابی داؤد اذا راوا الظالم فلم یاخذوا علی یدیہ اوشک ان یعمھم اللہ بعقاب وفی اخری لہ ما من قوم یعمل فیھم بالمعاصی ثم یقدرون علی ان یغیروا ثم لا یغیرون الا یوشک ان یعمھم اللہ بعقاب وفی اخری لہ ما من قوم یعمل فیھم بالمعاصی ھم اکثر ممن یعملہ

حضرت ابوبکر صدیق رضہ فرماتے ہیں کہ اے لوگو تم اس آیۃ کو پڑھتے ہو اے ایمان والو اپنی جانوں کی خبر لو تمکو کچھ نقصان نہیں پہنچا تا وہ شخص جو گمراہ ہو جب کہ تم ہدایت پر رہو۔ پس میں نے سُنا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ فرماتے تھے کہ آدمی جب کسی امر خلاف شرع کو دیکھیں پھر اُسکو نہ بدلیں قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنپر اپنے عذاب کو عام فرما دیوے گا اسکو ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جب لوگ کسی ظالم کو ظلم کرتے دیکھیں پھر اُسکے ہاتھ نہ پکڑیں یعنی اُسکو ظلم سے نہ روکیں قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب اُنپر عام ہو جاوے اور دوسری روایت میں ابوداؤد کی یہ ہے کہ جس قوم میں معصیۃ ہو اور وہ لوگ اُسکے بدلدینے پر قادر ہوں اور پھر نہ بدلیں تو نزدیک ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنپر عذاب نازل فرما وے اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ ہے کہ جس قوم میں بعض لوگ معصیۃ کریں اور وہ قوم زیادہ ہو معصیۃ کرنے والوں سے یعنی پھر وہ نہ روکیں اونکو تو اللہ کا عذاب اون سب پر عام ہوگا۔

وعن جریر بن عبد اللہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من رجل یکون فی قوم یعمل فیھم

اور جریر بن عبد اللہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فرماتے تھے نہیں ہے کوئی مرد کہ ہو

بالمعاصی یقدرون علی ان یغیروا علیہ ولا یغیرون الا اصابھم اللہ منہ بعقاب قبل ان یموتوا رواہ ابو داود وابن ماجۃ۔

کسی قوم میں اور معصیۃ کرتا ہوا اور وہ قوم اُسکے روکنے پر قدرت رکھے اور پھر اُس شخص کو معصیۃ سے نہ روکے مگر اللہ اُس قوم پر عذاب کرے گا پہلے اس سے کہ وہ مریں روایت کیا اسکو ابو داؤد اور اور ابن ماجہ نے۔

وعن ابی ثعلبۃ فی قولہ تعالی علیکم انفسکم لا یضرکم من ضلّ اذا اھتدیتم فقال اما واللہ لقد سالتُ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال بل ائتمروا بالمعروف وتناھوا عن المنکر حتی اذا رأیت شحًا مطاعًا وھوًی متبعًا ودنیا موثرۃً واعجاب کل ذی رای برایہ ورأیتَ امرًا لابدّ لک منہ فعلیک نفسک ودع امر العوام فانّ ورائکم ایام الصبر فمن صبر فیھن قبض علی الجمر للعامل فیھن اجر خمسین رجلاً یعملون مثل عملہ قالوا یا رسول اللہ اجر خمسین منھم قال اجر خمسین منکم رواہ الترمذی وابن ماجۃ۔

اور ابو ثعلبہ سے اس آیۃ کریمہ علیکم انفسکم لا یضرکم من ضلّ اذا اھتدیتم کی تفسیر میں منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میںنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیۃ کے بارہ میں سوال کیا آپنے فرمایا کہ اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرو بلکہ ضرور ہے کہ امر بالمعروف کرو اور منکر سے منع کرو یہانتک کہ جب تم دیکھو کہ لوگ بخل کے پیرو ہوگئے اور دنیا کو اختیار کرنے لگے اور دین پر دنیا کو ترجیح دینے لگے اور ہر یک صاحب رائے اپنی رائے سے خوش ہوتا ہے اور اپنی رائے کے مقابلہ میں کسیکی رائے کو نہیں سنتا اور خیال کرے تو کہ اب اگر میں ان لوگوں میں رہا تو مجھکو بھی بتلائے معصیۃ ہونا پڑیگا اور میری بات کی کچھ شنوائی نہیں ہے یا یہ مطلب ہے کہ تو دیکھے کہ مجھ میں طاقت اُسکے دفع کرنے کی نہیں ہے تو اُسوقت یہ حکم ہے کہ اپنے نفس کی خبر لے اور عوام کے امر کو چھوڑ دے۔

(احقر کہتا ہے کہ حدیث کے یہ الفاظ ورأیت امرا لابُدّ لک منہ دو طرح سے منقول ہے یا لا بُدّ لک منہ بار موحدہ کے ساتھ ہے علامہ طیبی نے کہا کہ اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ تو دیکھے ایک امر کو کہ اُسکی طرف تیری طبیعت کا میلان ہے بری صفات سے یعنی کسی امر مذموم کی طرف تیری طبیعت

مائل ہے یہانتک کہ اگر تو اُن لوگوں میں مقیم رہے گا تو اُس امر قبیح میں واقع ہو جاویگا تو اسوقت یہ حکم ہے کہ اپنے نفس کو لازم پکڑ اور لوگوں سے علیحدہ ہو جا کہیں معصیت میں مبتلا نہو جاو۔ یا لا یدلک یا رمثناۃ تحتانیہ کے ساتھ ہے اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ تو دیکھے ایک امر کو کہ تجھ میں اس کے دفع کی طاقت نہیں ہے تو اسوقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض نہیں ہے بلکہ اُسوقت اپنے نفس کو لازم پکڑ۔ معالم التنزیل کے ترجمہ منحۃ الجلیل میں آیۃ۔ یاالذین امنوا علیکم انفسکم الآیۃ کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ اے ایمان والو اپنی جانوں کو لازم پکڑو اور اپنی بہبودی کے درپے ہو دوسروں کا فکر نہ کرو تمکو کسی کی گمراہی سے مضرت نہیں اگر تم ہدایت پر رہو یعنی حتے الوسع امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو یہانتک کہ جب یہ نوبت آجاوے کہ لوگ بخل کی پیروی کریں اور خواہش نفسانی کے تابع ہوں اور دنیا کو اختیار کریں اور اُسکو دین پر ترجیح دیں اور ہر یک صاحب رائے اپنی رائے پر نازاں ہو اور تو دیکھے امر لا علاج کو تو اُسوقت یہ حکم ہے کہ اپنی جان کی خبر لے اور خود دین پر ثابت رہے عوام الناس کو چھوڑ دے الحدیث اور یہی مضمون حضرت ابوبکر صدیق سے مروی ہے کہ اس آیۃ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ مطلقاً امر بالمعروف او نہی عن المنکر کو چھوڑ دے اور اُسکی وعید میں داخل ہو مجاہد اور سعید بن جبیر رحم فرماتے ہیں کہ یہ آیۃ یہود و نصاریٰ کی شان میں نازل ہوئی ہے مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کی گمراہی سے تمکو مضرت نہیں جبکہ تم دین پر ثابت رہو۔

وعن ابی سعید الخدری رض قال	حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے وہ
قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	فرماتے ہیں کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
خطیبا بعد العصر فلم یدع شیئا یکون	عصر کی نماز کے بعد خطبہ پڑھنے کیلئے کھڑے ہوئے
الی قیام الساعۃ الا ذکرہ حفظہ من	سو آپ نے کوئی بات دین کی جو قیامت تک
حفظہ ونسیہ من نسیہ وکان فیما	ہونے والی ہے نہیں چھوڑی سب امور ضروریہ
قال ان الدنیا حلوۃ خضرۃ وان اللہ	مہمہ کو ذکر فرمایا مثلاً جیسے علامات قیامت اور
مستخلفکم فیها فناظر کیف تعملون الا	ذکر دجال وغیرہ اور دنیا کا فانی ہونا اور آخرۃ
فاتقوا الدنیا واتقوا النساء وذکر ان	کا باقی ہونا اور نصائح ضروریہ جنکی تفصیل آگے آتی ہے

لكل غادر لواء يوم القيمة
بقدر غدرته فى الدنيا ولا غدر اكبر
من غدر امير العامة يغرز لواءه
عند استه قال ولا يمنعن احدا منكم
هيبة الناس ان يقول بحق اذا علمه
وفى رواية ان راى منكرا ان يغيره
فبكى ابو سعيد رض وقال وقد رأينا
فمنعتنا هيبة الناس ان نتكلم فيه
ثم قال الا ان بنى آدم خلقوا على
طبقات شتى فمنهم من يولد مؤمنا
ويحيى مؤمنا ويموت مؤمنا ومنهم من
يولد كافرا ويحيى كافرا ويموت كافرا
ومنهم من يولد مؤمنا ويحيى مؤمنا ويموت
كافرا ومنهم من يولد كافرا ويحيى كافرا
ويموت مؤمنا قال وذكر الغضب
فمنهم من يكون سريع الغضب سريع
الفئ فاحداهما بالاخرى ومنهم من يكون
بطئ الغضب بطئ الفئ فاحداهما
بالاخرى وخياركم من يكون
بطئ الغضب سريع الفئ وشراركم
من يكون سريع الغضب بطئ الفئ قال
اتقوا الغضب فانه جمرة على قلب
ابن آدم الا ترون الى انتفاخ اوداجه

یاد رکھا اُن باتوں کو جنہے یاد رکھا اور بھول گیا
اُنکو جو بھولا اور منجملہ اُن امور کے جو آپنے ذکر فرمائے
یہ امر بھی تھا کہ آپنے فرمایا کہ بیشک دنیا بظاہر لذیذ
اور سبز و تر و تازہ ہے اور بیشک اللہ تمکو دنیا میں
خلیفہ بنانے والا ہے پھر دیکھنے والا ہے کہ دنیا
میں کیا کام کرتے ہو (صاحب لمعات نے لفظ
مستخلفکم میں یہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ خلیفہ سے
مراد وکیل اور نائب ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمہارے
اموال درحقیقت تمہاری ملک نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالے
نے تمکو اُن اموال کے تصرفات میں مثل وکیل
کے مقرر کیا ہے کہ بدوں اجازت اللہ تعالے کے
کوئی تصرف نہ کرو) آگاہ رہو بچو دنیا سے اور بچو
عورتوں سے یعنی اُنکے مکر سے بچتے رہو اور اُنکی
محبت ناجائز میں مبتلا نہ ہو اور ذکر فرمایا آپ نے
کہ ہر ایک عہد شکن کیلئے ایک جھنڈہ ہے قیامت
کے دن بقدر اوسکی عہد شکنی کے دنیا میں اور امیر
عام کے عہد شکنی سے زیادہ کسیکی عہد شکنی نہیں ہے
اوسکا جھنڈہ اُسکے سرین کے پاس قایم کیا جائیگا
تاکہ پوری تشہیر اور تذلیل ہو آپ نے یہ بھی فرمایا
کہ لوگوں کی ہیبت تم میں سے کسیکو حق کہنے سے
منع نہ کرے جبکہ وہ حق کو جانے اور ایک روایت
میں ہے کہ منع نہ کرے کسیکو تم میں سے ہیبت
لوگوں کی اس سے کہ امر منکر اور خلاف شرع کو دیکھے

وحمرة عينيه فمن احسّ بشيء من ذلك فليضطجع وليتلبد بالارض قال وذكر الدين فقال منكم من يكون حسن القضاء واذا كان له الحشّ في الطلب فاحدهما بالاخرى ومنهم من يكون سيّئ القضاء وان كان له اجمل في الطلب فاحدهما بالاخرى وخيار من اذا كان عليه الدين احسن القضاء وان كان له اجمل في الطلب وشرار كم من اذا كان عليه الدين اساء القضاء وان كان له الحشّ في الطلب حتى اذا كانت الشمس على رؤس النخل واطراف الحيطان فقال اما انه لم يبق من الدنيا فيما مضى منها الا كما بقي من يومكم هذا فيما مضى منه رواه الترمذی۔

اور اوسکو برے بدلے یعنی اُسکو بدلنا چاہئے اور اوس سے روکنا چاہئے پس روئے ابوسعید اور فرمایا کہ ہمنے امر منکر کو دیکھا اور لوگوں کی ہیبت کی وجہ سے کچھ نہیں بول سکے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگاہ رہو کہ اولاد آدم مختلف طبقوں اور درجوں پر پیدا ہوئے ہیں سو اونمیں سے بعض مومن پیدا ہوتے ہیں اور ایمان پر ہی زندگانی بسر کرتے ہیں اور ایمان پر ہی مرتے ہیں اور بعض اُن میں سے کفر پر پیدا ہوتے ہیں اور کافر زندہ رہتے ہیں اور کفر پر مرتے ہیں اور بعض ایمان پر پیدا ہوتے ہیں اور کفر پر زندہ زندہ رہتے ہیں اور ایمان پر اُن کا خاتمہ ہوتا ہے۔ ابوسعید فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غصّہ کا ذکر فرماکر فرمایا کہ لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں کہ اُنکا غصّہ جلد آتا ہے اور جلد ہی فرو ہو جاتا ہے پس اونمیں سے پہلی خصلت بمقابلہ دوسری خصلت کے ہے یعنی جیسے وہ بُری خصلت تھی ویسے ہی یہ دوسری خصلت اچھی ہے ایک سے دوسرے کی مکافات ہوگئی نہ اُسکو بہتر لوگوں کا کہہ سکتے ہیں نہ بدترا ور وہ شخص مستحق مدح کا نہیں جیسا کہ مستحق مذمت کا بھی نہیں اور بعض اونمیں سے ایسے ہیں کہ اُنکو دیر میں غصہ آتا ہے اور دیر میں ہی فرو ہوتا ہے سو اونمیں سے ایک بمقابلہ دوسری خصلت کے ہے اور تم میں بہتر وہ ہے کہ اوسکو غصہ دیر میں آوے اور جلد فرو ہو جاوے اور بدتر وہ ہے کہ غصہ جلد آوے اور دیر میں فرو ہو آپ نے فرمایا کہ غصہ سے بچو کہ وہ ایک چنگاری آگ کی ہے ابن آدم کے دلپر تم لوگ دیکھتے نہیں کہ اوسکی گردن کی رگیں کیسی پھول جاتی ہیں اور آنکھیں کیسی سرخ ہو جاتی ہیں پس جسکو آثار غصہ کے محسوس ہوں تو چاہئے کہ لیٹ جاوے اور زمین سے مل جاوے ابوسعید فرماتے ہیں

کہ آپ نے قرض کا ذکر فرمایا کہ تم میں سے بعض دوسروں کا قرض ادا کرنے میں اچھے ہوتے ہیں اور اپنا قرض وصول کرنے میں سختی کرتے ہیں سو اونمیں ایک بمقابلہ دوسرے کے ہے اور بعض اُن میں سے ایسے ہیں کہ قرض ادا کرنے میں برے ہیں اور اگر اونکا قرض دوسروں پر ہو تو مانگنے میں سختی نہیں کرتے سو اُنمیں سے ایک خصلت بمقابلہ دوسرے کے ہے اور تم میں بہتر وہ ہے کہ جب اُسکے ذمہ قرض ہو تو اچھی طرح ادا کرے اور اگر اُسکا قرض دوسروں پر ہو تو مانگنے میں سختی نہ کرے یعنی نرمی سے طلب کرے اور اُسکے پاس نہ ہو تو مہلت دے اور مہلت دینا تنگدست کو تو ضروری ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ۔ وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون ۔ اگر مقروض تنگدست ہو تو چاہیئے کہ قرض خواہ اُسکو مہلت دے اور موخر کرے تونگری تک یعنی جب اُسکے پاس مال آجاوے اُسوقت لیوے اور صدقہ کرنا تمہارا یعنی مفلس سے قرض معاف کرنا بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم جانتے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی امتوں میں سے ایک شخص کا قصہ بیان فرمایا کہ ملائکہ موت اُسکے پاس آئے اور اُسکی روح کو قبض کیا وہ شخص بدکار فاسق تھا کوئی کام نیک اُس سے سرزد نہ ہوتا تھا بجز اسکے کہ وہ اپنے نوکروں کو یہ کہا کرتا تھا کہ میرے قرضداروں پر سختی نہ کرو دولتمندوں کو مہلت دو اور مفلسوں سے معاف کردو اللہ تعالیٰ نے اُسکی مغفرت فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی مفلس کو مہلت دے اُسکو اللہ تعالیٰ قیامت کی سختیوں سے نجات دیگا ۔

(باقی آئندہ)

بعض جزئیات انقلاب مع اصلاح

بقیہ اصلاح معاملہ متعلق نکاح

(گذشتہ سے پیوستہ)

علاوہ اسکے بہت جگہہ ایسے نکاح کے بعد شوہر اول آگیا ہے اور یہ ضرور نہیں کہ وہ بھی مالکی بن جاوے بلکہ وہ مالک بنکر جھگڑتا ہے اور مفاسد عظیمہ برپا ہوتے ہیں ان مفاسد سے بچنا بھی شرعاً ضروری ہے باقی یہ کہ بعض اوقات عورت بلا نکاح نہیں رہ سکتی سو اوسکا جواب یہ ہے کہ اگر خاوند مفقود نہ ہو اُسکا نشان ومقام سب معلوم ہو مگر زوجہ کے حقوق ادا نہ کرے تو آخر اُسوقت یہ عورت کیا کرے بس وہی اب بھی کرے اگر شبہہ ہو کہ اس صورت میں تو اُس پر دعوی کر سکتی ہے تو جواب یہ ہے کہ اگر دوسری سلطنت میں ہو تو دعوی کیسے کرے بہرحال ان سب صورتوں میں صبر کرنا پڑتا ہے بس اب بھی صبر اختیار کرے البتہ جن ریاستوں میں قاضی شرعی بااختیار موجود ہو وہاں جاکر رجوع کرنے سے اگر وہ حکم کردے تو احقر کے نزدیک گنجائش معلوم ہوتی ہے مگر ناظرین دوسرے علماء سے بھی اسکی تحقیق فرمالیں۔

ایک صورت اسی نکاح محصنات کی ایک اور بھی شائع ہے کہ ایک پردیسن عورت نے دعوی کیا کہ میرا شوہر مرگیا یا اُس نے طلاق دیدی اور عدت بھی گذر گئی اور اُس عورت کی ظاہری حالت قابل وثوق نہیں ہے جس سے خدا ترس حلال وحرام کی احتیاط کرنے والے مسلمان کا قلب اُس کے صدق پر شہادت دے پھر بھی بعضے لوگ غرض نفسانی کے غلبہ سے ایسی عورت سے نکاح کر لیتے ہیں پھر بعد میں پتہ لگتا ہے کہ خاوند والی ہے پھر بعضے اس حالت میں بھی نہیں چھوڑتے گویا اتنے دنوں کے قبضہ سے یہ موروثی کاشتکار ہو گئے جن کے سامنے اصلی زمیندار کا حق تصرف مضمحل ہوگیا فقہاء نے ایسی عورت سے نکاح کے جواز میں شہادت قلب کو شرط ٹھیرایا ہے اور یہ شہادت پہلے زمانہ میں تو جلد متحقق ہوجاتی تھی مگر اب کہ زمانہ شیوع کذب وفساد کا ہے بدون جرح وقدح وتحقیق تام وامتحان تدین مخبرہ جسکا نام شہادت قلب ہے وہ جلدی حاصل نہیں ہوتی مغلوب الغرض دہوکہ سے غیر شہادت کو شہادت سمجھ جاتا ہے

اس میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔

اسی نکاح محصنات کی ایک یہ صورت ہے کہ نومسلم عورت کا فوراً ہی کسی سے نکاح کردیا جاتا ہے حالانکہ اگر وہ شوہروالی تھی تو بدوں عرض اسلام علی الزوج اور بابر زوج دارالاسلام میں یا بدوں تین حیض آئے ہوئے غیر دارالاسلام میں تفریق جو بحکم تطلیق ہے واقع نہیں ہوتی پھر اس تفریق کے بعد عدت جدیدہ کے وجوب میں اختلاف ہے اور احوط اختلاف سے بچنا ہے واعظین وائمہ مساجد کو اسکا زیادہ یاد رکھنا چاہیئے۔

بعضے پڑھے لکھے لوگوں کو افسوس ہے کہ نکاح موقت کے حرام ہونے میں اور نکاح موقت کے قیاس پر متعہ کے حرام ہونے میں شبہ کرتے پایا گیا ہماری کتب فقہیہ میں دونوں کی حرمت کی تصریح ہے اور نکاح موقت میں جو بعض کا اختلاف منقول ہے دراصل اُن بعض علماء نے اس نکاح کو موقت ہی قرار نہیں دیا بلکہ تصریحاً فرمایا کہ یہ تاقیت باطل ہے اور نکاح تابیداً صحیح رہے گا باقی جو عقد موقت ہوگا وہ بالاتفاق باطل ہی ہے چنانچہ متعہ کو تمام اہل حق نے باطل کہا ہے اور ہدایہ میں امام مالک کی طرف جو نسبت واقع ہوگئی ہے وہ بالاتفاق غلط نقل ہے خود وہ موطا میں اُسکی تحریم کی حدیث لائے ہیں اور اُن کے مذہب کی کسی کتاب میں وہ نسبت واقع نہیں ہوئی پس یقیناً غلط ہے۔

بعض لوگ ایسی خریدی ہوئی عورتوں یا لڑکیوں کو جن میں کنیز ہونے کے شرائط شرعیہ نہیں پائے جاتے حلال سمجھتے ہیں اُن سے جبراً خدمت بھی لیتے ہیں اور بعضے اُن سے صحبت کرتے ہیں یہ بھی تحلیل محرمات میں داخل ہے۔

بعضے لوگ بی بی کو تین طلاق دیکر پھر اُسکو نکاح میں داخل سمجھتے ہیں یا بلا حلالہ اُس سے تجدید نکاح کرلیتے ہیں بعض کو بعض روایات سے شبہ ہوگیا ہے لیکن یہ مسئلہ اپنے مقام پر حل ہوچکا ہے کہ تین طلاق خواہ مجتمعاً دے خواہ متفرقاً تینوں واقع ہوجاتی ہیں گو ایک جلسہ میں ایسا کرنا معصیت ہے لیکن طلاق مغلظ ہوجاویگی اور بدوں حلالہ نکاح جدید درست نہ ہوگا البتہ جس سے صحبت یا خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو اور اُسکو تین طلاق متفرقاً دے اس طرح کہ تجھکو طلاق

عہ۵ = رجعہ فی الدر المختار وغیرہ ۱۲

تجھکو طلاق تجھکو طلاق اس میں ایک پہلی ہی واقع ہوگی دو لغو ہونگی باقی سب صورتوں میں تینوں طلاق واقع ہوجاوینگی۔

ایک کوتاہی اسی تحلیل محرمات کے متعلق یہ ہے کہ بعض لوگ خصوص اہل امارت وریاست چار سے زیادہ عورتیں نکاح میں جمع کرنے کو حلال سمجھتے ہیں چنانچہ ایک صاحب کو میں نے دیکھا جنکے پاس سات منکوحہ مجتمع سنی جاتی تھیں انھوں نے کسی کا فتوی مجھ سے نقل کیا کہ وہ اٹھارہ تک جمع کرنے کو حلال بتلاتے تھے میں نے اُس فتوی کی تغلیط کی اور اُنکو سمجھایا جس سے وہ ساکت ہوئے باقی یہ تحقیق نہیں کہ زائد علی الاربع کو اُنھوں نے چھوڑا یا نہیں خدا بچاوے ایسے خوشامدی بدنام کنندۂ علماء سے جو دنیوی اغراض کی تکمیل وتحصیل کیلئے امراء کی خوشامد میں اس طرح دین فروشی کرتے ہیں گو یہ قول بعض کی طرف کتب میں بھی منسوب دیکھا گیا ہے لیکن بالیقین غلط ہے اور بالیقین اُس غلطی کا سبب وہاں تدین ہی تھا اور اُسوقت اس کا بالاجماع غلط ہونا اُس قائل پر منکشف بھی نہ تھا اور اب تو بعد وضوح حق کے جو ایسا کرے وہ یقیناً اضله الله على علم کا مصداق ہے۔

ایسے ہی ایک محرف فی الدین کا لکھا ہوا بندہ نے ایک فتوی مسئلہ مصاہرۃ کے متعلق دیکھا ہے اُس شخص نے سائل سے ایکہزار روپیہ لیکر ایک تاویل باطل سے ساس کے ساتھ نکاح کی اجازت دیدی وہ سائل اپنی ساس پر فریفتہ ہوگیا تھا اُس مفتی نے ترکیب یہ لکھی کہ ساس وہ ہے جو منکوحہ کی ماں ہو تو کسی عورت کا ساس ہونا موقوف ہوا منکوحہ کے منکوحہ ہونے پر اور یہ منکوحہ جاہل ہے اور جاہلوں سے اکثر اقوال وافعال شرکیہ وکفریہ صادر ہوا کرتے ہیں اور نکاح پڑھنے کے وقت کسی نے منکوحہ کو تجدید ایمان نہیں کرائی اور مرتدہ کا نکاح مسلم سے صحیح نہیں پس یہ نکاح نہیں ہوا اس لئے نہ وہ منکوحہ ہوئی اور نہ اسکی ماں ساس ہوئی رہی حرمت مصاہرۃ بمحض الوطی سو یہ صرف امام ابو حنیفہ رح کا مذہب ہے سائل پر فرض نہیں کہ اُنکی تقلید کرے بس اسلئے وہ ساس سائل پر حلال ہوگئی افسوس اس شخص نے ایک شخص کی دنیوی نفسانی خواہش پوری کرنے کیلئے بلکہ اپنی ایک رقم سیدھی کرنے کیلئے ایک مسلمان عورت کو کافر بنایا اور اتنی مدت تک زوجین کو مرتکب زنا قرار دیا پھر محض اتباع ہوی کے لئے ایک مقلد ملتزم مذہب معین کو

اجازت ترک تقلید وارتحال الی مذہب الغیر کی دی جسکے خطرناک ہونے کے متعلق ایک حکایت عنقریب عرض کرونگا اس طرح پھیر پھار کرکے محرمہ کو حلال کیا ایسے لوگوں میں اور علماء یہود کاتمین للحق وملبسین للحق بالباطل میں کیا فرق ہے وہ حکایت موعودہ یہ ہے حکی ان رجلاً من اصحاب ابی حنیفة خطب الی رجل من اصحاب الحدیث ابنتہ فی عہد ابی بکر الجوزجانی فابی الا ان یترک مذہبہ فیقرأ خلف الامام ویرفع یدیہ عند الانحطاط ونحو ذلک فاجابہ فزوجہ فقال الشیخ بعد ما سئل عن ہذہ واطرق راسہ النکاح جائز ولکن اخاف علیہ ان یذہب ایمانہ وقت النزع لانہ استخف بمذہبہ الذی ہو حق عندہ وترکہ لاجل جیفة منتنة کذا فی الشامیة عن التاترخانیة قبیل کتاب السرقة۔

اسی کی نظیر ایک اور قصہ میرے سامنے پیش ہوا تھا کہ اُس میں بھی ایک شخص نے محض ایک نفسانی غرض سے ایک منکوحہ کو زانیہ قرار دیا تھا یہ تو دین کے خلاف ہوا اور وہ منکوحہ اس شخص کی بہن تھی اُس کو زانیہ کہنا یہ حیا وغیرت کے خلاف ہوا وہ قصہ یہ ہے کہ ایک سنّی شخص کی سنّی بہن کا نکاح ایک شیعی مرد سے ہوا اور وہ عورت لاولد ہزاروں روپیہ کا ترکہ چھوڑ کر مرگئی تو شرع سے اس کے دو ہی وارث تھے ایک زوج کہ نصف اوسکا تھا دوسرا یہ بھائی کہ نصف اسکا تھا یہ بھائی یوں چاہتا تھا کہ زوج کو کچھ نہ ملے سب میں ہی لے لوں تو اُس کے متعلق اس ترکیب سے سوال لکھا کہ چونکہ سنیہ کا نکاح شیعی سے حسب فتوی کثیر من العلماء صحیح نہیں ہوتا اسلئے وہ مرد اسکا زوج ہی نہیں ہے پس وہ وارث نہ ہونا چاہئے صرف ایک بھائی وارث ہے تو اس صورت میں کل ترکہ کسکو ملے گا میں نے کہا افسوس اول تو جسوقت یہ نکاح ہوا تھا اُسوقت تم کہاں سوتے تھے کیوں ہونے دیا تھا یہ مسئلہ اور غیرت کہاں گئی تھی پھر ہو جانے کے بعد شور وغل کیوں نہیں کیا اتنے دنوں زنا ہوتا رہا اُسکو گوارا کیا پھر ایمان سے کہو کہ اگر اتنا ہی ترکہ شوہر چھوڑ کر مرجاتا اور اُسکا کوئی وارث نہ ہوتا اور تم کو یہ توقع ہوتی کہ اگر میری بہن کو بوجہ فتوی رد علی الزوجین عند عدم وارث کے یہ کل ترکہ ملجاویگا تو بوجہ اُسکے لاولد ہونے کے پھر سب مجھکو مل سکتا ہے (باقی آئندہ)

بُتُ الاحادُ الموضوعہ

ایک فرقہ کہتا ہے کہ جنت - دوزخ - جن ملائکہ کا وجود جو شرع میں وارد ہے محال ہے دوسرا فرقہ مدعی ہے کہ عقل اسکے بالکل مخالف نہیں کیسکی زعم میں زمانہ قدیم اور کیسکے نزدیک حادث ہے غرض یہ کہ اس خودمختار حاکم کے احکام کچھ ایسے مختلف ہیں کہ ذرا ذرا سے بعد پر جس چیز کو چاہو مخالف عقل کہدو اور تھوڑے سے احتمال پر جسکو چاہو موافق عقل سمجھ لو - اس اختلاف عظیم کے ہوتے ہوئے یہ کیونکر طے کیا جاسکتا ہے کہ فلاں مسئلہ یقیناً مخالف عقل ہے اسلئے کہ احتمال باقی ہے کہ دوسری عقلیں اسکی مخالفت کریں یا بعد والوں کی ویسی ہی تحقیق جیسی کہ تمہارے پاس ہے مخالف ثابت ہو لہذا ایسے ناقص اور ناکافی معیار کو کام میں لانا ہی مخالف عقل ہے -

غرض یہ کہ جب ہر ایک قوم اپنے اپنے مزعومات کو اوسیطرح قطعی اور اُسکے خلاف کو اوسی طرح محال عقلی کہتی ہے جس طرح تم روز روشن میں آفتاب بارات کے وجود کو خیال کرتے ہو - پس اب کوئی ایسا معیار ضرور ہمارے پاس ہونا چاہئے جس کے ذریعے سے ہم اسکو قابل یقین طریقہ سے جانچ سکیں کہ آیا فی الواقع یہ مزعوم خلاف عقل ہے یا یہ خلاف عقل ہی مخالف عقل ہے - اور جب تک کوئی ایسا معیار ہمارے پاس نہو اُسوقت تک عقول متوسطہ کے ان اختلافات اور باہمی مناقشات کو اُٹھا دینا کسی طرح ممکن نہیں - اسکا جواب خود انہیں مدعیان اتباع عقل کی زبان سے سنو اور انکے خوشنما مگر زہریلے الفاظ سے متاثر نہو بلکہ معانی پر گہری نظر ڈالو اور اُس سے اس صحیح نتیجہ تک پہونچنے کی کوشش کرو جس سے مذکورہ بالا اعتراض دفع ہوسکے - جواب میں کہا جاتا ہے -

" چونکہ ہماری عقل وہم اور خیال کی آمیزش سے پاک نہیں اس لئے جو کچھ ہم سوچیں اور سمجھیں اور تحقیق کریں اوسمیں غلطی کا احتمال بھی ہو سکتا ہے لیکن ہماری تحقیق دو قسم کی ہوسکتی ہے یا ایسی تحقیق کہ سوائے دینی دلیل کے کوئی ثبوت بین ایسا نہو جسکو ہم مشاہدہ اور معائنہ اور تجربہ سے ایسا صحیح سمجھیں کہ غلطی کا

احتمال ہی نہو یا علاوہ اُس دینی دلیل کے اُس کا ثبوت کامل مشاہدہ اور معائنہ اور تجربہ سے بھی ہو پس پہلی قسم کی تحقیق پر بلا شک ہم احتمال غلطی کا کر سکتے ہیں اور دوسری قسم کی تحقیق پر اُس کا خیال نہیں کر سکتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جسطرح پر ہمارے سب معقولات برحق اور صحیح اور مطابق واقع نہیں ہو سکتے اسیطرح ہمارے سب منقول غلط اور پوچ اور باطل نہیں ہو سکتے۔

اب ہمکو چاہیئے کہ ہم معقولات کا امتحان کریں اور اُسکی صحت اور غلطی کو جانچیں۔ اگر ہم کو امتحان کے بعد اُسکی صحت پر یقین ہو جاوے تو ہمکو اگر سچے مسلمان اور پکے دیندار ہیں اور عقل اور سمجھ بھی رکھتے ہیں اور تعصب اور جہالت سے بھی پاک ہیں تو لازم ہے کہ اونہیں باتوں کا اگر اُنکا ذکر ہمارے دین میں کچھ ہو اُسکا معقولات سے متحد اور مطابق ہونا سب پر ظاہر کر دیں اور اگر بظاہر کچھ اختلاف ہو اُسکے وجوہ پر غور کریں اور ایک سچے با ایمان آدمی کے موافق اُس اختلاف کو حل کریں اگر ہم ایسا کرینگے تو ضرور ہم کامیاب ہونگے اور دونوں کو ایک کر دکھاوینگے"

بشرط فہم سلیم اس عبارت میں چند امور ظاہر ہوتے ہیں۔

(۱) جس نتیجہ تک ہم کو عقل سوچنے اور تحقیق کرنے کے بعد پہونچاتی ہے اُسمیں غلطی کا احتمال بھی ہو سکتا ہے

(۲) ہماری عقلی تحقیق باوجود شہادت عقل کے بھی اپنی صحت میں مشاہدہ اور تجربہ وغیرہ کی محتاج ہے

(۳) جس عقلی تحقیق کی توثیق مشاہدہ اور تجربہ سے نہو وہ ناقابل اعتماد اور ساقط الاعتبار ہے۔

(۴) سارے معقولات (اگرچہ مطابق عقل ہوں) برحق اور صحیح نہیں بلکہ بعض یقیناً غلط ہوتے ہیں۔

(۵) سارے منقولات (اگرچہ عقل کے خلاف ہی کیوں نہوں) باطل نہیں ہوتے ہیں۔

(۶) ہم پر ضروری ہے کہ صرف اپنی عقلیات پر بھروسہ نکریں بلکہ اُسکا امتحان بھی کریں۔

(۷) ہمارے معقولات اور شرعی منقولات میں اگر تخالف ہو تو اُس اختلاف کو دور کریں۔

جسقدر امور ہم نے اس مذکورہ بالا سے مستنبط کیٔے ہیں بالکل صاف ہیں اور اس عبارت میں نہایت صفائی سے اُنکا اقرار کیا گیا ہے ہاں شاید نمبر دوم وسوم میں باوجود اسقدر وضاحت کے بھی کسیکو یہ اشکال باقی ہو کہ عقلیات کی صحت کا موقوف علیہ مشاہدہ اور تجربہ کو نہیں کہا گیا۔ تو اس سے زیادہ صریح اور واضح عبارت اسی کے بعد کی دیکھ لو۔

"خیال کرو کہ اگلے حکمائے یونان جو کچھ سوچتے سمجھتے تھے اور جو مسئلے عقلی وہ بیان کرتے تھے

اُن کی دلیلیں صرف ذہنی اور عقلی ہوتی تھیں اور احتمال غلطی کا بلکہ ظن غالب خطا کا ہوتا تھا اسلئے ہم اُن کو غلط کہہ سکتے تھے مگر جو حکمت کی باتیں اب بیان کی جاتی ہیں اگر وہ ہیں جنکا ثبوت مشاہدہ اور تجربہ اور ایسی تحقیقات پر ہے کہ آنکھ دیکھی چیز سے کم نہیں تو اگر ہم ایسے اصول اور مسلمات کو غلط کہیں اور بلا امتحان اور بغیر جانچ کے غلط اور باطل کہہ دیں تو صرف مکابرہ اور اپنی نادانی کا اظہار کرنا ہے "

اس سے زیادہ اور کس واضح طریقہ سے اسکا اقرار کیا جا سکتا ہے کہ جب تک مشاہدہ یا تجربہ عقل کے ساتھ نہو وہ ناقابل اعتبار ہے

(۸) "اگر چہ کوئی امر دلیل عقلی سے ثابت ہو لیا ہو مشاہدہ۔ تجربہ وغیرہ اُسکی توثیق کر چکے ہوں پھر بھی امتحان اور جانچ کے بعد ہم اُسکو غلط اور باطل کہہ سکتے ہیں۔

(۹) حکمائے یونان کے مظنونات چونکہ عقلی ہوتے تھے مشاہدہ اور تجربہ سے اُنکی تقویت ہوتی تھی اسلئے یہی تھیں کہ اُنمیں احتمال غلطی کا ہوتا تھا بلکہ ظن غالب خطا کا تھا۔

(۱۰) زمانہ موجودہ کی ساری تحقیق قابل اعتماد نہیں بلکہ جنکا ثبوت مشاہدہ اور تجربہ سے ہو لیا ہو صرف وہی لائق اعتبار ہیں۔

ہم ان مقدمات مفہومہ کے متعلق اسی ترتیب سے کچھ عرض کرینگے۔ لیکن یہ بات کہ خود ہمارا بلکہ جمیع متبعین سنت نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا عقیدہ اور مشرب اسکے متعلق کیا ہے بالفعل ضرورت اظہار نہیں رکھتا اور اسوقت تک کہ احادیث نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مستحکم عمارت کو منہدم کر دینے کا ارادہ کرنیوالوں کی ساری جدوجہد ختم نہ ہو لے ہم پسند بھی نہیں کرتے کہ اسکا اظہار کریں۔

(۱) یہ تو معترض کا جواب ہی نہیں بلکہ اُسکے دعوی کی تسلیم ہے وہ بھی یہی کہتا ہے کہ کسی دوسرے معیار کی ضرورت ہے جس سے عقلیات کی صحت معلوم ہو سکے۔ عقل کافی نہیں۔

(۲) مشاہدہ اور تجربہ میں احتمال غلطی کا ہے یا نہیں اگر ہے تو اس سے وہ امر عقلی کیونکر ناقابل احتمال خطا ہو گیا اور اگر نہیں تو مشاہدہ اور تجربہ میں وقوع غلط (اگرچہ کسی عارض ہی کی وجہ سے کیوں نہو) کیوں ہوتا ہے مشاہدہ میں مثلاً مرئی حاطہ نظر سے دور ہے۔ خود باصرہ میں ضعف وغیرہ کا پیدا ہونا۔ یا مرئی کا ایسا لطیف ہونا کہ باصرہ کو اُسپر قدرت نہیں وغیر ذلک تجربہ کی حقیقت یہ ہے

کہ کسی چیز کو مرۃ بعد مرۃ جانچا جاوے اور ہر مرتبہ اُسکے آثار وہی پائے جاویں جو ایک مرتبہ اُس سے ظاہر ہوئے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایک چیز سے چند مرتبہ ایک ہی قسم کے آثار ظاہر ہو جانے سے یہ کیونکر یقین ہو گیا کہ اِس سے ان آثار کے مبائن ظاہر ہونا ممکن ہی نہیں ایک شخص جو سالہا سال سے تجربہ کر رہا ہے کہ فلان دوا دست آور ہے اگر اُس سے ایک معتمد اور صادق القول شخص بیان کرے کہ اُس مجرب دوا کا اثر فلاں شخص کے لئے بجائے اسہال کے قبض کا ہو گیا تو کیا وہ اُسکو عقلاً محال کہہ سکتا ہے؟ اگر کسی ایسے شخص کے سامنے جو ریل کی سرعت سیر بارہا دیکھ چکا ہے کوئی قابل وثوق شخص کہے کہ فلاں جگہ ریل نے ایک سیل کا راستہ چار گھنٹے میں طے کیا تو کیا وہ عقلاً باطل کہہ سکیگا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اور اگر کہیگا تو یقیناً مجانین اور سفہا کے زمرہ میں شمار کیا جاویگا۔ اور جب اصل کی حالت یہ ہے تو جو چیزیں تجربہ یا مشاہدہ کی قائم مقام ہوں اُنکا حال ظاہر ہے۔

(۳) جب امر عقلی مشاہدہ اور تجربہ کے بغیر نا قابل اعتبار رہا تو اب انصاف سے بتاؤ کہ مثبت مشاہدہ اور تجربہ ہے یا عقل بجز اسکے کوئی صورت نہیں کہ مشاہدہ اور تجربہ کو مثبت کہا جاوے۔

(۴) یہی معترض کا منشا ہے کہ عقل قابل اعتبار نہیں۔

(۵) تو عقل مجیب کے نزدیک منقولات کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ؎

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

(۶) عقلیات کے امتحان کی صورت معلوم نہیں کیونکہ مشاہدہ اور تجربہ کا حال پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے۔

(۷) یہ بیشک مسلم مگر کلام اسمیں ہے کہ عقل کو نقل کے مطابق کیا جاوے یا نقل کو عقل کے۔ دونوں کا فرق اور اسلام کیلئے نفع و نقصان ظاہر ہے۔

(۸) معلوم ہوا کہ باوجودیکہ کسی امر عقلی کی صحت کی شہادت مشاہدہ اور تجربہ دیچکے ہوں پھر بھی وہ اس درجہ کو نہیں پہونچتے کہ اُسمیں احتمال خطا کا باقی نہ رہے پھر جب اب بھی احتمال خطا کا باقی ہے تو معلوم نہیں کہ اُس سے وحی خداوندی اور فرمان نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو اسکے مخالف کہکر رد کر دینا کہاں تک جائز کہا جا سکتا ہے۔ وقع فیما فر منہ۔

(۹) معلوم ہوا کہ امر عقلی کی تائید جبتک مشاہدہ یا تجربہ نہ کرے اُسمیں ظن غالب خطا کا رہتا ہے۔

(۱۰) ظاہر ہوا کہ موجودہ زمانہ کی تحقیقات بھی غلط ہو سکتی ہیں۔

اِن تمام باتوں پر غور سے نظر ڈالوگے تو صاف ظاہر ہو جاویگا کہ یہی نہیں کہ معترض کے اعتراض کو تسلیم کر لیا گیا بلکہ جسدرجہ عقل کو نا قابل اعتبار اِس مجیب نے قرار دیا اُس سے زیادہ کوئی شخص قرار نہیں دیسکتا یہی وہ قوم کے لیڈر ہیں جنھوں نے صاف لفظوں میں فرما دیا تھا "پس جو دین و مذہب ایسا ہو کہ جس کے بانی نے عقل کو بیکار کر دیا ہو اور اُس سے کام لینے سے ممانعت کر دی ہو تو اُس دین کو کوئی قبول نہ کریگا مگر احمق اور جاہل کیونکہ بنا اُسکی جہالت پر ہے"

(باقی آیندہ)

تقریظات کتب

مطبع قاسمی دیوبند سے دو کتابیں بغرض تقریظ موصول ہوئیں ہم انکی طرف ناظرین القاسم الرشید کو خاص طور پر توجہ دلاتے ہیں

العقل والنقل

آپ اگر بنظر امعان اس نام میں غور کرینگے تو ان دو لفظوں ہی میں آپکو کتاب کے مضامین کی مجمل فہرست نظر آ دے گی یہ کتاب ہمارے محترم جناب مولانا مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی کی ذہانت اور وسعت نظر وتبحر علمی کا ایک ایسا زبردست نشان ہے کہ اپنے تعداد کے نصاب شہادت کو پورا کر دیتا ہے اور اپنی وحدت کے ضمن میں جو کثرت دلائل لئے ہوئے ہے اس سے ناظرین کو مطمئن بنا دیتا ہے۔ عقل ونقل کی حقیقت ان دونوں کی قوت انکا باہمی علاقہ انکے مراتب پر محققانہ قلم فرسائی کیگئی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ عقل سلیم اور نقل صحیح میں ہرگز اختلاف کی گنجایش نہیں جہاں اختلاف ہے وہاں یا عقل کی سلامت مجروح ہے یا نقل کی صحت لنگ اگر عقل کی سلامت یا نقل کی صحت میں قصور ہوا اور اسکی بناپر اختلاف ہو جائے تو اسکا فیصلہ کسطرح ہونا چاہئے اسکا معیار بتا دیا گیا ہے۔

مطالعہ سے مناظرہ کے داؤگھات اور علم کلام کے بہتیرے اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتے ہیں ان سب خوبیوں پر جو ایک اور اضافہ ہے جسکو تاج پر طرہ کہنا زیبا ہے وہ یہ کہ عبارت نہایت پرزور متانت اور سنجیدگی کے ساتھ طرز بیان اور انداز افہام میں وہ سلاست اور سہولت ہے کہ جسکی اس زمانہ میں کہ علما کے طرز تحریر وتقریر کی شکایت عام ہو اور ابنائے زمانہ اسکو اپنے بے علمی اور دینی ناواقفیت کی سپر بناکر کامیاب ہونا چاہیں اشد ضرورت ہے۔

یہ تو ایک نہایت مجمل مرقع اسکے حسن معنوی کا تھا اب حسن صورت کے متعلق بھی اسقدر کہدینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جناب منشی محمد محبوب علی صاحب سلمہ یاقوت رقم میرٹھی نے اسکی کتابت میں اپنے جوہر دکھائے ہیں۔ چھپائی میں مولوی عماد الدین صاحب نے اپنے انتظام کی داد لینے کا استحقاق ظاہر کیا ہے کاغذ نہایت عمدہ ہے غرضکہ حسن سیرت کے ساتھ حسن صورت بھی دلفریب ہے جسکی اس زمانہ میں زیادہ ضرورت ہے ان سب خوبیوں پر قیمت آٹھ آنہ ہیں۔ ۸ر

مناجات مقبول

ناظرین اس کتاب سے واقف ہونگے اسکی تقریظ القاسم میں بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ حضرت حکیم الامۃ مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہم نے کتب حدیث سے ہر قسم کی دعائیں منتخب فرماکر ایک مجموعہ تیار فرما دیا اور اسکو سات منزلوں پر تقسیم فرما دیا کہ روزانہ بطور ورد ایک منزل پڑھلیجائے ان تمام دعاؤں کا اردو ترجمہ نظم میں بھی کردیا گیا مولوی عماد الدین صاحب نے بھی اس نافع کتاب کو مطبع قاسمی میں طبع کیا ہے چونکہ جدت پسندی کا دور ہے تو مولویصاحب موصوف نے اسمیں یہ جدت کی ہے کہ ایک صفحہ پر عربی اور دوسرے صفحہ پر اسکا نظم ترجمہ طبع کیا ہے کہ عام قارئین ساتھ ساتھ اگر پڑھنا چاہیں تو پڑھنے میں سہولت اور حظ حاصل ہو اب تک یہ طرز اور مطبوعہ نسخوں میں مرعی نہیں ہے۔ آخر میں ۴۸ صفحات کا ایک اور اضافہ ہے جو مناجات مطبوعہ کانپور میں نہیں ہے اور یہ ضمیمہ مستقل بصورت رسالہ علیحدہ بھی چھپا ہوا موجود ہے۔ قیمت کی تفصیل یہ ہے

مناجات مع ضمیمہ حاشیہ	بلا جلد	۶ر
	مجلد نقرئی نہایت عمدہ	۱۰ر
ضمیمہ مناجات جسکا ذکر اوپر ہوا	بلا جلد	۱ر

خاکسار معتمد المدیر

ملنے کا پتہ — مطبع قاسمی دیوبند ضلع سہارنپور۔ مولوی محمد عماد الدین صاحب ناظم مطبع

قواعد و ضوابط رسالہ القاسم

۱ - یہ رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے اور کسی ماہ کا رسالہ بتیس ۳۲ صفحے سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھجاتا ہے۔

۲ - یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوتا ہے اور عام قیمت سالانہ مع محصول دو روپیہ آٹھ آنہ (عہ) پیشگی لیجاتی ہے۔ ممالک غیر سے صرف اسیقدر زیادہ لیا جائیگا جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے۔

۳ - جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچ روپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائینگے وہ رسالہ کے معاونین خاص میں شمار ہونگے۔ اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہیگی۔

۴ - سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے ہیں جملہ حضرات کی خدمت میں شروع کا (یا خریدار کا جب سال شروع ہو اُسکا) پہلا پرچہ ویلو بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کر کے (عہ) کا ویلو روانہ ہوگا۔

۵ - یہ رسالہ ہرگز کبھی کسی صاحب کی خدمت میں بلا طلب و تحریک ویلو نہیں روانہ کیا جاتا۔ بعض حضرات خود طلب فرماتے ہیں اور بعض حضرات اپنے احباب پر اعتماد کر کے دوسروں کی خدمت میں ویلو بھیجنے کی فرمایش کرتے ہیں۔

۶ - شعبان ۱۳۳۳ھ مطابق جولائی ۱۹۱۵ء سے اس رسالہ کا چھٹا سال شروع ہوا ہے۔ پچھلے پانچ سالوں کی مکمل جلدیں موجود ہیں قیمت ہر جلد کی (عہ) مع محصول ڈاک ہے۔

۷ - نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں اُنکے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کئے جائینگے جو اصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں۔

۸ - القاسم کے متعلق جملہ تحریرات و ترسیل زر بنام حضرت مدیر یا بنام خاکسار ہونی چاہئے۔

المشتہر

خاکسار سراج احمد عفی عنہ معتمد المدیر "رسالہ القاسم" مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۰۲۳

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی۔ مذہبی۔ اخلاقی۔ ادبی۔ تمدنی۔ تاریخی ماہوار رسالہ

نمبر ۷ | بابت ماہ صفر ۱۳۳۴ھ | جلد ۶

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

(نے)

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

(اور)

مطبع قاسمی دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھپوایا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ صفر ۱۳۳۴ھ

(مطابق ماہ جنوری ۱۹۱۶ء)

جو حضرت مولانا محمود حسن صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

(اور)

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

(شائع ہوتا ہے)

اطلاع = خریداران کو مناسب ہے کہ ہر تحریر میں نمبر خریداری درج فرمادیں ورنہ شکایت عدم تعمیل معاف۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

۔۔۔۔۔(گذشتہ سے پیوستہ)۔۔۔۔۔

لیکن وصف حیوۃ کے اشتراک سے افراد ذیحیات میں ایک اور علاقہ بھی قائم کردیا۔ باوجود اسکے کہ حصہ مکلف کو اس حصہ پر فوقیت دی گئی جسمیں فقط حیات ہے مکلف نہیں ہے۔ کہ یہ اوسکا خادم وتابع بنایا گیا۔ اور اوسی کے منافع کیلئے پیدا کیا گیا۔ مگر تاہم وصف حیوۃ کی رعایت اس جزو کے ذمہ بھی کیگئی۔ ذیحیات میں جو حصہ غیر موذی ہے۔ اور انسان کو اسکی پرورش و استعمال کی اجازت دی گئی ہے۔ جیسے اونٹ۔ بیل۔ بکری۔ مرغی وغیرہ۔ اُسکی رعایت تو اس درجہ تک ہے کہ اس کے چارہ دانہ میں کمی کرنے سے یا برداشت سے زیادہ خدمت لینی بوجھ لادنے سوار ہونے میں قابل مواخذہ ہوجاتا ہے رہا وہ حصہ جو خود انسان کا دشمن اور اُسکی بنیاد کو گرانے والا ہے باوجود اُسکو قتل کرڈالنے کی اجازت کے اسکی ممانعت ہے کہ ترسا کر یا تکلیف پہونچا کر مار ڈالا جائے۔ یہ کیوں صرف اسلئے کہ اشتراک حیاتی کا اقتضا یہ ہے اور تفریق دیگر اوصاف کا اقتضا دوسرا۔

یہ اشتراک وانفراد اسی طرح ترقی کرتا ہوا انس وجن پر منتہی ہوا۔ جن وانس موجود بھی ہیں ذیحیات بھی ہیں۔ ذوی العقول بھی ہیں۔ مکلف بہ تکالیف شرعیہ ومخاطب بالخطابات الالہیہ بھی ہیں۔ اور باوجود ان اشتراکات کے اُنمیں انفراد وامتیاز بھی ہے۔ جن مرکب ہے اجزاء ناری سے اور اسوجہ سے وہ لطیف ہے۔ اُسکو قدرۃ دی گئی ہے کہ اشکال مختلفہ میں متشکل ہوسکے۔ انسان کثیف ہے۔ اجزاء ارضیہ سے اُسکی ترکیب ہے لیکن انسان کو اسوجہ سے کہ وہ اجزاء ارضی سے بنایا گیا تواضع فروتنی تذلل وانقیاد اُسکے خمیر میں داخل اور عبدیت وافتقار اُسکی اصل فطرۃ میں مستقر ہے جن پر جسکے اندر بوجہ اجزاء ناری علو واستکبار خلقی ہے تفوق وامتیاز دیا گیا۔

بوجہ ان اشتراکات کثیرہ متنوعہ کے جن وانس میں حقوق کا موثق ومحکم تعلق قائم کردیا گیا۔

جن کے حقوق انس پر ہیں - اور انسان کے جنات پر - اور بوجہ ان اوصاف مخصوصہ کے جو انسان میں ہیں - اسکو جنات پر صورتاً - سیرتاً - حکماً فوقیت و امتیاز دیا گیا -

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم -	ہمنے انسان کو اچھے پیمانہ صورت پر پیدا کیا -

سے تو جسم انسانی کا تمام اجسام سے خواہ لطیفہ ہوں یا کثیفہ - احسن ہونے کا ثبوت ملتا ہے - اور اسی سے اسکے اخلاق باطنی کی فوقیت و امتیاز کا نشان بہی ملتا ہے - ارشاد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم -

خلق اللہ آدم علی صورتہ	اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت و مثال پر بنایا کہ صفت پر جو نوع انسانی کی تمامی پیدا کیا

سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مظہر تمام صفات کمالیہ خداوند عالم کا ہے - مخلوقات کا کوئی دوسرا فرد خواہ لطیف ہو یا کثیف - نوری ہو یا ناری - اس درجہ کا مظہر تام نہیں ہے - اور اسی حدیث سے بنیۂ انسان کی باعتبار تقویم و اعتدال اجزار صوری احسن و اجمل - اعلی و برتر ہونے کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے -

آدم علیہ السلام کو خلعت خلافت خداوندی عطا ہوتے اور ارشاد خداوندی

انی جاعل فی الارض خلیفہ	میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ بنانیوالا ہوں -

کے فرمان واجب الاذعان نے اُسکی تفوق و برتری پر مہر لگادی اور اب کسی کو دعویٰ ہمسری و استحقاق تقدم و تفوق اُسپر نہ رہا -

اور اسطرح اشتراک و انفراد - مساوات و امتیاز کا سلسلہ موجودات سے چلکر ایک صنف کو دوسری پر فوقیت دیتا ہوا - انسان پر منتہی ہوا - اور انسان کے افراد میں پھر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا -

ہماری اصلی غرض مساوات و حریت کے مسئلہ کا تعلق چونکہ افراد انسانی سے ہی ہے اسلئے ہم اسکی تفصیل شروع کرتے ہیں -

تمام افراد انسانی خواہ کسی ملک اور کسی رنگت کے ہوں - رومی - حبشی - ترکی - تاتاری یورپی - ایشیائی - افریقی - امریکی - سب ایک نسل سے ہیں - ایک ماں باپ کی اولاد ہیں

اس انشعاب و تفریق پر۔ اِس مُباینت رسوم و عادات پر سب کے سب ایک مبدء پر جا کر ملجاتے ہیں۔ لیکن اس اشتراک پر جس سے بڑھکر اور کیا اشتراک ہو سکتا ہے۔ اونہیں افتراق و تقسیم کا سلسلہ جاری ہے۔ اور اسی سے احکام میں بھی تفریق ہوجاتی ہے۔ تفصیل اُسکی یہہ ہے۔

کہ خداوند عالم نے بنی آدم کے اشتراک و افتراق۔ تجانس و تمائز کو آیۃ ذیل میں ارشاد فرمادیا ہے۔

یاایھاالناس اناخلقناکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوبًا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم

اے لوگو ہمنے تمکو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور پھر تمکو قبیلوں اور کنبوں میں تقسیم کردیا۔ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ امتیاز قائم رکھسکو۔ خوب یاد رکھو کہ اللہ کے نزدیک تم میں کا وہی شخص مکرم ہے جو زیادہ متقی ہے۔

جملہ اولی میں بنی آدم کا اشتراک بیان فرمایا گیا ہے اور جملہ وجعلناکم سے آخر آیۃ تک اُنکا افتراق و تمائز ظاہر ہے کہ نظام تمدن اسکا مقتضی تھا کہ بنی آدم باوجود ایک نسل اور ایک جنس ہونے کے باہم متمائز اور متبائن بھی ہوں۔ اُنکے انساب محفوظ ہوں۔ اگر ایسا نہوتا تو اُنمیں اور بہایم میں کوئی فرق نہوتا۔

امتیاز دو قسم کے ہیں ایک تمدنی و معاشرتی۔ جسکے منافع حیات دنیا تک محدود ہیں۔ دوسرا مذہبی و دیانتی جنکا احاطہ فوائد دار دنیا سے آخرۃ تک وسیع ہے۔ آیۃ مذکورہ میں اول امتیاز و افتراق کو جملہ وجعلناکم شعوبًا وقبائل لتعارفوا میں بیان فرمایا ہے اور مذہبی و دیانتی کو ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم میں۔

ہر ایک امتیاز کا مبنی جداگانہ امور ہیں جنکی تفصیل یہہ ہے۔

امتیاز تمدن و معاشرت میں بہت سے شعبے امتیاز و افتراق کے ہیں۔ پہلا شعبہ نسب کا ہے مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے چند بیٹے ہوئے۔ اور ہر بیٹے کی اولاد جداگانہ ہوئی۔ اور اسطرح سلسلہ بسلسلہ شاخ در شاخ ہوتا چلا گیا۔ اگر بنی آدم کا توالد و تناسل مثل حیوانات و بہائم ہوتا

تو اس قسم کا امتیاز قائم ہوتا اور نہ اسکی ضرورت پڑتی - اس امتیاز نسبی سے کنبے خاندان کنبوں سے چھوٹے بڑے قبیلے اور پھر قومیں پیدا ہوتی چلی گئیں - یہ امتیاز و افتراق شروع میں تو بہت کم محسوس ہوتا ہے کیونکہ مثلاً اپنی اولاد اور اپنے بھائی کی اولاد میں بہت کم سمجھا جاتا ہے لیکن جوں جوں بُعد بڑھتا جاتا ہے مبائنت بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ قبائل کا امتیاز بہ نسبت کنبہ اور خاندان کے بہت زیادہ ہوتا ہے - اور اقوام کا افتراق و امتیاز تو اس درجہ ہو جاتا ہے کہ گویا انہیں کہیں جا کر بھی مشارکت نسبی نہیں ہے -

دوسرا امتیاز ملک اور وطن کی وجہ سے ہوتا ہے - ہر ایک ملک کی آب و ہوا جداگانہ ہے رنگ و روپ - رسم و رواج قوی جسمانی کے ارتقاء و انحطاط میں اسکو بڑا دخل ہے - اور جسطرح حفاظت انساب نسل انسانی کے لیئے ضروری تھی - اسیطرح امتیاز ملک و وطن بھی تمدن کا لازمی جزو ہے - بغیر اسکے نظام تمدن قائم نہیں رہ سکتا -

تیسرا امتیاز حرفت و صنعت اور پیشہ کی وجہ سے ہوتا ہے - دنیا میں بعض پیشہ اعلیٰ و ارفع موجب عزت سمجھے جاتے ہیں - اور بعض ادنیٰ موجب حقارت و توہین ہوتے ہیں - مثلاً تجارت کو عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے - گداگری و سوال کو نہایت حقارت سے - اسیطرح صنائع میں زیور بنانے والا معزز سمجھا جاتا ہے بہ نسبت جوتے سینے والے کے - علی ہذا درزی کا درجہ خاکروب سے بلند ہوتا ہے -

ہر سہ امتیازات مذکورہ بالا تمدن عالم کیلیئے ضروری ہیں - اگر یہ تینوں نہوں تو نظام عالم قائم نہیں رہ سکتا - امتیاز مدارج و مراتب - انصرام حوائج و ضروریات زندگی - جلب منافع و دفع مضار کا مدار انھیں پر ہے - اور اس قسم کے امتیاز اور بھی ہیں جنکے بیان کرنے میں طول ہے - یہ وہ امتیاز ہیں - جنسے قومیں نکلتی ہیں قبیلے بنتے ہیں - خاندان پیدا ہوتے ہیں - اور یہی امتیاز حدود بنتے ہیں جنکی وجہ سے ایک قوم دوسری قوم سے ایک ملک دوسرے ملک سے ایک خاندان دوسرے خاندان سے ہر ایک صناع و پیشہ ور دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے -

ان امتیازات سے تو بنی آدم کے اصناف انواع اجناس پیدا ہوتے ہیں - اور ایک دوسری قسم کا امتیاز اور ہے جسکا اثر افراد تک تو بیشتر اور بسا اوقات اقوام و قبائل تک

بھی پہونچ جاتا ہے۔

مثلاً امتیاز علم وجہل۔ علم جوہر نفیس ہے۔ جسکے اندر یہ جوہر ہو اُسکے محترم واجب التعظیم قابل اطاعت ہونے میں کسکو شک وشبہ ہوسکتا ہے۔ علم کسی فن کا ہو انسان کے مرتبہ کو بالا وبلند کردیتا ہے۔ اُسکے مقابلہ میں جہل عزت سے ذلت۔ اوج سے حضیض۔ احترام واکرام سے اہانت وتذلیل کیطرف دھکیلتا ہے۔ علم وجہل سے حقیقی بھائیوں کے مدارج ومراتب میں امتیاز وافتراق پیدا ہوجاتا ہے۔ ایک بھائی دولتِ علم سے مالامال ہوکر دنیا کا سرتاج۔ شاہان دنیا کا مقرب مخلوق کا اُستاذ ومودب بنا ہوا ہے۔ دوسرا جاہل کندہ ناتراشیدہ اس قابل بھی نہیں کہ کوئی اس سے تخاطب کرے پاس بٹھلانے کا بھی سزاوار ہو۔ اور یہ امتیاز علم بسا اوقات افراد سے متجاوز ہوکر اقوام تک پہونچ جاتا ہے۔ کسی خاندان سے دولتِ علم زائل ہوئی۔ جہل کا غلبہ ہوا تو چند پشتوں کے بعد وہ وحشی بنجاتے ہیں۔ بجائے اخلاق انسانی وحشت حیوانی اُنپر غالب آجاتی ہے۔ اسیطرح بعض ملک کے ملک جہل کی وجہ سے انسانیت سے خارج ہوجاتے اور وحشی کہلانے لگتے ہیں۔

ایسی اقوام یا ممالک یا اقالیم کی مثالیں بھی بہت ہیں۔ جو کسی وقت جہل کی وجہ سے وحشی کہلاتے تھے۔ علم نے اُن کو مہذب بناکر متمدن اقوام میں داخل کردیا۔ پہلے تو عرب ہی کی حالت دیکھ لیجئے۔ اکثر حصہ ملک بیشتر اقوام وقبائل جہل کے گھوتار میدانوں میں بھٹکتے پھرتے تھے۔ اُنمیں اور وحشیوں میں تھوڑا سا ہی فرق تھا۔ اور جب علم آیا۔ اُسنے فطری اخلاق وملکات کو جلادی تو کہاں سے کہاں تک پہونچ گئے۔ دنیا پر اپنے علم وہنر کا سکہ جادیا۔ اصلی حقیقی تہذیب کا سبق سارے عالم کو دیدیا۔

پھر امریکہ پر نظر ڈال لیجئے۔ کہاں وہ وحشت۔ اور کہاں یہ ترقی ایجادات وصنائع۔ وعلی ہذا جاپان وغیرہ ممالک کا حال ہے۔

یا مثلاً امتیاز۔ اخلاق واعمال۔ ایک درجہ کے افراد میں محاسن اخلاق ومکارم اطوار سے امتیاز پیدا ہوجاتا ہے۔ مہذب ومتمدن۔ علم کی دولت سے مالامال۔ نسب وحسب وقومیت میں مساوی۔ باایںہمہ اشتراکات اخلاق شریفہ وضیعہ سے امتیاز پیدا ہوجاتا ہے حُسن خلق

عالم کے علم کو مہذب کی تہذیب۔ شریف النسب کے نسب کو ممتاز بنا دیتا ہے۔ جہل کے نقصانات آنکھوں سے اوجھل کر کے جاہل کی عزت بڑھا دیتا ہے۔

وعلیٰ ہذا اس قسم کے امتیازات اور بھی ہیں۔ اِن امتیازات سے قبائل و اقوام تو نہیں بنتے مگر افراد یا اقوام میں فضائل و کمالات شرافت و دنارت کے درجات قائم ہوجاتے ہیں۔

اِن امتیازات کے بعد ایک اور بھی امتیاز ہے۔ جو ساری دنیا۔ یا کسی اقلیم۔ یا کسی حصہ ملک کو دو حصوں پر منقسم کر دیتا ہے ایک سلطان یا حاکم ہوتا ہے۔ باقی کل افراد اُسکی محکوم و رعیت۔ یہ امتیاز قومیت و وطنیت۔ نسب۔ و خاندان سے بالکل علیحدہ ہے۔ یہ تمام امتیازوں سے اوپر کا امتیاز ہے۔ اور عالم کے تمدن۔ بقار نسل۔ تحفظ حقوق کیلئے اسکا وجود نہایت ضروری و لازم۔

امتیاز دیانت و مذہب جو جناب باری کے ارشاد ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم سے معلوم ہوتا ہے اسکے شعبے و درجات اگرچہ بہت سے ہیں مگر ان سب کا منشا اور اصل ایک ہے۔

انسان کو خدا نے اس لئے پیدا کیا ہے کہ عالم کے ہر جزو سے فائدہ اوٹھائے۔ تمام لذائذ و نعم سے متمتع ہو۔ سب پر حکومت کرے۔ اور ہماری بندگی کرے۔ ہمارے سامنے گردن جھکائے۔ ہمکو خالق مالک سمجھے۔ اپنے آپکو مخلوق و مملوک۔ سارے عالم کو اسکا ملک بنا کر اسکو ہر قسم کے تصرفات مالکانہ کی اجازت دیگئی۔ اور اُس سے صرف اتنا طلب کیا گیا کہ ہمکو اپنا مالک و رب رازق و معطی۔ معبود جانے۔ تمام اجزا عالم کا انسان کیلئے مسخر و خادم ہونا تو ظاہر ہے کوئی ذیعقل انکار ہی نہیں کرسکتا۔ رہا یہ امر کہ وہ عبادت و اطاعت کیلئے پیدا کیا گیا ہے اسکا انکار بھی کسی عاقل فہیم سے ممکن نہیں ہے۔ خداوند عالم نے امر اول کو تو ان الفاظ میں ارشاد فرمایا۔

الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السموات و ما فی الارض و اسبغ علیکم نعمہ ظاہرۃ و باطنۃ

کیا نہیں دیکھا تم نے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے مسخر کر دیا اور اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کو تم پر پورا کیا۔

اور دوسری جگہ یوں ارشاد ہے۔

اللہ الذی خلق السموات والارض و انزل من السماء ماءً فاخرج بہ من الثمرات رزقاً لکم و سخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہ و سخر لکم الانہار و سخر لکم الشمس والقمر دائبین و سخر لکم اللیل والنہار و آتاکم من کل شیء ما سألتموہ و ان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوہا ان الانسان لظلوم کفار۔

اللہ وہ ذات پاک ہے جسنے آسمانوں کو اور زمینوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی اُتارا اور اُس سے تمہارے لئے میووں سے رزق پیدا کیا اور مسخر کیا تمہارے لئے کشتیوں کو کہ اُسکے حکم سے دریا میں چلیں اور مسخر کیا تمہارے لئے نہروں کو اور مسخر کیا تمہارے لئے سورج اور چاند کو ہمیشہ اور مسخر کیا تمہارے لئے دن اور رات کو اور دیا تمکو کچھ ہر چیز سے جو تمنے سوال کیا اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہ کر سکو گے بیشک انسان بڑا ظلم کرنیوالا اور ناشکر گذار ہے۔

اور امر ثانی کو آیۂ ذیل میں۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ما ارید منھم من رزق وما ارید ان یطعمون۔

نہیں پیدا کیا میں نے جن اور انس کو مگر اسی لئے کہ وہ میری عبادت کریں میں اُنسے رزق نہیں چاہتا اور نہ یہ کہ وہ مجھکو کھلائیں۔

انسان کی خلقت اس غرض کیلئے ہے تو اُسکی افراد میں۔ ایک عام تقسیم ہوکر کل اقوام عالم کے دو حصے ہو گئے خواہ وہ ایک نسب ایک خاندان ایک قبیلہ کے ہوں یا جدا گانہ۔ ایک ملک ایک اقلیم۔ ایک شہر۔ ایک قبیلہ۔ ایک گاؤں ایک محلہ کے ہون یا علٰحدہ علٰحدہ کسی پیشہ وحرفت کے ہوں۔ عالم کریم النفس ہوں۔ یا جاہل۔ وحشی اخلاق وعادات کے۔

ایک حصہ مومن۔ ایک حصہ کافر۔ جسنے خداوند عالم کی اصلی غرض خلق عالم۔ اور خلق انسان کو ملحوظ رکھا عالم کے اجزا سے متمتع ہوا اور خود کو خدا کا بندہ مانا۔ ساری دنیا کو اپنی ملک سمجھا اپنے آپ کو اپنے خالق کا مخلوق مملوک خداوند عالم کے بھیجے ہوئے انبیاء اور اُسکے نازل کئے ہوئے احکام کا اتباع کیا مومن کہلایا۔ اور جس نے سرتابی کی مخلوقات دنیا پر تو ایسے تصرفات کئے گویا اُسکی پیدا کی ہوئی اُسکے مملوک وغلام ہیں۔ اور خود اپنے مالک وخالق سے روگردانی کی اُسکے وجود کا قائل نہ ہوا۔ یا ہوا تو اپنی عقل نارسا کا تابع۔ انبیا کو نہ مانا۔ احکام منزلہ کا اتباع کیا نئے شریعت کو نہ مانا۔ وہ کافر۔ ناشکر گذار۔ جاحد نعمت ٹھیرا۔

اس امتیاز کے درجات بیشمار ہیں۔ مومن کی تقسیم بوجوہ متعددہ ہوتی ہے جس سے اسکے افراد وانواع بنتے جاتے ہیں۔ ایمان درجہ اعتقاد واعمال دونوں میں ہے تو مومن صالح ہے۔ فقط درجہ اعتقاد میں ہے۔ اعمال میں تقصیر ہے مومن فاسق ہے۔ خداوند عالم کے وجود اُسکی توحید وصفات کا علم یقینی اُسکو حاصل ہے تو کامل ہے محض تقلید ہے۔ تو ناقص۔ علی ہذا اسرار معرفت وتوحید۔ علوم اذواق ومواجید سے بہرہ ور ہو تو مومن عارف ہے ورنہ غیر عارف۔ وحی وتنزیل سے اُسکو سرفراز فرمایا گیا ہے۔ تو نبی۔ ورسول ہیں۔ ورنہ صدیق وشہید وصالح۔

اس امتیاز کے اصلی آثار تو آخرت میں ظاہر ہونگے۔ مگر اُسکے احکام کا تعلق حیوۃ دنیا سے ہے اسلئے اُن احکام کے آثار دنیا میں بھی برابر ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

اشتراک و امتیاز کی اس بحث کا جسکو یہاں بیان کیا حاصل یہ ہے کہ اشتراک کے درجہ میں مساوات ہوتی ہے اور امتیاز کے مرتبہ میں تفریق احکام و معاملات ہوجاتی ہے۔ جبتک اشتراک وجودی تھا۔ حقوق و معاملات کا تعلق نہ تھا۔ موجودات عالم میں ایک کو دوسرے پر حق تقدم و تفوق باعتبار تقدم خلقت۔ یا محتاج الیہ ہونے۔ یا صغر و کبر اجسام یا قلت وکثرت نفع کے ہو۔ مثلاً اربع عناصر کو موجودات عالم کی خلقت میں ایسا دخل ہے جسکی وجہ سے اونکو اصل موجودات کہا جاتا ہے۔ پہاڑ پیدا ہوتے ہیں تو انہیں عناصر کی ترکیب و امداد سے۔ اشجار و اثمار بھی انہیں سے۔ حیوانات و بہائم بھی انہیں سے۔ یا مثلاً شمس و قمر کواکب سیارہ و ثوابت۔ علی ہذا افلاک و سموات بھی موجودات میں ہیں۔ مگر انکا نفع موجودات عالم کو زیادہ پہونچتا ہے۔ موسموں کا تغیر و تبدل جنکو اعتدال مزاج عالم میں دخل عظیم ہے۔ انہیں کے متعلق ہے شمس و قمر کی نورانیت اور تنویر نے انکے درجہ کو کسقدر بڑھا دیا ہے۔ مگر جب تک فقط وجود کا اشتراک ہے حقوق و معاملات کا تعلق نہیں ہے۔ اور جب وصف حیوۃ نے امتیاز کر دیا۔ موجودات میں حد فاصل لگا دی۔ حقوق و استحقاقات و معاملات کا علاقہ قائم ہوگیا۔ اور پھر درجہ بدرجہ جو جو امتیاز و تفریق ہوتی گئی حقوق کا تعلق بڑھتا گیا۔ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔

جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سنئے۔ کہ اشتراک و امتیاز کے احکام جداگانہ ہیں۔ جس حد تک اشتراک ہے اسمیں حکم مساوات ہے۔ اور جس وصف سے امتیاز شروع ہوتا ہے حکم مساوات بدل جاتا ہے۔ احکام میں تفریق ہوجاتی ہے۔ ہر ایک وصف کے امتیاز نے اسکے لئے جداگانہ حکم ثابت کیا ہے

مساوات کے تین درجہ ہیں ایک مساوات ذات میں۔ ایک مساوات صفات و حالات میں۔ ایک مساوات حقوق و معاملات میں۔ ہماری غرض اسوقت مساوات حقوق و معاملات کو بیان کرنے سے ہے مساوات ذات و صفات سے نہیں ہے۔ ذات و صفات میں مساوات کا ہونا مشکل ہے بلکہ یہ کہا جائے کہ ہر موجود کی صورت شکل۔ قد و قامت۔ حیز و مکان وغیرہ اوصاف مختلفہ نے ناممکن کر دیا ہے تو بیجا نہیں اور ہو بھی تو ہمکو اس سے بحث نہیں ہے۔

(باقی آئندہ)

مبدأ و معاد

—— (گذشتہ سے پیوستہ) ——

احقر کہتا ہے کہ اِسکے متعلق صاحب درمختار نے وضوء کے بیان میں ایک نکتہ بیان فرمایا ہے کہ تین مسئلے ایسے ہیں کہ وہ باوجود نفل ہونے کے فرض سے افضل ہیں تفصیل اسکی یہ ہے کہ قاعدہ کلیہ فقہ کا ہے کہ فرض افضل ہے نفل سے مگر تین مسئلے اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں حالانکہ وہ نفل و مستحب ہیں مگر فرض سے بہتر ہیں اونمیں سے ایک نماز کے وقت سے پہلے غیر معذور کے لئے وضوء کرنا کہ بعد وقت کے وضوء کرنا فرض ہے اور قبل از وقت مستحب ہے مگر یہاں مستحب بہتر ہے فرض سے دوسرا مسئلہ ابراء معسر جو کہ مستحب ہے انظار معسر سے افضل ہے حالانکہ انظار معسر فرض ہے یعنی اگر مدیون مفلس ہو تو اُسکو مہلت دینا فرض ہے جیسا کہ آیۃ وان کان ذو عسرۃ الاٰیۃ میں مذکور ہوا لیکن اگر بالکل مدیون کو بری کردے اور قرض معاف کردے تو یہ بہتر ہے حالانکہ یہ فرض نہیں ہے نفل و مستحب ہے جیسا کہ اُس مرد فاسق کے قصّہ میں گذرا جو مفلس کو بالکل بری کرتا تھا اور قرض معاف کردیتا تھا تیسرا مسئلہ ابتداء بالسلام کرنا مستحب و سنت ہے بہتر ہے جواب سلام دینے سے حالانکہ جواب دینا سلام کا فرض ہے اِن ہر سہ مسئلون کو کسی نے نظم کیا ہے

اَلفَرضُ اَفضَلُ مِمنُ تطوعِ عابِدٍ	یعنی فرض بہتر ہے عبادت کرنیوالیکی نفلی عبادت سے
حَتّٰی ولو قد جاء منہ باکثر	اگرچہ وہ اُس سے زیادہ عبادت کرے اور نوافل و مستحبات
اِلَّا التطھر قبل وقتٍ و ابتدا	کی کثرت کرے مگر پاک ہونا وقت سے پہلے اور ابتداء
للسلام کذاک ابرا معسرٍ	بالسلام کرنا اسیطرح مقروض مفلس کو قرض سے بری کرنا

اب رہی تحقیق اس قاعدہ کی کہ فرض کا نفل سے بہتر ہونا کلیۃً کیوں تسلیم کیا گیا ہے سو وجہ اسکی ظاہر ہے کہ حکیم علی الاطلاق عزشانہ نے فرض اُسی چیز کو فرمایا ہے جسمیں خوبی اور کمال زیادہ ہی مقتضاء حکمت

یہ ہی ہے کہ ہر ایک شے کو اُسکے مرتبہ پر رکھنا پس جس چیز کو اسد تعالیٰ نے ضروری کیا اُسکا مرتبہ بالضرور اُس سے زیادہ ہے کہ جسکو اسد تعالیٰ نے فرض نہیں فرمایا بخاری شریف میں حدیث قدسی میں مروی ہے اسد تعالیٰ فرماتا ہے۔

وماتقرب اِلَیَّ عبدی بشیٔ اَحَبَّ الیَّ مماافترضت علیہ

حاصل یہ ہو کہ میری بندہ کو میرا قرب کسی چیز سے جو مجھکو پسندیدہ تر ہو اُس سے زیادہ نہیں ہو سکتا جو مینے اُس پر فرض کیا

یعنی حالانکہ نوافل سے جو قرب حاصل ہوتا ہے وہ بھی بہت بڑا قرب ہے اور کمالات ولایت میں سے ہے لیکن جو قرب فرایض سے حاصل ہوتا ہے وہ بدرجہا زیادہ ہے قرب نوافل سے صحیح ابن خزیمہ میں وارد ہے کہ واجب مستحب سے ستر درجہ زیادہ ہے قرب فرائض اور قرب نوافل کے بیان میں حدیث ابی ہریرہ بخاری میں منقول ہے الفاظ اُسکے یہ ہیں۔

وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ قال من عادی لی ولیًا فقد اذنتہ بالحرب وماتقرب اِلَیَّ عبدی بشیٔ احب اِلَیَّ مماافترضت علیہ ومایزال عبدی یتقرب اِلَیَّ بالنّوافل حتّٰی احببتہ فاذا احببتہٗ فکنتُ سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہٗ الذی یبصربہ ویدہ اللّتی یبطش بھا ورجلہ اللّتی یمشی بھا وان سالنی لاعطینّہ ولئن استعاذنی لاعیذنّہ وماترددتُ عن شیٔ انا فاعلہ ترددی عن نفس المؤمن یکرہ الموتَ وانا اکرہ مساءتہ ولا بدلہ منہ رواہ البخاری

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اسد تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اسد صلی اسد علیہ وسلم نے فرمایا کہ بالیقین حقتعالیٰ فرماتا ہے کہ جو کوئی میرے ولی اور میرے دوست سے دشمنی کرے سو میں اُسکو مطلع کرتا ہوں کہ میری اُس سے لڑائی ہے اور وہ میرا دشمن ہے جبکہ وہ میرے دوست کا دشمن ہے علما نے فرمایا ہے کہ یہ وعید حقتعالیٰ نے کسی معصیۃ میں نہیں فرمایا کہ میری اُس سے لڑائی ہے مگر ایک اس میں اور ایک سود کھانے والے کے بارہ میں۔ اور میرا بندہ میرا قرب کسی چیز میں ایسا حاصل نہیں کرتا جو بہتر اور محبوب تر ہو مجھکو اُس چیز سے جو میں نے اُسپر فرض کیا یعنی ادا فرائض سے جو قرب اور نزدیکی اسد تعالیٰ کی حاصل ہوتی ہے وہ کامل تر اور افضل ہے اُس قرب سے جو ادا نوافل سے حاصل ہو کیونکہ فرض کے ادا کرنے میں بندہ اپنے اختیار سے

بالکل علیحدہ ہوتا ہے اور حقتعالی کے حکم کی اطاعت اُس میں زیادہ اور کامل ہے اور نوافل کے ادا کرنے میں بندہ کے اختیار کو بھی دخل ہے قرب فرائض میں فناء ذات ہے اور قرب نوافل میں فناء صفات ۔ اور میرا بندہ میرا قرب نوافل سے حاصل کرتا رہتا ہے یہانتک کہ میں اُسکا کان ہوجاتا ہوں کہ وہ اُسکے ساتھ سنتا ہے اور اُسکی بینائی ہوجاتا ہوں کہ اُسکے ساتھ وہ دیکھتا ہے اور اُسکا ہاتھ ہوجاتا ہوں کہ اُسکے ساتھ وہ پکڑتا ہے اور اُسکا پیر ہوجاتا ہوں کہ اُسکے ساتھ وہ چلتا ہے اور بیشک اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اُسکو دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگتا ہے تو میں اُسکو پناہ دیتا ہوں اور نہیں تردد کیا میں نے کسی چیز میں کہ میں اُسکو کرنے والا ہوں مومن کی جان کے قبض کرنے سے کہ وہ موت سے گھبراتا ہے اور میں اُسکی تکلیف کو پسند نہیں کرتا حالانکہ وہ موت سے بچ نہیں سکتا اس حدیث کے اس جملہ کنتُ سمعہ الذی یسمع بہ الخ کی شرح مرقاۃ ولمعات وغیرہ میں اسطرح کی ہے۔

قیل ای یجعل اللہ حواسہ و آلاتہ وسائل الی مرضاتہ فلا یسمع الا ما یحبہ اللہ و یرضاہ فکانہ یسمع بہ الی آخرہ و قیل یجعل اللہ سلطان حبہ غالبا علیہ حتی لا یری الا ما یحبہ اللہ ولا یسمع الا ما یحبہ یکون اللہ سبحانہ فی ذلک یدا وعونا ووکیلا یحمی سمعہ وبصرہ ویدہ ورجلہ عما لا یرضاہ وقیل معناہ کنتُ اسرع الی قضاء حوائجہ من سمعہ فی الاستماع وبصرہ فی النظر ویدہ فی اللمس ورجلہ الی المشی وقال الشیخ یعنی لا یسمع شیئا ولا یبصر شیئا ولا یبطش شیئا ولا یمشی الی شیئ

کہا گیا ہے کہ معنی اسکے یہ ہیں کہ اللہ تعالی اُس کے حواس اور آلات کو وسیلہ اپنی رضا کے حاصل کرنیکا فرماتا ہے سو وہ نہیں سنتا ہے مگر اُس امر کو کہ اللہ تعالی اُسکو پسند فرماوے اور اُس سے راضی ہو پس گویا وہ اللہ کے ساتھ سنتا ہے الخ اور کہا گیا ہے کہ اللہ تعالی اپنی محبت کو اُسپر غالب فرماتا ہے یہانتک کہ وہ نہیں دیکھتا مگر اُس چیز کو کہ اللہ تعالی اُسکو دوست رکھے اور نہیں سنتا ہے مگر اُس چیز کو کہ اللہ تعالی اُسکو پسند فرماوے اور اللہ تعالی اُسکا مددگار اور کارساز ہوجاتا ہے اُسکے کان اور آنکھ اور ہاتھ اور پیر کو بچاتا ہے غیر پسندیدہ امور سے اور کہا گیا کہ معنی اسکے یہ ہیں کہ میں اُسکی حاجات کے پورا کرنے میں جلدی کرتا ہوں اُسکے کان کے سننے اور آنکھ کے دیکھنے

الا و الحق سبحانہ منظورہ و مقصودہ | اور ہاتھ کے چھونے اور پیر کے چلنے سے یعنی اُسکے

اعضاء و حواس اپنے اپنے کارہائے مفوضہ کو اُس شرعت سے نہیں کرتے جیسا کہ حقتعالےٰ اپنے فضل و کرم سے اُسکے حوائج کے پورا کرنے میں جلدی فرماتا ہے اور شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معنی اسکے یہ ہیں کہ وہ نہیں سُنتا ہے کسی چیز کو اور نہیں دیکھتا ہے کسی چیز کو اور نہیں پکڑتا ہے کسی چیز کو اور نہیں چلتا ہے کسی چیز کی طرف مگر حال یہ کہ حق سبحانہ تعالیٰ اُسکی نظر میں اور مشاہدہ میں ہے۔ بقیہ حدیث ابو خدری رضہ کا ترجمہ یہ ہے یہانتک کہ جب آفتاب دھوپ کی چوٹیوں پر اور دیوارونکے کنارونپر پہنچگیا یعنی قریب غروب کے ہوگیا تو آپ نے فرمایا آگاہ رہو کہ دنیا اسیقدر باقی رہی ہے جسقدر اس دن کا حصہ باقی رہگیا روایت کیا اسکو ترمذی نے۔

احقر کہتا ہے کہ غرض یہ ہے کہ دنیا فنا ہونے والی اور ختم ہونے والی ہے اُسکا بہت تھوڑا حصہ باقی رہگیا ہے آخرت آنے والی ہے اور وہ باقی اور دائم ہے اُسیطرح توجہ اور التفات رکھنا چاہیئے اور وہان کا سامان کرنا چاہیئے۔

وعن ابی البختری عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لن یھلک الناس حتی یعذروا من انفسہم رواہ ابوداؤد۔	اور روایت ہے ابوالبختری سے وہ روایت کرتے ہیں ایک شخص سے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز ہلاک نہ ہونگے آدمی یہانتک کہ اُنکو کوئی عذر باقی نہ رہے حاصل یہ ہے کہ جسوقت آدمی

گناہ کثرت سے کرنے لگیں گے کہ اُن کی وجہ سے وہ مستحق عذاب کے ہوجاوینگے اور کوئی عذر باقی نہ رہیگا اُسوقت وہ ہلاک ہونگے اور اُنپر عذاب الٰہی نازل ہوگا لمعات میں بشرح حدیث مذکور فرمایا ہے۔

قولہ حتی یعذروا الخ المشہور من الروایۃ بضم الیاء علی صیغۃ المعلوم من الاعذار۔ فی القاموس اعذر فلان ای کثرت ذنوبہ وعیوبہ ومنہ لن یھلک الناس حتی یعذروا من انفسہم	یعنی یُعْذِروا میں مشہور روایت یاء کا ضمہ اور ذال کا کسرہ ہے صیغہ مضارع معروف کا باب افعال سے قاموس میں ہے کہا جاتا ہے اعذر فلان زیادہ ہوئے گناہ اُسکے اور عیوب اُسکے اور اسی سے ماخوذ ہے حدیث لن یھلک الناس حتی یعذروا

وقیل فی توجیهه ان الهمزة للسلب
ای ازالوا عذرهم بکثرة اقتراف
الذنوب فیستوجبون العقوبة من الله
والمنع والزجر من الناس بالنهی عن
المنکر ویحتمل ان یکون من اعذر
ای صار ذا عذر فالهمزة للصیرورة
والمعنی یذنبوا فیعذروا فصاروا
محل الاعتذار من انفسهم اویتعذرون
بتاویلات زائغة او اعذار فاسدة من
قبل نفسهم وفی القاموس اعذر ابلی
عذرا۔ ویروی بفتح الیاء من عذرة
ای جعلته معذورا فکانهم بکثرة
ذنوبهم عذروا من یعاتبهم ویزجرهم
وینهاهم عنها فافهم فی الصراح عذر
بالضم والسکون بهانه ومعذور داشتن

من انفسہم یعنی اس حدیث میں یعذروا اسی
معنی میں ہے اور اسکی توجیہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہمزہ
سلب کا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ اُنھوں نے
گناہوں کی کثرت کرکے اپنا عذر باقی نہ رکھا سو وہ
مستحق ہوگئے اللہ تعالی کیطرف سے عذاب کے اور تنبیہ
اور زجر کے لائق ہوگئے لوگوں کی طرف سے کہ وہ اُنکو
نہی عن المنکر کریں اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہمزہ اسمیں
صیرورة کا ہوا اور معنی یہ ہوں کہ وہ صاحب عذر ہوگئے
یعنی گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے وہ لائق عذر
کے ہوگئے یا یہ مطلب ہے کہ لوگ ہلاک نہ ہونگے یہانتک
کہ ٹیڑھی تاویلیں اور عذرہا بیہودہ اپنی طرف سے ذکر کرینگے
اور قاموس میں اعذر کے معنی یہ بھی لکھے ہیں کہ ظاہر کیا
عذر کو اور یاء کا فتحہ بھی روایت کیا گیا ہے اس صورت
میں یہ مجرد سے ہے کہا جاتا ہے عذرتہ یعنی کیا میں نے
اُسکو معذور اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ گویا وہ لوگ
کثرت ذنوب کی وجہ سے اپنے عتاب کرنے والوں اور زجر کرنے والوں اور گناہوں سے منع کرنیوالونکو
معذور سمجھتے ہیں صراح میں ہے کہ عذر کے معنی ہیں بہانہ اور معذور رکھنا۔

وعن عدی بن عدی الکندی قال
حدثنا مولی لنا انه سمع جدی یقول
سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم
یقول ان الله تعالی لایعذب العامة
بعمل الخاصة حتی یروا المنکر بین ظهرانیهم
وهم قادرون علی ان ینکروه فلا ینکروا

اور عدی بن عدی کندی سے روایت ہے کہ ہمسے
ہمارے ایک مولی نے بیان کیا کہ اُسنے میرے دادا
سے سُنا وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے سُنا کہ آپ فرماتے تھے کہ بیشک اللہ تعالی
عام کو خاص لوگوں کے اعمال کی وجہ سے عذاب نہیں
فرماتا یعنی ایسا نہیں کرتا کہ بعض لوگوں کی بداعمالیونکی

فاذا فعلوا ذلك عذب الله العامة والخاصة رواه فی الشرح السنه

وجہ سے سب لوگوں کو ہلاک فرما دے۔ یہانتک کہ وہ دیکھیں کہ اُنکے سامنے امور خلاف شرع اور منکر ہوتے ہیں اور اُنکو اُن امور منکرہ کے بدلنے اور روکنے کی قدرت ہے پھر وہ نہ روکیں سو جب وہ ایسا کرینگے اُسوقت اللہ تعالیٰ عام اور خاص سب کو عذاب فرما دیگا روایت کیا اسکو شرح سنہ میں

احقر کہتا ہے کہ قرآن شریف میں ارشاد فرمایا۔

واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة واعلموا ان الله شديد العقاب۔

معالم التنزیل کے ترجمہ تحفۃ الجلیل میں اس آیۃ کی تفسیر میں ہے اور ڈرو اُس آزمایش اور عذاب سے جو تم میں سے خاص ظلم کرنیوالوں کو ہی نہ پہنچیگا بلکہ عام ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض اشخاص کے اعمال بد کے سبب سب کو عذاب اُسیوقت ہوتا ہے کہ خلاف شرع امور کو دیکھیں اور اُسپر انکار نہ کریں حالانکہ وہ قدرت رکھتے ہیں انکار پر سو جب ایسا کریں گے سب گرفتار عذاب ہو جاوینگے خاص اور عام اور جانو کہ بے شبہ اللہ کا عذاب اور اُسکی پکڑ سخت ہے۔

وعن عبد الله بن مسعود رض قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لما وقعت بنوا اسرائيل في المعاصي نهتهم علماء هم فلم ينتهوا فجالسوهم في مجالسهم واكلوهم وشاربوهم فضرب الله قلوب بعضهم ببعض فلعنهم على لسان داؤد وعيسى بن مريم ذالك بما عصوا وكانوا يعتدون قال فجلس رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان متكئا فقال لا والذي نفسي بيده حتى تاطروهم اطرا رواه الترمذي وابوداؤد وفي رواية قال كلا والله لتامرن بالمعروف

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رض سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبکہ بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہوئے اُنکے علماء نے اُنکو منع کیا وہ باز نہ آئے پھر وہ علماء اُن لوگوں کے ساتھ بیٹھے اُنکی مجلسوں میں اور اُنکے ساتھ کھانا کھایا اور پانی پیا پس مارا اللہ نے اُنکے بعض کے دلوں کو ساتھ بعض کے یعنی خلط کر دیا بعض دلونکو ساتھ بعض کے ابن ملک کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جنہوں نے نافرمانی نہ کی تھی اُنکے دلوں کو بھی سیاہ کر دیا نافرمانی کرنے والوں کی نحوست سے سو اُن سبکے دل سخت ہو گئے اور حق کے قبول کرنے سے اور نیز

ولتنهون عن المنکر ولتاخذن علی یدی الظالم ولتاطرنه علی الحق اطراً ولتقصرنه علی الحق قصراً اولیضربن الله بقلوب بعضکم علی بعض ثم لیلعنکم کما لعنہم۔

دور ہو گئے بسبب اُن کے گناہوں کے اور باہم اختلاط کرنے کے، بس لعنت کی اللہ تعالیٰ نے اُنپر حضرت داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان پر یہ اسوجہ سے کہ اُنہوں نے نافرمانی کی اور تھے وہ حد سے تجاوز کرتے۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے یہ فرماکر سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا قسم ہے اللہ کی تم معذور نہیں سمجھے جاسکتے اور عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکتے جب تک کہ نہ روکو اُن کو روایت کیا اسکو ترمذی اور ابوداؤد نے اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا قسم اللہ کی بالضرور تم امر بالمعروف کرو اور منکر سے منع کرو اور ظالم کے ہاتھوں کو پکڑو اور اُسکو حق بات کی طرف لاؤ اور حق پر روکو یا البتہ ماریگا اللہ تعالیٰ تمھارے بعض کے دلوں کو ساتھ بعض کے اور سب کو مخلوط کردیگا پھر البتہ لعنت کریگا تمپر جیسا کہ لعنت کی اُنپر۔ احقر کہتا ہے کہ بنی اسرائیل کی بعض زیادتیوں اور گناہوں کا بیان حقتعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا ہے۔

وسئلهم عن القرية التي كانت حاضرة البحر اذ يعدون في السبت اذ تاتيهم حيتانهم يوم سبتهم شرعا ويوم لا يسبتون لا تاتيهم كذلك نبلوهم بما كانوا يفسقون واذ قالت امة منهم لم تعظون قوما الله مهلكهم او معذبهم عذابا شديدا قالوا معذرة الى ربكم ولعلهم يتقون فلما نسوا ما ذكروا به انجينا الذين ينهون عن السوء واخذنا الذين ظلموا بعذاب بئيس بما كانوا يفسقون فلما عتوا

معالم التنزیل میں جو کچھ ان آیات کی تفسیر کے متعلق فرمایا اُسکا مختصر بیان یہ ہے اور پوچھ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان یہود سے از راہ سرزنش اُس بستی کا حال جو دریا کے کنارہ پر تھی یعنی ایلہ جو ایک بستی ہے درمیان مدین اور طور کے جبکہ زیادتی کرتے تھے وہ ہفتہ کے دن میں یعنی اُس بستی کے رہنے والوں نے باوجود ممانعت کے ہفتہ کے دن شکار مچھلی کا کیا جبکہ آتی تھیں اُنکے پاس مچھلیاں اُنکی جسدن کہ ہفتہ ہوتا تھا ظاہر ہوکر پانی پر یعنی پے در پے بکثرت۔ مروی ہے کہ ہفتہ کے دن بڑی بڑی مچھلیاں سفید مثل مینڈھوں کے آتی تھیں اور جس دن ہفتہ نہ ہوتا تھا مچھلیاں اُنکے پاس

عن ما نھوا عنہ قلنا لھم کونوا قردۃ
خاسئین ۝ واذ تاذن ربک لیبعثن
علیھم الی یوم القیمۃ من یسومھم
سوء العذاب ان ربک لسریع العقاب
وانہ لغفور رحیم۔ وقطعنٰھم فی الارض
امما منھم الصلحون ومنھم دون
ذلک وبلونٰھم بالحسنات والسیّات
لعلھم یرجعون فخلف من بعدھم
خلف ورثوا الکتاب یاخذون عرض
ھذا الادنی ویقولون سیغفر لنا وان
یاتھم عرض مثلہ یاخذوہ الم یوخذ
علیھم میثاق الکتاب ان لا یقولوا
علی اللہ الا الحق ودرسوا ما فیہ والدار
الاخرۃ خیر للذین یتقون افلا تعقلون
والذین یمسکون بالکتاب واقاموا الصلوۃ
انا لا نضیع اجر المصلحین واذ نتقنا
الجبل فوقھم کانہ ظلۃ وظنوا انہ واقع
بھم خذوا ما اتینٰکم بقوۃ واذکروا ما فیہ
لعلکم تتقون ۝

نہ آتی تھیں اسیطرح آزماتے ہیں ہم انکو بسبب انکے فسق کے۔ شیطان نے انکے دل میں وسوسہ ڈالا کہ اللہ تعالی نے تمکو ہفتہ کے دن مچھلیاں کھانے سے منع فرمایا ہے شکار کرنے سے منع نہیں کیا یہ وسوسہ ڈالا کہ دریا کے کنارہ پر حوضیں بنالو ہفتہ کے دن مچھلیاں گھیرکر ان حوضوں میں مقید کرلو پھر اتوار کے روز شکار کرلیجو الغرض ایک عرصہ تک وہ ایسا ہی کرتے رہے پھر اتنے بڑھے کہ ہفتہ کے دن ہی شکار کرنا شروع کردیا یہ لوگ قریب ستر ہزار کے تھے ایک تہائی اس معصیۃ میں مبتلا ہوئے اور ایک تہائی خاموش تھے نہ شکار کرتے تھے نہ منع کرتے تھے اور ایک تہائی منع کرتے تھے جب انکا کہنا نہ مانا وہ ان سے جدا رہنے لگے حق تعالی نے سب کو بندر بنا دیا سوائے منع کرنے والوں کے جیسا کہ فرمایا اور یاد کر جب کہ کہا ایک جماعت نے انمیں سے کہ کسواسطے نصیحت کرتے ہو تم ان لوگوں کو کہ اللہ ہلاک کرنیوالا ہے انکو یا عذاب دینے والا ہے ان کو سخت عذاب۔ منع کرنے والوں نے کہا کہ ہمارا نصیحت کرنا عذر ہے ہماری طرف سے تمہارے رب کیطرف کہ ہمپر یہ مواخذہ نہو کہ تم نے کیوں نہ منع کیا۔ ہمکو امر بالمعروف کرنا ضرور ہے آیندہ انکو اختیار ہے مانیں یا نہ مانیں تاکہ وہ ڈریں اللہ سے اور معصیۃ کو چھوڑیں۔ سو جب بھولے وہ اس نصیحت کو جو انکو کی گئی یعنی اسپر عمل نہ کیا اور اصرار کیا معصیۃ پر نجات دی ہمنے ان لوگوں کو جو منع کرتے تھے بدی سے اور پکڑا ہمنے ظالموں کو ساتھ عذاب سخت دردناک کے بسبب ان کے فسق کے۔

(باقی آیندہ)

کلمۃ الحق

۔۔۔ (گذشتہ سے پیوستہ) ۔۔۔

اگر وہ حدیث من حیث الاسناد تواتر سے کم اور خبر واحد سے زیادہ قوت رکھتی ہے اُسکو خبر مشہور کہا جاتا ہے۔ جو علم اِس سے حاصل ہوتا ہے وہ خبر واحد سے نہیں ہوسکتا۔ کبھی یہ اپنی ذاتی قوت اور قرائن خارجیہ کے انضمام سے اسقدر ترقی کرلیتی ہے کہ خبر متواتر کے قائم مقام بنجاتی ہے یہ سب وہ اصول ہیں کہ جنکو محدثین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے مقرر کیا اور کاربند ہوئے۔

اب فرض کیجئے کہ قرآن مجید میں ایک آیت نازل ہوئی۔ اُس سے ایک حکم ثابت ہوا۔ یہ حکم بہت سے افراد سے متعلق ہے۔ قرآنی آیت کی رو سے اُسکے عموم وشمول میں کوئی خلاف نہیں الفاظ بصراحت عموم پر دلالت کرتے ہیں۔ اسکا نسخ جائز ہے یا نہیں۔ یہ ایک مستقل مسئلہ ہے اور بعض فرقوں کی عنایت سے طویل الذیل ہوگیا ہے اِس زمانہ میں بھی اِسپر خامہ فرسائی ہوتی رہتی ہے مگر اسوقت میرے موضوع سخن سے خارج ہے اسلئے میں اُسکے درپے نہیں ہوتا اور صرف یوں کہتا ہوں کہ اہل سنت کے نزدیک جواز نسخ میں کوئی خفا نہیں قرآن مجید کی آیت اور حدیث شریف کا نسخ جائز ہے اور ہوا ہے۔ اُسکی صورتوں میں کچھ اختلاف ہے جسکا لکھنا نہ چنداں ضروری ہے اور نہ موقوف علیہ اسلئے ترک مناسب ہے۔

حنفیہ خبر واحد سے نسخ قرآن کو جائز نہیں سمجھتے۔ اصولاً یہ قاعدہ نہایت مضبوط اور محکم ہے۔ کیونکہ گو خبر واحد دراصل قرآن وحی ہے۔ مگر من حیث الثبوت قرآن کو تواتر نے وہ قوت دی جو من حیث الثبوت خبر واحد میں نہیں۔ متواتر سے جو علم واذعان قوی حاصل ہوتا ہے خبر واحد سے نہیں۔ اب اقتضائے عقل یہی ہے کہ قرآن کو خبر واحد سے نسخ نہ کیا جائے ہاں اگر خبر واحد کے ساتھ

کچھ قرائن خارجیہ ایسے منضم ہو جاویں کہ جو سامع کو اُسکے قبول پر برانگیختہ کردیں اُسکے علم میں طمانینت اور اذعان کا مرتبہ پیدا کردیں۔ ظن اور تخمین سے ترقی کر جاویں اور مفید علم الیقین اور مزیل ظن و تخمین ہوں تو وہ تسلیم کرتے ہیں کہ ایسی خبر واحد ناسخ قرآن ہو سکتی ہے۔ کیا یہ نسخ محض خبر واحد سے ہوا۔ عاقل جانتے ہیں کہ نہیں بلکہ قرائن خارجیہ نے نفس خبر سے منضم ہو کر وہ علم عطا کیا جو خبر متواتر سے اسلئے اذعان تام حاصل ہو گیا۔

جو فریق خبر واحد سے مطلقاً نسخ قرآن کا قائل ہے اُسنے حنفیہ کے اس قاعدہ محکم پر زور سے کچھ اعتراض کر دے۔

(۱) وہ کہتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بیت المقدس کا استقبال کرنے پر مامور تھے اور ایک مدت تک آپ بیت المقدس کی طرف کو متوجہ ہو کر نماز پڑھتے رہے یہ حکم اس آیت سے نسخ ہوا۔

فول وجهك شطر المسجد الحرام پس اپنا مونہہ نماز میں مسجد حرام (خانہ کعبہ) کی طرف پھیرو

آپنے تعمیل ارشاد کی اور کعبہ کا استقبال شروع کر دیا لیکن ابھی یہ خبر شائع نہیں ہوئی تھی اور مدینہ کے قرب جوار میں جو مسلمان رہتے تھے وہ اُسی پہلے حکم کے پابند تھے قبا کی مسجد میں نماز بجماعت ہو رہی تھی کہ ایک شخص مدینہ نبوی سے چلکر وہاں پہونچا اور اُنکو اُس حکم جدید سے مطلع کیا وہ سُنتے ہی نماز ہی میں بیت الحرام کی طرف متوجہ ہو گئے۔ دیکھئے یہ خبر واحد ہے اور صرف اصطلاحی خبر واحد نہیں بلکہ لغوی اور حقیقی خبر واحد ہے ایک آدمی نے ان سے تذکرہ کیا اور اُنہوں نے اسکے قبول میں نہ کچھ سوچا نہ سمجھا نہ تامل کیا فوراً نماز ہی میں اُسپر عامل ہو گئے خبر واحد ان کے نزدیک اگر ناسخ قرآن نہوتی تو یہ بزرگ ایسا کیوں کرتے حنفیہ کا اصول کیسا ہی محکم کیوں نہو مگر جو واقعہ ہمنے پیش کیا ہے اس سے ہمارے دعوی کی جو تائید ہوتی ہے اُس سے کسیکو انکار کی گنجایش نہیں اور حنفیہ کو اپنا محکم قاعدہ ترک کئے بغیر چارہ نہیں اور کچھ اسی ایک واقعہ پر بس نہیں ہے ایسے جزئیات اور بھی موجود ہیں۔

(۲) وہ کہتا ہے کہ آپ اپنے صحابہ کرام کو تبلیغ و اشاعت کیلئے ملک میں روانہ کرتے تھے یہ حضرات تنہا تنہا اور ایک ایک دو دو ملکر تبلیغ احکام کرتے تھے آخر اُن احکام میں احکام ابتدائیہ اور ناسخہ دونوں ہی ہوتے تھے۔ اور ملک کے مسلمان ان کی بات کو برابر مانتے اور اُسپر کاربند ہوتے تھے کیا یہ خبر

(۲۴۲)

متواتر تھی ہرگز نہ تھی۔

(۳۰) وہ کہتا ہے کہ قرآن پاک کی آیت۔

قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمه الا ان یکون میتة او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانه رجس او فسقا اهل لغیر الله به۔	کہہ تو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ میں وحی الٰہی میں کسی کھانیوالے کیلئے سوائے مردہ گوشت کے بہتے خون اور سور کے گوشت کے کہ وہ ناپاک ہے یا وہ ذبیحہ کہ جو از راہ فسق ہو کہ نام لیا گیا ہو غیر خدا کے ساتھ اور کوئی چیز حرام نہیں پاتا۔

سے صرف ان اشیاء مذکورہ کی حرمت اور سوائے ان کے باقی اشیاء کی حلت معلوم ہوئی اس قطعی آیت کا نسخ اس خبر واحد سے باتفاق فریقین ہوا۔

نہی رسول الله صلے الله علیه وسلم عن اکل کل ذی ناب من السباع و اکل کل ذی مخلب من الطیر او کما قال۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچلی دار درندوں اور پنجہ دار پرندوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

(فائدہ) ذی ناب شریعت میں وہ جانور ہے کہ جو اپنی کچلیوں سے شکار کرے اور ذی مخلب وہ پرندہ ہے کہ جو ہوا میں اُڑ کر اپنے پنجہ سے شکار کرے۔

پس معلوم ہوا کہ خبر واحد سے برابر نسخ قرآن ہوتا ہے اب ہمکو حنفیہ کا وہ محکم اصول اور مضبوط قاعدہ کچھ مرعوب نہیں کرسکتا اور ہم اپنے خیال جازم سے ایک انچہ کیا ایک چاول نہیں ہٹ سکتے۔ یہ کلام بادی النظر میں گو کچھ وقیع معلوم ہوتا ہو مگر حنفیہ بھی بحمد اللہ تعالیٰ اپنے محکم اصول کو اسقدر محکم اور صحیح سمجھتے ہیں کہ ساری دنیا اونکو اُسکی تسلیم سے بال برابر نہیں ہٹا سکتی اور بات حقیقت میں یہ ہے کہ اس نسخ کے مسئلہ میں جو اختلاف ہے کہ کس کا نسخ کس سے جائز ہے اور کس سے نہیں ہر شخص اپنے اپنے نزدیک اصول اور قاعدہ رکھتا ہے اور اُسکا پابند ہے اُسکی وجہ سے ایک شخص دوسرے شخص کو ملام ومطعون نہیں بناتا کیونکہ یہ ایسا اختلاف ہے کہ اس سے بچنا سخت مشکل ہے اور درحقیقت یہ اختلاف رحمت ہے۔

حنفیہ کے اصول میں غور نہ کرنے سے ایسا خیال کسیکو ہو سکتا ہے مگر اُنکی عبارات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنپر یہ مقالات کسی طرح حجت نہیں ہو سکتے۔ آپ خیال کیجئے کہ اُنھوں نے

یوں کیا ہے کہ خبر واحد من حیث ہو خبر واحد ناسخ آیت نہیں کیوں۔ اسلئے کہ آیت قطعی ہے اور خبر واحد ظنی۔ حالانکہ قاطع کا موقوف علیہ بھی قطعی ہونا چاہیئے۔ ہاں اگر خبر واحد کے ساتھ اور قرائن ملکر اُسکی قوت میں ترقی کردیں تو بیشک نسخ ہو سکتا ہے لیکن یہ محض خبر واحد کا کام نہیں ہے۔

(۱) مسجد قبا کا واقعہ حنفیہ پر یوں حجت نہیں ہو سکتا کہ یہاں محض خبر واحد نسخ کی مثبت نہوئی بلکہ اسکی خبر کے ساتھ قرینہ قویہ موجود تھا جسنے اُنکو اُسکے قبول پر مجبور کیا۔ وہ یہ کہ آپ (صلے اللہ علیہ وسلم) بیت المقدس کی طرف کو نماز پڑھتے ہیں مگر دل میں شوق بیت الحرام کی طرف متوجہ ہونے کا ہے آپ برابر آسمان کی طرف آنکھیں لگائے ہوئے منتظر ہیں آپسے وعدہ ہو چکا ہے کہ ہم تمکو تمہارے قبلہ کی طرف توجہ کا حکم دینگے کچھ انتظار کرو صحابہ کرام کو یہ سب واقعہ معلوم ہے اور آپ کے ساتھ سب منتظر ہیں چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

قد نریٰ تقلب وجھک فی السماء فلنولینک قبلۃ ترضٰھا۔ | ہم تمہارے آسمان کیطرف موہنہ کرکے انتظار کرنے کو جانتے اور دیکھتے ہیں گھبراؤ مت عنقریب تمکو تمہارے پسندیدہ قبلہ کیطرف پھیر دینگے۔

اِس آیت کے نزول سے صحابہ متوقع تھے آپ منتظر تھے صبح وشام ہو رہی تھی آنکھیں لگی ہوئی تھیں کہ ایک صحابی نے خبر دی اور علم کامل وقوی حاصل ہو گیا۔ اس آیت کے نزول سے قبلہ کی تبدیلی کا جو صحابہ کو یقین تھا اُسکا ہم کو بھی یقین ہے وہ دلوں میں جان چکے تھے کہ بیت الحرام قبلہ بن چکا صرف حکم کی دیر ہے۔ چنانچہ آیۃ۔

فول وجھک شطر المسجد الحرام | پس اب تم اپنا موہنہ مسجد حرام کی طرف نمازمیں پھیر لو

کے نزول پر صحابہ کرام کے دلوں میں یہ خلجان پیدا ہوا کہ جو حضرات صحابہ کرام اس آیت کے نزول سے پہلے وفات پا چکے ہیں اُنکی وہ نمازیں جو بیت المقدس کی طرف پڑھی گئی ہیں محسوب ہونگی یا نہونگی چنانچہ آپسے استفسار کیا اور غمگین رہے یہ استفسار اور یہ غم کیوں ہوا محض اسلئے کہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق ورغبت کو جو قبلہ کے استقبال کی طرف تھی اور اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ سے تبدیل قبلہ کا یقین رکھتے تھے اور جن حضرات نے اس درمیان میں وفات پائی اُنکی نمازوں کے فساد و بطلان کا اندیشہ اور خلجان اسی بنا پر ہوا کہ مبادا ان سے

گرفت ہوا اگر ان حضرات کو یقین حاصل نہیں ہوا تھا تو یہ خلجان بالکل بے معنی ہے اُنکے اس اندیشہ کو دفع کیا گیا اور انکی طمانیت خاطر کیلئے یہ آیت نازل ہوئی۔

وما کان اللہ لیضیع ایمانکم | اللہ تعالی تمہاری نمازوں کو ضائع نہ کریگا۔

اب آپ خیال کیجئے کہ جب تبدیل قبلہ کا ایسا یقین ہو کہ نزول آیت سے پہلے مرجانے والوں کی نمازوں کے فساد کا اندیشہ دلوں میں خطور کرنے لگے اور اس انتظار شدید میں ایک ثقہ اور عادل اور وہ بھی صحابی آکر خبر دے تو یہ خبر اُن واقعات کو جو معلوم اور متیقن ہیں ضرور یاد دلاویگی اور وہ واقعات و قرائن اس خبر کی تصدیق کرنے پر انسان کو مجبور کرینگے اور جو علم خبر متواتر کا حصہ تھا وہ اسوقت حاصل ہوگا پس حنفیہ کا قاعدہ بالکل صحیح ہے۔

(۲) دوسرا اعتراض گو ظاہر میں باوقعت معلوم ہوتا ہے مگر تھوڑا سا تامل اور غور کرنے کے بعد جب اُسکی حقیقت آشکارا ہوتی ہے تو وہ مکڑی کے جالے سے زیادہ ہستی نہیں رکھتا میں مانتا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ احکام کیلئے صحابہ کرام کو اطراف وجوانب میں روانہ فرماتے تھے۔ اور یہ تنہا تنہا ایک ایک دو دو ملک میں جاکر تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے تھے احکام کی تعلیم فرماتے تھے. لیکن احکام ابتدائیہ کی یا احکام ناسخہ کی۔ یہ مسئلہ غور طلب ہے اور درحقیقت معترض نے ایک بڑا دعوی کیا ہے یعنی یہ کہ ایک مبلغ جب نکلتا تھا تو وہ احکام ناسخہ کی تعلیم اور اخبار کرتا تھا اور مسلمان بے چون وچرا محض اُسکے اخبار پر احکام ناسخہ کو تسلیم کرکے احکام سابقہ کو منسوخ سمجھتے تھے۔ انصاف کی رو سے جب تک معترض اس دعوی کو ایک معقول طور پر مدلل اور مبرہن نہ کردے وہ اپنے فرض سے سبکدوش نہیں ہوسکتا۔ اُسکا اعتراض لنگ ہے۔ اُسکا الزام لچر ہے۔ لیکن جن لوگوں نے اس اعتراض کو پیش کیا ہے اور زوردار سمجھا ہے اُنکی تقریروں اور تحریروں میں ابتک یہ ثبوت پیش نہیں کیا گیا جسکا مطالبہ بروی عقل وانصاف اُنپر ضروری ہے اور جسکے بغیر اُنکا اعتراض قابل التفات نہیں۔

اور بسبیل تسلیم جواب یہ ہے کہ محض انکے اخبار سے احکام سابقہ معلومہ کا نسخ مسلمانوں کو باور نہوتا تھا کیونکہ محض خبر واحد سے ایسا علم پیدا نہیں ہوتا بلکہ قرائن حالیہ سے اس اخبار میں قوت آجاتی تھی اور نسخ مسلم ہوتا تھا۔ اور آپ ابھی معلوم کرچکے ہیں کہ قرائن میں وہ بجلی پنہاں ہے

کہ جس سے خبر واحد کے پر لگجاتے ہیں اور علم حاصل ہیں یقین کی قوت پیدا ہوجاتی ہے اور وہ ظن جو خبر واحد کا حارز ادہی قطع اور یقین کی مسند پر جلوہ گر ہوتا ہے۔

حضرات صحابہ کرام کے حالات میں غور کیجئے خبر واحد کے جزئیات اور واقعات کو پرکھئے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں جب آپسمیں خبر واحد کی روایت ہوتی تھی تو سننے والے پر اسکا کیا اثر ہوتا تھا کیا ایک صحابی دوسرے صحابی سے کوئی ایسی روایت سنکر برابر اور بیدرنگ قبول کرلیا کرتا تھا یا کبھی اسکا خلاف بھی ہوتا تھا اگر تتبع حالات سے معلوم ہو کہ خبر واحد کا دائمی اثر ہر موقع اور محل میں قبول کے سوا کچھ اور نہ تھا تو بیشک اس تحقیق کے بعد گنجایش ہے کہ ہم یہ دعوی کریں کہ خبر واحد ناسخ قرآن ہوسکتی ہے۔ مثبت فرضیت ہوسکتی ہے۔ مفید علم یقین ہوتی ہے۔ لیکن پھر متواتر و واحد کا تقابل اور یہ تقسیم بے معنی ہوجاتی ہے۔ محدثین کی تصریحات در بارہ افادہ اخبار آحاد غلط ہوئی جاتی ہیں خیر ہوں مگر اس دعوی کی گنجایش نکل سکتی ہے اور اگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین خبر واحد کو آپسمیں ہمیشہ قبول نہ کیا کرتے تھے تو ماننا پڑے گا کہ خبر واحد کا ذاتی اثر افادہ علم یقین نہیں اور جہاں اُس سے افادہ علم یقین کا حاصل ہوتا ہے وہاں ضرور کوئی دوسری قوی چیز مخفی ہے جسکا یہ کرشمہ ہے۔

جس شخص کو حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات پر گونہ اطلاع ہے اُسکو معلوم ہوگا کہ آپ بسا اوقات کسی صحابی سے اُنکی روایت پر دوسرا شاہد طلب کیا کرتے تھے۔ کیوں کیا آپ اُس صحابی کو عادل اور ثقہ نہ جانتے تھے ضرور جانتے تھے الصحابۃ کلہم عدول کا آپکو علم تھا۔ مگر باینہمہ روایت میں کمی بیشی کا احتمال بربنائے سوء حفظ وسہو ونسیان از روئے عقل موجود ہے۔ روایت باللفظ نہ ہونے کی وجہ سے معنی بدلجانے کا احتمال بھی ہے۔ مراد نہ سمجھنے کا امکان بھی ہے غرض بہت وجوہ ہیں جو خبر واحد پر ایک متجسس حقیقت کو متردد بنا دیتے ہیں۔ اگر درحقیقت خبر واحد سے تیقن کا مرتبہ حاصل ہوتا تو حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بابصیرت بزرگ ہر خبر واحد کو بے تامل اور بلاشبہ قبول فرماتے اور طلب شاہد کی ضرورت نہوتی۔ آپکے اس صنیع سے سراغ ملتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین محض خبر واحد کو مفید علم یقین اور ناسخ قطعیات نہیں سمجھتے تھے اور جن واقعات سے کسیکو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے

دہاں تحقیق کے بعد ضرور کوئی دوسرا قوی ذریعہ موجود ہے۔

فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک صحابیہ ہیں وہ بیان کرتی ہیں کہ مطلقہ ثلثہ کیلئے نفقہ و سکنیٰ نہیں ہے اور آپ بیتی کہتی ہیں جگ بیتی نہیں کہتیں۔ خود انکو انکے شوہر نے طلاق دی تھی زمانہ عدت میں جھگڑا ہوا نفقہ و سکنی کی نالش سرکار نبوی میں دایر ہوئی اُنکا بیان ہے کہ میرے لئے نفقہ اور سکنی کی ڈگری نہوئی۔

یہ ایک خبر واحد ہے اور ایک صحابیہ کی خبر ہے اور خود انکا اپنا معاملہ ہے اُسکو وہ نہایت وثوق سے زور دیکر بیان کرتی ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُسکو سنکر اصلا متاثر نہیں ہوتے اور بجائے قبول اور طلب شاہد کے یوں فرماتے ہیں کہ ہم ایک عورت کے قول سے کتاب اللہ کو نہیں چھوڑ سکتے یا کتاب اللہ تعالےٰ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں چھوڑ سکتے اس واقعہ سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ کسی قطعی کا نسخ خبر واحد سے محل تامل ہے۔

(۳) تیسرا اعتراض بھی دوسرے اور پہلے اعتراض کی طرح جاندار نہیں ہے اُنہیں کے قریب قریب ہے۔ حنفیہ کے مدعا میں کچھ خلل انداز نہیں ہوسکتا۔ جو آیت خصم نے پیش کی ہے اُسمیں لَا اَجِدُ صیغہ مضارع کا ہے۔ مضارع کا صیغہ حال و استقبال کے معنی کو وضعاً محتمل ہوتا ہے۔ معترض نے اُسکو محض اپنے دل میں رچے ہوئے خیال پر بھروسہ کر کے مستقبل کیلئے سمجھا اور اعتراض کی بنا ڈالدی حالانکہ حنفیہ اسکو بمعنی حال کہتے ہیں اور یہ معنی بھی وضعاً محتمل ہیں اب معنی آیت کریمہ مذکورہ کے یوں ہوئے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کہدو کہ میں اسوقت سوائے مردہ اور دم مسفوح اور گوشت خنزیر اور ذبیحہ بنام غیر خدا کے اور کسی چیز کو حرام نہیں پاتا۔

جو اشیا ان محرمات اربعہ کے سوا ہیں وہ اباحت اصلیہ پر ہیں اور اُنکی اباحت موبدہ نہیں بلکہ موقتہ ہے جب آپ اُنکے متعلق کوئی حکم فرماویں تو اُنکا حکم بدل جائے ایک مدت کے بعد آپنے مثلاً اُن میں سے ذی مخلب اور ذی ناب کی تحریم فرمادی تو کیا یہ تحریم جو ثابت بخبر واحد ہے نسخ آیت مذکورہ کا ہوسکتی ہے۔ نہیں بلکہ اس حدیث سے صرف یہ معلوم ہوا کہ ان چیزوں کو جو اباحت اصلیہ حاصل تھی وہ رفع ہوگئی اور اُنکی اباحت موبدہ نہ تھی بلکہ موقتہ تھی اور رفع اباحت ہمارے نزدیک نسخ نہیں ہوتا اور اگر کسی کے نزدیک ہو بھی تو یوں کہا جائے گا کہ اباحت ان اشیا کی

موقتہ تھی کہ جب کبھی آپ اُنکی حرمت کی خبر دیں تو اُنکا حکم بدلجاے بس بعد اس حکم کے اُن کی اصل حلت جو بوجہ اباحت اصلیہ کے تھی اسلئے باقی نرہی کہ اُنکا وقت پورا ہوگیا اور جب ایک موقت شے کا وقت تمام ہوجائیگا تو لاریب وہ شے خود بھی تمام اور معدوم ہوجاویگی اور کسی عاقل کے نزدیک انتہائے وقت اور ختم مدت کیوجہ سے کسی شے موقت کا وجود باقی نرہنا نسخ نہیں ہے۔

اب فرض کر لیجئے کہ اس قسم کے لاکھ اعتراض بھی ہوں تو کیا ہوسکتا ہے تھوڑی سی تحقیق کرنیکے بعد کوئی خلش باقی نہیں رہتی۔ الحاصل حنفیہ کا یہ قاعدہ کہ زیادت کتاب اللہ پر خبر واحد سے جائز نہیں (عام ہے اس سے کہ بصورت نسخ ہو یا بصورت تخصیص یا بصورت تقیید موافق عقل ہے نہایت محکم ہے۔ آب زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ اور مراد اُنکی ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ زیادت رکن اور شرط کی ہے چونکہ شرط اور رکن درحقیقت فرض کے درجہ میں ہوتے ہیں لہذا اُنکا اثبات محتاج دلیل قطعی کا ہے اور وہ کتاب اللہ ہے یا خبر متواتر و مشہور ہاں واجب اور سنت کی زیادت کتاب اللہ پر خبر واحد سے حنفیہ کے نزدیک بھی درست ہے اُس فریضہ میں بھی جو اصل سے قطعی ہے اور جو فریضہ اصل میں ظنی ہو اُسکے لئے ارکان و شرائط کا اضافہ بھی خبر واحد سے ہوسکتا ہے بخلاف فرایض قطعیہ کے کہ اُنکے ارکان و شروط کی زیادت دلیل قطعی سے ہی ہوسکتی ہے۔

فرض قطعی پر سنت اور واجب کی زیادتی خبر واحد سے ہونے میں کوئی خلل اصل فرض میں پیدا نہیں ہوتا اور انکا انضمام فرض قطعی کے مفہوم و مصداق میں کوئی تغیر پیدا نہیں کرتا سنت اور واجب فی حد ذاتہ ثبوت کے اعتبار سے بھی وہ درجہ نہیں رکھتے جو فرض رکھتا ہے حتی کہ حنفیہ کی ایک جماعت کا مختار یہ ہے کہ ترک سنت سے عتاب کا اندیشہ ہے نہ عقاب کا۔ پھر ترک سنت کی صورت میں فرض کے ادا میں کچھ نقص نہیں کیونکہ فرض اپنے ارکان اور شرائط کے ساتھ تمام ہے اس تفصیل کی ضرورت بھی سنت موکدہ میں ہے ورنہ سنت غیر موکدہ کا ترک تو سب کے نزدیک خلاف اولی اور بس۔ الحاصل جبکہ کسی فرض قطعی پر خبر واحد سے کوئی زیادتی کی گئی تو بصورت ترک سنت کے اُس فرض کے ادا میں اُسکے ارکان و شروط کے وجود میں اُسکی فضیلت و قطعیت میں کوئی تغیر نہیں آتا۔

(باقی آیندہ)

بعض جزئیات انقلاب مع اصلاح

بقیہ اصلاح معاملہ متعلق بنکاح

(گذشتہ سے پیوستہ)

تو کیا اسوقت بھی تم اس نکاح کے غیر منعقد و غیر ثابت ہونے کیلئے کوشش کرتے یا اگر کوئی ایسا فتوی بھی سناتا تو کہتے کہ نہیں صاحب سب کا فتوی اسپر نہیں ہے اور جواز ہی کا فتوی زیادہ معتبر اور صحیح ہے اور میں نے کہا کہ شیعی سنی کے تناکح کا مسئلہ وہ ایک مستقل بحث ہے میں اسوقت اُسمیں گفتگو نہیں کرتا مگر تم سے صرف یہ استفسارات کرتا ہوں تاکہ تمکو اس کوشش کا مبنی معلوم ہو غرض بالکل لاجواب ہو کر اپنا سا مونہ لیکر اُٹھ گئے یہ صور مذکورہ ایک مختصر نمونہ تھا تحلیل بعض محرمات کا جن میں لوگ بکثرت مبتلا ہیں۔

اب اس کے مقابلہ میں ایک دوسری فہرست اُن کوتاہیوں کی جو تحریم بعض محللات کے متعلق میں مذکور ہوتی ہیں یعنی احکام شرعیہ کی ناواقفی سے بعضی عورتوں کو جو شرعاً حلال ہیں حرام اعتقاد کر لیا گیا ہے مثلاً بہت عوام مومانی سے چچی سے اسیطرح پیرانی اور اُستانی سے اسیطرح شاگردنی اور مریدنی سے نکاح کرنا حرام سمجھتے ہیں اسیطرح رضاع کا ایک مسئلہ بڑھا دیا ہے کہ ایک برتن میں میاں بی بی کے دودھ کھانیکو موجب حرمت رضاع و فساد نکاح سمجھتے ہیں اسیطرح ایک حکم مصاہرۃ میں بڑھا دیا کہ سوتیلی ساس یعنی بیوی کی سوتیلی ماں سے نکاح کو حرام سمجھتے ہیں اور اگر کوئی ایسا کر لیتا ہے تو اُس پر بیحد طعن و ملامت کرتے ہیں یہ سب زیادت فی الدین ہے البتہ سوتیلی ساس کو زندہ بی بی کے ساتھ جو اُسکی سوتیلی بیٹی ہے نکاح میں جمع کرنا اسکو بعض علماء نے منع کیا ہے سو اس میں اگر احتیاط کیے افضل ہے اور باقی صورتیں بلا اجماع حلال ہیں گو بدنامی کی بات نہ کرنا اس نیت سے

کہ لوگ طعن کرکے گنہگار ہونگے احسن ہے لیکن اگر کوئی ایسا کرے اُسپر کوئی ملامت نہیں اور ان محللات کو محرمات میں داخل سمجھنے پر علاوہ فساد اعتقاد کے ایک اور عملی مفسدہ مرتب ہوتا ہے وہ یہ کہ مسئلہ سب کا سُنا ہوا ہے کہ محرمات سے پردہ نہیں ہے پس بے تکلف ان رشتوں میں بے حجابی اختیار کی جاتی ہے نصوص مریدنی تو اگر پردہ کرنے لگے بعض اقالیم الجہالۃ میں اُس بیچاری کی بُری گت بنتی ہے بلکہ بعضے تو بے شرع پیر بھی بُرا مانتے ہیں سو یاد رکھو کہ ان سب تعلقات سے محرمیت شرعیہ نہیں ہوتی اسلئے پردہ واجب ہوگا اسیطرح سالی کو اپنے بہن کے بقاء نکاح تک حرام ہے مگر محرم ابدی نہیں اُس سے بھی پردہ واجب ہے **ایک مخترع فرد** اس تحریم حلال کی اسوقت ملاحدہ کی تقلید کورسے پیدا ہوئی ہے یعنی بعض مریدان فطرت نے بعض اقوام یوروپ کی دیکھا دیکھی یہہ دعوی کیا ہے کہ ایک عورت سے زیادہ دوسری تیسری چوتھی عورت سے نکاح جائز نہیں اور یہہ غلطی پوری مقابل ہے فہرست سابق کے بالکل اخیر غلطی کی کہ وہاں چار سے زیادہ نکاح کو حلال کہا گیا تھا یہاں ایک سے زیادہ چار تک کو بھی حرام کہا گیا اور اصل منشاء تو اس قول کا استحسان ہے آراء و اہواء اہل یوروپ کا لیکن چونکہ اپنے کو اسلام کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں اس لئے اس دعوی کو زبردستی قرآن میں بھی ٹھونس دیا کہ دو جگہ سے دو آیتیں لیں اور ہر ایک کے معنی میں تحریف کی اسطرح سے اپنا مطلب پورا کیا چونکہ وہ علمی مضمون ہے اور اُس کے جواب سے احقر اپنی تفسیر میں فارغ ہو چکا ہے اسلئے یہاں اسیقدر پر اکتفا کیا گیا یہ صورتیں تو تحریم حلال کی اعتقاداً تھیں **ایک صورت** اسکی عملی ایجاد کی گئی ہے وہ یہ کہ کسی عورت کو خود یا کسی ناجائز تعلق کے سبب شوہر کے پاس رہنا منظور نہ ہوا اور وہ طلاق وغیرہ دیتا نہیں نعوذ باللہ وہ مرتد ہوگئی جس سے نکاح فسخ ہوگیا پھر مسلمان ہوکر آزاد رہنے لگی یا اُس ناجائز موقع پر نکاح کرلیا اللہ تعالی حبائل شیطان سے محفوظ رکھے ہمارے فقہاء نے ایک قانون شرعی سے اسکا خوب انتظام فرمایا ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد (خواہ تو خوشی سے ہو جاوے ورنہ جبر کرکے مسلمان کیا جاویگا اس کے بعد) جبراً شوہر اول ہی سے اسکا نکاح کرایا جاویگا یعنی اُس عورت کو ایجاب و قبول پر مجبور کیا جاویگا اور ایک روایت یہ ہے کہ ایسے ارتداد سے وہ نکاح سے خارج ہی نہ ہوگی کذا فی الدر المختار و رد المحتار ج ۲ صفحہ ۲۹۳

بعضے لوگ کسی جوش میں قسم کھا بیٹھتے ہیں کہ میں اگر فلاں عورت سے نکاح کروں یا جس

عورت سے نکاح کروں تو اُسکو تین طلاق اور اس حلف کے بعد پھر وہ نکاح کرتے ہیں سو سمجھ لینا چاہیئے کہ اُس منکوحہ پر تین طلاقیں واقع ہوجاوینگی اور اس مسئلہ میں زائد تفصیل ہے اُن سب کے لکھنے کی یہاں گنجایش نہیں اگر کسی نے ایسی حرکت کی ہو اُسکو چاہیئے کہ درمختار کی کتاب الحدود سے قبل کی یہ عبارت حلف لا یتزوج فزوجہ فضولی فاجاز بالقول یحنث الخ اور اسکے متعلق ردالمحتار کا حاشیہ کسی عالم محقق کے پاس لیجاکر تحقیق کرلے یہ صورت تحلیل حرام کی صورتوں میں سے ہے مگر بعد میں یاد آئی۔ **ایک صورت تحریم حلال** کی عوام سے اور سُنی گئی ہے وہ یہ کہ جس عورت کے بیس اولاد ہوجاویں اُسکا نکاح ٹوٹ جاتا ہے محض لغو اور باطل ہے۔ **بعض لوگ** متبنی کی بی بی سے نکاح کو بھی مذموم سمجھتے ہیں یہ فرد تحریم حلال کی خاص اہل جاہلیت کا مسلک ہے جنھوں نے حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس امر میں طعن کیا تھا اور حق تعالیٰ نے اسی رسم جاہلیت کے ابطال کیلئے حضور کو اس امر کا مامور فرمایا آخر میں **ایک جزئیہ** اس کلیہ کا جس میں اعتقاداً تو نہیں مگر عملاً وحالاً عوام سے خواص تک اور نساء سے رجال تک اور امراء سے غرباء تک سب ہی مبتلا ہیں الا من شاء اللہ ذکر کرکے اس دوسری فہرست کو بھی ختم کرتا ہوں اور وہ بیوہ عورت کا نکاح ہے کہ گو اعتقاد سے تو سب اسکو حلال ہی سمجھتے ہیں مگر اس سے اسقدر عار وننگ ہے کہ بعض اوقات اُسکے اظہار میں کفر تک لازم آجاتا ہے چونکہ اُسکا استحسان بالکل طے شدہ مسئلہ ہے اس لئے تطویل کلام کی حاجت نہیں اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ والباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔

ایک صورت تحریم حلال کے قبیل سے جو جہلاء کا مزعوم ہے یہ ہے کہ عنین یعنی نامرد سے نکاح کو منعقد نہیں سمجھتے یعنی اُسکو مثل عورت کے سمجھکر عورت کے ساتھ اُسکے نکاح کو باطل سمجھتے ہیں سو یہ بالکل ہی غلط ہے صریح دلیل فقہی اسکے غلط ہونے کی یہ ہے کہ اس صورت میں منکوحہ کے مطالبہ پر اُسکو علاج کیلئے مہلت دی جاتی ہے اور اگر شفا ہوجاوے تو اُس نکاح سابق پر اکتفا کیا جاتا ہے نکاح جدید کا حکم نہیں کیا جاتا معلوم ہوا کہ وہ پہلا نکاح منعقد وصحیح ہوجاتا ہے البتہ ایسے شخص کو جبکہ اُسکو علامات سے اپنا عاجز ہونا معلوم ہو تو خود نکاح کرنا ہی

گناہ ہے تو تحریم بمعنی گناہ تو واقع ہے مگر تحریم بمعنی عدم انعقاد نکاح واقع نہیں اسی لئے اسکے لئے احقر نے اوپر یہ عنوان تجویز کیا ہے تحریم حلال کے قبیل سے کیونکہ یہ ایک وجہ سے تحریم ہے ایک وجہ سے نہیں اور اس شخص کے اسی الحاق بالنساء کے خیال پر ایک دوسری غلطی میں جو کہ اس باب سے نہیں ہے جہلاء مبتلا ہیں یعنی اس شخص کے پیچھے نماز کو ناجائز یا مکروہ سمجھتے ہیں جسکی کچھ بھی اصل نہیں اور یہی حکم ہے خصی و مجبوب کا یعنی جسکے بیضے نکال دئے گئے ہوں جسکو خوجہ یا خواجہ سرا کہتے ہیں یا جسکا خاص اندام قطع کر دیا گیا ہو جسکو ہمارے محاورہ میں مخنث یا ہیجڑا یا زنخا کہتے وہ بھی مرد ہے اور اُسکا حکم مردوں کا سا ہے گو بصورت اُسکے فاسق ہونے یا اُس سے جماعت کی نفرت کرنے کے اُسکی امامت مکروہ ہے اول صورت میں تحریماً دوسری میں تنزیہاً اور ان ہی احکام میں سے یہ بھی ہے کہ اُس سے عورتوں کو پردہ بھی واجب ہے جسطرح عام مردوں سے اس میں بھی ناواقف بکثرت مبتلائے غلطی ہیں۔

اس میں اور عنین میں اتنا فرق ہے کہ عنینیت مرض ہے جس میں کوئی گناہ نہیں اور قطع عضو سخت گناہ ہے اگر خود کسی نے اپنے لئے ایسا تجویز کیا وہ فاسق ہے جبتک توبہ نہ کرے اور جو اس کے بلا علم یا بلا اختیار کسی اور نے کیا وہ فاسق ہے اور اسی کے ساتھ حکم سمجھنا چاہیئے ایسے شخص کا جسکی چال ڈھال یا بول چال میں زنانہ پن ہو اُسکو ہمارے محاورات میں ہجلا کہتے ہیں سو وہ بالکل مرد ہے البتہ اُسکی یہ مشابہت بالنسواں اگر خلقی ہے تو وہ معذور ہے اور اگر قصداً ہے جسکو تشبہ کہتے ہیں تو حدیث میں ایسے شخص پر لعنت آئی ہے۔ اور ایک غلطی عنین کے متعلق کم واقفیت والوں کو واقع ہوتی ہے کہ وہ تحلیل حرام کی فہرست میں داخل ہو جاتی ہے وہ یہ کہ اُس کے نکاح کو تو منعقد سمجھتے ہیں مگر شوہر سے اُسکی تفریق کر دینے کو عورت یا برادری کے اختیار میں سمجھتے ہیں کہ جب چاہا دوسری جگہ اُسکا نکاح کر دیا گیا سو یہ بھی شرع کے خلاف ہے اسکی تفریق کا شرعاً خاص قانون ہے جو کتب فقہ میں مفصلاً مذکور ہے اور احقر نے بہت عام فہم اور سلیس عبارت میں اُسکو تتمہ ثانیہ امداد الفتاوی مطبوعہ مجتبائی صفحہ ۱۶۳ پر لکھدیا ہے اُسکا ملاحظہ ضروری ہے۔

(باقی آیندہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لباس

یارب

حمد را با تو نسبتے ست درست — بر در ہر کہ رفت بُد درست
دائما رحمت تو نازل باد — بر محمد و آلہ الامجاد

اما بعد۔ القاسم نمبر ۴ جلد ۶ میں بذیل مضمون کلمۃ الحق لباس کا ذکر آگیا تھا۔ وہ موقع اُسکی تفصیل و اتمام کا نہ تھا۔ اُسکو ناتمام چھوڑ کر میں نے یہ وعدہ کرلیا تھا کہ اسکو مستقل طور پر علیحدہ لکھونگا کہ چندن تک القاسم میں اور ایک کارآمد مضمون شائع ہوتا رہیگا۔ آج مجھے اُسکا خیال آیا بنامِ خدا میں اُسکو آغاز کرتا ہوں اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے۔ لغزش و خطا سے بچائے اور ناظرین القاسم کیلئے یہ نافع اور کارآمد ثابت ہو۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

میری غرض اپنی شہرت یا مصنفین کی فہرست میں نام لکھانا نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تصنیف کیلئے جس قابلیت اور تبحر اور وسعت معلومات کی ضرورت ہے میں اُس سے کورا ہوں۔ نام گو سراج ہے مگر سچ یہ ہے کہ آنکھوں کے اندھے اور نام نین سکھ۔ اپنے اندر گناہوں کی ظلمت کے سوا نور کا نام نہیں۔ پھر

صلاح کار کجا و من خراب کجا — ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

مگر جس جماعت کی کفش برداری میرا سرمایۂ ناز ہے وہ اہل علم ہیں۔ اہل حق ہیں۔ اُنکا فیض صحبت ہے کہ کچھ رطب و یابس لکھ مارون۔ القاسم والرشید کی خدمت کو ذریعہ سعادت سمجھتا ہوں اس لئے سیدھے سادے مضمون ٹوٹی پھوٹی عبارت لکھنے کی جرأت کرگذرتا ہوں۔ کوئی حسن بیان

پسند کرے یا نہ کرے مانے یا نہ مانے ؎ کس بشنود یا نشنود من گفتگوئے میکنم

پھیکے اور غیر مرتب مضمون جنمیں میری ظاہر و باطن کی خرابیاں موثر تام ہیں کسیکو پسند نہ ہوئیں یا کوئی انکو نہ مانے تو کوئی تعجب خیز امر نہیں۔ ایسا ہونا چاہیئے درحقیقت تاثیر و قبول کے لئے سامع سے پہلے قائل میں صلاح ظاہر و باطن کی ضرورت ہے اور وہ سراج روسیاہ میں مفقود۔ نہ علم نہ تقویٰ۔

رات کو بادہ کشی دن کو خیال طاعت — اے مجیر ترے فعل ایسے ہیں صورت ایسی

جہاں القاسم والرشید میں حضرات اکابر دامت برکاتہم اور دیگر حضرات اہل علم کے مضامین عالیہ ہوتے ہیں وہاں ضرورت ہے کہ نظر بد کے لئے کچھ ایسے مضامین بھی ہوں۔

صدر نشینان مجلس کیلئے خدام و حواشی بھی ضرور ہوتے ہیں اور گلزار میں خار بھی ضرور پائے جاتے ہیں

وبضدها تتبین الاشیاء

اب میں چاہتا ہوں کہ صحیح احادیث سے لباس کے متعلق کچھ تفصیل کروں اور بتلاؤں کہ آج ہم ہندوستانی مسلمانوں میں لباس کے متعلق کیا کیا افراط و تفریط پیدا ہو گئی ہے اور اُسکی اصلاح کی ہمکو کہاں تک ضرورت ہے۔

کوئی انسان کسی مذہب کا پابند ہو یا نہو بشرطیکہ عقل رکھتا ہو اُسکا دماغ صحیح ہو وحشی اور جنگلی نہو لباس کی ضرورت کو احساس کرتا ہے اور برہنگی کی عار کو جانتا ہے۔ انسان متمدن پیدا ہوا ہے فطرت نے اسمیں بہت سے امتیازات ظاہری و باطنی دوسرے حیوانات سے رکھدئے ہیں منجملہ اُنکے لباس ہے۔ اُسکو اپنے اعضا کی حفاظت کی ضرورت ہے اُسکو اپنی زینت کی ضرورت ہے اپنے جسم کو گرد و غبار سے بچانیکی ضرورت ہے ان سب ضرورتوں سے بڑھکر بحکم حیا اُسکو اپنے اُن اعضا کا چھپانا فرض ہے جنکے کشف کو وہ فطرتاً معیوب سمجھتا ہے غیر تو غیر وہ خود بھی بلا کسی ضرورت اور داعیہ کے اُنکا دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ الغرض لباس کی ضرورت کوئی ایسی نظری شے نہیں کہ جسکے لئے آج اس روشنی کے زمانہ میں دلائل پیش کرنے کی ضرورت ہو

علم سے جسقدر انسان کو دوری ہو جاتی ہے اُسیقدر اُسکے خصائل و عادات میں خرابیاں ظاہر ہو جاتی ہیں رفتہ رفتہ وہ خرابیاں ایسی طبیعت میں رچ جاتی ہیں کہ اُنکے قبح پر نظر نہیں جاتی برائی کرتے کرتے اُسکی محبت ہو جاتی ہے اور رسم کے مرتبہ میں اُسکو امتیاز شمار کیا جاتا ہے

اور یہ سب جہالت کے کرشمے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پیشتر عرب کی حالت کو دیکھو کہ مذہب موسوی وعیسوی علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کے جو لوگ پابند کہلاتے تھے تحریف اور بداعمالی کی وجہ سے دین کے اصول سے کسقدر ناواقف ہوگئے تھے اور جو لوگ انکے علاوہ تھے اُنکی بے قیدی اور آزادی کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ مشرکین عرب جانور کیطرح ننگے تو نہ پھرتے تھے مگر ننگے پھرنے کو عیب نہ سمجھتے تھے جب جی چاہتا تھا ننگے نکل کھڑے ہوتے تھے انبیاء علیہم السلام کا علم چونکہ اُنمیں باقی نہ رہا تھا اسلئے یہ بہیمیت کے عادات واطوار اُنمیں سرایت کر گئے تھے۔ اسمیں وضیع اور شریف کی خصوصیت نہ تھی سب ایک گھاٹ پانی پیتے تھے۔ دین کے مٹنے سے عقلوں پر جہالت غالب آگئی تھی۔

مشرکین عرب میں اس مسخ ہوجانے پر ذرہ برابر جھلک دین کی باقی تھی وہ یہ کہ کعبۃ اللہ المکرمہ کی تعظیم وتکریم کرتے تھے اور باایں فسق وفجور اُسکے طواف کو بھی اپنے لئے مایۂ ناز جانتے تھے۔ مگر اس تعظیم وتکریم وطواف کی جو گت اُنکے ہاتھوں ہوئی تھی ذیل کے دو واقعوں سے آپکو بخوبی معلوم ہو جائیگی۔

خانہ کعبہ (زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً) کی مرمت کیلئے پتھر جمع کئے جارہے تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُنکے ساتھ اس کار خیر میں شریک تھے آپ بھی اپنے دوش وسر مبارک پر اُٹھا کر پتھر جمع کر رہے تھے۔ (یہ واقعہ نبوت سے پہلا ہے) آپ تہبند باندھے ہوئے تھے آپ کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے ازراہ شفقت فرمایا کہ بھتیجے کیا اچھا ہو کہ تم اپنے ازار (تہبند) کو کھولدو اور کندھے پر رکھ لو پتھر اُٹھانے سے جو کندھے کو تکلیف ہوتی ہے اور چھلنے کا اندیشہ ہے اس سے محفوظ رہو آپنے اُنکے فرمانے سے ناچار مان لیا اور تہبند کھولکر کندھے پر رکھ لیا۔ رکھنا تھا کہ آپ ازراہ شرم وغیرت بیہوش ہوگئے اور زمین پر گر پڑے۔ اسکے بعد پھر کبھی کسی نے آپکو بحالت برہنگی نہ دیکھا (بخاری شریف)

اشراف اور خاندانی لوگوں کا یہ حال تھا کہ برہنگی کی مطلق پروا نہ کرتے تھے۔ پیارے بھتیجے (صلے اللہ علیہ وسلم) پر شفقت تھی مگر وہ انسانی جوہر حیا وشرم کا ان شرفا کے قلوب سے سلب ہوچکا تھا اور دل ظلمت سے مملو ہو چکے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سا شفیق ہادی

اللہ تعالیٰ نے اُنکی رہنمائی کیلئے بھیجا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچپن سے ہی اخلاق جاہلیت اور ہر قسم کے قبائح سے پاک اور رزائل و معائب سے منزہ تھے قوم میں جو وحشیانہ خصائل کی سرایت ہو چکی تھی اسی واقعہ سے معلوم ہے پھر آپ کو کوئی خصائل پسندیدہ اور اخلاق حمیدہ تعلیم کیونکر کرتا اور کہاں سے کرتا لیکن آپکو اللہ تعالیٰ نے اول سے ہی ایسے ملکات عنایت فرمائے تھے کہ وہ آپکو کسی غیر جانب رخ نہ کرنے دیتے تھے۔ آپکی جبلت میں اخلاق حسنہ اور حیائے کامل ودیعت و خمیر تھی آپ ایک کنواری لڑکی سے بہت زیادہ حیادار اور شرم کرنیوالے تھے ایک ذراسی دیر کو برہنہ ہونے کی تاب نہ لا سکے اور بیہوش ہو کر گر گئے آپ بھی اُن جیسے ایک انسان تھے وہ ہی اعضاء و جوارح و حواس رکھتے تھے مگر آپ کا قلب صحیح و سالم تھا آپ کے ملکات میں کوئی تغیر راہ نہ پا سکا تھا آپ فطرت کی ہر کام کو اُسکے صحیح اندازہ پر کرتے تھے۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ برہنہ کرنا عورت (ستر) کا کہ لوگ دیکھیں کسی طرح جائز نہیں سوائے اُن موقعوں کے کہ جنہیں رخصت ہے مثلاً زوجین کہ ایک دوسرے کے ستر کو دیکھیں تو مضائقہ نہیں یا طبیب و جراح کہ بضرورت علاج دیکھنے کیلئے مجبور ہیں مگر بقدر ضرورت زوجین کو گو شرعی اجازت ہے مگر اس میں محض رخصت ہے ورنہ حیا تو اسکی بھی اجازت نہیں دیتی۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود اپنا حال بیان فرماتی ہیں کہ کبھی میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشاب گاہ کو نظر بھر کر نہیں دیکھا (ابن ماجہ) اللہ اکبر مسلمانو یہ ہے حیا تمہارے بزرگوں کی۔ بہت کم اللہ کے بندے اس زمانہ میں ہونگے کہ جو اس حیا سے حصہ رکھتے ہیں۔ الحاصل برہنہ ہونا معیوب ہے خواص تنہائی اور خلوت میں بھی اس سے احتراز کرتے ہیں۔ اسی بنا پر شارع علیہ السلام نے حمام میں برہنہ داخل ہونے سے منع فرمایا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اگر میں اپنی عورت (ستر کو) اپنے بالوں سے چھپانیکی قدرت رکھوں یعنی اور کوئی کپڑا نہو تو میں اپنے بالوں سے چھپاؤنگا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آدمی برہنہ ہوتا ہے تو فرشتہ اُس سے منہ پھیر لیتا ہے۔

باقی آئندہ

فیوض یزدانی

سات سو نوّے برس پہلے کا وہ زمانہ بھی یاد آنے کے قابل ہے جسمیں غوث الاعظم سیّد عبدالقادر جیلانی رح بغداد میں ممبر پر بیٹھکر وعظ فرماتے اور آپکے خلیفہ حضرت عفیف الدین لفظ لفظ کو قلمبند کرتے جاتے تھے چنانچہ ۳ شوال ۵۴۵ھ یوم شنبہ سے لیکر ۲۹ رجب ۵۴۶ھ یوم جمعہ تک آپ کے ۶۲ وعظ بقید وقت و تاریخ و مقام مرتب فرمائے اور اسی تعداد میں مختلف مجالس کے ملفوظات شیخ جمع فرما کر الفتح الربانی نام رکھا جو مدت ہوئی مطبع میمینہ مصر میں طبع ہوا تھا اور اب نایاب ہے۔ صاحبدل مسلمان کیلئے قطب العالم کا ایک ایک وعظ اور ایک ایک جملہ جو قلزم توحید و تفویض کا در فرید ہے محافظ ایمان ہونیکے سبب جان سے زیادہ پیارا ہے اور حال کی تو حقیقت ہی کیا ہے چونکہ ناظرین القاسم اسکے سچے قدردان ہیں اسلئے ضرورت تھی کہ سب سے پہلے اس صحیفہ مبارکہ کی انکو اطلاع ملتی اور وہ اسکو زیب کتبخانہ و قرۃ العیون بناتے مگر چونکہ جس قدر شتہ فضیلت شیخ کے یہ وعظ ہیں اسکے نام کا ہر مسلمان شیدا ہے اسلئے طبع ہوتے ہی ہاتھوں ہاتھ نکلنا شروع ہوگیا اور اب بہت تھوڑے نسخہ باقی رہگئے۔ اس ۶۰۰ صفحہ کی کتاب کے ایک کالم میں اصل مواعظ بزبان عربی ہیں اور دوسرے کالم میں اسکا عام فہم اور نہایت پیارا ترجمہ اردو ہے۔ بلا جلد کی قیمت تین روپیہ ہے اور نہایت حسین نقرئی جلد والی کا ہدیہ چار ہے۔ امید ہے کہ وہ خوش نصیب مسلمان جنکو پیران پیر کے جلسۂ وعظ کی شرکت کا آٹھ صدی بعد لطف تازہ کرنا ہوگا وہ پتہ ذیل پر درخواست خریداری بھیجکر بہرہ یاب ہونگے ورنہ کتاب کا دوبارہ طبع ہونا مشکل ہے اور پھر حسرت ہوگی کہ افسوس کس دولت عظمیٰ سے محروم رہے۔

مولوی محمد عاشق الٰہی (مولوی فاضل) مالک خیر المطابع میرٹھ

قواعد و ضوابط رسالہ القاسم

۱ = یہ رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے اور کسی ماہ کا رسالہ ۳۲ صفحے سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھجاتا ہے۔

۲ = یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوتا ہے اور عام قیمت سالانہ مع محصول دو روپیہ آٹھ آنہ (عہ) پیشگی لیجاتی ہے ممالک غیر سے صرف اسیقدر زیادہ لیا جائیگا جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے۔

۳ = جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچ روپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائینگے وہ رسالہ کے معاونین خاص میں شمار ہونگے۔ اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہیگی۔

۴ = سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرماچکے جملہ حضرات کی خدمت میں شروع کا (یا خریدار کا جب سال شروع ہو اُسکا) پہلا پرچہ ویلو بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کرکے عہ کا ویلو روانہ ہوگا۔

۵ = یہ رسالہ ہرگز کسی صاحب کو خدمت میں بلا طلب و تحریک یونہیں روانہ کیا جاتا۔ بعض حضرات خود طلب فرماتے ہیں اور بعض حضرات اپنے اعتماد پر دوسرونکی خدمت میں ویلو بھیجنے کی فرمایش کرتے ہیں۔

۶ = شعبان ۱۳۳۳ھ مطابق جولائی ۱۹۱۵ء سے اس رسالہ کا چھٹا سال شروع ہوا ہے۔ پہلے پانچ سالوں کی مکمل جلدیں موجود ہیں قیمت ہر جلد کی عہ مع محصول ڈاک ہے۔

۷ = نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں اُنکے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کئے جائینگے جو اصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں۔

۸ = القاسم کے متعلق جملہ تحریرات و ترسیل زر بنام حضرت مدیر یا بنام خاکسار ہونی چاہئے۔

المشتہر

خاکسار سراج احمد عفی عنہ معتمد المدیر "رسالہ القاسم" مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

(رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۳)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی ماہوار رسالہ

جلد ۶ | بابت ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۴ھ | نمبر ۸

خاکسار حبیب الرحمٰن مدیر رسالہ

(نے)

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

(اور)

مطبع قاسمی دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھپوایا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۴ھ

(مطابق ماہ فروری سنہ ۱۹۱۶ء)

جو حضرت مولانا محمود حسن صاحب و حضرت مولانا اشرفعلی صاحب

(اور)

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

(شائع ہوتا ہے)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مبدأ و معاد

—(گذشتہ سے پیوستہ)—

آیت میں اختلاف ہے کہ اُس فرقہ کا کیا حال ہوا جو خاموش تھا نہ مرتکب معصیت ہوا اور نہ امر بالمعروف کیا بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ انھوں نے بھی نجات پائی ابن زید کہتے ہیں کہ صرف منع کرنے والے بچے باقی ہر دو فرقہ ہلاک ہوئے اِس سے معلوم ہوا کہ نہی عن المنکر کو چھوڑنا نہایت سخت امر ہے۔ سو جب سرکشی کی اُنھوں نے اُس امر کے ماننے سے کہ جس سے اُن کو منع کیا گیا ہمنے اُنکو کہا کہ ہو جاؤ تم بندر ذلیل و خوار دور کیئے گئے رحمت الٰہی سے سو تین دن وہ ایسی حالت میں رہے کہ ایک دوسرے کو دیکھتا تھا پھر ہلاک ہو گئے اور یاد کر جبکہ بتلا دیا اور حکم کیا تیرے ربنے کہ البتہ میں بھیجونگا اُنپر وہ شخص کہ چکھاوے اُنکو بدترین عذاب قیامت تک چنانچہ حق تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو بھیجا کہ وہ یہود کو قتل کرتے تھے یہانتک کہ اسلام لاویں یا جزیہ دیں بے شبہ تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور بیشک وہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ اور متفرق کر دیا ہمنے اُنکو فرقہ فرقہ کہ آپس میں وہ ایک دوسرے کے مخالف ہو گئے بعض اُن میں سے نیک ہیں یعنی جنھوں نے زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پایا اور ایمان لائے اور بعض اُنمیں سے ایسے نہیں اُن سے کمتر اور نیچے ہیں یعنی جو کفر پر باقی رہے۔ اور بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ مراد صالحوں سے وہ لوگ ہیں جو چین کے پرے مشرق کے کنارے پر ہیں جنکا ذکر اوپر گذرا اور مراد دون ذلک سے وہ ہیں جو مدینہ وغیرہ میں تھے یہود میں سے۔ اور ہمنے اُنکو آزمایا ارزانی اور تندرستی اور قحط اور سختی دیکر تاکہ وہ رجوع کریں اپنے کفر سے اور توبہ کریں سو اُسکے بعد اُنکی جگہہ وہ لوگ آئے جو اس دنیا کا اسباب لیتے ہیں اور کلام الٰہی میں تبدیل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نزدیک ہے کہ ہم رست گناہ بخشے جاوینگے غرض یہ کہ اللہ پر جھوٹی آرزو میں باندھتے ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہوشیار وہ شخص ہے جو مغلوب کرے اپنے نفس کو اور اُسکی عبادت الٰہی میں لگائے رکھے اور آخرۃ کیلئے عمل کرے اور عاجز وہ ہے جو اپنی جان کو خواہشوں کے پیچھے لگا وے اور اللہ سے جھوٹی آرزو کرے ۔ اور اگر اُنکے پاس اُسکی مثل اور اسباب آجاتا تو لیلیتے ہیں اُسکو یہ اُنکی غایت حرص اور گناہ پر اصرار کی خبر دیگئی ہے کہ وہ حلال وحرام کی کچھ پروا نہیں کرتے جو کوئی دیتا ہے رشوت میں لیلیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ غفار ہے پھر اگلے دن اگر کوئی شخص کچھ دیتا ہے وہ بھی لے لیتے ہیں۔ کیا اُن سے کتاب میں یعنی تورات میں یہ عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ پر بجز حق کے نہ کہیں اور جھوٹی آرزو نہ کریں کیونکہ توراۃ میں یہ نہیں ہے کہ باوجود اصرار علی المعصیۃ کے مغفرت ہو جاویگی اور حال یہ کہ وہ پڑھتے ہیں جو کچھ تورات میں ہے ۔ اور پچھلا گھر بہتر ہے اُن لوگوں کے لئے جو ڈرتے ہیں اللہ سے سو کیا تم اسکو نہیں سمجھتے اور جو لوگ تمسک کرتے ہیں ساتھ کتاب کے یعنی تورات پر عمل کرتے ہیں اور اُسکے احکام کو نہیں چھپاتے اور اُسمیں تحریف نہیں کرتے اور اُسکو وسیلہ دنیا کمانے کا نہیں کرتے جیسے عبداللہ بن سلام اور اُن کے اصحاب یا مراد امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے قالہ عطار ۔ اور قائم کرتے ہیں نماز کو بے شبہ ہم نہیں ضائع کرتے ثواب درستی کرنے والوں کا۔ اور یاد کر جبکہ ہمنے لٹکایا پہاڑ کو اُنکے اوپر جڑ سے اوکھاڑ کر گویا کہ وہ سائبان تھا اور اُنھوں نے جان لیا کہ یہ ہمپر گرنے والا ہے ۔ اور ہمنے اُن سے کہا کہ پکڑو مضبوطی سے جو ہم نے تمکو دیا اور یاد کرو اُسکو جو اُسمیں ہے یعنی اُسپر عمل کرو تاکہ تم بچو عذاب سے ۔ یہ پہاڑ کا اُپر اُٹھانا بوجہ اُنکے انکار کرنے کے تھا توراۃ کے احکام کے ماننے سے حسن کہتے ہیں کہ جب اُنھوں نے پہاڑ کو اپنے اوپر دیکھا ہر یک شخص اُنیں سے سجدہ میں گر گیا اور ڈر کی وجہ سے پہاڑ کو دیکھتا جاتا تھا گوشۂ چشم سے ۔ اسوجہ سے ابتک یہودی بائیں حاجب پر سجدہ کرتے ہیں

وعن انس رض ان رسول الله صلی الله علیہ وسلم قال رأیت لیلة اسری بی رجالا تقرض شفاههم بمقاریض من نار قلت من هؤلاء یا جبریل قال هؤلاء خطباء من امتك یامرون الناس بالبر وینسون انفسهم

اور حضرت انس رض سے روایت ہے کہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات میں بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ اُنکے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جاتے ہیں میں نے پوچھا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں فرمایا یہ آپ کی امت کے واعظین و خطبہ

رواہ فی شرح السنۃ والبیہقی فی شعب الایمان وفی روایتہ قال خطباء من امتک الذین یقولون مالا یفعلون ویقرؤن کتاب اللہ ولا یعملون۔

پڑھنے والے ہیں کہ دوسروں کو اچھے کاموں کا اور بھلائی کا حکم کرتے ہیں اور اپنی جانوں کو بھولتے ہیں یعنی خود اُن کاموں پر عمل نہیں۔ کما قیل ؎ واعظان کیں جلوہ بر محراب و منبر میکنند * چوں بخلوت میروند آن کار دیگر میکنند

روایت کیا اس حدیث کو شرح سنہ میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ حضرت جبریل نے فرمایا کہ آپ کی امت کے واعظین جو کہتے ہیں وہ خود نہیں کرتے اور پڑھتے ہیں اسکی کتاب کو اور اُسپر عمل نہیں کرتے۔

وعن عمار بن یاسر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انزلت المائدۃ من السماء خبزا ولحما وامروا ان لا یخونوا ولا یدخروا لغد فخانوا وادخروا ورفعوا لغد فمسخوا قردۃ وخنازیر رواہ الترمذی۔

اور حضرت عمار بن یاسر رض سے روایت ہے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مائدہ اُتارا گیا آسمان سے کہ اُسمیں روٹی اور گوشت تھا اور جس وقت مائدہ نازل ہوا تھا اونکو اللہ تعالیٰ کیطرف سے یہ حکم ہوا کہ اسمیں خیانت نہ کریں یعنی کوئی کسی سے چھپا کر کچھ نہ لیجاوے اور ذخیرہ نہ رکھیں آیندہ کیلئے سو اونھوں نے خیانت کی اور ذخیرہ کیا اور آیندہ کیلئے اُٹھا کر رکھا پس وہ بندر اور سور بنا دیئے گئے روایت کیا اسکو ترمذی نے۔ احقر کہتا ہے کہ مائدہ کا بیان حق تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا ہے۔

واذ اوحیت الی الحواریین ان امنوا بی وبرسولی قالوا امنا واشہد باننا مسلمون اذ قال الحواریون یا عیسی ابن مریم ہل یستطیع ربک ان ینزل علینا مائدۃ من السماء قال اتقوا اللہ ان کنتم مؤمنین قالوا نرید ان ناکل منہا وتطمئن قلوبنا ونعلم ان قد صدقتنا ونکون علیہا من الشاہدین قال عیسی ابن مریم اللہم

اور جبکہ میں نے وحی کی حوارین کیطرف یعنی اُن کے دل میں ڈالا اور الہام کیا۔ حوارین خاص اصحاب عیسی علیہ السلام کے تھے) یہ کہ ایمان لاؤ مجھپر اور میرے پیغمبر عیسے پر وہ میری توفیق سے کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے اور اے اللہ تو گواہ رہ کہ بیشک ہم مسلمان ہیں۔ جبکہ کہا حواریون نے اے عیسیٰ بیٹے مریم کے کیا تیرا رب یہ کر سکتا ہے کہ ہمپر خوان آسمان سے اتارے غرض اُنکی اس سے یہ تھی کہ آیا تیری دعا سے ایسا

ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء تکون لنا عیداً لاولنا واخرنا وایۃ منک وارزقنا وانت خیر الرازقین قال اللہ انی منزلھا علیکم فمن یکفر بعد منکم فانی اعذبہ عذابا لا اعذبہ احداً من العلمین ۔

آسمان سے خوان اُتاریگا۔ مائدہ اُس خوان کو کہتے ہیں کہ اُسپر کھانا ہو چونکہ ظاہری الفاظ سوال کی قدرت خداوندی میں شک پر دال تھی اسلئے عیسے علیہ السلام نے کہا کہ اے حواریون ڈرو اللہ سے اُسکی قدرت میں شک نہ کرو اگر تم ایمان رکھتے ہو یا مطلب یہ ہے کہ بچو ایسے سوال سے جو تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔ وہ بولے کہ ہم نے یہ سوال اسلئے کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ اُسمیں سے کھاویں تبرک سمجھکر اور حقتعالیٰ کی قدرت پر یقین کریں اور مطمئن ہو جاویں ہمارے دل اور ہم جان لیں کہ بے شبہ تو نے ہم سے سچ کہا کہ تو اللہ کا پیغمبر ہے اور ہمارا یقین ہو اور ایمان زیادہ ہو اور ہوویں ہم گواہ اسکی قدرت اور وحدانیت پر اور تیری پیغمبری پر اور یا مطلب یہ ہے کہ ہم تیری طرف سے گواہ ہوں بنی اسرائیل کے روبرو جبکہ ہم وہاں جاویں عیسے مریم کے بیٹے نے کہا اے اللہ اے ہمارے رب اُتار ہمپر ایک خوان آسمان سے کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے غسل کیا اور ٹاٹ پہنا اور دو رکعت نماز پڑھی اور سر جھکا کر آنکھیں بند کر کے رو کر یہ دعاء کی کہ اے اللہ اے ہمارے رب ہمپر خوان آسمان سے بھیج ایسا خوان کہ جو ہمارے پہلوں اور پچھلوں کیلئے سامان کھانے کا ہو یا اُسکے اُترنے کے دن کو ہم عید بناویں یا معنی لنا عیداً کے یہ ہیں کہ لوٹنے والا ہو وہ خوان ہمپر محبت اور بر بان ہو کر اور ایک نشانی ہو تیری طرف سے اور روزی دے ہکو اور تو بہتر روزی دینے والا ہے اللہ تعالیٰ نے عیسے کی دعاء قبول کر کے فرمایا بے شبہ میں اُتارنے والا ہوں خوان کو تمپر سو جو کوئی تم میں سے اُسکے آنے کے بعد کفر اور ناشکری کریگا پس بالیقین میں اُسکو ایسا عذاب دونگا کہ اُسکی زمانہ والوں میں کسیکو ایسا عذاب نہ دونگا سو اُنھوں نے کفر کیا اور ناشکری کی پس وہ مسخ ہو کر بندر اور خنزیر ہو گئے عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سخت تر باعتبار عذاب کے دن قیامت کے منافق ہیں اور وہ لوگ جو کافر ہوئے اصحاب مائدہ سے اور آل فرعون۔ اور اسمیں علماء کا اختلاف ہے کہ مائدہ نازل ہوا یا نہیں صحیح تر یہ ہے کہ نازل ہوا اور اُسپر روٹی اور گوشت تھا اور سعید بن جبیر نے ابن عباس سے روایت کی کہ اُسمیں تمام اقسام کھانوں کے تھے بجز

روٹی اور گوشت کے اور اسمیں اور بھی بہت اقوال ہیں معالم التنزیل مختصراً

وعن جابرؓ قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم اوحی الله عزوجل الی جبریل علیہ السلام ان اقلب مدینۃ کذا وکذا باھلھا فقال یارب ان فیھم عبدك فلانا لم یعصك طرفۃ عین قال فقال اقلبھا علیہ وعلیھم فان وجھہ لم یتمعر فیّ ساعۃ قط۔

اور روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے حضرت جبریل علیہ السلام حکم فرمایا کہ فلاں شہر کو اُسکے رہنے والوں پر اُلٹ دے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اُنمیں تیرا فلاں بندہ ہے کہ اُسنے ایک لحظہ بھی تیری نافرمانی نہیں کی حاصل یہ ہے کہ جب اُس شہر میں تیرا ایک نیک بندہ بھی ہے جو ہر وقت تیری عبادت میں مصروف ہے تو اُس بستی کو اولٹنا نہ چاہیئے کہ اُلٹنے میں وہ نیک بندہ بھی ہلاک ہوگا اور حالانکہ وہ مستحق عقاب نہیں ہے حق تعالیٰ نے حضرت جبریل سے فرمایا کہ اُسپر اور اُن سب بستی والوں پر اُس شہر کو اُلٹ دے۔ کیونکہ اُسکا چہرہ کبھی میرے لئے نہیں بدلا یعنی میری نافرمانیاں اور لوگوں کی بدکرداریاں دیکھکر کبھی اُسکو غصہ نہیں آیا اور اُسکے چہرہ پر رنج اور غصہ کا اثر ظاہر نہیں ہوا یعنی جو ادنیٰ درجہ ایمان کا ہے کہ دل سے منکر کو برا سمجھنا اُسمیں یہ بھی نہ تھا ورنہ ظاہر ہے کہ دل کی کراہت کا اثر چہرہ پر بھی ظاہر ہوتا اور یہ بھی احتمال ہے کہ اُس شخص میں قدرت منکرات شرعیہ کے بدلنے کے یا زبان سے روکنے کی تھی اور اُسنے ایسا نہیں کیا اس سے معلوم ہوا کہ اُسکو کچھ پروا اِسکی نہیں ہوئی اور منکرات سے اُسکو استنکاف واستکراہ نہیں ہوا اور یہ امر منافی کمال ایمان کی ہے۔

وعن ابی سعیدؓ قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم انّ الله عزوجل لیسئل العبد یوم القیامۃ فیقول مالك اذ ارأیت المنکر فلم تنکرہ قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم فیلقّی حجتہ فیقول یارب خفت الناس ورجوتك۔

اور روایت ہے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے کہ بیشک اللہ غالب وبرتر اپنے بندہ سے قیامت کے دن سوال کریگا پھر فرماویگا تو نے جب امر خلاف شرع کو دیکھا تو کیا وجہ کہ تو نے اُسپر انکار نہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس بندہ کو اللہ تعالیٰ کیطرف سے

حجۃ تلقین کیجاویگی سو وہ بندہ جواب دیگا اور عذر کریگا۔ کہ اے میرے رب میں لوگوں سے ڈرا اور تیری رحمت کی امید کی حاصل یہ ہے کہ مجھکو قدرت اُس امر منکر کی دفع کرنے اور روکنے کی نہ تھی مجھکو ڈر ہوا کہ اگر میں ان لوگوں کو منع کرونگا اور اُنپر انکار کرونگا تو وہ مجھکو ستاوینگے اور تکالیف پہنچاوینگے اور تیری رحمت کا امیدوار رہا کہ مجھے جو کچھ کوتاہی اسبارہ میں ہوئی ہے اُسکو تو معاف فرمانے والا ہے۔

وعن ابی موسی الاشعری قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم والذی نفس محمد بیدہ ان المعروف والمنکر خلیقتان تنصبان للناس یوم القیامۃ فاما المعروف فیبشر اصحابہ ویوعدھم الخیر واما المنکر فیقول الیکم الیکم وما یستطیعون لہ الا لزومًا۔

اور ابو موسی اشعری رض سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی کہ محمد کی جان اُسکے قبضہ میں ہے کہ بیشک معروف و منکر دو مخلوق ہیں کہ قیامت کے دن لوگوں کے لئے کھڑے کئے جاوینگے سو معروف اپنے اصحاب کو یعنی اُن لوگوں کو جنھوں نے امر بالمعروف کیا خوشی سناویگا اور خیر کا وعدہ کریگا اور لیکن منکر سو وہ کہیگا

کہ مجھسے الگ رہو اور میرے پاس نہ آؤ اور وہ اُس سے علیحدہ نہ ہوسکینگی یعنی جیسا کہ دنیا میں وہ لوگ امر منکر اور خلاف شرع کے مرتکب رہے اور اُس سے علیحدہ نہ ہوئے اسیطرح آخرت میں بھی منکر کے ساتھ ہونگے اور اُس سے علیحدہ نہ ہوسکینگے اور جو عذاب ارتکاب منکر کی وجہ سے اُنکے لئے مقرر ہے وہ اُنپر نازل ہوگا۔ احقر کہتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارہ میں جو کچھ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں نقل فرمایا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُسکو بھی نقل کیا جاوے کہ فائدہ تام ہو اور نفع اُسکا عام واللہ ولی التوفیق حضرت امام موصوف نے جو کچھ احیاء العلوم میں نقل فرمایا حاصل اُسکا یہ ہے بعد حمد و صلاۃ فرماتے ہیں کہ واضح ہو کہ اچھی بات کا حکم کرنا اور بری بات سے منع کرنا دین کا بڑا مدار ہے اور اسی کیلئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم کو مبعوث فرمایا اگر اُسکا بساط تہ کردیا جاوے اور اُسکے علم اور عمل کو مہمل چھوڑا جاوے تو نبوت بیکار اور دیانت مضمحل اور سستی عام اور گمراہی تام اور جہالت شائع اور فساد ذائع اور فتنہ برپا ہوجائے اور بلاد خراب اور عباد تباہ ہوجائیں گو اپنی ہلاکی کو بجز قیامت کے اور کبھی نہ جانیں اور

اور جس بات کے ہونے کا ہمکو ڈر تھا وہ ہوگئی انا للہ وانا الیہ راجعون یعنی اس مدار اعظم کا علم اور عمل جاتا رہا کچھ اسکی حقیقت اور نشان باقی نہیں سب مٹ گیا خلق کے دلونپر مداہنت چھاگئی اور خالق کا لحاظ بالکل نہ رہا لوگ ہوائے نفسانی اور شہوتونمیں بہائم کی طرح چھوٹے ہیں روئے زمین سچا ایماندار ایسا کمیاب ہے جو اللہ تعالی کے باب میں ملامت گروں کی ملامت سے نہ ڈرے تو جو شخص اس خلل کے دور کرنے اور اس رخنہ کے بند کرنے میں کوشش کریگا اور آبیاری پیروی سے اس سنت کا آب رفتہ در جو لائیگا وہ تمام لوگوں میں احیار سنت کے باعث نامور ہوگا اور ایسا اجر پائیگا کہ کوئی ثواب اسکے ہم پلہ نہ ہوا در ہم باب کے مضمون کو چار فصلوں میں لکھتے ہیں۔ پہلی فصل امر بالمعروف اور نہی منکر کے واجب ہونے اور اسکی فضیلت میں اور اسکے ترک کرنے کی مذمت میں قطع نظر اس سے کہ امر معروف اور نہی منکر پر اجماع امت ہے اور عقلیں سلیم اسکی خوبی کی شاہد۔ اسکے لئے بہت سی آیات واحادیث وآثار بھی ہیں ایات یہ ہیں اللہ تعالی فرماتا ہے۔

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون۔	اور چاہئے کہ رہیں تم میں ایک جماعت بلاتے نیک کام پر اور حکم کرتے پسند بات کو اور منع کرتے ناپسند کو اور وہی پہنچے مراد کو۔

اس آیت میں ایک تو وجوب اس فعل کا پایا جاتا ہے کیونکہ لفظ ولتکن صیغہ امر ہے اور امر کا ظاہر ایجاب ہی ہے دوم یہ کہ فلاح اسی امر سے وابستہ ہے اسلئے کہ حصر کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ وہی ہیں فلاح پانے والے سوم یہ کہ امر معروف و نہی منکر فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں اگر امت میں سے کچھ لوگ بھی اسپر کاربند ہونگے تو باقیوں کے ذمہ سے فرض ساقط ہوجاویگا اسلئے کہ یہ تو ارشاد نہیں فرمایا کہ تم سب ایسے ہوجاؤ بلکہ یہ فرمایا کہ تم میں سے ایک جماعت اس صفت کی ہو تو اسی لئے جب اسپر عمل ایک شخص یا زیادہ کرینگے تو دوسروں پر حرج ساقط ہوجائیگا اور مخصوص بفلاح وہی ہونگے جو اسکی تعمیل کرینگے اور اگر تمام خلق اس سے پہلوتہی کریگی تو وبال سب پر ہوگا خصوص ان لوگوں پر جنکو امر بالمعروف و نہی منکر کی قدرت ہوگی۔ اور دوسری جا ارشاد فرمایا ہے۔

لیسوا سواءً من اهل الکتاب اُمّةٌ قائمة یتلون ایات الله اناء اللیل وهم یسجدون ۔ یؤمنون بالله والیوم الاخر ویامرون بالمعروف وینهون عن المنکر ویسارعون فی الخیرات واولٰئک من الصالحین ۔

وہ سب برابر نہیں اہل کتاب میں ایک فرقہ ہے سیدھے راہ پر پڑھتے ہیں آیتیں اللہ کی راتوں کے وقت اور وہ سجدہ کرتے ہیں یقین لاتے ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر اور حکم کرتے ہیں پسند بات کا اور منع کرتے ہیں ناپسند سے اور دوڑتے ہیں نیک کاموں پر اور وہ لوگ نیک بختوں میں ہیں۔

اس آیۃ میں صرف ایمان باللہ اور روز آخرت پر صلاح و نیکبختی کو متعلق نہ فرمایا یہانتک کہ ایمان پر امر معروف و نہی منکر کو بھی زیادہ کیا اور فرمایا۔

والمؤمنون بعضهم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینهون عن المنکر ویقیمون الصلوٰة

اور ایمان والے مرد اور عورتیں ایک دوسرے کی مدد ہیں سکھاتے ہیں نیک بات اور منع کرتے ہیں بری سے اور کھڑی رکھتے ہیں نماز۔

اس آیۃ میں ایمانداروں کا وصف یہ ذکر فرمایا کہ اچھی بات کا امر کرتے ہیں تو جو کوئی امر معروف کو ترک کریگا وہ اُن ایمانداروں کے زمرہ سے خارج ہوگا جنکا وصف اس آیت میں مذکور ہے۔ اور فرمایا۔

لُعِنَ الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسانِ داؤد وعیسی بن مریم ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون کانوا لا یتناهون عن منکر فعلوه لبئس ما کانوا یفعلون

لعنت کئے گئے منکر بنی اسرائیل میں سے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ مریم کے بیٹے کی زبان پر یہ اس سے کہ گناہگار تھے اور حد پر نہ رہتے تھے آپس میں منع نہ کرتے تھے بُرے کام سے جو کر رہے تھے کیا بُرا کام ہے جو کرتے تھے۔

اس آیۃ میں نہایت سختی ہے کہ علت اُنکی مستحق لعنت ہونیکی یہی فرمائی کہ اُنھوں نے نہی منکر کو ترک کیا

(باقی آئندہ)

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(گذشتہ سے پیوستہ)

اس سب تمہید کے بعد عرض ہے کہ انسان مخلوقات میں کامل و اکمل ہے۔ حقوق و معاملات کا علاقہ جسقدر اُسکی ذات سے ہے عالم کے تمام انواع و اقسام میں کسی سے نہیں ہے اُسکے افراد میں خود باہمی حقوق و استحقاقات کا سلسلہ اسطرح قائم ہے کہ یہ نہو تو نظام تمدن باطل ہوجائے۔ بلکہ نسل انسانی منقطع ہوجائے۔ اور باوجود اُن تمام اشتراکات کے جو افراد انسان میں پائے جاتے ہیں اُنکے اندر امتیاز و افتراق بھی ہے۔ اشتراکات اگر مساوات کو تقاضا کرتے ہیں۔ تو امتیازات تفریق و تفاضل کو۔ ہمکو دیکھنا یہ ہے کہ افراد انسانی کے اندر مساوات کتنے امور میں ہونی چاہیئے۔ اور تفریق و مفاضلہ کتنے معاملات میں۔

ہم چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اول عقل و عرف عقلاء زمانہ کے طرز عمل اُنکے قوانین کے اعتبار سے بحث کریں اور اُسکے بعد دکھلائیں کہ شریعت نے اِس مسئلہ میں کیا تعلیم دی ہے۔

بادی النظر میں لفظ مساوات بہت پیارا معلوم ہوتا ہے۔ جب یہ سنا جاتا ہے کہ فلاں شخص کی نظروں میں یا فلاں ملک میں۔ امیر و غریب۔ شاہ و گدا۔ سب برابر ہیں۔ کسیکو کسی پر فوقیت و امتیاز نہیں ہے۔ یا کہتے ہیں کہ شیر بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں۔ تو سننے والے کے قلب میں مسرت و اطمینان۔ پسندیدگی و طمانینت کی لہر دوڑجاتی ہے مسرت و ابتہاج سے دل لبریز ہوجاتا ہے۔ اور وہ اس سے بڑھکر دنیا کے امن و امان کا ضامن کسی بات کو نہیں سمجھتا لیکن تحقیق طلب یہ امر ہے کہ آیا ہر امر میں ہر معاملہ میں مساوات محمود ہے۔ یا ایسے مواقع بھی ہیں جہاں مساوات مذموم سمجھی جاتی ہے۔ اور اُسکی مضرتیں و نقصانات اُس امتیاز و مفاضلہ سے بدرجہا زائد ہوتی ہیں۔ جسکو بظاہر غیر محمود سمجھا جاتا ہے۔

ہم ابھی لکھ چکے ہیں کہ انسان کے اندر باوجود اشتراک صفت انسانیت مختلف وجوہ وطرق سے امتیازات پیدا ہوتے ہیں۔ اور ہر امتیاز اپنا جدا حکم رکھتا ہے۔ پس یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ تمام افراد انسانی ہر امر میں مساوی قرار دیدئے جائیں۔ لازم اور واجب یہ ہے کہ کسی حد تک اِن میں مساوات ہو اور کسی جگہ جاکر بوجہ تفاضل وتفاوت درجات ومراتب اُنکے معاملات میں تفاضل ملحوظ رکھا جائے۔

اسی لئے تمام عقلاء دنیا کا اجماع ہے۔ اور دنیا بھر کے قوانین۔ باعتبار اصول اسپر متفق ہیں کہ انسانی افراد کے حقوق باعتبار انسانیت مساوی ہیں۔ ایک نہایت غریب۔ ضعیف بے یار ومددگار۔ جاہل۔ وحشی کندہ ناتراشیدہ غیر مہذب غیر متمدن۔ کج خلق۔ کمینہ۔ رذیل اخلاق۔ بدافعال۔ قبیح منظر۔ سیاہ فام کے حقوق انسانیت کا محفوظ رکھنا ایسا ہی ضروری ہے جتنا سلطان وقت۔ یا ایک رئیس وزمیندار تاجر وصناع کا۔ یا ایک مہذب ومتمدن کریم النفس جامع اوصاف حمیدہ وملکات پسندیدہ کا۔ کسی منصفانہ قانون میں ضعیف وکم رتبہ شخص کی جان کو بڑے پایہ والے سے کمتر نہیں سمجھا جاتا۔ اور اسی وجہ سے افراد انسانی کے حقوق و معاملات کی پامالی دنیا کے کسی قانون میں پسند نہیں کیگئی۔ اُسکو جور وتعدی ظلم وستم کہا جاتا ہے انسانیت کے خلاف وحشت وبہیمیت کے مرادف سمجھا جاتا ہے۔

لیکن باوجود اس مساوات حقوق انسانی کے باجماع عقلاء دنیا دوسرے مدارج میں ایک دوسرے پر فوقیت دیجاتی ہے اور اس فوقیت میں اسکا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ کسی کے انسانی حقوق پامال نہو جائیں۔

اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ اسدرجہ کی مساوات کہ عالم کی تمام افراد خواہ کسی طبقہ کی ہوں ایک ہی درجہ پر رکھدی جائیں کبھی محمود وپسندیدہ نہیں ہوسکتی۔ کیا یہ امر پسندیدہ ہوسکتا ہے کہ سلطان وقت اور ایک ادنی خاکروب معاملات نشست وبرخواست کھانے پہننے۔ احترام واکرام میں برابر کر دئے جائیں۔ اور ایسا ہو تو کیا کوئی عاقل اُسکو پسند کریگا۔ اور کیا ایسا ہونے کے بعد عالم کا نظام باقی رہ سکتا ہے۔ اُسمیں سکون وامن قائم۔ اور اُسکے افراد میں تعاون وتناصر کا سلسلہ جاری رہ سکتا ہے۔

اور کیا دنیا کا کوئی عقلمند شخص اسکو اپنی آنکھ سے دیکھ سکتا ہے کہ کسی فن کے عالم۔ استاد کا رتبہ باعتبار حرمت و عظمت ایک بد دین جاہل کی برابر کر دیا جائے۔ شاگرد و استاد میں فرق مراتب اوٹھا دیا جائے۔

اسیطرح ہر درجہ و مرتبہ کے امتیاز کا حکم جداگانہ ہے۔ جس کا لحاظ عقل و عرف و قوانین فطرۃ و قوانین عقلا کے اعتبار سے ضروری ہے۔ ہاں مگر اسی طرح پر کہ حقوق انسانیت کی مساوات میں اس سے فرق نہ آوے۔

اگر کسی زمانہ میں یا کسی ملک و قوم میں حقوق انسانیت کے اندر ایک نوع کو دوسرے نوع یا ایک طبقہ کو دوسرے طبقہ پر فوقیت دی گئی۔ تو اسکو ہمیشہ ظلم سمجھا گیا ہے۔ اور وہ قومیں آجتک وحشی جاہل غیر مہذب کہلاتی ہیں

اسیطرح اگر کسی ملک یا قوم میں مساوات کو اس درجہ بڑھا دیا جائے کہ حقوق انسانی کے علاوہ باقی معاملات و مدارج میں بھی سب کو مساوی قرار دیدیا جائے۔ اچھے برے۔ عالم جاہل۔ شریف و وضیع۔ ایک ہی ترازو میں وزن کر دئے جائیں تو اس مساوات کی مضرت اُس امتیاز و تفوق ناجائز سے بدرجہا زیادہ ہے۔ امتیاز و تفوق کی صورت میں ایک طبقہ کی قوت اُسکا اقتدار اسدرجہ کا ضرور رہیگا کہ وہ امن و سکون قائم رکھ سکے۔ لیکن اس درجہ کے مساوات میں جبکہ تمام افراد یکساں سمجھے جاتے ہیں۔ بالکل امن و امان اُٹھ جائیگا۔ ہر ایک متنفس کو زندگی دوبھر ہو جائیگی ایسی مساوات نہایت حماقت آمیز اور مضحکہ خیز ہے۔ ہمکو اس مساوات پر ایک حکایت یاد آئی۔

ایک گرو اور اُسکا چیلہ ملک در ملک شہر بشہر سیاحت کرتے پھرتے تھے۔ کسی ایک جگہ ٹھہرنے یا اقامت گزیں ہونے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ جو حال ایسے آزاد اور مجرد لوگوں کی معیشت و طرز زندگی کا ہوتا ہے وہی اُنکا بھی تھا جہاں پہونچے وہاں جو کچھ ملا کھالیا۔ سیر و سیاحت کرتے کرتے اتفاق سے ایک بستی میں پہونچے۔ تو دیکھا کہ وہاں ہر چیز ایک نرخ پر فروخت ہوتی ہے۔ گھی مٹھائی۔ غلہ۔ میوہ جات۔ دودھ دہی۔ ترکاری سبزی۔ کپڑا۔ لوہا تانبا۔ سونا چاندی وغیرہ۔ ان تمام اشیا کا یہی حال ہے۔ چیلہ جو سفر کی صعوبت اور کھانے پینے کی تکالیف برداشت کرتے کرتے تنگ آگیا تھا۔ اُسنے یہ حال دیکھکر گرو سے عرض کیا کہ حضور کچھ دنوں یہاں قیام فرمائیں۔ تو سفر کی

ماندگی دور ہوجائے۔ ہر قسم کی اچھی خوش ذائقہ۔ موافق طبع اشیاء کے کھانے سے ناتوانی بھی زائل ہوجائے۔ اور کچھ دن راحت و آرام سے گذر جائیں۔ گرو نے فرمایا۔ جس جگہ اچھی بری کی تمیز اٹھ گئی سب کا ایک ہی حال ہو۔ وہاں ٹھہرنا کسیطرح مناسب نہیں ہے۔ مگر چیلہ کے بیحد اصرار پر گرو نے بھی منظور کرلیا۔ پھر کیا تھا دونوں نے خوب کھانا پینا شروع کردیا۔ تھوڑی ہی مدت میں لاغری دور ہوکر فربہی اور توانائی آگئی۔ خوب موٹے تازے ہوگئے۔ انھیں ایام میں وہاں ایک قتل کا واقعہ پیش آگیا۔ مجرم پکڑا ہوا آیا۔ راجہ صاحب نے اسکو پھانسی پر لٹکانیکا حکم دیا۔ پھانسی پر لٹکانے گئے تو دیکھا کہ اسکا حلقہ بڑا ہے۔ مجرم کی گردن پتلی ہے۔ حلقہ میں نہیں پھنس سکتی۔ راجہ صاحب سے عرض کیا گیا۔ ارشاد ہوا کہ۔ جس شخص کی گردن اس حلقہ میں پھنس سکے اسکو بجائے اسکے لٹکادو۔ مجرم تو دعائیں دیتا ہوا چلدیا۔ اور ایسے موٹے تازے شخص کی تلاش شروع ہوئی۔ یہ دونوں گرو و چیلہ۔ ابھی تازہ دم کھا پیکر موٹے ہوئے تھے۔ انکو پکڑ لائے۔ گرو صاحب نے چیلہ سے فرمایا۔ میں کہتا نہ تھا کہ ایسی جگہ جہاں اچھے برے کی تمیز نہ ہو ٹھہرنا مناسب نہیں ہے۔ اب دیکھ لیا۔ کہ کیا نتیجہ ہوا۔ چیلہ نے عرض کیا۔ کہ غلطی تو ہو گئی لیکن کچھ تدبیر بتلائیے۔ فرمایا کہ تدبیر یہ ہے کہ جب پھانسی پر لٹکانے کیلئے لیجائیں۔ تو میں کہونگا کہ مجھکو پھانسی پر لٹکایا جائے۔ اور تم اصرار کرنا کہ مجھکو۔ راجہ صاحب نے حکم دیا کہ ان دونوں میں سے ایک کو پھانسی دیدو۔ گرو چیلہ میں جھگڑا شروع ہوا۔ ہر ایک چاہتا تھا میں پھانسی دیا جاؤں۔ یہ عجیب قسم کا تکرار تھا۔ موت کیلئے جھگڑنا۔ نئی بات تھی۔ بالآخر راجہ صاحب کی خدمت میں یہ معاملہ پیش ہوا تو آپ نے دونوں کو بلاکر اسکا سبب دریافت کیا انھوں نے کہا کہ ہمکو معلوم ہے کہ یہ وقت نہایت مبارک ہے مکتی کی گھڑی ہے۔ جو بھی اسوقت مریگا سیدھا سرگ میں جائیگا راجہ صاحب نے یہ سنا تو دل میں سوچا۔ کہ مرنا تو سب ہی کو ہے راجہ ہو یا پرجا کسیکو معلوم نہیں کہ کب مریگا۔ ممکن ہے کہ میرے مرنے کا زمانہ قریب آگیا ہو۔ اور قریب نہ سہی تب بھی آخر مرنا ہے۔ اگر مرنے کے بعد نجات ہوجائے آرام ملجائے اس سے بڑھکر اور کیا دولت و نعمت ہے اس مبارک وقت کو کیوں ہاتھ سے دیں۔ دنیا میں تو بہت کچھ عیش و آرام اختیارات و حکومت کا مزہ دیکھ لیا۔ اب آخرت کی فکر چاہیئے۔ یہ سوچ بچار کر کہا کہ انکو چھوڑ دو اور مجھے اس پھانسی پر لٹکادو اس حکم کی فوراً تعمیل کردی گئی اور راجہ صاحب نرگ یا سرگ میں جہاں جانا مقدر تھا تشریف لیگئے

ظاہر بین نظروں میں تو یہ مساوات بھی خوش کن تھی۔ اور بالکل ممکن ہے کہ اُس بستی کے سادہ لوح اسپر فخر بھی کرتے ہوں۔ مگر حقیقت میں حماقت تھی۔ اچھے بُرے کا امتیاز نہونا۔ اعلی و ادنی کا ایک درجہ میں رکھدینا بالکل تباہی و بربادی کا سامان ہے۔ اس احمقانہ مساوات کے خیال نے جو استعمالی اشیا میں جاری تھی زیادہ وسعت پکڑلی تو مجرم و غیر مجرم کی تمیز بھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ کیا پھانسی کا حلقہ تنگ نہ کیا جا سکتا تھا۔ یا پاداش جرم کی سزا بجز پھانسی کے اور کسی صورت سے نہ ہو سکتی تھی۔

دولت و نعمت کے نشہ نے اس زمانہ کی متمدن اقوام میں بھی اس قسم کا سودا مساوات پیدا کر دیا ہے۔ بعض بستیاں بنائی گئی ہیں جنمیں مساوات کو قائم کیا گیا ہے ہر بات میں تساوی درجہ تجویز کیا گیا ہے۔ جس کو دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حکایت مذکورہ بالا بھی بے اصل نہو گی ہاں یہ فرق ضرور ہو گا کہ وہ جہالت و وحشی پن کا کرشمہ تھا اور یہ دولت ثروت۔ سائنس حکمت کا چرچلا۔ اگر یہ آخر الذکر صورت بڑے جد و جہد سے کسی چھوٹے پیمانہ کامیاب بھی ہو جائے تب بھی اوسکا نفاذ عام نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے اس بارہ میں کچھ زیادہ کہنے کی حاجت نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عقلی و عرفی طور پر ایسی مساوات جنمیں تمام طبقات کے کل معاملات یکساں ہو جائیں۔ ہرگز محمود و پسندیدہ نہیں۔

ہاں مساوات حقوق۔ لازمی امر ہے۔ ہر ایک حکمراں قوم اسکی مدعی ہے۔ اسکے قوانین مرتب ہیں۔ گو وہ اُسکی صحیح میزان قائم نہ کر سکیں۔

- عقلی و عرفی طور پر مسئلہ مساوات و تفاضل کی حقیقت اور اُسکے احکام معلوم کرنے کے بعد اب دیکھئے کہ شریعت اسلام نے اس بارہ میں کیا تعلیم دی ہے۔ اور پھر اس فرق کو محسوس کیجئے جو قوانین دنیا اور قانون شریعت میں ہے۔

ہمارے سابق بیان سے معلوم ہو گیا ہے کہ بنی نوع انسان کا اشتراک مساوات کو مقتضی ہے۔ اور اسکا امتیاز خواہ معاشرت و تمدن کے لحاظ سے ہو اور خواہ دیانت و مذہب کے اعتبار سے تفاضل و تمایز کو۔ اہل عقل کے قوانین صرف معاشرت و تمدن کے تفاضل و تمایز کو محیط ہوتے ہیں۔

لیکن شریعت دونوں کو جامع ہے۔

انسانیت کے اشتراک سے جن امور میں مساوات ضروری ہے وہ حفظ جان و مال حفظ ننگ و ناموس۔ حفظ حقوق و معاملات وغیرہ ہیں۔

شریعت اسلام نے گو ہر ایک ذی روح کی جان کا حق انسان پر کسی نہ کسی حد تک قائم کیا ہے مگر انسان کی جان و مال کی حفاظت اس درجہ کی کہ اس سے بڑھکر کیا ہو سکتی ہے۔ تمام افراد انسانی کو بلا امتیاز ملک و ملت رنگ و روپ شریعت اسلام نے اپنے حفظ میں لیا ہے اور ہر ایک موقع و وقت کے مناسب احکام اس بارہ میں نافذ فرما کر متبعین شریعت کو اُنکا پابند بنا دیا۔

انسان کی دو ہی حالتیں ہیں۔ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ مسلم کی دو حالتیں ہیں۔ اسلامی ممالک میں رہتے ہوں اُنکے عہد و امن میں داخل ہوں۔ یا ممالک غیر اسلام میں۔ غیر اسلامی ملک میں رہنے والے دو حال سے خالی نہیں یا مسلمانوں سے برسر مقابلہ ہیں اُن سے کسی قسم کا عہد و پیمان نہیں ہے۔ یا اُنسے عہد و پیمان کئے ہوئے ہیں۔

مسلمان بھائی کے جان و مال کی حفاظت تو اس درجہ فرض ہے کہ قتل مسلم سے بڑھکر کوئی کبیرہ گناہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جہنم خالدا فیہا	جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کریگا اُسکی جزا جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہیگا۔

اسیطرح اُن غیر مسلموں کا حال بھی ہے جو مسلمانوں کے ملک میں اُنکی فرمانبرداری و عہد و پیمان کے ساتھ رہتے ہیں۔ اُنکا قتل بھی گناہ کبیرہ ہے۔ قتل تو قتل اُنکی غیبت بھی حرام ہے اور کسی قسم کا ظلم کرنا جائز نہیں بلکہ کتب فقہ میں ذمی پر ظلم کرنا اشد ہے۔ رد مختار۔ اسلام و کفر کے فرق سے معصیت میں شدت و ضعف ہو تو ہو۔ مگر کبیرہ ہونے میں تردد نہیں ہے بلکہ حدیث شریف میں ہے

من اخفر مسلما فی ذمتہ فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا	جسنے کسی مسلم کے ذمہ کو جو اُسنے کسی ذمی سے کیا تھا توڑ دیا اور برقرار نہ رکھا اُسپر اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کی لوگوں کی لعنت ہے اللہ تعالیٰ اُسکا نفل و فرض کچھ قبول نہیں کرتا۔

معاہد کو تکلیف پہنچانے میں خلاف عہد کرنے والا خواہ کوئی ہو۔ یہ وعید شدید اور یہ عتاب ہے جس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتا ہے۔ ایسے شخص پر خدا کی فرشتوں کی لوگوں کی لعنت ہے۔ اُسکی کوئی

عبادت فرض و نفل قبول نہیں ہوتی۔

رہے ممالک غیر اسلامی کے رہنے والے جنسے معاہدہ ہوچکا ہے اونکو خلاف عہد تکلیف پہونچانا۔ قتل و غارت کرنا بھی حرام و معصیت اور گناہ کبیرہ میں داخل ہے۔

اوفوا بالعهد ان العهد كان مسئولا　　عہد کو پورا کرو کیونکہ عہد کے بارہ میں سوال کیاجائیگا۔

کا عام فرمان اس صورت کو بھی شامل ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں کفار کے ساتھ ایسے سخت شرائط پر معاہدہ کرلیا کہ جو مسلمان دین اسلام سے پھر کر تمھارے پاس آجائے ہم اسکو واپس کرنیکا مطالبہ تم سے نہیں کرینگے۔ اور تم میں کا کوئی مسلمان ہوکر ہمارے پاس آئیگا تو ہم اسکو واپس کردینگے۔ اور اسی بنا پر جب کفار مکہ نے ابوبصیر کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ تو آپ نے ایک ایسے شخص کو جو کفر سے بھاگ کر اسلام میں داخل ہوا تھا جسکے بگڑ جانے۔ مارے جانے کا اندیشہ تھا اُسکی ہزار منت وسماجت۔ دلشکنی اور حسرت و یاس پر خیال نفرما کر بے تامل کفار کے حوالہ کردیا۔

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس حکم کی پابندی اس حد تک کی کہ اس سے بڑھکر ناممکن ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کہ ملک شام میں برسرپیکار رہتے تھے۔ ایک مرتبہ دشمن کے ساتھ چند مدت تک التوار جنگ کا معاہدہ کرلیا تھا۔ مگر لقاعدہ۔ الحرب خدعة (لڑائی حیلہ وتدبیر ہے) اس زمانہ میں چپکے چپکے۔ سرحد پر تیاریاں مکمل کرتے رہے کہ مدۃ التوا ختم ہوتے ہی اچانک حملہ کردیں۔ اُنکی رائے میں یہ امر ناجائز یا خلاف عہد نہ تھا تدابیر جنگ اور احتیاط کا اقتضا بھی یہی تھا۔ اُنکو کیا اطمینان تھا کہ دشمن بھی اسی فکر میں نہو اور وہ بھی مدۃ ختم ہوتے ہی فوراً حملہ کر بیٹھے۔ ادہر مدت التوا ختم ہوئی اور اُدہر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو بالکل سرحد پر پڑے ہوئے تھے۔ حملہ کا حکم دیدیا۔ حملہ شروع ہوا ہی تھا کہ ایک شہسوار گھوڑا دوڑاتے ہوئے اور چلاتے ہوئے چلے آرہے تھے اللہ اکبر اللہ اکبر وفاء لاغدار یہ ایک صحابی تھے رضی اللہ عنہ۔ حملہ روک دیا گیا۔

رہے وہ ممالک غیر اسلامی جنسے کسی قسم کا معاہدہ نہیں ہے۔ خواہ وہ سردست برسر جنگ ہوں۔ یا اُنکے ساتھ ہر وقت جنگ کا اندیشہ لگا ہوا ہو۔ اُنکی دو حالتیں ہیں۔ اُنمیں کا

کوئی ایک یا چند امن لیکر دارالاسلام میں آئیں۔ یا مسلمان امن لیکر اُنکے ملک میں جائیں۔ دونوں صورتوں میں اسلام نے جان و مال کو تکلیف پہونچانا حرام قرار دیا ہے۔ جو غیر مسلم امن لیکر دارالاسلام میں داخل ہو اُسکے ساتھ ہمارا وہی معاملہ ہوگا جو معاہد کے ساتھ۔ جب وہ حدود دارالاسلام سے نکل جائے معاہدہ ختم ہوجاتا اور اُسوقت اُسکا حکم حربی کا ہوجاتا ہے۔ اور جو مسلمان امن لیکر اُن کے ممالک میں جائے اُسکو حرام ہے کہ کسیکی جان کو تکلیف پہونچائے یا اُنکے مال میں ناجائز تصرف کرے بہرحال تو حکم معصیت کا ہے۔ احکام ظاہری کو دیکھئے۔ تو دارالاسلام میں جیسا ایک مسلمان کے قاتل سے قصاص نفس (خون کا بدلہ خون) یا قصاص اطراف یعنی اعضاء بدن کے عوض اعضاء بدن سے لیا جاتا ہے۔ ویسا ہی ذمی کے قاتل سے اور یہی حال اس مستامن کے قاتل کا ہے جو غیر اسلامی ملک میں رہتا ہے۔ مگر امن لیکر اسلامی ممالک میں آکر آباد ہوا اور ذمی بنگیا۔ فقہ حنفی کی معتبر کتاب فتاوی میں لکھا ہے۔

ویجری القصاص بینہ وبین المسلم | مسلمان کے اور اُس مستامن کے درمیان جو ذمی بنگیا ہو قصاص جاری ہوگا

یعنی دونوں میں سے کوئی قاتل ہو اُس سے قصاص لیا جائیگا۔

مستامن کی حالتوں میں فرق ہے۔ بعض حالتوں میں اُسپر معاہد کے احکام عاید ہوتے ہیں اور بالکل اُسی جیسا بنجاتا ہے اور بعض میں نہیں۔ اسلئے ہمنے معاہد ہوجانیکی قید لگائی ہے۔ جن حالتوں میں وہ ذمی جیسا نہیں بنا اونمیں بھی اُسکی جان کی حفاظت ضروری ہے۔ فرق اتنا ہے کہ قاتل سے خواہ مسلمان ہو یا ذمی قصاص نہ لیا جائیگا۔ اور اس قسم کے فرق باعتبار حالات و مقامات مسلمانوں میں باہم۔ اور مسلمانوں و ذمیوں میں بھی نکلتے ہیں۔ اور خاص اِس موقع میں تو مسلمان اور ذمی کو درصورت قاتل ہونے کے مساوی رکھا گیا ہے۔

مال کی حفاظت کا بھی یہی حال ہے۔ جسطرح مسلمان کے مال کی حفاظت دوسرے مسلمان کے ذمہ فرض ہے۔ کسی ناجائز طور سے ظلم و تعدی سے حیلہ دھوکہ سے اُسکا نہ لینا جائز ہے نہ ہلاک اور تلف کرنا۔ اگر کسی کے مال کو ناجائز طور سے لیا معصیت و گناہ کبیرہ ہونے کے علاوہ شریعت نے اُسکے احکام مدون کردئے ہیں۔ تلف کردیا تو حسب اقتضاء حالات اُس پر ضمان آتا ہے۔

(باقی آیندہ)

کلمۃ الحق

(گذشتہ سے پیوستہ)

ایسے ہی کسی فرض قطعی پر کسی خبر واحد سے واجب کی زیادت ہوئی تو چونکہ فرض قطعی الثبوت اپنے ارکان و شرائط کے ساتھ ملکر اپنی ذاتیات کو حاوی ہو جاتا ہے اور اپنے وجود میں کسی دوسری شے کا محتاج نہیں رہتا اور واجب اُسکے وجود میں دخل نہیں رکھتا نہ اُسکے مفہوم میں داخل ہے نہ حقیقت میں غرض اس واجب کا وجود اور عدم اُس فرض کی تحقق کو مانع نہیں تو یہ واجب جو ظنی الثبوت ہے اُس فرض قطعی الثبوت کا موقوف علیہ نہیں ہوتا اسلئے حنفیہ نے خبر واحد سے زیادت واجب کو جائز رکھا۔

واجب کا مرتبہ فرض اور سُنّت کے درمیان میں ہے فرض سے کم ہے سنت سے زیادہ ہے تاہم ظنی الثبوت ہے اُسکے ترک کی دو صورتیں ہیں سہواً یا عمداً سہو کی صورت میں اُسکا جبر و مکافات نماز میں سجدہ سہو سے ہو جاتا ہے اور عمد کی صورت میں ضرورت اعادہ کی رہتی ہے یہ اعادہ کس غرض سے ہے آیا فرض کا وجود اور تحقق نہیں ہوا یا کچھ نقص رہا سو یہ امر بدیہی ہے کہ فرض کی ذات میں ارکان و شرائط واجبات و سنن سب داخل ہیں مگر فرق مراتب ضرور ہے ارکان و شرائط کے ترک سے فرض کا لعدم ہے اور ترک سنت سے اُسکا وجود سب کو مسلم ہے ترک واجب سے اگر اُسکو عدم محض کے مرتبہ میں دیکھیں تو پھر وہی خرابی لازم آتی ہے کہ قطعی کا موقوف علیہ ظنی قرار پاتا ہے لہذا تکمیلا للفرض اعادہ کی ضرورت ہے مثال ذیل سے اسکی تصویر ناظرین کرام کے سامنے کھینچ جائیگی اور ذہن میں حنفیہ کی مراد آسانی سے آجاویگی۔ پڑھئے آیت کریمہ ذیل۔

فاقرؤا ما تیسر من القرآن	جو کچھ قرآن سے آسان ہو پڑھو۔

نماز میں قرارت قرآن کا فرض ہونا اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ فاقرؤا امر کا صیغہ ہے

جو باتفاق اس محل میں فرضیت کیلئے ہے لفظ ما عام ہے جو بہت سے افراد کو چاہتا ہے جسکا یہ مطلب ہے کہ قرآن کا پڑھنا فرض ہے لیکن جو چاہو پڑھو تعیین کسی خاص سورت یا رکوع کی نہیں ہے۔

دوسرا ایک معتد گروہ اہل علم کا کہتا ہے کہ سورہ فاتحہ کا ہر نماز میں پڑھنا فرض ہے اسلئے کہ حدیث شریف میں یوں ارشاد ہے۔

لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بام القرآن | جو سورہ فاتحہ پڑھے اُسکی نماز نہیں۔

الفاظ حدیث فرضیت فاتحہ کو ثابت کرتے ہیں اور اسمیں کوئی خفا نہیں و لکل وجہۃ حنفیہ کہتے ہیں کہ بلاشبہ یہ حدیث ہے اور صحیح حدیث ہے لیکن آیت کے آیت ہونے میں بھی تو کوئی کلام اور خفا نہیں فرضیت قرارت کے ثبوت میں خفا نہیں لفظ ما کے عموم میں نقلۃً اور اصولاً کوئی خفا نہیں۔ عام اور خاص کے مفہوم اور مصداق میں کوئی خفا نہیں اگر فرضیت کے مرتبہ میں سورہ فاتحہ کی قرارت تسلیم کیجائے تو لفظ ما جو عموم کے لئے موضوع ہے خاص ہو جائیگا اور اُسکا عموم گاؤخورد ہو جائیگا اور یہ نہ ہونا چاہیئے اور نہ ہو سکتا ہے آیت کا قطعی الثبوت ہونا مسلم عندالکل ہے آیت عموم قرارت پر قطعی الدلالۃ ہے اسمیں کوئی خفا نہیں یہ حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد باتفاق جملہ محدثین قطعی الثبوت نہیں اگر حدیث موصوف سے زیادہ سورہ فاتحہ کی فرض کے مرتبہ میں کیجائے تو حدیث ظنی الثبوت آیت قطعی کا موقوف علیہ ٹھیرتی ہے اور یہ کسی طرح جائز نہیں عقل ایسے امور کی تسلیم سے متوحش ہوتی ہے۔ حدیث کو ترک کریں (نعوذ باللہ من ذالک) گو خبر واحد ہے مگر صحیح ہے۔ مثبت و مورث علم ہے۔ واجب العمل ہے۔ نماز میں جسطرح قرارت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے وہ ہی مراد آیت ہے مگر اس مراد کا مراد ہونا ظنی ہے اسلئے سخت مشکل ہے۔ قرآن و حدیث کا ادب فرض ہے اُنکے فرق مراتب کی تسلیم ضروری ہے خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اعطوا کل ذی حق حقہ | ہر صاحب حق کو اُسکا حق ادا کرو۔

قرآن کا حق یہ ہے کہ اُسکو قطعی الثبوت سمجھیں آیہ کریمہ میں صیغہ فاقرؤا کا حق یہ ہے کہ اُسکو فرضیت قراءت پر قطعی الدلالۃ تسلیم کریں لفظ ما کا حق یہ ہے کہ اُسکو عموم کیلئے اذعان و یقین کریں

کیا اسمیں کسی کو کلام ہو سکتا ہے ہرگز نہیں۔ ہمنے ادب قرآن کو مرعی رکھا اور بسر وچشم قبول کیا حدیث موصوف کا حق یہ ہے کہ ہم اُسکو ظنی الثبوت سمجھیں اور قرارت فاتحہ کو بھی تسلیم کریں اُسکو موقوف علیہ آیت قطعی کا قرار نہیں ہمنے حدیث موصوف کو بالراس والعین قبول کیا اور قرارت فاتحہ کی ضرورت کو وجوب کے درجہ میں تسلیم کیا اور قرآن وحدیث کے آداب کو مرعی رکھا دونوں ہمارے ذی حق تھے اُنکے حقوق کی حتی الامکان رعایت کی الفاظ کی رعایت کی معانی کی رعایت کی لغت کی رعایت کی اصول تفسیر و اصول فقہ کی رعایت کی کاش سورہٗ فاتحہ کی قرارت کا ثبوت کسی حدیث متواتر سے ہو جاتا تو پھر کچھ خلش ہی نہ رہتی مگر تقدیر سے اسکا ثبوت جس حدیث سے ہے وہ نہ متواتر نہ مشہور ہے یہ ہے خلاصہ حنفیہ کی تحقیق کا اور عطر اُنکی تحریر و تقریر کا۔ دوسرے علمار کی جو کچھ تحقیق ہے نہ اُسپر طعن نہ اُنپر کوئی سرزنش سب ایک لیلی کے مجنوں اور ایک شیریں کے فرہاد ہیں طرز عشق سب کا جدا جدا ہے اور وہ نہایت محمود ہے۔

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن
ای ذوق اس جہانکو ہے زیب اختلاف سے

ایک عاشق حدیث سنکر بے چین ہو گیا اور تڑپ اُٹھا اور فرضیت قرارت فاتحہ کا قائل ہو گیا یہ بھی اپنی دُھن کا پورا ہے دوسرا عاشق حدیث سُنکر بے چین ہو گیا مگر تڑپا نہیں اُسکو آیت و حدیث کے مراتب عشق نے ہی تعلیم کئے اور وہ آیت وحدیث دونوں کی فکر میں۔ لٹو ہو گیا یہ بھی اپنی دُھن کا سچا ہے ہائے ہائے۔

میں نہ تڑپا جو دم ذبح تو یہ باعث تھا
کہ رہے مد نظر عشق کے آداب مجھے

اس جانگاہی اور عرقریزی کی داد تو کجا ایک ایسا اعتراض پیدا ہو گیا کہ لینے کے دینے پڑ گئے وہ یہ کہ تمنے اپنی ادب ذاتی اور حقوق شناسی کی تو خوب پیٹ بھر کر تعریف کی لیکن اسکو تسلیم کر لینے پر بھی جو خرابی باقی رہتی ہے اُسکا کیا جواب۔ تم ماتیسر کے عموم کو بحال رکھتے ہو جسکا یہ مطلب ہے کہ نمازی جہاں سے چاہے پڑھ لے سورہ فاتحہ کی تعیین قرآن پاک سے ثابت نہیں۔ تم سورہ فاتحہ کی قرارت کو واجب تسلیم کرتے ہو۔ تمہارے نزدیک ترک واجب گناہ بھی ہے۔ اب فرض کرو کہ ایک شخص نے جو تمہارا معتقد تھا نماز میں سورہ فاتحہ عمداً نہ پڑھی تو بموجب تمہارے مزعوم کے اُسنے فرض قرارت کا ادا کر لیا اور اُسکو بموجب آیت فاقرؤا کی

ایسا کرنے کا اختیار حاصل ہے مگر جب وہ ایسا کرے گا تو تمہارے نزدیک بھی تارک واجب اور مرتکب گناہ ہوگا تو ثابت ہوا کہ قرآن مجید کراہت تحریمی کے ارتکاب کی اجازت پر مشتمل ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک ۔ یہ تو سخت بے ادبی اور گستاخی ہے ایسا تو کوئی مسلم نہیں کہتا اور تم خود بھی نہیں کہتے پس تمہارا یہ اذعان کہ ماتیسر اپنے عموم پر باقی ہے اور قرارت سورہ فاتحہ واجب ہے اور واجب کا ترک مکروہ تحریمی ہے اور ارتکاب مکروہ تحریمی گناہ ہے خود تمہارے دعویٰ اور مزعوم کے ابطال کا کفیل ہے۔ بہت پڑ وہ سونا جس سے ٹوٹے کان۔

حقیقت میں حنفیہ کی مراد میں غور نہ کرنے سے یہ شبہ ناشی ہوا ہے۔ گو بظاہر وقیع نظر آتا ہے مگر انکی مراد سمجھنے کے بعد اسکا وجود باقی نہیں رہتا اور اسکا خطور نہیں ہو سکتا بلا لحاظ حدیث مذکور کے کوئی عاقل سورہ مزمل کی آیت سے تعیین سورہ فاتحہ کی نہیں کر سکتا اور عموم قرارت سے انکار کی گنجایش نہیں پاتا حدیث مذکور سے سورہ فاتحہ کی ضرورت معلوم ہوئی تو اب کہا جائیگا کہ بیشک آیت سے مراد وہی ہے کہ جسپر تعامل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوا جسطرح نمازوں میں سورہ فاتحہ اور اسکے بعد کوئی سورت یا رکوع نمازوں میں پڑھا جاتا ہے اور جو حدیث شریف میں وارد ہے آیت اس معنی اور مراد کو مشتمل ہے لیکن اس مراد کا مراد ہونا قطعی الدلالۃ نہیں اگر یہ وضاحت بھی کسی آیت یا حدیث متواتر و مشہور سے ہو جاتی تو پھر کوئی خغانہ ہوتا اور فرضیت کے مرتبہ میں ضرورت فاتحہ کی تسلیم ہوتی لیکن تقدیر سے جو آیت مثبت فرضیت قرارت ہے اور قطعی الثبوت والدلالۃ ہے اسمیں تصریح سورہ فاتحہ کی نہیں تو ناچار حنفیہ نے کہا کہ مطلق قرارت فرض ہے اور جو حدیث مصرح فاتحہ ہے وہ آیت کی طرح قطعی الثبوت نہیں اب اگر یہ کہا جائے کہ اس حدیث سے آیت کی مراد کی توضیح فرضیت کے مرتبہ میں ہوئی تو ناچار کہنا پڑیگا کہ آیت کا فہم موقوف ہوا اس حدیث پر اور آیت قطعی اور حدیث ظنی اور قطعی کا موقوف علیہ قطعی ہی ہوتا ہے نہ ظنی تو ان مشکلوں کو پیش نظر رکھکر یہ کہا گیا کہ سورہ فاتحہ کا آیت میں مراد ہونا چونکہ من حیث الثبوت ظنی ہے قطعی نہیں اور اثبات فرض کیلئے دلیل قطعی کی ضرورت ہی لہذا اسکو وجوب کے درجہ میں رکھا اور وجوب بھی چونکہ فرض عملی ہے اسلئے اسکا ترک گناہ ہے اور ضرورت اعادہ کی ہے۔

(باقی آیندہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید کتاب معارف العوارف یعنی ترجمہ اردو عوارف المعارف

بعد الحمد والصلوۃ احقر اشرف علی عفی عنہ مدعا نگار ہے کہ مدت سے بفضلہ تعالیٰ رسالہ القاسم والرشید کیلئے مضامین نافعہ بھیجنے کا التزام چلا آتا ہے چونکہ گاہ گاہ مضامین کی تجویز کرنے میں قدرے تکلف ہوتا تھا اسلئے خیال ہوا کہ کوئی مضمون منقول مسلسل ایسا تجویز کیا جاوے کہ مدت معتد بہا تک اس تکلف کی حاجت نہ رہے اور وہ فی نفسہ بھی غایت درجہ کا مفید ہو۔ آخر منجانب اللہ کتاب عوارف المعارف تصنیف عارف معروف حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ تعالیٰ روحہ کہ وہ ایسی ہی ہے ذہن میں آئی جسکے مصنف کی نسبت تاریخ ابن خلکان میں لکھا ہے کہ وہ فقیہ شافعی المذہب اور شیخ صالح ورع کثیر العبادت والریاضت تھے اور اپنی آخر عمر میں لاثانی تھے اپنے عم بزرگوار حضرت شیخ ابو النجیب قدس اللہ سرہ اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس اللہ سرہ کی صحبت سے استفادہ فرمایا۔ سہرورد ہیں کہ عراق عجم میں زنجان کے پاس ایک شہر ہے آخر رجب یا اوائل شعبان ۵۳۹ھ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں غرہ محرم ۶۳۲ھ میں وفات فرمائی اور وردیہ میں مدفون ہوئے کتاب موصوف میں خصوصیت ہے کہ زمانہ متقدمین کی تصنیف ہے جسمیں اصل فن محفوظ تھا!

مصنف جمہ عند الکل ہیں اور تصنیف تمام ضروریات طریق کو جامع ہے اور ان خصوصیات کے سبب سے وہ بلا کسی خدشہ کے قابل عمل ہے چنانچہ مجھ سے میرے ایک موثوق بہ عزیز اور دوست نے افضل المتاخرین نموذج المتقدمین حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا اسکے باب میں یہ مقولہ نقل کیا۔ کہ شیخ طریقت کیلئے فلاں فلاں صفات کے ساتھ موصوف ہونا چاہئے۔ جو اس زمانہ میں نادر ہیں۔ اور جس کسیکو ایسا قابل اطمینان مرشد میسر نہ آئے تو وہ عوارف کے مطالعہ کو لازم پکڑے۔ اھ

پس ایسی حالت اور ایسی شہادت کے بعد اُسکے نہایت نافع ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے مگر چونکہ عربی زبان میں تھی اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ اسکا اردو ترجمہ ان دونوں رسالوں میں شائع کیا جائے اسطرح کہ اسکی اول جلد کا ترجمہ القاسم میں اور جلد ثانی کا ترجمہ الرشید میں تاکہ ہر رسالہ کے ملاحظہ کے وقت اُس کتاب سے انتفاع ہو سکے نیز چونکہ کتاب بڑی ہے ایک ہی رسالہ میں شائع ہونے سے اور زیادہ زمانہ صرف ہوتا یہ بھی ارادہ ہے کہ جہاں کوئی مقام شرح طلب ہو وہاں صرف ترجمہ پر اکتفا نہ کیا جاوے ضرورت کے موافق مزید شرح بھی کر دیجاوے اور اُسکے اول میں حرف (ف) اور اُسکے ختم پر علامت (اھ) بنا کر اسکو ترجمہ سے ممتاز کر کے پھر حرف (ت) سے ترجمہ شروع کیا جاوے البتہ اگر توضیح وغیرہ کے لئے درمیان میں کہیں مختصر اضافہ کیا جاوے تو صرف حاطہ قوسین پر کفایت کی جاوے اور شاید اگر کہیں کوئی مسئلہ مختلف فیہا آجاوے تو وہاں اپنے مذہب حنفی پر بھی مطلع کر دیا جاوے اور نام اسکا اصلی نام کی ترتیب بدلکر **معارف العوارف** رکھا گیا اور اسکے ساتھ ہی رسالتین موصوفتین کے سلسلہ مضامین قدیم میں سے جب کوئی مضمون بلا تکلف ذہن میں آجایا کریگا اُسکو بھی منقطع نہ کیا جاویگا۔ ومن اللہ التوفیق وھو خیر معین ورفیق ۔ کتبتہ سادس[۱] ربیع الآخر وسابعہ یوم الجمعۃ حین کنت ابن اربع وخمسین عامًا مع زیادۃ یومین وثلث ساعات۔

---

[۱] - فی ھذہ العبارۃ لطیفۃ وھی جمعہا اعداد امرتبۃ من الواحد الی السابع یومًا وساعۃ و سنۃ وتاریخًا وان کان ذکر الخمس فی ضمن خمسین لانہ خمس من العشرات ۱۲ منہ

۲

تمہید جلد اول کتاب معارف العوارف

اسمیں بتیس باب ہیں جسکے مضامین کی ملخص فہرست یہ ہے۔
علوم صوفیہ۔ فضائل۔ عادات۔ اخلاق۔ آداب۔ اوضاع۔ رسوم صالحہ۔
اب بنام خدا ترجمہ شروع ہوتا ہے۔ مگر خطبہ کا ترجمہ بوجہ طول کے نہیں کیا گیا۔

باب اول علوم صوفیہ کے ماخذ میں

حدیث بیان کی ہم سے ہمارے شیخ یعنی شیخ الاسلام ابو النجیب عبد القاہر بن عبد اللہ بن محمد سہروردی نے بطور املاء کے اپنے الفاظ سے شوال ۵۶۲ھ میں اور فرمایا انہوں نے کہ خبر دی ہمکو شریف نور الہدیٰ ابو طالب حسین بن محمد زینبی نے اور انہوں نے کہا خبر دی ہمکو ۳
کریمہ بنت احمد بن محمد مروزیہ مجاورۂ مکہ محروسہ نے انہوں نے کہا کہ خبر دی ہمکو ابو الہیثم محمد بن مکی کشمیہنی نے اور انہوں نے کہا کہ خبر دی ہمکو ابو عبد اللہ محمد بن یوسف فربری نے کہا انہوں نے کہ خبر دی ہمکو ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل یعنی امام بخاری نے کہا انہوں نے حدیث بیان کی ہم سے ابو کریب نے کہا انہوں نے حدیث بیان کی ہم سے ابو اسامہ نے برید سے انہوں نے ابو بردہ سے انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضہ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری حالت اور اس دین کی حالت جسکے ساتھ مجھکو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے مثل اس شخص کی حالت کے ہے کہ وہ ایک قوم کے پاس آیا اور کہا کہ اے میری قوم میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا ہے اور میں بے غرض اطلاع کرنیوالا ہوں سو اپنے کو بچاؤ اپنے کو بچاؤ پس اسکی قوم میں سے ایک جماعت نے تو اس کا کہنا مان لیا اور شبا شب چلدئے اور باطمینان چلے گئے اور بچگئے اور ان میں سے ایک جماعت نے (اس شخص کو) جھوٹا قرار دیا اور اپنی اسی جگہ پر صبح تک رہے پس صبح ہوتے ہی

لہ - اور جلد ثانی کے مضامین کی ملخص فہرست اسکے شروع میں ملاحظہ فرمائیے۔ ۱۲ منہ

وہ لشکر اُنپر آپڑا اور اُن کو ہلاک کر دیا اور اُن کا استیصال کر دیا پس یہی حالت ہے اُس شخص کی جسنے میرا کہنا نہ مانا اور جو دین حق میں لایا ہوں اُسکو جھٹلایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مجھکو اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور علم دیکر بھیجا ہے اُسکی مثال اُس کثیر بارش کی سی ہے جو کسی زمین کو پہونچی سو اُسمیں کا ایک قطعہ تو قابل کاشت تھا جسنے پانی کو قبول کیا پھر اُسمیں گھاس اور سبزہ کثیر پیدا ہوا اور اُس میں کا ایک قطعہ تالاب تھا جس نے پانی کو جمع کر لیا سو اللہ تعالیٰ نے اُس سے لوگوں کو نفع پھونچایا پس اُنہوں نے پیا بھی اور (مواشی کو) پلایا بھی اور آبپاشی بھی کی اور اُس میں کا ایک اور قطعہ (غیر قابل کاشت) تھا جو محض ہموار میدان تھا کہ نہ تو وہ پانی کو جمع کرتا ہے (بوجہ نشیب نہ ہونیکے) اور نہ گھاس اوگاتا ہے (بوجہ غیر قابل کاشت ہونے کے) پس یہی مثال ہے اُس شخص کی جس نے دین الٰہی میں سمجھ بوجھ حاصل کی اور اُسکو اُس علم نے نفع دیا جسکو دیکر اللہ تعالیٰ نے مجھکو بھیجا ہے پس اُسنے خود بھی جانا اور دوسروں کو بھی بتلایا (اور پھر اُسمیں دو درجے ہیں ایک درجہ تو مثال ہے اُس قطعہ کی جس میں گھاس وغیرہ جما اور ایک درجہ مثال ہے اُس قطعہ کی جسمیں پانی جمع ہو کر تالاب بن گیا چنانچہ ان دونوں درجوں کا بیان عنقریب خود حضرت شیخ مؤلف رح کے کلام میں آتا ہے) اور مثال ہے اُس شخص کی جس نے اِس (علم و دین) کی طرف سر بھی نہیں اُٹھایا اور اُس ہدایت کو قبول نہیں کیا جو مجھکو دیکر اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے (یہ مثال ہے اخیر کے قطعہ کی جسمیں نہ گھاس جما نہ پانی جمع ہوا) حضرت شیخ نے (اسکی شرح میں) ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے طریقہ کے قبول کرنے کے واسطے سب سے زیادہ صاف قلوب کو اور سب سے زیادہ پاک نفوس کو مہیا (اور تجویز) فرمایا ہے سو (اُنکے) صفائی کے تفاوت اور پاکی کے اختلاف کا ظہور (اُس) فائدہ اور نفع کے تفاوت (کے ضمن) میں ہوا (جو اُن قلوب و نفوس سے بندگان حق کو پھونچا)

لہ۔ شیخین نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے مگر اُسمیں بجای لفظ اخاذات بمعنی الغدران جمع اخاذة کما فی القاموس کے اجادب بمعنی الارض الصلبہ آیا ہے وہ اُس کی طرف بھی راجع ہو سکتا ہے اور اُس کی دوسری توجیہ بھی ہو سکتی ہے۔ ۱۲ منہ

الاحادیث الموضوعۃ

(گذشتہ سے پیوستہ)

مقدمات کی تمہید یا سوالات قائم کرنے کے سوا ابھی تک ہم کسی تحقیق تک پہونچکر کسی ایسے طریقہ کو ظاہر کرنے پائے تھے کہ جس سے یہ بات مشتبہ نہ رہے کہ عقل کو نقل میں کہانتک دخل دینا مناسب ہے نیز یہ کہ جب عقل بھی شکوک اور اوہام کی آمیزش سے پاک نہیں تو اُسپر اعتماد کی کیا صورت ہے ؟

اگرچہ ہمارے اُن مقدمات پر جنکو ہم بطور تمہید کے بیان کر چکے ہیں اور اُن سوالات پر غائر نظر ڈالنے سے بھی جنکو ہم نے نمبروں کے سلسلہ میں ترتیب وار بیان کیا ہے ۔ دقیقہ رس نظریں کافی معلومات حاصل کر سکتی ہیں مگر ہم کو اپنے اکابر کی ایک بسیط اور مفصل تقریر اسکے متعلق پیش کرنا تھی کہ اسی عقل و نقل کے موضوع پر ایک کتاب العقل و النقل نامی مصنفہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مدرس دار العلوم دیوبند ہم نے دیکھی کتاب کی حقیقت اور اسکی خوبی تو صرف اُسکے مطالعہ ہی سے معلوم ہوسکتی ہے لیکن ہم بھی اسقدر کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مصنف علام مدظلہ نے اسکے بعد اس موضوع پر کسیکو قلم اُٹھانے کی کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی طالب حق اور انصاف پسند طبائع کیلئے ہدایت کا ایک ایسا بیش بہا خزانہ پیش کردیا ہے کہ عقل و نقل کے متعلق جسقدر شبہات پیش ہوسکتے ہیں تقریباً ہر ایک کے متعلق کافی ذخیرہ اُسمیں موجود ہے یہی وجہ ہے کہ ہم بھی اس مبحث کو چھوڑکر اپنے اصلی مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ اور جنکو اس بحث کے ناتمام رہجانے کا افسوس ہو وہ مذکورہ بالا کتاب کے ذریعہ سے اپنے افسوس کا ازالہ کر سکتے ہیں !

میرے اس عنوان کے دو حصے ہیں ۔

(۱) اُن بے اصل اقوال کی تحقیق جنکو افراط نے احادیث نبویہ کا خطاب دلوادیا ہے ۔

(۲) اُن احادیث کی تفتیش جنکو تفریط نے اُنکے مرتبہ سے اوتار کر موضوعات میں داخل کردیا ہے
اللہم انت الموفق والمعین۔

روایات موضوعہ

(۱) من عرف نفسہ فقد عرف ربہ | جسنے اپنے آپ کو پہچانا اُسنے اپنے رب کو پہچان لیا۔

امام نووی نے اپنے فتاوی میں اسکے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جسنے اپنے ضعف کو۔ مالک حقیقی کی طرف اپنی احتیاج کو۔ اور اسباب کو کہ میں اُسکا ایک ادنی اور حقیر بندہ ہوں پہچان لیا اُسنے اپنے رب کی قوت کو۔ اُسکا تمام مخلوق پر غلبہ۔ اُسکی ربوبیت عامہ۔ اُسکا کمال مطلق۔ اُسکی صفات عالیہ پہچان لیں۔

اُسکے ایک یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ اتنی بات تو تمکو معلوم ہے کہ باری تعالی شانہ کی صفات تمہاری صفات کے مبائن اور مخالف - اسپر قیاس کرکے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس نے اپنے فانی ہونے کو پہچانا اُسنے اپنے رب کے باقی ہونے کو پہچان لیا اور جسکو اپنی غداری اور خطاکاری کا علم ہوگیا اُسنے اپنے رب کے صادق الوعد بری از قبائح و معائب ہونے کو معلوم کرلیا۔ اور یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ تم کو اپنا علم کیا ہو حقہ نہیں ہے کیونکہ نفس کی حقیقت اور اُسکی صفات کا اکثر حصہ تم سے مخفی ہے تو تم کو اپنے رب کا علم کیونکر ہو سکتا ہے تو گویا مذکورہ بالا قول میں تعلیق بالمحال کا بلیغ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ اس بنا پر مذکورہ بالا جملہ کا مطلب یہ ہوگیا کہ اگر تم اپنے آپ کو پہچان لو تو اپنے رب کو پہچان سکتے ہو لیکن اپنے نفس کی حالت تم کو معلوم نہیں ہو سکتی اسلئے تم اپنے رب کی جلالت قدر اور عظمت شان سے بھی واقف نہیں ہو سکتے ہو۔

ف۔ جسطرح کہ اس آیت مقدسہ میں = ان الذین کذبوا بایتنا واستکبروا عنہا لا تفتح لہم ابواب السماء ولا یدخلون الجنۃ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط۔ ترجمہ۔ بے شک جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور اُنسے اکڑ بیٹھے نہ کھلینگے اُن کے لئے آسمان کے دروازے اور نہ داخل ہونگے جنت میں یہانتک کہ داخل ہوجاوے اونٹ سوئی کے ناکہ میں ۱۲ ظاہر ہے کہ سوئی کے ناکہ میں اونٹ کا داخل ہونا ناممکن ہے اور اسی پر اُنکی نجات کو معلق کیا گیا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اُنکی نجات ناممکن ہے - ۱۲ منہ

پس چھوٹا منہ اور بڑی بات ہے کہ تم اُسکی ذات کی تحقیق اور تفتیش شروع کردو۔ اور جو کچھ دل میں آئے بے محابا اُسکی شان اقدس میں کہہ بیٹھو۔

اس جملہ کے اور معنی بھی بیان کئے گئے ہیں مگر ہم انہیں دو معنی پر اکتفا کرتے ہیں۔ علامہ سیوطی اپنے رسالہ القول الاشبہ میں اسکے متعلق فرماتے ہیں۔

هذا الحديث ليس بثابت وقال الزركشي فی الاحاديث المشتهرة ذکر ابن السمعانی انه من کلام يحيى بن معاذ الرازی۔

یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور زرکشی نے رسالہ الاحادیث المشتہرہ میں یوں تحریر فرمایا ہے کہ ابن سمعانی نے اسکو یحیی بن معاذ رازی کا کلام قرار دیا ہے۔

مجمع البحار جلد ثالث میں ہے۔

من[1] عرف نفسه عرف ربه ومن عرف ربه كلّ لسانه النووی ليس بثابت و قال ابن تيمية ح من عرف نفسه عرف ربه ليس بثابت وهو كما قال وفی المقاصد وانما يحكى من قول يحيى بن معاذ

من عرف الخ کی نسبت امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ ابن تیمیہ نے بھی یہی فرمایا ہے اور فی الواقع جیسا کہ اُنھوں نے فرمایا یہی صحیح ہے اور مقاصد میں ہے کہ اسکو یحیی بن معاذ کا قول بیان کیا جاتا ہے۔

(۲) کنت کنزا لا اعرف فاحببت ان اعرف فخلقت خلقا فعرفتهم فعرفونی

اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا کہ مجھے کوئی واقف نہ تھا میں نے چاہا کہ اپنی صفات جلیلہ پر مطلع کروں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا اور اُنکو اپنی صفات سے مطلع کیا تب اُنھوں نے مجھکو پہچانا۔

یہ حدیث عام طور سے خلائق کے زبان زد ہے اور جو لطائف اسمیں پیدا کئے جاتے ہیں وہ محتاج بیان نہیں مگر جب حدیث کی کسوٹی پر اسکو پرکھتے ہیں تو یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔

ابن تيمية ليس من الحديث ولا يعرف له سند صحيح ولا ضعيف و تبعه الزركشی وشيخنا ۱۲ مجمع البحار جلد ثالث

ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نہیں ہے نہ اسکی کوئی سند ہے نہ صحیح نہ ضعیف اور اونہیں کا اتباع زرکشی اور ہمارے شیخ نے بھی کیا ہے۔

[1] جسنے اپنے رب کو پہچان لیا اُسکی زبان تھک گئی (بند ہوگئی)

(۳) حبُّ الوطن من الایمان	وطن کی محبت ایمان کا جزو ہے۔
(۴) حب الھرۃ من الایمان	بلی سے محبت ایمان کا جزو ہے۔

صاحب مجمع البحار اول کے متعلق فرماتے ہیں کہ لم اقف علیہ۔ مجھکو اسکے حدیث ہونیکے متعلق کچھ اطلاع نہیں۔ دوسری کی نسبت فرماتے ہیں کہ یہ موضوع ہے۔

(۵) المومن غرٌّ کریم والمنافق خب لئیم	مسلمان بھولا اور کریم ہوتا ہے اور منافق چالاک اور لئیم ہوتا ہے۔

اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان چونکہ اپنے ایمان اور عقائد کی وجہ سے آخرت کی جانب ہمہ تن مصروف ہوتا ہے دنیا کی طرف اُسکی توجہ کم ہوتی ہے۔

ع۔ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے کہ مومن کے نزدیک دنیا کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی اُسکا مطمح نظر آخرت ہوتی ہے یہ بات تو کچھ زیادہ محتاج شواہد نہیں اور اسکے متعلق واقعات بھی ایک دو نہیں سیکڑوں سُنے ہونگے مگر حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب واقعہ ہم نقل کرتے ہیں اور امید ہے کہ ناظرین اِس سے بہت زیادہ متاثر ہونگے۔

رایتہ فی خلافۃ سلیمان بن عبد الملک فقومت لباسہ بالف ثم قومتہ وقد ولی الامر بدارھم فاستخبرتہ عن ذلک فقال ان لی نفسا توّاقۃ ذوّاقۃ اذا نالت رتبۃ تمنت رتبۃً اعلی منھا فاذا نالت من الدنیا اعلی رتبہا وھی الخلافۃ تمنت الاخرۃ فرغبت عنھا وطلبت تلک ۱۲	راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو امیر المؤمنین سلیمان بن عبد الملک کے زمانہ میں دیکھا جو لباس وہ اُس زمانہ میں زیب بدن کئے ہوئے تھے اُسکی قیمت میرے اندازہ میں ہزار درہم سے کم نہ تھی (یہ تو اُسوقت کی حالت تھی جب وہ خود سریر خلافت پر متمکن نہ ہوئے تھے) اور جب تخت شاہی اُنکے قبضہ اقتدار میں آیا اُسوقت بھی میں نے اُنکے لباس کی قیمت کا اندازہ کیا تو میرے

خیال میں اُنکے سارے کپڑوں کی قیمت ایک درہم (تقریباً چار آنہ) سے زائد نہ آئی۔ میں نے (متعجباً) اسکا سبب خود اُنسے دریافت کیا فرمایا کہ بھائی! میرا نفس نہایت ہی حریص اور اولوالعزم واقع ہوا ہے جب کسی مرتبہ پر پہونچ جاتا ہے تو اُس پر قانع نہیں ہوتا بلکہ اُس سے اعلیٰ مرتبہ کی خواہش کرتا ہے۔ پس جب دنیا کا اعلیٰ مرتبہ اسکو حاصل ہوگیا کہ جس سے بڑا دنیاوی مرتبہ کوئی نہیں تو اُس سے اعلیٰ مرتبہ یعنی آخرت کی خواہش شروع کردی اسی لئے وہ دنیا سے متنفر اور آخرت پر متوجہ ہوگیا ہے۔ ۱۲ منہ

لباس

(گذشتہ سے پیوستہ)

حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیا کا حال اس واقعہ سے واضح ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اگر کسی تیرہ وتاریک مکان میں بھی برہنہ غسل کرتا ہوں تو خدا سے مجھکو بیحد شرم آتی ہے حیا کے مارے سر نہیں اُٹھاتا

دوسرا واقعہ جس سے زمانہ جاہلیت کی حماقت شعاری کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ جائے یہ ہے کہ طواف بیت اللہ کو تو عبادت جانتے تھے مگر جہالت کا جو ٹھرہ پڑے ہوئے تھے اُسکی بدمستی میں برہنہ طواف کرنیکو مستحسن سمجھتے تھے۔ اس میں جس باریک بینی سے کام لیا گیا تھا اُسپر غش تھے۔ وہ کیا تھی یعنی یوں کہتے تھے کہ ہم کپڑوں میں گناہ کرتے ہیں یہ کپڑے اس لایق نہیں کہ انکو پہنکر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اُسکے بیت مکرم کے گرد پھریں۔ سبحان اللہ کیا دقت نظر ہے اور کیا اجتہاد ہے۔ کپڑے تو گناہوں کی وجہ سے اس قابل نہ رہیں کہ طواف کی حالت میں اُنکو پہنا جائے مگر وہ جسم وہ ہاتھ پاؤں وہ دل و دماغ جنکی اعانت اور تحریک سے گناہ صادر ہوئے طواف میں مصروف رہیں بے گناہ کپڑے جاویں اور گناہگار بغلیں بجائیں۔

حیا کو بے حیائی۔ بے حیائی کو حیا سمجھے ۔۔۔ پڑیں پتھر سمجھ پر ایسی سمجھے بھی تو کیا سمجھے

خدائے قدیر نے اُنکی کوری و بے بصری پر رحم فرمایا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سا ہادی اُنکی ہدایت کیلئے بھیجا۔ قرآن عزیز میں یہ آیت نازل فرمائی۔

خذوا زینتکم عند کل مسجد | لو اپنی زینت (لباس) کو ہر نماز کے وقت

اس آیۃ کریمہ میں زینت سے مراد لباس ہے کہ جس سے عورت (جسم کا وہ حصہ جسکا کھولنا حرام ہے اور جسکو عرف عام میں ستر کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں) کو چھپایا جاتا ہے کہ اُسپر کسی کی نظر نہ پڑے۔ زینت اور آراستگی ایک ایسا مفہوم ہے کہ جسکو ہاتھ سے نہیں پکڑ سکتے اور جسم کو نہیں چھپا سکتے ایک عرض اور حال ہے جو ہاتھ کی گرفت سے باہر ہے آیت میں مجازاً اُسکا محل یعنی لباس اور کپڑے از قبیلہ اطلاق اسم حال بر محل مراد لیا گیا یا یوں سمجھئے کہ از قبیلہ اطلاق مسبب بر سبب

کیونکہ کپڑا اور لباس سبب زینت ہے اور انسان کا جسم محل زینت ہے۔ ایسے ہی مسجد ایک محل ہے مراد اس سے نماز ہے یہ از قبیلہ اطلاق اسم محل علی الحال ہے حال اور محل سبب اور مسبب میں چونکہ علاقہ اور اتصال ہوتا ہے اسلئے مجازاً استعمال ہوا بہر حال آیت سے ستر عورت کا وجوب ثابت ہوا گو آیت کا نزول گو دربارہ طواف ہے کہ برہنہ ہو کر کرتے تھے مگر چونکہ اعتبار معنی کا ہوتا ہے اور عبادت ہونے میں حج وصلوۃ مشترک ہیں اسلئے یہ حکم عام ہوا نماز کو اور حج کو۔ نیز آیت میں اس معنی کی رعایت فرمائی گئی یعنی عند المسجد الحرام نہ فرمایا بلکہ عند کل مسجد فرمایا کہ طواف اور نماز کو مشتمل ہو اور نماز بھی ہر مسجد میں طواف من وجہ مشابہ صلوۃ ہے جب اسمیں ستر عورت ضروری ہوا تو نماز میں بدرجہ اولی ہونا چاہئے۔ اور جب آیت میں عند کل مسجد کی تصریح آگئی تو اب کسی تاویل کی ضرورت نہیں

کفار جب اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے تو فتح مکہ کے بعد حج وداع سے ایک سال قبل آپنے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کو امیر الحاج بنا کر مکہ مکرمہ کو روانہ فرمایا اور حکم فرمادیا کہ ایام حج میں منی میں منادی عام کردیجائے کہ سال آئندہ سے کوئی مشرک خانہ کعبہ کا حج نہ کرے اور نہ کوئی برہنہ طواف کرے چنانچہ حضرت صدیق اکبر نے مکہ مکرمہ میں بزمانہ حج اس حکم کی تعمیل کرائی اور اطلاع عام کردی تب یہ طوفان بے تمیزی دفع ہوا۔ الحاصل نماز میں ستر عورت فرض ہے اور بغیر نماز بھی کشف عورت حرام ہے صحیح مسلم میں مرفوعاً یہ روایت ہے۔

لا ینظر الرجل الی عورۃ الرجل ولا المرأۃ الی عورۃ المرأۃ	کوئی مرد کسی مرد کی عورت (ستر) کو اور کوئی عورت کسی عورت کے ستر کو نہ دیکھے۔
وعن المسور قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ارجع الی ثوبک فخذہ ولا تمشی عراۃ	حضرت مسور کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ واپس ہو اپنا کپڑا لو اور خبردار ننگے نہ پھرو۔

آپنے انکو برہنہ دیکھا ہوگا تو یہ حکم فرمایا الحاصل صدہا روایات ہیں جن سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ ستر عورت ضروری ہے خارج صلوۃ بھی برہنہ ہونا ممنوع اور منہی عنہ ہے۔ مرد کو عورت سے اور عورت کو مرد سے ایک قسم کی اجنبیت ہے انمیں تو باہم ستر و خفا ہونا چاہئے ہی مرد مرد اور عورت عورت بھی باہم ایک دوسرے کا ستر نہ دیکھیں اللہ اکبر کسقدر تاکید ہے یہ مضمون انشاء اللہ تعالی پردہ کے تحت میں جسکو انشاء اللہ تعالی عنقریب الرشید میں شروع کرنیکا قصد ہے

تفصیل سے اویگا یہاں صرف یہ کہنا ہے کہ لباس کی ضرورت عقلاً اور شرعاً جسقدر ہے وہ اس بیان سے معلوم ہوگئی زیادہ وضاحت کی حاجت نہیں۔

عقل جب لباس کو ضروری بتلاتی ہے تو اُس سے پوچھئے کہ وہ لباس میں کچھ قواعد و ضوابط مقرر کرتی ہے یا آزادی کے ساتھ اجازت دیتی ہے۔ عقل سے یہ بہت مستبعد ہے کہ وہ بے قاعدہ اور بے ضابطہ کچھ کہے ضرور وہ قواعد کے ساتھ لباس کی ضرورت تعلیم کریگی وہ یہ بتلائے گی کہ جسم کی زینت جسم کی حفاظت ستر عورت کیلئے لباس ہے تو تم اُسکو ایسے طریق سے پہنو اور استعمال کرو کہ یہ ضرورتیں حاصل ہوں وہ بتلائے گی کہ لباس سے قومیت اور ملک اور موسم کی امتیاز حاصل ہوتی ہے۔ ایسا لباس پہنو جس سے تمھاری قومیت پر تمھارے ملک پر استدلال ہو سکے ایسا لباس نہ پہنو جس سے تمھاری امتیازات مشتبہ ہو جائیں وہ بتلائے گی کہ لباس تمھارا شاہد ہے کہ اپنی ہیئت سے ناظر کی آنکھوں میں اُسکے دل میں تمھارے دنیاوی اور مذہبی حالات کا نقشہ کھینچ دیتا ہے اُسکو سوال اور تمکو جواب کی تکلیف نہیں دیتا وہ بتلائیگی کہ لباس سے جسم کا آرام بھی مقصود ہے ایسا لباس نہ پہنو جس سے تکلیف ہو۔ وہ بتلائیگی کہ لباس بقدر ضرورت ہو ضرورت سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔ الحاصل وہ تمکو اپنے شکنجہ میں اسطرح کھینچ دیگی کہ تم حرکت نہ کرسکو گے لیکن اگر تم بلا اُسکی مشاورت کے اور بے سمجھے جو چاہو پہننا شروع کردو تو تمھارا وہی فعل قابل قبول ہوگا جو موافق عقل ہو ورنہ پھر تم میں اور آپ سے چودہ سو سال پہلے زمانہ کے آزاد لوگوں میں مشکل سے فرق ہو سکیگا۔

اور ایک مسلم کی عقل سلیم اُسکو لباس کے متعلق ساری ضرورتیں اور نصیحتیں کرنے سے پہلے یہ تاکید و تنبیہ کریگی۔ کہ مسلم خدا و رسول کا مطیع ہے۔ مسلم نے اپنے ذمہ فرمانبرداری کو لازم کیا ہے۔ شریعت کا اتباع اُسکا نصب العین ہے۔ اُسکا کوئی فعل کوئی قول کوئی حرکت کوئی سکون اکل و شرب نوم و یقظہ غرض کوئی حالت اُسکی آزادی اور مطلق العنانی پر نہیں چھوڑی گئی اُسکی باگ شریعت کے ہاتھ میں ہے اُسکو بلا حکم خدا و رسول کچھ نہ کرنا چاہیئے جیسے وہ اطعمہ و اغذیہ میں خود مختار و آزاد نہیں ہے کہ جو چاہے کھائے بلکہ شریعت کی حلت و حرمت کا پابند ہے ایسے ہی وہ ملابس و ثیاب میں اُنکی ہیئت و صورت میں خود مختار نہیں ہے بلکہ

شریعت کی اجازت وممانعت کا ضرور پابند ہے اسلئے جو کچھ پہنے پہلے یہ دیکھ لے کہ میرے لئے شریعت میں کیا حکم ہے اس کپڑے کیلئے شریعت نے فی حد ذاتہ کوئی حکم ممانعت کا تو صادر نہیں کیا۔ جس ہیئت کا کپڑا پہننا چاہتا ہوں یہ ہیئت ایک مسلم کیلئے اُسکی اسلامی حیثیت کے اعتبار سے مناسب ہے یا نامناسب، اس نصیحت کے بعد وہ دوسرے سارے قواعد وضوابط منافع ومضار بیان کرے گی جسکا تعلق محض جسم سے ہے یا دنیاوی اعتبارات سے اُنکی ضرورت ہے۔ مسلم اور ضرورتوں میں سب کا شریک رہا مگر اسکے لئے یہ ضرورت سب سے مقدم ہے کہ اتباع شریعت کا لحاظ رکھے۔ اور یہ حقیقت میں اسکے کمال اور عظمت شان کی دلیل ہے اور اسلام کی تعلیم کے کامل اور مکمل ہونے کی برہان۔

ایحسب الانسان ان یترک سدیٰ | کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ وہ نکما چھوڑ دیا جائے

نہیں اُسکے ذمہ بہت سے کام ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے زمین وآسمان اور سارا عالم اُسکے لئے پیدا کیا گیا ہے اور وہ خدا کی اطاعت وعبادت کیلئے پیدا کیا گیا ہے وہ کام کی چیز ہے وہ کوئی نکمی اور رائیگاں شے نہیں ہے یہ سب کارخانہ عالم کا اُسکے لئے ہے اسقدر احسان کے بعد وہ کیونکر آزاد وخود مختار رہ سکتا ہے۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند — تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار — شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری

اسپر اللہ تعالیٰ کی یہ عنایت کہ اُسکو جاہل اور ناتربیت یافتہ نہ چھوڑا۔ اُسکے معلم اُسکے ساتھ ہیں اُسکے جسم میں حواس ظاہری وباطنی پیدا کئے اُسکو دل ودماغ عنایت فرمائے کہ یہ اُسکو ہروقت تعلیم کرتے رہیں اور اسپر بھی بس نہ کیا انبیاء کو مبعوث فرمایا کتابیں نازل کیں احکام بھیجے اور امر ونواہی سنائے تاکہ انسان کو عبادت اور معرفت کے اہم مقصود میں کوئی خفاء اور دقت نہ رہے ہم تم مسلمونپر یہ احسان دوبالا کیا کہ ہمکو اپنے حبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا کیا ہماری روحانی تربیت آپکے حوالہ کی آپ والدین سے بدرجہا زیادہ شفیق اور بہی خواہ دارین کے ہیں جسم و جان کی اصلاح دنیا ودین کی فلاح کے آپ ذمہ دار ہیں اُس شخص کیلئے جو آپکا ربقۂ اطاعت اپنی گردن میں ڈال لے اور آپکا غلام بنجائے آپکی اطاعت عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ (باقی آئندہ)

تقریظات کتب

افادات احمدیہ حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث امروہی سے جو حضرات واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ آپ حسن صورت و سیرت کے ایک دلربا تصویر تھے آپ کی سچی اور واقعی شہرت نے تحسین و ستایش سے ہمکو بے نیاز بنادیا آپ حضرت مولانا قاسم العلوم والخیرات کے ارشد تلامذہ میں سے تھے آپ کی حسن تقریر و تحریر سے حضرت قاسم العلوم قدس سرہ کی یاد تازہ ہوجاتی تھی۔ عظیم الشان جلسہ دستاربندی دارالعلوم دیوبند کے موقع پر جو ایک مسدس بندہ نے پڑھا تھا اسمیں ایک بند آپ کی مدح میں تھا جسکا آخر شعر بے اختیار یہاں لکھنے کو دل چاہتا ہے۔

جو پوچھے کوئی کمالات قاسمی کی دلیل
تو اُس سے کہئے کہ آ دیکھ لے یہ روئے جمیل

یہ مختصر کتاب آپکی متعدد اور گرانقدر تصنیفات کا ایک جزو قلیل ہے اور جو مولانا سے ناواقف ہیں اُن کیلئے معرفت کی ایک سبیل ہے یہ کتاب نو مباحث پر مشتمل ہے۔

(۱) دعوۃ الاسلام مخالفین اسلام کے مقابلہ میں اسلام کی حقانیت بزور دلائل عقلیہ ثابت کی گئی ہے۔

(۲) العجالہ فی اثبات التوحید والرسالہ توحید و رسالت کا اثبات و توحید کو اقرار رسالت عقلاً لازم ہے بہت ہی نادر تقریر ہے۔

(۳) ہدیہ احمدیہ فی سنیۃ الخطبۃ بالعربیۃ اس امر کا ثبوت کہ جمعہ کا خطبہ صرف عربی زبان میں ہونا چاہئے اور امام صاحب کے قول جواز بالفارسیہ کی توضیح۔

(۴) الدلیل الاباہر علی صحۃ القولین فی شق القمر شق القمر کے بارہ میں امام رازی اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے اور جمہور کے قول میں تطبیق قابل دید

(۵) التحبیر فی اثبات التقدیر مسئلہ تقدیر کا اثبات۔

(۶) ابطال تناسخ اواگون کے خیال باطل کا ابطال اور مثنوی مولانا روم کے شعر سے مثبتین تناسخ کا جواب۔

(۷) القول الاعلیٰ فی رؤیۃ اللہ تعالیٰ قیامت میں دیدار باریتعالیٰ کا ثبوت اور شبہات مخالفین کا جواب۔

(۸) القول المختصر فی ابطال جسمیۃ الرب الاکبر خداتعالیٰ کے کسی مادی صورت میں ظاہر ہونے کا ابطال اور جسمیۃ باریتعالیٰ کا محال ہونا مدلل بیان کیا گیا ہے۔

(۹) تفویض العلم الی الباری فی حق الذراری اولاد مشرکین کے دوزخی یا جنتی ہونے میں قول راجح کا بیان اور وجوہ ترجیح گو آج مولانا دنیا میں نہیں مگر آپ کے فیوض دنیا میں موجود ہیں تلامذہ و تصانیف آپ کی یادگار ہیں۔

زندہ ست نام نامی احمد حسن بعلم
گرچہ بسے گذشت کہ احمد حسن نماند

یہ کتاب اگرچہ مختصر ہے مگر آپکے بحار فیوض سے ایک چشمہ فیض ہے امید ہے کہ اہل علم اسکی قدر کرینگے۔
ہمارے عزیز مولوی قاری حافظ سید محمد صاحب جعلہ اللہ کا بیہ ابن مولانا مرحوم نے مسلمانوں پر یہ احسان کیا کہ بصرف زر کثیر اس نادر مجموعہ کو طبع فرمادیا۔ خدا کرے کہ یہ جلد فروخت ہو اور ہمارے عزیز مکرم آیندہ کیلئے بعد دیگرے مولانا مرحوم کی تمام تصنیفات کو طبع کراکر اہل اسلام کو ممنون احسان بنائیں وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ قیمت ۱۲؍

ملنے کا پتہ = امروہہ محلہ سرزادگان مکان مولانا سید احمد حسن صاحب مرحوم۔ مولوی رضا حسن صاحب۔
یا مولوی عماد الدین صاحب ناظم مطبع قاسمی دیوبند ضلع سہارنپور۔

خاکسار معتمد المدیر

قواعد و ضوابط رسالہ القاسم

۱ = یہ رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے اور کسی ماہ کا رسالہ تبیس ۳۲ صفحے سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھجاتا ہے۔

۲ = یہ رسالہ اعلی قسم کے کاغذ پر طبع ہوتا ہے اور عام قیمت سالانہ مع محصول دو روپیہ آٹھ آنہ (عہ) پیشگی لیجاتی ہے۔ ممالک غیر سے صرف اسیقدر زیادہ لیا جائیگا۔ جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے۔

۳ = جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچ روپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائینگے وہ رسالہ کے معاونین خاص میں شمار ہونگے۔ اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہیگی۔

۴ = سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرماچکے جملہ حضرات کیخدمت میں شروع کا (یا خریدار کا جب سال شروع ہو اُسکا) پہلا پرچہ ویلو بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کرکے عہ کا ویلو روانہ ہوگا

۵ = یہ رسالہ ہرگز کبھی کسی صاحب کیخدمت میں بلا طلب و تحریک ویلو نہیں روانہ کیا جاتا۔ بعض حضرات خود طلب فرماتے ہیں اور بعض حضرات اپنے اعتماد پر دوسروں کی خدمت میں ویلو بھیجنے کی فرمایش کرتے ہیں۔

۶ = شعبان ۳۳ھ مطابق جولائی ۱۹۱۵ء سے اس رسالہ کا چھٹا سال شروع ہوا ہے۔ پہلے پانچ سالوں کی مکمل جلدیں موجود ہیں قیمت ہر جلد کی عہ مع محصول ڈاک ہے۔

۷ = نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں اُنکے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کئے جائینگے جو اصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں

۸ = القاسم کے متعلق جملہ تحریرات و ترسیل زر بنام حضرت مدیر یا بنام خاکسار ہونی چاہئے۔

المشتھر

خاکسار سراج احمد عفی عنہ معتمد المدیر "رسالہ القاسم" مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

(رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۳)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی ماہوار رسالہ

نمبر ۹ | بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ | جلد ۶

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

مطبع قاسمی دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھپوایا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۴ ہجری

(مطابق ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۶ء)

جو حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

(اور)

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

(شائع ہوتا ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(گذشتہ سے پیوستہ)

یہی حال اُس غیر مسلم کے مال کا ہے جو مسلمانوں کے ملک میں عہد و پیمان کے ساتھ رہتا ہے یا عہد و پیماں کے ساتھ چند روز کے لئے داخل ہوا ہے۔ اسمیں یہانتک خیال کیا ہے کہ جن اموال یا اشیاء کا مسلمانوں کو رکھنا یا استعمال کرنا حرام ہے۔ بلکہ تلف کرنا ضروری ہے اگر کوئی تلف کردے تو اسپر ضمان نہیں آتا۔ اگر وہ ذمی کی ملک ہوں تو تلف کر دینے سے مسلمان کے ذمہ ضمان واجب ہوتا ہے۔ کوئی مسلمان اگر غیر مسلم کی خمر و خنزیر کو تلف کردے تو حسب قواعد فقہیہ اُسپر ضمان واجب ہوتی ہے۔ در مختار میں ہے۔

ویضمن المسلم قیمۃ خمرہ وخنزیرہ | مسلمان پر ذمی کے خمر و خنزیر کی ضمان واجب ہوگی۔

حفظ ننگ و ناموس کا حال یہ ہے کہ مسلمان کی کسی قسم کی آبروریزی و اہانت و تذلیل خواہ قول سے ہو یا ضرب یا قتل سے اشارہ سے ہو یا کنایہ سے سامنے ہو یا پیٹھ پیچھے یعنی غیبت۔ قطعاً حرام ہے۔ جسکی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ اور جسطرح مسلمان کے ننگ و ناموس کی حفاظت شرعاً واجب ہے۔ اسیطرح ذمیوں کی بھی انکو زبان سے ہاتھ پیر سے۔ معاملہ سے تکلیف پہونچانا۔ اذیت دینا۔ خلاف انسانیت معاملہ کرنا سب حرام ہیں یہانتک کہ جسطرح مسلمان کو پیٹھ پیچھے برا کہنا حرام ہے اسیطرح ذمی کی غیبت کرنا بھی منع ہے در مختار میں ہے

ویجب کف الاذی عنہ وتحرم غیبتہ کالمسلم | واجب ہے ذمی سے اذیت کو روکنا اور اُسکی غیبت حرام ہے جیسے کہ مسلمان کی۔

حفظ حقوق و معاملات کی یہ کیفیت ہے کہ شریعت اسلام نے اس بارہ میں میزان عدل کو ایسا صحیح قایم کیا ہے جسمیں کسی جانب افراط تفریط نہیں ہے۔ حقوق انسانی۔ باعتبار معاشرت و

وتمدن - ہزار ہا قسم کے ہیں - ان حقوق کی مساوات میں - عربی - عجمی - رومی - شامی - افریقی امریکی
علی ہذا شاہ وگدا - امیر فقیر - سلطان ورعیت - ضعیف وقوی - میں کچھ امتیاز نہیں رکھا - معاملہ بیع
یا شرا ہو تو بادشاہ وقت اور گدا کا حکم ایک ہے - یہ نہیں کہ احکام میں کچھ تفاوت ہو - حدود وقصاص
ہوں - مثلاً زنا کی حد چوری کی حد - شرب خمر کی حد - یا قتل عمد کی پاداش قتل خطا کی سزا - یا قطع
اعضا جسمانی کا قصاص یا دیہ اسمیں بھی سب افراد کو یکساں ومساوی رکھا گیا ہے - شریعت اسلام
نے معاملات میں جور کو ذرہ برابر کسی حق میں جائز نہیں رکھا -

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک واقعہ پیش آیا - قبیلہ قریش کی ایک
عورت نے چوری کی - اور حد سرقہ یعنی قطع ید کا حکم اسپر قائم ہوا - قریش کو یہ امر نہایت شاق تھا
ایسی شریف خاندان کی بی بی سے ایسے قبیح فعل کا سرزد ہونا ہی سدا انکیلئے کچھ کم موجب عار و ننگ
نہ تھا - اب قطع ید سے ایسا دھبہ لگتا تھا - جو کبھی نہ مٹتا - ادھر ان حضرات کو اپنے فضائل و شرف
اسلامی کی رو سے بھی ایسے بدنما داغ کا اپنے پاک وصاف دامن پر لگنا ناگوار تھا - اپنی قدامت
اسلام اخلاص و جان نثاری کی وجہ سے یہ رائے ہوئی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں عرض کیا جائے - لیکن کون کرے - کسکی تاب و مجال تھی - آخر قرار پایا - کہ حضرت
اسامہ بن زید - جنکے ساتھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص انس تھا - عرض کریں - حضرت
اسامہ نے عرض کیا تو آپنے ناگواری سے ارشاد فرمایا -

اتشفع فی حد من حدود اللہ	کیا تم خدا کی مقرر کردہ حدود میں سفارش کرتے ہو -

اور اسی پر بس نفرمایا بلکہ کھڑے ہو کر خطبہ فرمایا اور اُس میں ارشاد فرمایا -

انما هلك الذين قبلكم انهم كانوا اذا سرق فيهم الشريف تركوه واذا سرق فيهم الضعيف قطعوه وايم الله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها	تم سے پہلے لوگ اسیوجہ سے ہلاک ہوئے کہ اُنمیں جب کوئی شریف بڑے رتبہ کا چوری کرتا تو اسکو چھوڑ دیتے اور کوئی ضعیف کم رتبہ کرتا تو اسپر حد قطع ید جاری کرتے میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر فاطمہ جو محمد کی بیٹی ہے (حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا) بھی چوری کرتی (معاذ اللہ) تو میں اُسکا ہاتھ بھی کاٹ ڈالتا -

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادہ پر حد کو جاری کر ہی دیا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت راشدہ پر متمکن ہونے کے بعد ایک خطبہ میں بعد حمد و صلوۃ فرمایا۔

انی ولیت علیکم ولست بخیرکم ان رایتمونی علی حق فاعینونی وان رایتمونی علی باطل فسددونی۔ اطیعونی ما اطعت اللہ فیکم فاذا عصیت فلا طاعتی علیکم الا ان اقواکم عندی الضعیف حتی اخذ الحق له واضعفکم عندی القوی حتی اخذ الحق منه۔

میں تم پر والی و حاکم ہوا ہوں۔ حالانکہ تم میں کا افضل و بہتر نہیں ہوں اگر تم مجھکو حق کی تائید کرتے دیکھو تو میری اعانت کرو۔ باطل پر دیکھو تو میری اصلاح کرو جبتک میں تمھارے معاملات میں خدا تعالی کی اطاعت کرتا رہوں تم بھی میری تابعداری کرتے رہو۔ اور جب میں نافرمانی کروں۔ تو میری اطاعت تم پر ضروری نہیں ہے خوب سمجھ لو کہ جو تم میں سب سے زیادہ ضعیف ہے میرے نزدیک سب سے زیادہ قوی ہے۔ جب تک میں اُسکا حق نہ دلوا دونگا در گذر نہ کرونگا۔ اور جو سب سے زیادہ قوی ہے وہ میرے نزدیک سب سے زیادہ ضعیف ہے اُسکے ذمہ جو دوسرے کے حقوق ہیں اُنکے وصول کئے بغیر نچھوڑونگا۔

صدیق اکبر باوصف نرمی و رحمت کے جو اُنکی طبیعت میں مرکوز تھی۔ تسادی معاملات میں اتنے سخت ہیں۔ خلافت سنبھالتے ہی سب کو متنبہ کر دیا۔ اور فرما دیا کہ میں تم میں افضل نہیں ہوں اور میری اطاعت بھی تم پر جبھی تک ہے جبتک میں خدا تعالی کی اطاعت کروں۔ لیکن حقوق و معاملات میں کسی بڑے چھوٹے۔ قوی ضعیف کی رعایت کرنے والا نہیں ہوں۔

• حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جبلۃ ابن الایہم کا واقعہ گذرا ہے جبلہ غسان کا بادشاہ مسلمان ہوکر آیا تھا اوسکی مدارات بھی زیادہ کیجاتی تھی۔ مدینہ منورہ میں داخلہ کے وقت اُسکا استقبال بھی دھوم دھام تزک و شان سے ہوا تھا۔ مگر طواف بیت اللہ کرتے ہوئے قبیلہ فزارہ کے ایک کم حیثیت شخص کے اُسنے تھپڑ مار دیا اور وہ بھی اس وجہ سے کہ اُسنے جبلہ کے ازار پر پیر رکھدیا تھا۔ تو حضرت عمر رض نے اُسکے بادشاہ ہونے۔ اور اپنے معاملات احترام و اکرام کا جو اُسکے ساتھ کئے تھے کچھ خیال نہ کرکے قصاص کا حکم دیدیا۔ کہ فزاری بھی جبلہ کے تھپڑ مارے۔

پھر یہ مساوات محض اسی حد تک نہیں کہ ضعیف کو قوی کے ساتھ حقوق میں برابر کر دیا۔ نہیں بلکہ یہانتک رعایت کی کہ مجلس حکومت وقضا میں بھی کوئی امتیاز سلطان ورعیت امیر وغریب۔ رئیس ومرؤس میں نہیں رکھا۔ شرح شرعۃ الاسلام میں ہے۔

ویسوی بین اصناف الرعیۃ فی العدل ولا یقدم احد اتقدیما لا فی الجلوس ولا فی الکلام ولا فی غیرھا لشرفہ ومالہ ویعدل القاضی بین الخصمین فی لحظۃ واشارۃ ومقعد

رعیت کے تمام انواع واصناف میں مساوات کو ملحوظ رکھا جائے کسیکو کسی پر اسکے مرتبہ یا مال کیوجہ سے تقدیم وترجیح نہ دے۔ قاضی کو چاہئے کہ مدعی ومدعا علیہ میں کسی بات کا فرق نہ کرے۔ نہ انکی مجلس میں۔ نہ انکی طرف دیکھنے میں نہ گفتگو میں۔

تساوی حقوق ومعاملات کا دائرہ اہل اسلام ہی تک محدود نہیں۔ بلکہ غیر مسلم ذمی ومستامن کو بھی اسیطرح شامل ہے۔ اور ہر نوع ومحل کے مناسب احکام بتلادیئے گئے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک معاملہ پیش ہوا۔ جسمیں ایک فریق مسلمان تھا۔ اور ایک یہودی۔ آپ کو ثابت ہوگیا کہ حق یہودی کا ہے اُسکی ڈگری فرمادی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے۔ جنکے تمام ممالک اسلامیہ پر حکومت واختیارات عام تھے۔ ایک یہودی پر آپنے اپنے قاضی شریح کے یہاں دعوی دایر کیا۔ مدعا علیہ کے برابر کھڑے ہوئے۔ دعوی کے ثبوت کیلئے دو گواہ پیش کئے جنمیں ایک گواہ بڑے صاحبزادے حضرت حسن تھے۔ قاضی صاحب نے یہ کہکر کہ ثبوت ناکافی ہے بیٹے کی شہادت باپ کے حق میں معتبر نہیں ہے۔ دعوی خارج کر دیا۔ اس عدل وانصاف تسویہ ومساوات کو بیان کرنے کے بعد اب ہم شرعی طور پر امتیاز اور اُسکے احکام بیان کر دینا چاہتے ہیں۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ امتیاز دو قسم کے ہیں۔ ایک امتیاز تمدن ومعاشرت۔ دوسرا امتیاز مذہب ودیانت شریعت اسلام نے ہر ایک امتیاز کو اُسکے درجہ پر رکھکر جدا جدا احکام بیان فرمائے ہیں۔ مثلاً شعبہ نسب کے اندر اُسی تفاضل شرافت کی وجہ سے کفاءۃ کی قید لگا دی ہے۔ یعنی باوجود ایک نسل ہونے اور سلسلہ نسب ایک مرکز پر منتہی ہونے کے نکاح میں یہ شرط لگا دی ہے کہ زوجین ہم کفو ہوں۔ ایک کا نسب عالی ہے دوسرے کا کمتر۔ ایک کا پیشہ اچھا سمجھا جاتا ہے دوسرے کا برا۔ تو وہ ہم کفو برابر کی

جوڑ نہیں ہے - اور اس شرط لگانے میں اشتراک و انفراد دونوں کا خیال رکھا ہے لڑکی کے اولیا کو چاہیئے کہ کفو میں نکاح کریں اگر غیر کفو میں نکاح ہو جائے تو فسخ ہو سکتا ہے - لیکن یہ شرط اسدرجہ کی نہیں کہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا - ولی راضی ہو جائے تو قائم رہ سکتا ہے -

علیٰ ہذا دو شخص بالکل ایک درجہ کے ہوں کسی کو کسی پر نسباً حسباً فوقیت نہو - مگر حق جوار سے ایک کو دوسرے پر فوقیت ہو جاتی ہے - جار کا وہ حق ہے جو غیر جار کا نہیں ہے - اخلاقی طور پر اسکی اتنی رعایت کی گئی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن ہی نہیں - جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں -

ما زال جبرئیل یوصینی بالجار حتے ظننت انہ سیورثہ	جبرئیل علیہ السلام نے پڑوسی کے بارے میں اسقدر وصیت کی جس سے مجھکو گمان ہوگیا کہ اُسکو وارث ہی بنا دیا جائے

اور معاملات میں بھی اُسکو تفوق دیا گیا ہے - جائداد غیر منقولہ میں جار کا حق مقدم ہے اور شریک کا اُس سے بھی زیادہ لیکن اس حق کے اندر بھی اشتراک کی حیثیت کا لحاظ رکھا گیا حق شفعہ کیلئے ایسے قیود لگا دئے گئے کہ اگر شفیع اُن شرائط وقیود کو کما حقہ ادا کردے تب تو حق شفعہ ثابت ورنہ ساقط -

والدین کی امتیاز کی اور بھی رعایت کیگئی - باپ اگر بیٹے کو قتل کردے تو اُس سے قصاص نہیں لیا جاتا - علی ہذا کوئی شخص اگر کسی کے غلام کو قتل کردے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اُس سے قصاص لیا جاتا ہے - مگر اپنے غلام کو اگرچہ وہ مسلمان ہی ہو قتل کردے تو قصاص نہیں لیا جاتا - گو ابراہیم نخعی وسفیان ثوری اس صورت میں بھی قصاص دلواتے ہیں -

سلطان ورعیت کے حقوق کو باوجود عدل وانصاف کی میزان کے صحیح پیمانہ پر قائم کردینے اور باوجود رعیت پر ظلم واہانت کسی قسم کی تعدی وجور کی سخت ممانعت وحرمت کے - سلطان کے امتیاز کو خصوصیت دیگئی ہے - اُسکو ظل اللہ کہا گیا - اُسکے احکام کی اطاعت ضروری کیگئی اُس کے خلاف فتنہ پردازی کو اُس حد تک روکا گیا جس سے دین میں خلل نہ پڑے -

زیاد بن کسیب عدوی سے روایت ہے کہ میں ابو بکرہ صحابی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا - ابن عامر منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے لباس اُنکا باریک کپڑے کا تھا - ابو بلال نے کہا دیکھو ہمارے امیر کو

کہ فساق کا سا لباس پہنتا ہے۔ حضرت ابوبکرۃ نے سُنا تو فرمایا۔ چپ رہو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے۔

من اھان سلطان اللہ فی الارض اھانہ اللہ	جو شخص سلطان کی اہانت کرتا ہے خدا اُسکو ذلیل کرتا ہے

اہانت تو ہر مسلمان کی کیا ہر ایک شخص کی منع ہے مگر السلطان ظل اللہ کے الفاظ سے سلطان کا خاص امتیاز و احترام ثابت ہوتا ہے۔

یہ خیال نہ کیا جائے کہ ابوبلال کا کہنا امر بالمعروف یا نہی عن المنکر میں داخل تھا۔ اور سلطان کو امر بالمعروف نہی عن المنکر کرنا۔ افضل جہاد میں داخل ہے۔ پھر ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ کا رد کرنا کیونکر جائز تھا۔ اس لئے کہ لباس امیر گو باریک تھا مگر نا جائز نہ تھا اور پھر یہ صورت امر بالمعروف کی نہ تھی۔ اگر کہنا تھا تو خود امیر سے کہنا تھا۔ بلکہ ایک صورت غیبت یا توہین کی تھی جسکو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روکا۔

مرد و عورت میں اشتراک انسانیت۔ کفاءۃ۔ نسب و شرافت۔ جمال و کمال کے باوصف اس صنفی امتیاز کی وجہ سے احکام میں بھی امتیاز قائم کیا گیا۔ اول تو ایک اجمالی طریقہ پر مرد و عورت کی امتیاز پر اسطرح سطلع کیا گیا۔

الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضہم علی بعض و بما انفقوا من اموالھم الایۃ۔	مرد سردار و مودب میں عورتوں کی اس فضیلت کیوجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے اُنکو بعض کو بعض پر دی ہے اور اسلئے کہ وہ اپنے اموال خرچ کرتے ہیں۔

اور پھر اشتراک و انفراد کی تفصیلی احکام کی تعلیم دیگئی۔ طرفین کے حقوق کی تعلیم دیگئی۔ عورت کے حقوق مرد پر قائم کئے گئے۔ اور مرد کے عورت پر مگر وہ نسبت قوامیت ملحوظ رہی۔ عقد نکاح تک تراضی طرفین کا لحاظ تو ضروری قرار دیا گیا کیونکہ یہ ایک عقد ہے۔ مگر جب مرد کی قوامیت محقق ہو گئی۔ تو طلاق کا اختیار صرف مرد ہی کو دیا گیا۔ عورت مرد سے طلاق طلب کر سکتی ہے۔ مگر خود جدا نہیں ہو سکتی۔ مرد کے ذمہ عورت کا نفقہ واجب کیا گیا۔ اور عورت کے ذمہ تربیت اولاد۔ اطاعت خاوند وغیرہ۔ اور باوجود ان انفرادی احکام کے۔ مرد کو تاکید کے ساتھ عورت کی دلجوئی راحت رسانی حسن معاشرت کی تاکید کیگئی۔ اُسکو زبان سے ہاتھ سے معاملہ سے

تکلیف پہونچانیکی سخت ممانعت کردیگئی۔

اختلاط نسب سے محفوظ رہنے کی وجہ سے عورت توایک وقت دومردسے نکاح نہیں کرسکتی مگر مرد کو تعدد نکاح میں یہ اندیشہ نہونے کی وجہ سے بلکہ بسا اوقات ضرورۃ بقا نسل یا تکثیر اولاد یا دوسرے اسباب کے لحاظ سے اسکی اجازت تو دیگئی مگر عدل و مساوات کو اسپر فرض کردیا گیا۔ مرد کی خدمات اور اوس کے ذمہ دار ہونے کو لحاظ کرکے میراث میں بھی فرق کردیا گیا۔ علی ہذا عورتوں کو بلحاظ نزاکت اعضا و مصروفیت خدمات خاصہ انجام دہی فرائض شاقہ سے مستثنی کردیا گیا۔

جب دو شخص آپس میں ملتے ہیں۔ توسلام کرنا مسنون ہے اور یہ حکم عام ہے۔ مگر اسمیں بھی فرق مراتب و درجات امتیاز مقام وحالات کو ملحوظ رکھا گیا۔ صغیر و کبیر کی ملاقات ہو توصغیر کو ابتدا بالسلام کرنی چاہیئے۔ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے دوسرے کا گذر اُس طرف ہوا۔ تو آنے والے کو ابتدا کا حکم ہے۔ علی ہذا ایک سوار ہے۔ ایک پیادہ توسوار کو چاہیئے کہ سلام کرے۔ غرض ہر جگہہ اور ہر نوع پر جہاں جس قسم کا امتیاز موجود ہے اُسی قسم کا احکام میں بھی انفراد ہے۔

اسیطرح مذہب و دیانت کی تفریق نے باوجود ہر قسم کے اشتراکات کے اور باوجود اُن مساوات حقوق انسان کے جسکو ہم سابق میں بیان کرچکے ہیں۔ احکام میں تفریق کردی۔ اور ایسا کرنا عقل و فطرۃ کی رو سے ضروری و لازمی تھا۔

تفصیل اُسکی یہ ہے کہ نوع انسانی بوجہ تفرقہ مذہب و دیانت دو حصوں پر منقسم ہوسکتی ہے ایک مومن و مسلم دوسرے غیر مومن و غیر مسلم۔ اول قسم کے اندر باعتبار دیانت بہت سے درجات و مراتب ہیں۔ علی ہذا دوسری قسم میں بھی درجات و مراتب ہیں۔ شریعت اسلام نے اول تو مسلم و غیر مسلم کے احکام میں امتیاز قائم کیا۔ پھر اُن تفاوت مراتب و درجات کی وجہ سے ہر ایک نوع کے اصناف ہیں۔ امتیاز و تفاوت بھی دو طرح کا ہے احکام آخرۃ میں یا احکام دنیا میں۔

جو شخص خدا پر ایمان نہیں رکھتا۔ اُسکے انبیا و رسل کو نہیں مانتا۔ احکام منزلہ کو قابل تسلیم نہیں سمجھتا۔ درحقیقت اُسنے انسانی خلقت کی غرض و غایت ہی کو مٹانا چاہا۔ کیونکہ اللہ تعالے نے تمام عالم کو انسان کے لئے کار آمد بنایا اور انسان کو اسکے لئے پیدا کیا کہ اُسکی اطاعت و شکر گذاری کرے۔ جب نوع انسانی میں دو گروہ ہوگئے تو لامحالہ ہر ایک گروہ کی انفرادی احکام جداگانہ ہونگے

دونوں گروہ کا تمام احکام میں مساوی کردینا۔ ظلم عظیم سمجھا جائیگا۔ سرکش ونافرمان۔ متمرد متعنت۔ کو مطیع ومنقاد تابع فرمان کے برابر کردینا عقل وفطرۃ۔ قوانین سلطنت۔ نظام عالم کے بالکل خلاف ہے خداوند عالم فرماتے ہیں۔

افنجعل المسلمین کالمجرمین | کیا ہم مسلم کو مجرم کی برابر کردیں۔

مسلم کا غیر مسلم سے امتیاز کن معاملات اور کن امور میں ہے ہم اسکی چند مثالیں بیان کردینا کافی سمجھتے ہیں۔ کسی مسلم عورت کو غیر مسلم سے نکاح درست نہیں ہے۔ کیونکہ جیساکہ ہم ابھی بیان کرچکے ہیں۔ عورت مرد کے تابع ہوتی ہے۔ اور مسلمہ جب غیر مسلم کے تابع ہوگئی۔ تو اُسکے اسلام وایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ مسلم کو غیر مسلم سے اُس صورت میں نکاح جائز ہے کہ غیر مسلمہ اہل کتاب میں سے ہو۔ مشرک نہو۔

یا مثلاً غیر مسلم جو مسلمانوں کے زیر حکومت رہتا ہے اُس سے اور مسلم دونوں سے محصول لیا جاتا ہے مگر چونکہ مسلم کے ہر قول وفعل میں عبادت کے پہلو کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اسلئے جو محصول اُس سے لیا جاتا ہے اُسکا نام زکوۃ یا عشر رکھا گیا۔ اگر اموال تجارت سے لیا گیا تو زکوۃ ہے۔ محاصل زمین سے ہے تو عشر ہے۔ اور اُنکا مصرف بھی جداگانہ مقرر کردیا گیا۔

غیر مسلم سے جو محصول لیا جاتا ہے اُسکا نام جزیہ وخراج رکھا گیا۔ اُنکے حفظ جان ومال کا معاوضہ یہ ہے کہ سال بھر میں فی کس بہت تھوڑا محصول دیکر اپنی جان ومال عزت وآبرو کو نہ صرف محفوظ کرلیں بلکہ معاملات معاشرت میں مسلم کی برابر ہوکر رہیں۔

محاصل اراضی سے جو کچھ لیا جاتا ہے اُسکا نام خراج ہے۔ اور اِن دونوں جزیہ وخراج کا مصرف جداگانہ رکھا گیا۔

زکوۃ وعشر میں تو چونکہ ایک قسم کی عبادت کو دخل ہے۔ اِسلئے اُسکے مستحق اور ہیں۔ اور جزیہ وخراج میں عبادت کا پہلو نہیں لیا گیا۔ وہ غیر مسلموں سے اسوجہ سے لیا جاتا ہے کہ اُنکو مذہب میں آزادی دیکر اُنکے طریق عبادات میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں کی گئی۔ اسلئے اُن کے مستحق دوسرے ہیں۔ معہذا۔ بعض صورتوں میں مسلم سے بھی خراج لیا جاتا ہے یعنی جو زمین ایک مرتبہ خراجی ہوچکی وہ مسلم کے قبضہ میں جانیکی بعد بھی خراجی ہی رہتی ہے۔ (باقی آیندہ)

دامغۃ الاغلوطات

مغالطوں کا سرشکن

عن معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الاُغلوطات (رواہ ابوداؤد)

ہر سانس زمانہ کا ہر ایک جزء - رات دن کا نہ ختم ہونے والا ہر ایک دورہ - دلوں اور روحوں میں جب تک وہ کسی زندہ ہستی کے اندر موجود ہیں - ارمانوں کے ہجوم - آرزوؤں کے طوفانوں کو تم دیکھتے ہو کس بے باکی کے ساتھ اتار رہے ہیں اور اُتارتے رہینگے - وہی موجیں جو باہر سے اندر جاتی ہیں - پھر جب کبھی کوئی معمولی منفذ کوئی تنگ دہانہ پالیتی ہیں - آہ! کہ اس دائرہ امکان - اور کرہ حدوث کے ایوانوں سے تھپیڑے بن بن کر ٹکراتی ہیں - انسان سمجھتا ہے کہ آسمان کے چکروں سے یہ پیدا ہوئے شور کرتا ہے کہ یہ جو کچھ فساد وجدال - طغیان وتمرد ہوا - باہر سے کسی نے اسکو جنبش دی سطحی نگاہیں - ظاہری اسباب - بیرونی علتوں پر نظر ڈال ڈال کر مٹانیکی کوشش میں مصروف ہوجاتی ہیں - لیکن یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ وہ کہاں سے اٹھتی ہیں اور کس جگہ بند لگانے کے بعد ان کا فیصلہ ہوسکتا ہے اسرار الہیتہ کے امینوں ہی نے اسے سمجھا اور انکی ہی تدبیروں سے اگر کچھ ہوا تو ہوا - ورنہ ظاہر پرستوں کی مجاہدات کا جو نتیجہ ہوا وہ تمھارے سامنے ہے - سمجھا جاتا ہے کہ انسانی قوتیں - مادی معاہدات سے ان سرکشیوں کا علاج ہوگا - لیکن مرض کی تشخیص جب طبیب کر سکا تو پھر کسے تم کیوں نہیں کہتے کہ اپنے ہاونوں میں عقاقیر وادویہ کے سروں پر آہنی دستے نہ پٹکے - اپنی آنکھیں قرابادینیات کی ورق گردانی میں بیکار نہ تھکائے - مریض مرجائیگا اور اُس کی محنتیں کبھی شرمندہ زیانکاری

بن کر رہینگی۔ غفلت کا اندازہ کیجئے کہ اطبا کی آزمائش ہو چکی۔ کہ مریضوں کی درد و کرب میں افاقہ کے بجائے اور شدت و زیادتی ہے لیکن اندھے تیماردار ہیں کہ بیکار اپنے پاؤں ان الغرض ناتجربہ کار طبیبوں کے پاس لیجانے سے نہیں رکتے۔

آہ! آہ! از دست صرافانِ گوہر ناشناس — ہر زماں خر مہرہ را با در برابر می کنند

ایک تو وہ علاج ہے جو تعزیرات اور لا کے ناموں سے پولیس اور تھانوں کے عنوانوں سے سطح ارض پر پھیلا ہوا ہے۔ اور ایک وہ بھی ہے جسکو تمنے دیکھا مگر غور سے نہیں دیکھا۔ المرسل بالحق حکیم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض کی حقیقت سمجھی۔ فساد کے اصلی اسباب کو دیکھا تھا۔ تو فرمایا منظور یہی ہے کہ دنیا میں فساد و جدال نہو۔ لیکن رد کا تو سب سے پہلے فرمایا۔

لا تجعلوا دنیاکم اکبر ھمکم۔	اپنی دنیا کو اپنا بڑا غم نہ بناؤ۔

اور جس نے دنیاوی آرزوؤں کی تکمیل کو اپنا بڑا غم نہیں بنایا تو پھر آئندہ تم خود سوچو کہ اس کو کسی اہل دنیا کے ترقی و تنزل عروج و زوال سے کیا تعلق۔ اگر اسکے پاس روپیوں کی تھیلیاں آگئیں تو لے لیتا ہے۔ اور نہ آئیں تو اسے پرواہ بھی نہیں ہوتی مگر فرض کیا کہ اس بیماری سے اپنی روح کو بچا نہ سکا۔ جسکے بعد اپنے ساتھیوں اور ہمسروں سے مساوات کا خیال ایک ضروری جز بن جاتا ہے۔ پھر جب مسابقت کے میدانوں میں اس کی کوشش کا ٹٹو پیچھے رہجاتا ہے تو دل میں حسد کی آگ وہی تمنائی دنیا بن جاتی ہیں۔ خود اس میں جلتا اور اپنے ہم جنس کو بھی اس شعلے میں ڈالنا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

لا تحاسدوا ولا تباغضوا وکونوا عباد اللہ اخوانا۔ (بخاری)	آپس میں حسد و بغض نہ کیا کرو اللہ کے بندے بھائی بھائی بنکر رہو۔

یہ دراصل نسخہ ہے اُن مرحوم بیماروں کے لئے جنکو از روی دنیا کے طاعون نے بیچین کر دیا اور عنقریب حسد کے داء عضال میں مبتلا ہونے والے ہیں۔ اور فرض کرلو وہ اپنے دامن تحمل کو اس جانسوز روح گداز شعلے کی لپک سے الگ نہ کرسکے۔ اور حاسد بن ہی بیٹھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ خیر اسکو اپنے اندر سے مٹاؤ اور کوشش کرو کہ دوسرے کو اس سے نقصان نہ پہونچے نہو کہ عالم بیخودی میں تم اپنے محسود کی برائیوں کے اظہار پر مجبور ہو جاؤ اور مجلسوں میں بیٹھکر

اس کے افعال و اعمال پر نکتہ چینی کرنے لگو۔ قرآن نے اسکو روکا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی شرح کی۔ فرمایا۔

لا یغتب بعضکم بعضاً ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرھتموہ۔	ایک دوسرے کو پیچھے پیچھے برا نہ کہے کیا کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے بھائی کا گوشت کھائے اسکو ناپسند کروگے (پھر یہ تو اس سے زیادہ قابل نفرت ہے)

پھر اگر اس نے غیبت بھی کی اور وہی تمنا ر دنیا جو اس کل خطبۂ تھی غیبت کی صورت میں متشکل ہوکر دوسروں کے عیوب کو کانوں تک پہونچا رہی ہے تو اسکو جسکے عیوب بیان کئے جاتے ہیں۔ روکا اور فرمایا کہ تم اپنی شان اس سے زیادہ اونچی کر دکہ گالی کا جواب تھپڑ سے دو۔ کتے نے اگر کسی کو کاٹ کھایا تو اسکا بیہودہ جواب ہی کہ تم بھی اپنے دانت اُس کی رانوں میں گڑو دو۔ فرمایا۔

واذا مروا باللغو مروا کراما۔	(مسلمانوں کی یہ شان ہوتی ہے) کہ جب وہ کسی بیہودہ بات پر گذرتے ہیں تو وقار کے ساتھ گذر جاتے ہیں

اور اگر تم جواب ہی دینے پر آمادہ ہو تو جواب میں مساوات اور برابری کا خیال ضرور رہنا چاہئے کہ ایک حد تک وہ اس بیماری کو جو اس کے بعد عموماً ظہور پذیر ہوتی ہو دبا سکتی ہے قرآن نے کہا

جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا ومن عفی واصلح فاجرہ علی اللہ۔	برائی کا بدلہ برائی کے مانند ہونا چاہئے اور جس نے معاف کردیا اور صلح کرلی اسکا اجر خدا پر ہے۔

غرض کہ تمنے دیکھا کہ کسقدر دور سے اس فساد کی روک تھام کیجاتی ہے۔ سب سے پہلے تو دل میں ان ارمانوں کو آنے نہیں دیتے جو آخر میں بڑھکر اس تباہی اور بربادی کے باعث بن جاتے ہیں اور اگر آگئے تو دل ہی میں روک دیا کہ آگے نہ بڑھے پھر اگر دل سے نکلکر اعضا و جوارح تک اسکی لہریں پھیل گئیں تو یہاں بھی اسکو ضعیف اور بے جان کرنیکی کیا کیا ترکیبیں کیجاتی ہیں۔ یہ تو ایک سلسلہ تھا۔ ان اسباب و علل کا جو ان تمام فسادوں کا ایک ہلکا سا سبب ہی۔ شریعت بالغہ کے تمام قواعد و قوانین دراصل انہیں مرتبہ سلسلوں کے اندر مضبوط اور جکڑے ہوئے ہیں۔

فھل من مدکر۔

الغرض چونکہ قلوب انسانیہ دراصل آماجگاہ ہیں ان ہی عساکر تمنا، و آرزو کے جنکا تسلسل تمنے والا سلسلہ اس حسرت زار دل کے وسیع سطح ادراک پر آ آکر صف آرا ہو رہے ہیں۔ اور جب تک زیست کا دریچہ کالبد انسانی کے لئے کھلا ہوا ہے وہ یوں ہی اُترتے رہینگے دنیا انھیں باطنی فوجوں کے لئے معرکہ رزم۔ و میدان جہاد ہے جسمیں ہر ایک دل کی ہر آرزو نکلنے کے لئے بیتاب ہے چاہتی ہے کہ نبرد آزمائی کے لئے نکلیں۔ اور سب سے پہلے نکلیں۔ پھر جب کسی دل سے یہ موجیں اُٹھتی ہیں تو دوسرے تھپیڑوں سے مقابلہ ہو جاتا ہے۔ اور اُنھیں کے تصادم و تزاحم کا وہ ادنی نتیجہ ہے جسے دنیا نے ہمیشہ مہیب و خوفناک پیکروں میں دیکھکر بیزاری کا اظہار کیا۔ اور پناہ کی درخواست کی ہے۔ و ماظلمناھم ولکن کانوا انفسہم یظلمون کی یہ کھلی تفسیر ہے جسکے انکار کی گنجائش نہیں۔

تم دنیا کے کسی ذلیل سے ذلیل دل کو ہاتھ میں لیکر دیکھو۔ ارمانوں کی بجلیاں اس کے اندر بعینہ اسی طرح کوندتی نظر آئینگی۔ جیسا کہ دنیا کے کسی جلیل القدر۔ مغرور۔ جبار ہستی کے اندر وہ تڑپتی ہیں۔ البتہ وہ جنکے متعلق بشارۃ کبریٰ ہو چکی کہ

ا لا۱ الذین سبقت لہم منا الحسنی	لیکن وہ لوگ ہمارے لئے نیک مدد ہو چکے۔

وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

ایک بڑا سے بڑا بادشاہ ایک اونچے سے اونچے دماغ کا فلاسفر کوئی بھی ہو جنبہ وہی تمنا اپنے اندر رکھتا ہے جو کسی گاؤں کا جاہل۔ فقیر۔ گنوار لیکن قوی وہم کی وسعت و تنگی کے ساتھ اُنکی نوعیت بدلنے لگتی ہے۔ وہ ایک ہی طاؤسی جذبہ ہے جو کسی دارفتہ زیبائش و فیشن کو اپنے پائین باغ کے ہوادار بنگلے سے اُٹھاتا ہے۔ اور یقین کرو کہ یہی خواہش بعینہ ہوتی ہے جو کسی ادنیٰ درجہ کے بھیل یا چمار کو اپنے پھوس کے جھونپڑے سے باہر نکالتی ہے لیکن مقدم الذکر اپنی قدرت کا دائرہ وسیع پاکر سکے و ہائٹ وے کی تجارتی کوٹھی میں جانا اپنے لئے

سلہ چونکہ بحث مد نظر میں گفتگو ان عام لوگوں سے ہے جو دنیا کے دھندوں میں مبتلا ہیں ورنہ وہ پاک نفوس جن کو خدا نے صرف اپنے لئے بنایا اور اپنی ہی خدمت میں رکھا۔ من الانبیاء و الشہداء و المجاہدین و الاولیاء الصالحین وہ اس سے علیحدہ ہیں اُنھوں نے صرف خدا کو اپنا غم بنا لیا ہے اور خدا اُن کے تمام تفکرات کا کفیل ہو گیا ۱۲ منہ +

ہمزوری قرار دیتا ہے اور وہ بیچارہ بھیل اپنی گزی کی جیب میں صرف بیسوں کی سُرخی دیکھکر ضعیف آرزو کی تقطیع چھوٹی کر دیتا ہے۔ اور پھر کسی معمولی مارواڑی کی دوکان ہی کو اپنے لئے کافی سمجھتا ہے۔ وہ ایک ہی کنجشکی ولولہ اور حرص ہوس تھی۔ جسکے لئے جہانگیر علی قلی خاں جیسے بہادر جنرل گورنر بنگالہ کے خون میں بھی ہاتھ رنگنے سے نہیں جھجکتا۔ کیونکہ وہ اُس پر قادر تھا۔ اور ایک مجبور وحشی افریقی صرف ایک کالی کلوٹی عورت ہی پر قناعت کر لیتا ہے۔ وہ صرف مقتضار دولت ہے کہ راک فیلر کو صبح سے شام تک اپنے تجارتی معاملات سے فرصت نہیں دیتا۔ اور یہی اس دہقان کے سینے میں بھی جلوہ پرداز ہے۔ جس نے آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے اپنا ہل کھیت میں ڈالا پھر جب وہ خلوتخانہ مغرب میں داخل ہوا تھا تو صرف دو بیگہ سے زیادہ زمین جوت نہیں سکا تھا۔ اور ایک راک فیلر وسعت اختیار کی بنا پر اتنی ہی عرصہ میں لاکھوں کا مالک بن چکا تھا۔

تم دیکھتے ہو کہ نام و نمود۔ شہرت و عزت کی ایک بے بنیاد آرزو جس کا واقعی کوئی نتیجہ نہیں روح اور جسم دونوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ مگر اس ظلمت کدہ عالم طلسم فریب میں پھنسنے والوں کو جب اس تمنا کا جنوں ہوتا ہے۔ تو دیکھو دنیا کس آفت و مصیبت کے بادلوں میں گھر جاتی ہے۔ فساد و جدال کے شعلے کن تیز و دراز زبانوں کے ساتھ اجزار عالم کو بھسم کرتے ہیں۔ یہی وہ آرزو ہے کہ جو ارسطاطالیس کے مقدونوی کالج میں سکندر[1] کے ہاتھ شمشیر برہنہ سونپتی ہے۔ اور وہ رومی طالب علم اپنی اسی تمنا کو پوری کرنیکے لئے سب سے پہلے اپنے علاتی بھائی کی گردن اوڑاتا ہوا بلا کسی رنج واندوہ حسرت و افسوس کے عنان عزم کو یونان کے شاداب خطہ کی طرف موڑتا ہے۔ گاؤں اور شہروں کو روندتا ہوا انسانی آبادیوں کو اجاڑتا ہوا

[1] عام طور سے مسلمانوں میں یہ بات پھیل گئی ہے کہ حضرت ذوالقرنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہی رومی سکندر تھے۔ اور اُسکا بانی دراصل فردوسی ہے جس نے شاہنامہ میں یہ خرابطہ سب سے پہلے ڈالا۔ اور دنیا میں یہ بات پھیل گئی۔ حالانکہ حضرت ذوالقرنین حمیری بادشاہ تھے اور مسلمان تھے۔ ولی تھے یا نبی اسمیں لوگوں کا خلاف ہے۔ بہرکیف قرآن سے ان کا مومن ہونا محقق ہی اور یہ مقدونوی جبار بادشاہ یقیناً مشرک تھا۔ مصر وہ سحرا لبیا اس بت کی تبرکہ کیلئے گیا جس کا نام مشتری تھا اور اپنی آخری وصیت کے اعتبار سے شاید وہ وہیں مدفون بھی ہوا۔ ذوالقرنین کے حالات کسی آئندہ نمبر میں مع حالات یاجوج ماجوج و سد سکندری کے انشاء اللہ شائع کئے جائینگے۔ ۱۲ منہ +

طیوہ کی اونچی عمارتوں میں آگ لگا دیتا ہے۔ جہانتک اسکی فتوحات کا سیلاب پھیلتا جاتا تھا اس کی موج تمنا کے لئے راستہ صاف ہو رہا تھا۔ وہ چڑھاؤ پر تھی۔ حتی کہ اس نے ایران کی ہزار ہا سالہ حکومت پر چھاپہ مارا۔ وادی سوس میں اس نے ظہور قتل و غارت کا بازار گرم رکھا جسے مورخوں نے دنیا کے قرون ماضیہ کا سب سے اشد الوقائع قرار دیا۔ دارا اپنے ساسانی تخت کو چھوڑ کر آوارہ وطن ہوا۔ سکندر کی ہوسناکی نے فارسی بانوؤں کی عزت کو خاک میں ملایا دارا کی ماں اور بیوی رسیوں میں جکڑ کر اس لئے زمین پر گھسیٹی گئیں کہ سکندر کے فلک تمنا و آسمان شہرت و جلال پر اس سے چار چاند لگتے تھے۔ صور کی پرانی آبادی کو اسنے ڈھایا دو ہزار گردنیں دیواروں سے لٹکائی گئیں ۳۰ ہزار مرد و عورت غلام بنا کر بیچے گئے۔ وہی آرزو اسے اور بھڑکا رہی تھی۔ یہانتک کہ جب ستلج کے ساحل سے اس کے اسطول ٹکرائے تو ہندوستان سے زرد جواہرات کا انبار ہاتھیوں پر لادتا ہوا بابل کے معلق باغ میں جا کر ڈھیر گیا۔ اس نے جو کچھ کیا تاریخ اسے دہرا رہی ہے۔ اور حقائق سنج نگاہیں اسے سمجھ رہی ہیں کہ یہ کچھ نہ تھا اور تھا تو صرف اس ایک باطنی خواہش کا ادنی منظر تھا۔ جسے میں نے خواہش نام و نمود کے ساتھ تمھارے سامنے تعبیر کیا تھا وہ ایک چھپی دبی چنگاری ہے جو دلوں میں رہتی ہے۔ اور جب کبھی اسے موقعہ ملتا ہے اور ہمیشہ ملتا رہا ہے تو اسنے وجود عینی کا لباس پہنکر وہ کیا جسکی ایک تصویر سکندر مقدونوی کی زندگی میں تم ڈھونڈو۔ نادر کی بل دی ہوئی مونچھوں میں ملاحظہ کرو۔ چنگیز کی خونی آنکھوں میں مطالعہ کرو۔ تیمور کی زبان خنجر سے جواب پوچھو۔ مگر تمنے اگر یہ سمجھا کہ یہ انہیں کی ہستی تک محدود تھی تو غلطی کی میں نے کہا اور پھر کہتا ہوں کہ ان پیمانہ جذبات میں اہل دنیا کے دل متساوی الاقدام ہیں زیادتی اور کمی کسی میں نہیں۔ اسباب و آلات قدرت و اختیار کے یہ کرشمے ہیں ایک ورنہ تم کو کیا معلوم کہ جو کچھ سکندر کے اندر تھا وہی اس رشوت خوار ڈپٹی کے اندر بھی ہے۔ جو اس لئے ظلم کر کے اور کرا کے لوگوں سے روپے کھینچتا ہے۔ کہ اپنی بلند اونچی عمارت کی کنگرے سے ہمسروں میں سربلندی حاصل کریگا۔ محل کے اختلاف سے قدرت کی تحدید سے فعل کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ سکندر نے شمشیر زنی کو شہرت کا ذریعہ سمجھا اور اس ظالم راشی نے عمارت کی بلندی کو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ شاہجہاں نے بدمستی میں سمجھا کہ تاج محل کی

عمارت ہی اس کے لئے باعث نمود وشہرت ہے۔ پھر اکبرآباد میں جاکر دیکھو کہ بیت المال کے روپے سنگ مرمر کی دیواروں کو اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں۔ دُنیا اُسے مسلمانوں کے عظیم الشان کارناموں میں گنتی ہے۔ لیکن مسلمان اسے صرف نمود پرستی کی ایک ہلکی سی موج سمجھتے ہیں۔ یہی وہ دقیق نکتہ ہے کہ ربانیوں اور مرسلوں نے زیادہ تر اپنی توجہ اسی چیز کی اصلاح کی طرف مبذول فرمائی۔ جو ان خواہشوں کا مسکن اور تمناؤں کی فرودگاہ ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله۔

ہاں یقیناً۔ دھڑ میں ایک ٹکڑہ ہے کہ جب وہ درست رہتا ہے تمام جسم درست رہتا ہے اور وہ جب بگڑتا ہے تو تمام جسم برباد ہوجاتا ہے۔

بہرکیف تمنے سمجھ لیا ہوگا کہ اصلِ فساد۔ وبناء جدال۔ جو کچھ بھی ہے وہ دل کے اندر ہے اور پھر کل دنیا داروں کے اندر ہے اسی لئے کوئی ضرورت نہیں کہ کوئی مصلح ملیّ۔ بادشاہوں کی زندگی کا تتبع کرے۔ فلاسفروں کے خیالات کا اندازہ لگائے۔ اس لئے کہ جو کچھ وہ ایک دہقان کے اندر پاتا ہے۔ ہرگز ہرگز اس سے زیادہ کسی فیلسوف کے اندر نہیں پائیگا۔ وہ جو تعلیم وحشیوں میں پھیلا رہا ہے۔ یاد رکھو کہ یہی اصول وہاں بھی بخوبی کارآمد ہیں۔ جہاں تمدن کے مدعیوں کی آبادی ہے۔ پس عرب کے جاہل باشندوں میں جو تعلیم پھیلائی گئی کیوں کہا جاتا ہے کہ اس دور تمدن میں وہ بیکار ہے۔ کیونکہ اگر ان تمام جنود حسرات کو تم اکٹھا کر دو۔ اور کسی جامع لفظ میں ان کو نچوڑ لو تو نظر آئیگا۔ کہ جو کچھ ہوتا ہے۔ جتنی موجیں بلند ہوتی ہیں۔ جسقدر شعلے مختلف صورتوں کے اندر سے نکلتے ہیں کل کا کل صرف دو ہے۔

(۱) لذت جسمانی۔

(۲) طلب جاہ وجلال۔ نام ونمود۔

یہی دو خواہشیں ہیں جو عام اہل دنیا میں ساری ہیں اور تمام دنیا کے دماغوں پر انکی اور صرف انکی حکومت ہے۔ ہاں اسکی تحصیل کے لئے ان کو وجود ظاہر بخشنے کے لئے دنیا نے حسب اسباب وقوی آسانی وسہولت مختلف راستے اختیار کر رکھے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو اپنی قوت

ذائقہ کی خدمتگاری میں مصروف۔ پھر کسی نے ملازمت کو اسکا آلہ بنایا کسی نے اپنے لئے تجارت کو آسان سمجھا کوئی زراعت کو اپنی قوت کے مناسب پاتا ہے کسی نے تہور وشجاعت سے لقمہ ترمنہ تک پہونچانیکی عادت ڈالی الغرض جسکو جو آسان معلوم ہوتا ہے وہی راستہ اختیار کرتا ہے۔ پر لذت کام ودہن دونوں میں مشترک ہیں۔ اسی طرح اور حواسوں کے لذائذ کو لیتے جاؤ اور اُن کے حصول کی مختلف شکلیں اپنے پیش نظر رکھو۔ نظر آئیگا کہ جو کچھ ہے۔ وہ صرف لذت جسمانی کے لئے ہے۔

اسی طرح اب طلب جاہ وشہرت پر نظر ڈالو۔ تم نے دیکھا کہ سکندر نے شمشیر کو ذریعہ قرار دیا۔ سینڈو، اپنے گھوسوں سے اس کی جستجو کرتا ہے۔ ایک بیوقوف مستطیع زمیندار اپنے لڑکے کی شادی میں شاہدان بازاری کے رقص وسرود کو اسکا آلہ بناتا ہے۔ آتشبازیوں میں تا وقرنا کی آوازوں میں اور مختلف شکلوں کی آرائشوں میں شہرت کا راز مضمر سمجھتا ہے۔ ایک مقرر اپنی سحر البیانی سے شہرت کا تاج زیب سر کرنے کا مستدعی ہے۔ ایک انشاپرداز اپنی قلمی طاقتوں کے بل پر میدان تفاخر وجاہ میں قدم رکھتا ہے۔ اور اسی طرح کل حزب بما لدیہم فرحون۔ کا کلیہ اپنی تمام مصادیق پر منطبق ہوجاتا ہے۔ اسی میدان عمل وعرصہ مجاہدات میں پھر انسان دیوانہ بھی ہوجاتا ہے۔ اور ہواپرستیوں کے زور میں آکر وہ حقوق اللہ وحقوق العباد کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ پھر یہی وقت ہوتا ہے کہ سب سے پہلے الٰہی پیغامبران صلوات اللہ علیہم اجمعین اسکا دامن تھام لیتے ہیں۔ اسکی کمر پکڑ کر کھینچتے ہیں۔ بالمومنین رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

عن ابی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثلی کمثل رجل استوقد نارًا فلما اضاءت ما حولها جعل الفراش وهذه الدواب التی تقع فی النار یقعن فیها وجعل یحجزهن ویغلبنه فیتقحمن فیها فانا آخذ بحجزکم عن النار وانتم تقحمون فیها۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی نے آگ جلائی جب اس کے آس پاس روشنی پھیلی تو پتنگے اور حشرات الارض جو آگوں پر جھکتے ہیں اُس میں گرنے لگے۔ آگ انہیں دھکے دیتی ہے اور وہ اُسپر غالب آنا چاہتے ہیں۔ تو میں بھی تمہاری کمر پکڑ کر آگ سے کھینچ رہا ہوں اور تم اوس میں گھسے جاتے ہو۔ (باقی آئندہ)

کلمۃ الحق

(گذشتہ سے پیوستہ)

بس عمل کے درجہ میں سورہ فاتحہ اور ما زاد کا ہونا ضروری ہے اور آیت اس معنی کو مشتمل ہے مگر اس اشتمال کا ثبوت قطعی نہیں لہذا قرآن مجید امر کراہت تحریمی کو مشتمل نہوا۔ غرض اور مراد متکلم کی کبھی بعینہ مدلول لفظ ہوتی ہے یعنی عبارت متکلم کے الفاظ جن معانی کیلئے حقیقۃً موضوع ہوئے ہیں وہ ہی معنی مراد ہوتے ہیں اور کبھی معنی حقیقی مراد نہیں ہوتے بلکہ مجازی مراد ہوتے ہیں قرآن مجید و حدیث شریف اور محاورات میں بکثرت یہ استعمالات شائع ہیں بصورت مجاز کبھی غرض اور مراد متکلم کی مدلول لفظ سے عام ہوتی ہے کبھی خاص اہل عرب کے کلام میں تتبع کرنے سے اسکی مثالیں بکثرت ملتی ہیں اب آیت کریمہ میں غور کرو دیکھو جملہ ما تیسر کا مدلول لفظی عام ہے اسمیں کسی اہل علم کا خلاف نہیں اگر حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرا بام القرآن نہوتی تو غرض اور مراد میں کوئی خفا نہ ہوتا اور قرارت قرآن بقدر ما تیسر الی التعیین فرض ہوتی مگر حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ آیۃ کریمہ میں ما تیسر کا مدلول لفظی مراد نہیں بلکہ مراد اور غرض اس سے خاص ہے لیکن اس غرض و مراد کا علم چونکہ خبر واحد سے ہوا اور خبر واحد ظنی ہے لہذا اس مراد و غرض کا مراد و غرض ہونا قطعی نہیں اسلئے فرضیت کے مرتبہ میں زیادت فاتحہ کی کتاب اللہ کے مدلول لفظی عام پر نہیں کر سکتے پس فرق مراتب کا اعتبار کرکے وجوب کے درجہ میں زیادۃ فاتحہ کو تسلیم کیا اور غرض و مراد آیت سورہ فاتحہ ہی ہوئی مگر ظنی الثبوت تو اب عمل کے درجہ میں کسی کو اجازت نہیں کہ نماز میں فاتحہ نہ پڑھے پس کلام مجید امر و اجازت کراہت تحریمی کو مشتمل نہ ہوا۔

الحاصل قرآن کے مفہوم عام یا مطلق قطعی الثبوت و قطعی الدلالۃ پر خبر واحد سے زیادت

فرض کے مرتبہ میں بوجوہ مذکورہ حنفیہ نہیں کرتے اور حدیث میں اگر عموم آیت کی تخصیص یا اطلاق آیت کی تقیید آئی ہے تو اُس حدیث میں نظر کرتے ہیں اگر وہ حدیث متواتر یا مشہور ہوتی ہے تو زیادت کو قبول کرتے ہیں اور اگر خبر واحد ہوتی ہے تو زیادت کو فرض کے مرتبہ میں تجویز نہیں کرتے بلکہ وجوب یا سنت کے مرتبہ میں تجویز کرتے ہیں۔

پس حنفیہ اپنے ضوابط و قواعد کے پابند ہیں کتاب و سنت پر عامل ہیں اور در حقیقت اہل سنت والجماعت سب کے سب اہل حق ہیں فروعی اختلاف سے اُنکی یکرنگی میں فرق نہیں آتا ایک کو دوسرے پر مجال طعن نہیں عمل کیلئے ایک جانب کی ترجیح ضروری ہے اور بس مگر جب بحث چھڑ جاتی ہے تو یہی دیکھا جاتا ہے کہ سب و شتم کی نوبت آجاتی ہے اور اپنے خصم کو اپنا معاصر اور مساوی سمجھکر بیدرنگ جو چاہتے ہیں کہدیتے ہیں اور بسا اوقات یہ معاصرت کی شوخ چشمیاں سلف تک متعدی ہو جاتی ہیں اور لعن آخر ھذہ الامۃ اولہا کا منظر سویدا ہو جاتا ہے اللھم احفظنا من شرور انفسنا۔ درحقیقت بہت ہی دشوار گذار رستہ ہے منزل کٹھن ہے قدم قدم پر لغزش کا احتمال ہے اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور توفیق بغیر یہ سفر طے نہیں ہو سکتا۔

الحاصل جو اعتراض اس مسلک پر پیدا ہوئے تھے اُنکی حقیقت معلوم ہوگئی کہ ناشی بلا تدبر وغور ہیں جب یہ قاعدہ ممہد اور واضح ہوگیا تو حنفیہ ان احادیث سے کہ جو خبر واحد ہے میں قرآن مجید پر کہ قطعی ہے زیادت نہیں کرتے اور اس قاعدہ کلیہ کو جو نصوص سے ماخوذ ہے کسی جزئی واقعہ سے ترک نہیں کرتے بلکہ اُس جزئی میں غور و تدبر کرتے ہیں اور حتی الامکان تطبیق یا جمع کرتے ہیں اور اُس جزئی میں بوجہ ضعف قوت کے بمقابلہ اُس قاعدہ کلیہ کے تاویل کرتے ہیں۔

اس مسئلہ میں اُنھوں نے یہی وتیرہ اختیار کیا اور اپنے قاعدہ کے مطابق جمع بین الصلوتین کی روایات میں غور و فکر کیا تو اُن کو ان روایات میں کوئی مخالفت ہی مضمون قرآن سے نظر نہ آئی چنانچہ عنقریب معلوم ہو جائے گا۔

ایک اور اعتراض کا خطور ہوتا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لگتے ہاتوں اُسکا بھی تصفیہ

کرتے جاویں اور پھر نفس مسئلہ کی بحث کو ختم کر کے اصل مضمون کیطرف متوجہ ہوں۔

اعتراض یہ ہے کہ حنفیہ نے آیات قرآنی سے نماز کو فرض وقتی ثابت کیا تھا اور یہہ کہ عموم کے ساتھ تمام نمازوں کا یہی حکم ہے سفر و حضر کی کوئی نماز اس حکم سے خارج نہیں ہے پھر حنفیہ نے زمانہ حج میں عرفات کی ظہر و عصر کی نماز اور مزدلفہ کی مغرب و عشا کی نماز کو اس عموم سے خارج کر دیا اور تسلیم کر لیا کہ بیشک عرفات میں ظہر کے وقت میں ظہر و عصر اور مزدلفہ میں عشا کے وقت میں مغرب و عشا کی نماز ادا کی گئی تو اب وہ عام قرآنی مخصوص البعض ہو گیا اور اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ عام مخصوص البعض ظنی ہوتا ہے اور ظنی کی تخصیص ظنی سے جائز ہے بس اب ہم اُس عام مخصوص البعض قرآنی کی تخصیص ان احادیث سے کر سکتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپنے ظہر و عصر و مغرب و عشا کی نمازوں کو جمع کیا اور تمکو بھی ناچار یہی ماننا پڑیگا۔

اگر حسب خیال معترض اُن آیات کو مخصوص البعض تسلیم کر لیا جائے تو جواب یہ ہے کہ جن احادیث سے وہ آیات مذکورہ کی تخصیص کرنا چاہتا ہے وہ احادیث مثبت جمع حقیقی نہیں ہم اول کہہ آئے ہیں کہ جمع صوری ہے جب ہم جمع صوری ثابت کر دینگے تو احادیث کو آیات سے تعارض نرہا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ آیات جن سے نماز کا فرض وقتی ہونا ثابت ہوا ہے مخصوص البعض نہیں اسلئے کہ تخصیص کیلئے مقارنت شرط ہے بلکہ وہ منسوخ البعض ہیں اور منسوخ البعض قطعی ہی رہتا ہے اور یہ بدیہی ہے کہ آیہ کریمہ ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا اور آیہ حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ کا نزول مقدم ہے اور عرفات و مزدلفہ میں ظہر و عصر و مغرب و عشا کا جمع کرنا موخر ہے کیونکہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے۔ بس واقعہ حجۃ الوداع سے صرف زمانہ حج میں مقامات مذکورہ میں دو دو نمازوں کا جمع کرنا ثابت ہوا یہ اُس آیت کے ایک جز کا ناسخ ہوا اور آیہ منسوخ البعض ہو کر اپنے عموم سابق پر قطعی باقی رہے اور منسوخ البعض کی تخصیص خبر واحد سے جائز نہیں ہے۔

جب یہ قاعدہ ممہد ہو لیا کہ خبر واحد سے عموم قرآنی کا نسخ اور تخصیص حنفیہ کے نزدیک

جائز نہیں تو جمع بین الصلوتین کی حدیثوں کو اگر مثبت جمع حقیقی تسلیم کرلیا جائے تو بھی اُن پر حجت نہیں۔ حنفیہ اُنکی تاویل کرینگے اور محمل حسن پر اوتار ینگے۔ غایت مافی الباب یہ ہے کہ اُنکے اس قاعدہ میں کوئی کلام کرے تو پھر اُنکے لئے بھی میدان گفتگو وسیع ہے وہ پیروی اور جوابدہی کیلئے بھی کمربستہ ہیں اور دوسروں کے قواعد و اصول مقررہ پر بھی کلام کرنے کو مستعد و آمادہ مگر اسکی ضرورت ہی کیا ہے فروعی اختلاف میں تو کچھ جھگڑا کرنا مناسب نہیں ہر شخص اپنے معمول بہ حدیث اور قول کی ترجیح کی فکر کرے اور بس۔

اگر اس قاعدہ کو نظر انداز کیا جائے تو نفس احادیث کے متعلق حنفیہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ احادیث جمع حقیقی پر محمول نہیں اور جن احادیث سے بظاہر جمع حقیقی مفہوم ہوتی ہے حنفیہ کو بعض احادیث کے ملانے سے جمع صوری ہی راجح معلوم ہوتی ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ روایت جو بظاہر مثبت جمع حقیقی ہے اُسمیں تھوڑا سا تدبر و تحقیق کرنے سے بآسانی جمع صوری ہی ثابت ہوجاتی ہے اُسکے الفاظ یہ ہیں۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان فی غزوۃ تبوک اذا زاغت الشمس قبل ان یرتحل جمع بین الظہر والعصر وان یرتحل قبل ان تزیغ الشمس اخر الظہر حتی تنزل للعصر وفی المغرب مثل ذلک ان غابت الشمس قبل ان یرتحل جمع بین المغرب والعشاء وان یرتحل قبل ان تغیب الشمس اخر المغرب حتی تنزل للعشاء ثم جمع بینہما	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں تھے اگر قبل کوچ کرنے کے آفتاب ڈھل جاتا تو ظہر و عصر کو جمع کرلیتے اور اگر آپ کوچ کرتے قبل آفتاب ڈھلنے کے تو ظہر کو موخر کرتے یہانتک کہ عصر کیلئے اُترتے اور مغرب میں بھی ایسے ہی کرتے اگر آفتاب قبل کوچ کرنے کے غروب ہوجاتا تو مغرب اور عشا کو جمع کرتے اور اگر قبل غروب آفتاب سفر کرتے تو تاخیر میں تاخیر کرتے یہانتک کہ عشا کے لئے اُترتے پھر دونوں کو جمع کرتے۔

قریب قریب اسی سیاق سے یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اس سے علماء نے جزماً جمع حقیقی سمجھ لیا کہ اگر قبل سفر کرنے کے آفتاب ڈھل گیا تو ظہر و عصر کو جمع فرمایا اور اگر قبل زوال آفتاب سفر کیا تو ظہر کی نماز کو موخر کیا حتی کہ عصر کی نماز کیلئے جب اُترے

تو ظہر و عصر کو ساتھ پڑھا ایسے ہی مغرب میں اگر قبل کوچ کرنے کے آفتاب غروب ہو گیا تو مغرب و عشا کو جمع فرمایا اور اگر قبل غروب کوچ کیا تو مغرب کی نماز کو مؤخر کیا یہانتک کہ عشا کے لئے اترے تو دونوں کو جمع کر لیا۔ یہ روایت بزعم مثبتین جمع بین الصلوتین اعلیٰ درجہ کی مصرح ہے مگر انصاف شرط ہے کہ باوجود اس تصریح کے بتصریح مطلق نہیں ہے کہ عصر و عشا کیلئے عصر و عشا کے وقت میں اترے اور ظہر و عصر و مغرب و عشا کو جمع کیا آپکا عصر کے لئے اترنا اور عشا کیلئے اترنا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ ان نمازوں کا وقت آگیا تھا آپ کی اور صحابہ کرام کی شان تو بہت ہی اعلیٰ وارفع ہے آپ کے امتی دیندار جو پابند صلوۃ اور متبع سنت ہیں سفر و حضر میں نماز کا تہیہ قبل وقت کرتے ہیں اور آپنے قبل وقت نماز کا تہیہ کرتے اور داخل مسجد ہوتے اور وضو قبل وقت کرنے کے بیحد فضائل بیان فرمائے ہیں امت کو ترغیب دلائی ہے اجر و رفع درجات کی خوشخبری سنائی ہے۔ آپ گو سفر میں ہوں مگر آپ کی شان رفیع کے مناسب تو یہی ہے کہ عصر کی نماز کیلئے اترے مگر ایسے وقت کہ اول ظہر کو اسکے آخر وقت میں ادا فرمالیں اور عصر کو اسکے اول وقت ایسے ہی مغرب میں اور یہ تاخیر ظہر و مغرب محض تعجیل سفر و ضرورت کی وجہ سے عمل میں آئی الحاصل اس حدیث مصرح میں اس امر کی تصریح نہیں کہ عصر کی نماز کیلئے آپ عصر کا وقت داخل ہونے کے بعد اترے ہوں یا عشا کی نماز کیلئے عشا کی نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد آپ اترے ہوں اور جبکہ مثبتین خود ایک نماز کو دوسری کے وقت میں ادا کرنے کے قائل ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ تنزل للعصر اور تنزل للعشا سے خواہ مخواہ دخول وقت عصر و عشا کا اذعان کر لیں بات یہی ہے کہ ایک نماز آخر وقت میں اور دوسری اول وقت میں پڑھی گئی اور قبل کوچ اور بعد کوچ کے تقسیم سے جو شبہ پیدا ہو کر جمع حقیقی کا اذعان حاصل ہو گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے تصریحات ذیل میں غور کرنے سے یہ خدشہ انشاء اللہ تعالیٰ باقی نہ رہے گا۔

مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جلد اول صفحہ ۲۴۴ میں یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے مروی ہے اسمیں یہ الفاظ ہیں۔

قال کان اذا نزل منزلا فاعجبه المنزل	جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی منزل میں اترتے تھے

اخر الظھر حتی یجمع بین الظھر والعصر واذا سار ولم ینتھ الیہ المنزل اخر الظھر حتی یاتی المنزل فجمع بین الظھر والعصر	اور وہ جگہ آپ کو پسند آتی تھی توظہر کی نماز کو موخر کرتے تھے حتی کہ ظہر وعصر کو جمع کرتے تھے اور جب سیر کی حالت میں ہوتے تھے اور کوئی منزل میسر نہوتی تھی توظہر کو موخر کرتے تھے حتی کہ منزل پر آکر اُترتے اور جمع کرتے۔

حاصل اس روایت کا یہ ہوا کہ بحالت سفر جب کسی منزل میں قیام فرماتے تھے اور وہ جگہ آپ کو پسند آتی تھی یعنی صاف ستھری ہوادار ہوتی تھی اور قیام کی ضرورت محسوس ہوتی تھی توظہر کی نماز کی تاخیر فرماکر ظہر کو آخر وقت میں اور عصر کو اول وقت میں ادا فرماتے تھے اس تصریح سے معلوم ہوا کہ روایت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جو یہ الفاظ تھے کہ اگر قبل کوچ کرنے کے آفتاب ڈھل گیا توظہر وعصر کو جمع کرتے تھے اس سے یہ نکالنا کہ جمع تقدیم کرتے تھے صحیح نہوا جبکہ مسند امام احمد کی روایت سے تصریح ہوگئی کہ منزل پر آپ آرام فرمارہے ہیں منزل پسند ہے توظہر کی نماز کو موخر فرماکر دونوں نمازیں ساتھ پڑہتے تھے تاخیر ظہر کی تصریح سے یہ تو بصراحت معلوم ہوگیا کہ عصر کی نماز ظہر کے وقت میں نہ پڑھی گئی اب رہا ظہر کا عصر کے وقت میں پڑھنا اسکی تصریح روایت حضرت معاذ بن جبل میں تو بحسب زعم مثبتین جمع کے موجود ہے کہ ظہر کو ظہر کے وقت میں پڑہا گیا جیسا کہ روایت ابوداود میں ہے اور بحسب روایت مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی ظہر کی نماز کی بابت صرف تاخیر کی تصریح ہوئی اور لفظ جمع کا اطلاق ہوا تو اب یہ کیا ضرور ہے کہ ظہر کو اسقدر موخر کیا کہ وقت ظہر گذر گیا اور طرفہ یہ کہ آپ ایک جگہ مقیم ہیں سیر کی حالت میں بھی نہیں ہیں منزل میں قیام کی حالت ہرگز اسکو مقتضی نہیں کہ ظہر کو آپ اُسکے وقت سے موخر فرمادیں غالباً قیام کی حالت میں نماز کو اُسکے وقت سے خارج وقت میں ادا کرنے کا تو کوئی قائل نہیں جمع تقدیم کے تو قائل ہیں مگر اسطرح کہ پہلی نماز اپنے وقت میں ادا کیجائے لیکن ایکجگہ بیٹھے رہیں آرام کرتے رہیں نماز کا وقت آئے اور نکل جائے اور نماز نہ پڑھی جائے میری سمجھ میں نہیں آتا ایسے ہی جب آپ سفر میں مسافت طے فرمارہے ہیں اور اُترنے کی کوئی جگہ مناسب نہیں ملتی تو برابر چلے جاتے ہیں اور ظہر کی نماز میں تاخیر فرماتے ہیں جب منزل ملجاتی ہے تو اُترتے ہیں اور دونوں کو ادا فرماتے ہیں۔ مفاد روایت یہ نکلا کہ اگر آپ قبل زوال آفتاب کسی منزل میں اُترے ہیں تو تا دیر آرام فرماتے ہیں اور

اور ظہر کی گونہ تاخیر فرماکر عصر پڑھکر کوچ کرتے ہیں کہ دو مرتبہ اترنا نہو اور سفر میں کھنڈت نہ پڑے اور اگر آپ سفر طے کر رہے ہیں اور کوئی منزل مناسب نہیں ملتی تو منزل کا انتظار فرماتے ہیں اور ظہر کی تاخیر فرماکر کسی جگہ اترتے ہیں اور دونوں نمازوں کو یکے بعد دیگرے کچھ فصل سے پڑھتے ہیں جیسا یہ امر مستبعد ہے کہ آپ قیام کی حالت میں ظہر کی نماز کو اسکے وقت گذرنیکے بعد پڑھیں ایسے ہی یہ بھی مستبعد ہے کہ منزل کی تلاش میں ظہر کے وقت کو گذار دیں۔ پس روایت حضرت معاذ بن جبل کا یہ جملہ کہ اگر قبل زوال سفر کیا تو ظہر کو موخر کیا الخ موافق روایت مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے یہ معنی رکھتا ہے کہ منزل کے انتظار میں گونہ تاخیر ظہر کی آپ فرماتے تھے اور وہیں عصر پڑھتے تھے۔ مسافر بضرورت کیلئے سفر میں نہیں اترتا ایسا خیال ضرور کرتا ہے کہ جہاں اتریں وہاں متعدد ضرورتیں پوری کرلی جاویں مثلاً پیشاب پاخانہ سے فراغت حاصل کرلیجائے پانی بھی ملجائے وضو بھی کرلے نماز بھی پڑھ لے کھانا بھی کھالے کچھ آرام کرنا چاہے تو آرام بھی کرلے گھڑی گھڑی اترنے میں منزل کھوٹی نہو۔ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے اچھی طرح تصریح ہوگئی تو اب آسانی سے حضرت معاذ بن جبل اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات کا مطلب واضح ہوگیا اور جملہ روایات ایک محمل پر منطبق ہوگئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس مضمون کی تصریح ایک دوسری روایت میں بھی مذکور ہے جسکے یہ الفاظ ہیں۔

صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الظہر والعصر جمیعا والمغرب والعشاء جمیعا اخر الظہر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء (نسائی شریف)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر و عصر کی نماز اکٹھی پڑھی اور مغرب و عشا کی اکٹھی۔ ظہر کو آپنے موخر کیا اور عصر کو اول وقت میں پڑھا مغرب میں قدرے تاخیر فرمائی اور عشا میں تعجیل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان نمازوں کے جمع کرنے کی حقیقت صاف بیان فرمادی کہ مراد جمع حقیقی نہیں ہے بلکہ جمع صوری ہے۔

سنن حدیث میں ہے۔

عن عمرو بن دینار انہ قال یا ابا الشعثاء اظنہ اخر الظہر وعجل العصر واخر المغرب

عمرو بن دینار نے ابوالشعثاء سے کہا کہ اس جمع بین الصلوتین کی حقیقت کو میں یوں خیال کرتا ہوں کہ آپنے

وعجل العشاء قال وانا اظنہ	ظہر میں تاخیر فرمائی اور عصر کو جلد پڑھا اور مغرب کو موخر کیا اور عشاء میں تعجیل کی تو ابو الشعثاء نے کہا کہ میرا بھی یہی خیال ہے

یہ ابو الشعثاء حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرنے والے اس حدیث کے ہیں عمرو بن دینار اور ابو الشعثاء اور خود حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے حدیث سے جمع صوری سمجھا نہ حقیقی۔

ایسے ہی مستحاضہ کے بارہ میں کتب متداولہ حدیث میں یہ صراحت موجود ہے کہ مستحاضہ دو نمازوں کو جمع کرے مگر مراد جمع حقیقی نہیں ہے بلکہ جمع صوری ہے الفاظ حدیث کے یہ ہیں۔

وان قویت علی ان توخری الظھر وتعجلی العصر فتغتسلین وتجمعین بین الصلوتین	مستحاضہ کو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو اس پر قادر ہو کہ ظہر کو موخر کرے اور عصر کو تعجیل سے ادا کرے تو غسل کرکے دونوں نمازوں کو جمع کرے۔

مطلب یہ کہ ظہر کے وقت میں تاخیر کرکے غسل کر کر غسل سے فارغ ہو کر ظہر کو آخر وقت میں ادا کرسکے اور عصر کو اول وقت میں۔ ایسے ہی مغرب وعشا کو غسل کرکے ایک کو یکے بعد دیگرے ادا کرلے۔

ان نظائر پر نظر ڈالنے کے بعد کوئی خفا نہیں معلوم ہوتا کہ سفر اور عذر کی حالت میں جو جمع صلوتین کا ذکر ہے وہاں جمع صوری ہی مراد ہے۔

اب رہی روایت حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی کہ اسمیں تصریح آگئی کہ مغرب کی نماز بعد غائب ہونے شفق کے پڑھی اس کے متعلق یوں عرض ہے کہ قواعد کلیہ اور توجیہات مذکورہ کے بعد روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ میں ضرور رواۃ سے کچھ غلط فہمی ہوئی ہے واقعہ سفر کا ایک ہے یا متعدد اسکے متعلق سنن ابی داود میں یہ تصریح ہے۔

[illegible] جمع بینھما قط الا تلک اللیلۃ [illegible] مستصرخ علی صفیۃ	ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کبھی نہ دیکھے گئے کہ مغرب و عشا کو جمع کیا سوائے اس رات کے کہ جسمیں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا کی وفات کی خبر سنی تھی۔

[illegible] سے معلوم ہوا کہ صرف ایکمرتبہ انکو یہ اتفاق ہوا ہے۔

مبدا و معاد

(گذشتہ سے پیوستہ)

اور فرمایا۔

کنتم خیر اُمّۃٍ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر

تم ہو بہتر سب اُمتوں سے جو پیدا ہوئی ہیں لوگوں میں حکم کرتے ہو پسند بات پر اور منع کرتے ہو ناپسند سے

اس آیۃ سے فضیلت امر معروف اور نہی منکر کی معلوم ہوتی ہے کیونکہ بیان فرمایا کہ اس صفت کے لوگ خیر امت ہے۔ اور فرمایا۔

فلما نسوا ما ذکروا به انجینا الذین ینهون عن السوء واخذنا الذین ظلموا بعذاب بئیسٍ بما کانوا یفسقون

پھر جب بھول گئے جو اُنکو سمجھایا تھا بچالیا ہمنے اُنکو جو منع کرتے تھے بُرے کام سے اور پکڑا گنہگاروں کو بُرے عذاب میں بدلا اُنکی بے حکمی کا

اسمیں بیان فرمایا کہ اُن لوگوں نے نجات حاصل کی جنہوں نے بُری بات سے منع کیا اور نیز یہ آیت اسکے وجوب پر بھی دلالت کرتی ہے اور فرمایا۔

الذین إن مکنّاهم فی الارض اقاموا الصلوٰة واٰتوا الزکوٰة وامروا بالمعروف ونهوا عن المنکر

وہ کہ اگر ہم اُنکو مقدور دیں ملک میں کھڑی کریں نماز اور دیں زکوۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں بُرے سے۔

اس آیۃ میں امر معروف و نہی منکر کا ذکر نماز اور زکوٰۃ کے متصل فرمایا صالحین اور مومنین کی وصف میں۔ اور فرمایا۔

وتعاونوا علی البرّ والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔

اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور زیادتی پر۔

اسمیں توامر قطعی ہے اور تعاون کے معنی یہ ہیں کہ اچھی چیز پر ترغیب دینا اور بہتری کے طریقوں کو آسان کرنا اور بدی اور تعدی کی راہیں بند کردینی جہانتک ہوسکے۔ اور فرمایا۔

لولا ینھٰھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم واکلھم السحت لبئس ما کانوا یصنعون۔ | کیوں نہیں منع کرتے انکو انکے درویش بلاگناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے برے عمل ہیں جو کررہے ہیں۔

اسمیں بیان فرمایا کہ نہی منکر کے ترک کرنے سے گناہگار ہوئے اور فرمایا۔

فلولا کان من القرون من قبلکم اولو بقیۃ ینھون عن الفساد فی الارض | سو کیوں نہ ہوئے اُن سنگتوں میں تم سے پہلے کوئی لوگ جنمیں اثر رہا ہو کہ منع کرتے بگاڑ کرنے سے ملک میں۔

اسمیں یہ بیان فرمایا کہ ہمنے سب کو ہلاک کردیا مگر تھوڑے سے لوگونکو جو فساد سے منع کرتے تھے اور فرمایا۔

یاایھا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علیٰ انفسکم او الوالدین والاقربین۔ | اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کیطرف اگر نقصان ہو اپنا یا ماں باپ کا یا قرابت والوں کا تو والدین اور اقارب کے حق میں امر معروف یہی ہے۔

اور فرمایا۔

لاخیر فی کثیر من نجواھم الامن امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین الناس ومن یفعل ذٰلک ابتغاء مرضات اللہ فسوف نوتیہ اجرا عظیما | کچھ بھلی نہیں اکثر انکی مشورت مگر جو کوئی کہے خیرات کو یا نیک بات کو یا صلح کروائی لوگوں میں اور جو کوئی یہ چیزیں کریں اسد کی خوشی چاہکر تو ہم اسکو دینگے بڑا ثواب

اور فرمایا۔

وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما | اور اگر دو فرقہ مسلمانوں کے لڑپڑیں آپسمیں تو انمیں ملاپ کردو۔

اور اصلاح اسی کا نام ہے کہ سرکشی سے منع کرے اور طاعت پر بدستور ہٹالاوے اور اگروہ نمانے تو اسد تعالیٰ نے اُسکے ساتھ لڑنیکا حکم فرمایا چنانچہ ارشاد ہے

فقاتلوا التی تبغی حتیٰ تفئ الیٰ امر اللہ

توسب لڑو اُس لڑائی والے سے جبتک پھر آوے اللہ کے حکم پر

اور اسی کا نام نہی منکر ہے اور احادیث اِس باب میں یہ ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک خطبہ پڑھا اور اُسمیں یہ ارشاد فرمایا کہ لوگو تم اِس آیت کو پڑھتے ہو اور اُسکی تفسیر خلاف اُسکی مراد کے کرتے ہو۔

یاایھا الذین امنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم

اے ایمان والو تمپر لازم ہے فکر اپنی جان کا تمھارا کچھ نہیں بگاڑتا جو کوئی بہکا جب تم ہوئے راہ پر۔

اور میں نے سُنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے کہ فرماتے تھے۔

مامن قوم عملوا بالمعاصی وفیھم من یقدر ان ینکر علیھم فلم یفعل الا یوشک ان یعمھم بعذاب من عندہ

جو قوم معصیت کرتی ہے اور اُنمیں ایسا شخص ہوتا ہے کہ اُنکو منع کرسکتا ہے لیکن اُسنے منع نہ کیا تو عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن سب پر اپنے پاس سے عذاب بھیجے

اِس تمام حدیث کو اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔ اور ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تفسیر آیۃ لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم کی پوچھی آپ نے فرمایا۔

مُرْ بالمعروف وَانہ عن المنکر فاذا رأیت شحًا مطاعًا وھوًی متبعًا ودنیا مؤثرۃً واعجاب کل ذی رای برایہ فعلیک بنفسک ودع عنک العوام ان من ورائکم فتنا کقطع اللیل المظلم للمتمسک فیھا بمثل الذی انتم علیہ اجر خمسین منکم قیل بل منھم یارسول اللہ قال لا بل منکم لانکم تجدون علی الخیر اعوانًا ولا یجدون علیہ اعوانًا۔

حکم کر اچھی بات کا اور منع کر بُری بات سے پھر جب تو دیکھے بخل اطاعت کیا گیا اور خواہش نفس کی پیروی کی گئی اور دُنیا ترجیح دی ہوئی اور ہر تجویز والے کا اپنی تجویز کو اچھا جاننا تب تو اپنی جان کی فکر کر اور عوام کو ترک کر بیشک تمہارے پیچھے فتنے ہیں جیسے اندھیری رات کے ٹکڑے جو کوئی اُنمیں اِس دین کا تمسک کریگا جسپر تم ہو تو اُسکو تم میں سے پچاس شخصوں کا ثواب ملیگا کسی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اُنمیں میں سے پچاس کی برابر ہوگا آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم میں سے پچاس کا ہوگا اسلئے کہ تم خیر پر مددگار رکھتے ہو اور اُنکو خیر پر مددگار میسر نہ ہونگے

نقل کیا اسکو ابوداود و ترمذی و ابن ماجہ نے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو فرمایا کہ اُس کا وقت یہ زمانہ نہیں کیونکہ اس زمانہ میں تو نصیحت کو مانتے ہیں بلکہ عنقریب ایسا وقت آویگا کہ تم امر بالمعروف کروگے تو تم سے ایسا ایسا کیا جاویگا (یعنی لوگ تمکو ایذا دینگے) اور تم کچہ کہوگے تو کوئی تمہاری بات نہ مانیگا اُسوقت تمکو بموجب اس آیۃ کے کرنا چاہیئے۔ علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اهتدیتم۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں البتہ اچھی بات کا امر کرو اور بری بات سے منع کرو ورنہ خدا تعالیٰ تمپر تمہارے بروں کو مسلط کردے گا پھر تمہاری بہتر آدمی دعا مانگیں گے تو اُنکی دعا مقبول نہ ہوگی ترمذی بروایت حذیفہ بلا ذکر اختلاف۔ اسکے یہہ معنی ہیں کہ اچھے لوگوں کی ہیبت بُرے آدمیوں کی نظروں سے ساقط ہوجاویگی کہ اُن سے خوف نہ کرینگے۔ اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اے لوگو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم امر بالمعروف کرو اور منکر سے منع کرو پیشتر اس سے کہ تم دعا مانگو اور تمہاری دعا مقبول نہو اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندہ سے سوال کریگا کہ کس چیز نے تجھکو باز رکھا کہ جب تو نے بری بات دیکھی تو منع نہ کیا اُسوقت اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو جواب سکھلاویگا تو عرض کریگا کہ الٰہی میں نے تجھپر بھروسہ کیا اور لوگوں سے ڈرگیا اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا۔

ایاکم والجلوس علی الطرقات قالوا مالنا بدٌّ انما هی مجالسنا نتحدث فیها قال فاذا ابیتم الا ذلک فاعطوا الطریق حقها قالوا وما حق الطریق قال غض البصر وکف الاذی ورد السلام والامر بالمعروف ونهی عن المنکر۔

علٰحدہ رہو راہوں پر بیٹھنے سے انھوں نے کہا کہ اُس سے ہمکو گریز نہیں یہ تو مجلسیں ہماری ہیں اُنمیں ہم باہم گفتگو کرتے ہیں آپنے فرمایا اگر بدوں بیٹھے نہیں مانتے تو راہ کا حق دیا کرو عرض کیا کہ راہ کا حق کیا ہے فرمایا کہ آنکھ نیچی رکھنا اور ایذا سے باز رہنا اور سلام کا جواب دینا اور اچھی بات کا حکم کرنا اور بری سے منع کرنا بخاری ومسلم بروایت ابی سعید۔

اور فرمایا کہ کلام ابن آدم کا سب اُسکو مضر ہوتا ہے مفید نہیں ہوتا بجز امر معروف یا نہی منکر یا ذکر خدا تعالیٰ کے اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خواص کو عذاب نہیں کرتا عوام کے

گناہوں کے باعث یہانتک کہ کوئی بُرائی اُنہیں دیکھے اور وہ باوجودیکہ اُسکے روکنے پر قادر ہوں مگر نہ روکیں تب البتہ اُنکو عذاب کرتا ہے اور ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہاری عورتیں سرکش ہوجاوینگی اور جوان بدکار ہوجاوینگی الی آخرہ۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات ضرور ہوگی آپنے فرمایا کہ ہاں قسم ہے اُس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے اور اس سے بھی سخت تر بات ہوگی لوگوں نے عرض کیا کہ اس سے سخت تر کیا ہے آپ نے فرمایا کہ تمہاری کیفیت کیا ہوگی جب تم اچھی بات کا حکم نہ کروگے اور بری بات سے منع نہ کروگے لوگوں نے عرض کیا کہ کیا یہ ہونا ہے آپنے فرمایا کہ ہاں قسم ہے اُس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے اور اس سے بھی سخت تر بات ہوگی اُنھوں نے عرض کیا کہ اس سے سخت تر کیا ہے آپ نے فرمایا کہ تمھاری کیا کیفیت ہوگی کہ جب تم اچھی بات کو بُری اور بُری کو اچھی دیکھوگے اُنھوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا یہ ہونیوالا ہے آپنے فرمایا ہاں قسم ہے اُس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے اور اس سے بھی سخت تر معاملہ ہوگا اونھوں نے عرض کیا کہ اس سے سخت تر کیا ہوگا آپنے فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہوگا جب تم بُری بات کا امر کروگے اور اچھی بات سے منع کروگے اُنہوں نے عرض کیا کہ آیا یہ امر ہوگا یارسول اللہ آپنے فرمایا کہ ہاں قسم ہے اُس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے اور اس سے بھی سخت تر ہوگا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اپنی قسم کھاتا ہوں کہ اُنپر ایسا فتنہ بھیجونگا کہ عقلمند اُسمیں حیران رہجاوے۔ اس حدیث کے تین اوپکے جملے ابویعلیٰ نے بروایت ابی ہریرہ ذکر کیے ہیں بدوں پچھلے دو جملے اور اُسکی سند ضعیف ہے اور سوا چوتھے جملے کے ابن ابی الدنیا نے بسند ضعیف نقل کی ہے۔ اور عکرمہ حضرت ابن عباس رضہ سے راوی ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ظلم سے قتل کیا جاوے اُسکے پاس تو مت کھڑا ہو کہ جو شخص وہاں موجود ہو اور اُسکی آفت کو نہ ٹالے اُسپر لعنت برستی ہے اور جو شخص ظلم سے پیٹا جاوے اُسکے پاس مت کھڑا ہو کہ جو کوئی اُسکے پاس رہے اور اُسپر سے ظلم دفع نہ کرے تو اُسپر لعنت برستی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

فرمایا کہ جو شخص کسی مقام میں حاضر ہو تو اُسکو نہ چاہیئے کہ بدوں حق بات کہے باز رہے اسلیئے کہ اجل سے پیشتر تو مرنیکا نہیں اور جو رزق اُسکی تقدیر میں ہے اُس سے ہرگز محروم نہ ہو گا یعنی پھر کسی خوف سے امر حق زبان پر نہ لائے اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ظالموں اور فاسقوں کے گھروں میں جانا درست نہیں ہے اور نہ اُن جگہوں میں جہاں بُری بات دیکھنے پڑے اور اُسکے بدلنے اور دور کرنے پر قادر نہ ہو کیونکہ حدیث موصوف میں فرمایا ہے کہ حاضر شخص پر لعنت برستی ہے تو جو حاضر ہو گا وہ مستحق لعنت ہو گا اور آدمی کو بدوں حاجت بری بات کا مشاہدہ جائز نہیں اس عذر سے کہ ہم تو عاجز ہیں۔ ہمارے منع کرنے سے کون مانتا ہے اور یہیں وجہ اکابر سلف میں سے کچھ لوگوں نے عزلت اختیار کی کیونکہ اُنھوں نے دیکھا کہ بازاروں اور عیدوں اور مجمعوں میں سب میں بری باتیں ہوتی ہیں اور خود اُنکے دور کرنے سے عاجز ہیں اور یہ امر چاہتا ہے کہ خلق سے علیحدگی کرنی لازم ہے اور اسیلئے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ سیاحوں نے جو اپنے مکانات اور اولاد سے مفارقت کی اُسکی وجہ یہ ہوئی کہ اُنپر وہی بلا اتری جو ہم بُھگتتے ہیں یعنی شر کو ظاہر پایا اور خیر مٹ گئی اور دیکھا کہ نصیحت گر کی بات کوئی نہیں مانتا اور فتنے برپا ہیں اور یہ خوف کیا کہ کہیں ہمکو پیش نہ آئیں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ عذاب اُن لوگوں پر نازل ہو اور اُنکے ساتھ میں ہم بھی اُس سے محفوظ نہ رہیں اور خیال کیا کہ درندوں کے ساتھ رہنا اور سبزہ کھانا اُن لوگوں کے پاس رہنے اور آسایش کے ساتھ بسر کرنے سے بہتر ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ | سو بھاگو اللہ کیطرف میں تمکو اُسکی طرف سے ڈر سناتا ہوں کھول کر

اور فرمایا کہ کچھ لوگوں نے فرار اختیار کیا اور اگر اللہ تعالیٰ نے نبوت میں کوئی راز نہ رکھا ہوتا تو ہم یہ کہتے کہ نبی اُن لوگوں سے افضل نہیں ہیں سلیئے کہ ہمکو خبر پہنچی ہے کہ فرشتے علیہم السلام اُن لوگوں سے ملاقات اور مصافحہ کرتے ہیں اور ابرا اور درندے اُنکے پاس ہو کر نکلتے ہیں اگر کوئی اُن میں سے اُن کو پکارتا ہے تو جواب دیتے ہیں اور اگر ابر و درندوں سے پوچھتے ہیں کہ تمکو کس جگہہ کا حکم ہوا ہے تو اُنکو بتا دیتے ہیں حالانکہ وہ نبی نہیں ہیں، اور حضرت ابو ہریرہ رضہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی معصیت میں حاضر ہوا اور اُسکو بُرا جانا

تو وہ ایسا ہے گویا اُسمیں نہ تھا اور جو شخص معصیت میں شریک نہ ہو مگر اُسکو اچھا جانے تو وہ
ایسا ہے گویا اُسمیں حاضر ہے اور معنی حدیث کے یہ ہیں کہ کسی ضرورت سے معصیت کی
جگہ میں حاضر ہو یا اتفاقاً معصیت اُسکے سامنے ہونے لگی ورنہ قصداً معصیت کی جگہ
میں حاضر ہونا ممنوع ہے پہلی حدیث کی دلیل سے اور حضرت ابن مسعود رضہ راوی ہیں کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھیجا ہے اُسکے حواری بھی ہوئے
ہیں پھر جسقدر خدا تعالیٰ کو منظور ہو گا اُس مدت تک نبی اپنے قوم میں رہکر اللہ تعالیٰ کی
کتاب اور حکم کی بموجب عمل کرتا رہیگا یہانتک کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اُٹھالیگا تو حواری
اللہ تعالیٰ کی کتاب اور حکم کی بموجب اور اپنے نبی کے طریق کے موافق عمل کرتے رہیں گے اور
جب وہ بھی چل بسیں گے تو اُنکے بعد ایک قوم ایسی ہوگی کہ منبروں پر چڑھکر وہ باتیں کہیں گے
جنکو جانتے ہیں اور کام وہ کرینگے جنکو نہیں جانتے الخ اور حضرت ابن مسعود رضہ نے فرمایا ہے
کہ ایک گانو کے لوگ مرتکب معاصی تھے اور اُنمیں چار شخص اُنکے اعمال کو بُرا جانتے تھے اُنمیں سے
ایک مستعد ہوا اور لوگوں سے کہا کہ تم ایسی ایسی حرکتیں کرتے ہو ان سے باز آؤ غرضکہ اُنکو منع
کرنا اور اُنکے افعال کی بُرائی کرنی شروع کی وہ لوگ اسکے اقوال کو رد کرتے رہے اور اپنے
افعال سے باز نہ آئے اُسنے اُنکو بُرا کہا اُنھوں نے اُسکو بُرا کہا آخر کو وہ اُن سے لڑا وہ لوگ اُسپر
غالب رہے پھر یہ اُن سے علٰحدہ ہو گیا اور جناب الٰہی میں عرض کیا کہ الٰہی میں نے اُنکو منع کیا
تو میری اطاعت نہ کی اور میں نے اُنکو بُرا کہا تو اُنھوں نے مجھکو بُرا کہا اور میں نے جنگ کیا
تو یہ غالب رہے یہ کہکر چلا گیا پھر دوسرا شخص اُنکے منع کرنیکو مستعد ہوا اُسکی اطاعت بھی نہ کی
اور اُسنے اُسکو سخت کہا تو اُنھوں نے بھی اُسکو سخت کہا وہ بھی یہ کہکر علٰحدہ ہو گیا کہ الٰہی میں نے
اُنکو منع کیا میرا کہنا نہ مانا اور میں نے اُنکو بُرا کہا تو اُنھوں نے مجھکو بُرا کہا اور اگر میں اُن سے لڑتا تو
یہی غالب رہتے پھر وہ بھی چلا گیا تیسرا اُٹھا اور اُسنے اُنکو منع کیا اُنھوں نے نہ مانا وہ اُن سے
علٰحدہ ہوا اور کہا کہ الٰہی میں نے اُنکو منع کیا اُنھوں نے نہ مانا اگر میں اُنکو گالی دیتا تو وہ مجھکو دیتے
اور اگر میں لڑتا تو وہ جیت جاتے پھر وہ بھی چلا گیا اور چوتھا قائم ہوا اُسنے یوں عرض کیا کہ الٰہی میں
اگر اُنکو منع کرتا تو میرا کہنا نہ مانتے اور اگر بُرا کہتا تو مجھکو بُرا کہتے اور اگر لڑائی کرتا تو غالب رہتے یہ کہکر

وہ بھی چلا گیا حضرت ابن مسعود رضہ نے فرمایا کہ چوتھا شخص اُن چاروں میں سے رتبہ میں کمتر تھا مگر تم میں اُسکی مثل بھی کم ہی ہیں اور حضرت ابن عباس رضہ فرماتے ہیں کہ کسی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا گانو تباہ ہو جاتا ہے حالانکہ اُسمیں نیک آدمی بھی ہوں آپنے فرمایا ہاں سائل نے عرض کیا کہ اسکی وجہ کیا ہے آپنے فرمایا کہ یہ وجہ ہے کہ نیک بندوں نے سستی کی اور اللہ تعالیٰ کی معصیتوں پر سکوت اختیار کیا۔ اور جابر بن عبداللہ رضہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتہ کو حکم بھیجا کہ فلاں شہر کو اُسکے باشندوں پر اُلٹا کر دو اُس فرشتہ نے عرض کیا کہ یا رب اُس بستی میں تیرا فلاں بندہ ہے جسنے تیری نافرمانی ایک لمحہ کو نہیں کی حکم ہوا کہ اُس پر اور تمام بستی والوں پر وہ طبقہ اُلٹ دے کہ اُس شخص کا چہرہ ایک ساعت کو بھی بستی والوں کی معصیت پر نہیں تمتمایا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بستی کے لوگوں کو عذاب دیا گیا جسمیں اٹھارہ ہزار وہ لوگ تھے کہ اُنکے عمل انبیاء علیہم السلام کے سے عمل تھے لوگوں نے عرض کیا کہ یا حضرت یہ کیسے ہوا آپ نے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے واسطے خفا نہیں ہوتے تھے اور اچھی بات کا امر اور بُری بات سے نہی نہ کرتے تھے۔ اور عروہ اپنے باپ سے راوی ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ یا رب تیرے بندوں میں سے تیرے نزدیک کونسا محبوب تر ہے فرمایا کہ جو کوئی میری خواہش پر ایسا جھپٹے جیسا کرگس اپنی خواہش پر جھپٹتا ہے اور جو میرے نزدیک بندوں پر ایسا عاشق ہو جیسے بچہ شیر خوار پستان پر ہوتا ہے اور جسوقت کوئی میری حرام کی ہوئی چیزوں میں داخل ہو تو وہ ایسا غصہ کرے جیسا چیتا اپنے انتقام کے لئے غضب کرتا ہے کہ جب وہ اپنے نفس کے واسطے غصہ ہوتا ہے تو یہ پرواہ نہیں کرتا کہ آدمی کم ہیں یا زیادہ۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خوف کی شدہ میں امر معروف اور نہی منکر کا بڑا ثواب ہے۔

(باقی آئندہ)

اصلاح انقلاب امت

(سلسلہ کے لئے دیکھو القاسم نمبر ۶ جلد ۹)

ایسی ہی ایک غلطی اسی قسم کی اُس عورت کے متعلق ناواقفوں کو واقع ہو رہی ہے جسمیں بوجہ حائل ہوجانے کسی ہڈی یا جلد وغیرہ کے خاص موقع پر ہم بستری کی صلاحیت نہیں ہے جسکو عربی میں رتقاء کہتے ہیں اُسکو ملحق بالرجال سمجھکر اس سے بھی نکاح کو منعقد نہیں سمجھتے یہ بھی محض غلط ہے البتہ انسان کی ایک خاص قسم ہے جس میں شبہ الحاق بالنساء کا بھی ہے اور الحاق بالرجال کا بھی اُسکو شریعت کی اصطلاح میں خنثیٰ مشکل کہتے ہیں کہ اسمیں تمام علامات ذکورۃ وانوثت کے برابر درجہ میں متعارض ہیں سو اُسکا نکاح کسی سے جائز نہیں نہ مرد سے کیونکہ شاید وہ بھی مرد ہو اور نہ عورت سے کیونکہ شاید وہ بھی عورت ہو اور نہ کسی دوسرے خنثیٰ مشکل سے کیونکہ شاید دونوں مرد ہوں یا دونوں عورت ہوں اور اس کے تمام احکام میں دونوں شبہوں کا لحاظ کر کے بیحد احتیاط کی رعایت کی گئی ہے جس سے فقہائے اسلام کی باریک بینی کا اندازہ ہوتا ہے اور فقہ میں اسکا ایک مستقل باب منعقد کیا ہے چونکہ ایسے شخص کا وجود بہت ہی نادر ہے اس لئے یہاں اُسکے احکام کا بیان ضروری نہیں سمجھا گیا - ایک صورت تحریم حلال کی بعض عوام سے سنی گئی کہ ولد الزنا کے نکاح کو بھی باطل سمجھتے ہیں سو یہ بھی غلط ہے اپنے کفو سے بھی درست ہے اور غیر کفو سے بھی جہاں کفاءت کا شرط ہونا شرعاً ضروری نہ رہے نیز درست ہے جس کی تفصیل کے لئے فقہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے ایک صورت تحلیل حرام کی عوام نے ایک اور تراش رکھی ہے یعنی جو مرد نان ونفقہ کی خبرگیری نہ کرے یا مقدور نہ رکھے اُس کے نکاح کو از خود منفسخ سمجھکر اُسکا نکاح دوسری جگہ کر دیتے ہیں اسیطرح جو عورت شوہر کے گھر سے نکلکر بدکاری کرنے لگے یا شوہر اُسکو نکالکر ایک عرصہ دراز تک اُس سے تعلق نہ رکھے اُسکو بھی نکاح سے خارج سمجھکر اسکو نکاح ثانی کی اجازت دیدیتے ہیں یہ سب بالکل غلط در غلط ہے البتہ تفریق معتبر ہیں امام شافعی رح کا مذہب ہے کہ مسلمان حاکم جسکو سلطنت سے ایسے مقدمات کا باضابطہ اختیار دیا گیا ہو اعسار کی حالت میں نکاح فسخ کردیگا اور بدوں اس شرط کے وہ بھی از خود منفسخ نہیں کہتے جیسا عوام نے غلط سمجھ رکھا ہے جسطرح مفقود کی تفریق نکاح میں امام مالک رح کے مذہب پر بھی قضاء قاضی شرط ہے جسکو بندہ نے اوپر بھی لکھا ہے کہ اس اشتراط کی کتب مالکیہ میں تصریح ہے اسوقت اُسکا پتہ بھی عرض کرتا ہوں زرقانی مالکی نے شرح موطا میں ایک ہی عبارت میں چار جگہ اسکی تصریح کی ہے بندہ کے تتمہ ثانیہ امداد الفتاوی ص۱۲۵ میں وہ عبارت بعینہ منقول ہے ضرور ملاحظہ فرمایا جاوے بہرحال حلت وحرمت میں سخت احتیاط درکار ہے ۔

یہ ضمیمہ ختم ہوا

۲۶ ربیع الاول سنہ ۱۳۴۲ھ

قواعد و ضوابط رسالہ القاسم

۱ - یہ رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے اور کسی ماہ کا رسالہ بتیس ۳۲ صفحے سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھ جاتا ہے۔

۲ - یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوتا ہے اور عام قیمت سالانہ مع محصول دو روپیہ آٹھ آنہ (عہ) پیشگی لیجاتی ہے۔ ممالک غیر سے صرف اسیقدر زیادہ لیا جائیگا جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے۔

۳ - جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچ روپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائینگے وہ رسالہ کے معاونین خاص میں شمار ہونگے۔ اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہیگی۔

۴ - سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے جملہ حضرات کی خدمت میں شروع کا (یا خریداری کا جبسے سال شروع ہو اُسکا) پہلا پرچہ ویلو بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کرکے عہ۹ کا ویلو روانہ ہوگا۔

۵ - یہ رسالہ ہرگز کبھی کسی صاحب کی خدمت میں بلا طلب و تحریک ویلو نہیں روانہ کیا جاتا۔ بعض حضرات خود طلب فرماتے ہیں اور بعض حضرات اپنے اعتماد پر دوسرونکی خدمت میں ویلو بھیجنے کی فرمایش کرتے ہیں۔

۶ - شعبان ۱۳۳۳ھ مطابق جولائی ۱۹۱۵ء سے اس رسالہ کا چھٹا سال شروع ہوا ہے۔ پہلے پانچ سالوں کی مکمل جلدیں موجود ہیں قیمت ہر جلد کی عہ۹ مع محصول ڈاک ہے۔

۷ - نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں اُنکے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کئے جائینگے جو اصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں۔

۸ - القاسم کے متعلق جملہ تحریرات و ترسیل زر بنام حضرت مدیر یا بنام خاکسار ہونی چاہئے۔

المشتہر

خاکسار **سراج احمد** عفی عنہ معتمد المدیر "رسالہ القاسم" مدرسہ اسلامیہ **دیوبند** (ضلع سہارنپور)

رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۳

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی ماہوار رسالہ

جلد ۶	بابت ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ	نمبر ۱

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

(نے)

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

(اور)

مطبع قاسمی دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھپوایا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ

(مطابق ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۶ء)

جو حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

(اور)

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

(شائع ہوتا ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(گذشتہ سے پیوستہ)

اسیطرح کے اور بھی جزوی فرق ہیں۔ جنسے مسلم وغیر مسلم اسلام وغیر اسلام کا امتیاز قائم رہے۔ اور اس امتیاز کو خود غیر مسلم کے انواع میں بھی ملحوظ رکھا گیا۔ غیر مسلم اہل کتاب ہیں یا مشرک۔ پھر انمیں منافق ہیں یا غیر منافق یعنی جو ظاہرا مسلمان ہوں اور دل میں اسلام نہو۔ بلکہ بغض اسلام ہو۔ منافق کہلاتے ہیں۔ پھر غیر مسلم اصلی ہوں یا اسلام سے پھرے ہوئے ہوں۔ ان سب کے انفرادی احکام بوجہ ان امتیازات خاصہ کے جداگانہ ہیں۔ ہم تفصیل وار ہر ایک کو اس جگہ بیان کرنے سے بالکل معذور ہیں۔

یہ حال تو طبقہ غیر مسلم کا ہے جنمیں اور مسلم میں حقیقۃً مذہب و دیانت کا تفرقہ ہے۔ رہا طبقہ مسلم جسمیں تمام اشتراکات کے ساتھ اشتراک مذہب و دیانت بھی موجود ہے۔ اسمیں بھی دیانت کے درجات متفاوت ہونیکے وجہ سے امتیازات خاصہ ہیں۔ اور ان امتیازات کے احکام جداگانہ۔ اس اشتراک نے جو طبقہ مسلم کے تمام افراد میں پایا جاتا ہے۔ مساوات کو بھی اس درجہ پر پہونچا دیا جو دوسرے طبقات میں نہیں تھا۔ لیکن ان امتیازات کی وجہ سے احکام میں انفراد بھی ہے۔

مساوات کا حال تو یہہ ہے کہ تمام مسلمانوں کو باہم بھائی قرار دیا گیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ	ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اسپر ظلم کرسکتا ہے اور نہ کسی ظالم کی سپرد کرسکتا ہے۔
المسلمون تتکافی دماءھم یسعی	مسلمان کے خون باہم مساوی ہیں۔ انکے عہد وپیمان کیلئے

بذمتهم ادناهم | انمیں کا ادنی بھی سعی کرسکتا ہے۔

عام حقوق اسلامی میں مرد عورت آقا غلام کو یکساں رکھا گیا۔ ایک مسلمان مرد یا عورت آزاد یا غلام۔ تمام مسلمانوں کیطرف سے عہد و پیماں کر سکتا ہے۔ کسیکو امن دیسکتا ہے۔ اور تمام مسلمانوں پر اُسکی پابندی لازم و واجب ہے۔ امام وسلطان کو یہ بیشک اختیار ہے کہ اگر ایسا عہد کرنا یا امن دینا مصلحت مسلمین کے خلاف ہے تو اُسکو رد کر دے اُن لوگوں کو اطلاع کردے کہ ہم اُس عہد و پیماں پر قائم نہیں ہیں۔ مگر یہ اختیار نہیں کہ باوجود اس عہد و پیماں کے بلا اطلاع خلاف عہد کچھ کر بیٹھے۔ جبتک عہد باقی ہے اُسکی پابندی واجب ہے عہد و پیمان کو توڑے یا اُس کی مدۃ و شرائط میں کچھ ترمیم کرے تو بعد اطلاع کرے۔ ایک جگہ تو حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم | اُنکے عہد کو اُسی مدۃ تک جو اُنسے ٹھیری ہے پورا کرو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علی سواء | اور اگر تمکو کسی قوم سے خیانۃ بدعہدی کا اندیشہ ہے تو عہد کو اُنکی طرف پھینکدو برابر۔

ان دونوں ارشاد سے نتیجہ نکال لیا جاوے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عورتوں نے بعض سخت دشمنانِ اسلام کو جنھوں نے حضور انور کی ذاتِ اقدس کو گزند پہونچانے اسلام کو بیخ وبن سے اوکھاڑنے میں کسر نہ رکھی تھی۔ امن دیدیا۔ اور آپ نے اُسکو معتبر رکھا۔

اور باوجود اس مساوات کے تفاوت درجات دیانت کی وجہ سے امتیاز و انفراد کا سلسلہ بھی اسیطرح جاری رہا جیسا کہ اوپر سے چلا آتا ہے۔ تفاوت درجات و دیانت کے بہت سے وجوہ ہیں۔ ایک مسلمان عالم ہو۔ دوسرا غیر عالم دونوں کا درجہ مساوی نہیں۔ عالم کا جو احترام و اکرام ہو سکتا ہے وہ غیر عالم کا نہیں۔

قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون | کہدو تم کہ کیا برابر ہوسکتے ہیں وہ لوگ جو ذی علم ہیں اور وہ جو ذی علم نہیں۔

ایک مسلمان صالح ہے۔ ایک فاسق۔ صالح مسلمان کی شہادت اسلامی عدالتوں میں معتبر قابل قبول۔ فاسق کی شہادت مردود۔

یاایہاالذین امنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجہالۃ فتصبحوا علی مافعلتم نادمین	مسلمانو اگر تمہاری پاس کوئی فاسق خبر لیکر آئے تو خوب دیکھ بھال کرو مبادا اسکی خبر پر اعتماد کرکے ناواقفی سے کسی قوم کو صدمہ پہونچادو اور پھر اپنے فعل پر نادم ہو

ایک مسلمان مظنۂ تہمت ہے دوسرا نہیں۔ دونوں کا حکم جداگانہ ہے۔ باوجود دونوں کے صالح ہونیکے مرتفع تہمت میں صالح کی شہادت معتبر نہیں رکھی جاتی۔ باپ کی شہادت بیٹے کے حق میں۔ بیٹے کی شہادت باپ کے حق میں۔ ایک مسلمان متبع سنت۔ دوسرا مبتدع دونوں کا حکم جداگانہ۔ متبع سنت کی توقیر واحترام ضروری۔ مبتدع کی تکریم واحترام حرام۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ھدم الاسلام۔	جس نے کسی بدعتی کی توقیر کی اسنے اسلام کے گرادینے میں اعانت کی۔

ایک صاحب ورع وتقوی ہے۔ جو ذرا ذرا سے شبہات اور مشتبہات سے پرہیز کرتا ہے۔ دوسرا ایسا نہیں۔ ان دونوں کا حکم جدا ہے۔ ہر ایک کے ساتھ معاملہ علیحدہ۔

پھر علم وصلاحیت کے بھی درجات ہیں۔ اور ہر ایک درجہ اپنا امتیاز کئے ہوئے ہے۔ صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین شرف صحبت میں برابر۔ سب کے سب قابل اقتدا۔

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم	میرے صحابہ ستاروں کیطرح ہیں اُن میں سے جسکا اقتدا کروگے ہدایت پاؤگے۔

مگر باایںہمہ فرق مراتب کیوجہ سے اُنکے اندر امتیازات کا لحاظ رہا ہے جناب باری عز اسمہ ارشاد فرماتے ہیں۔

لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا	جن لوگوں نے تم میں سے فتح سے پہلے راہ خدا میں مال خرچ کیا اور قتال کیا ہے برابر نہیں ہیں یہ لوگ بڑے درجہ والے ہیں ان سے جنہوں نے بعد فتح کے مال خرچ کیا اور قتال کیا۔

وکلا وعد الله الحسنیٰ | اور اللہ نے ثواب کا وعدہ سب سے کیا ہے۔

یہی وہ فرق تھا۔ جسکی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد کو جبکہ اُنمیں اور حضرت عبدالرحمن ابن عوف میں کچھ تیز کلامی ہونے لگی یہ فرماکر۔

مھلا یاخالد دع عنك اصحابی | خالد ٹھہرو۔ میرے اصحاب کو چھوڑ دو۔

روکدیا۔ خالد بھی آپ کے اصحاب میں تھے مگر اُس درجہ میں نہ تھے جسمیں عبدالرحمن ابن عوف تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب دفتر عطا قائم فرمایا۔ تو اسی فرق مراتب ودرجات کو ملحوظ رکھکر ہر ایک کیلئے اُسکے درجہ کے اندازہ سے سالانہ عطا مقرر فرمائی۔

علما میں ایک وہ ہیں۔ جو راوی حدیث یا حافظ وجامع علم ہیں۔ مگر فقیہ نہیں۔ اور پھر فقاہت کے درجات میں بھی تفاوت ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔

رب حامل فقہ غیر فقیہ۔ ورب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ۔ | بہت سے وہ لوگ ہیں جو حامل وراوی فقہ ہیں مگر خود فقیہ نہیں۔ اور بہت ایسے ہیں جو گو خود بھی فقیہ ہیں مگر اپنے سے زیادہ فقیہ کیطرف فقہ کو پہونچاتے ہیں۔

فقیہ کو غیر فقیہ پر ترجیح دیگئی۔

من یرد الله خیرا یفقھہ فی الدین | جسکے لئے اللہ تعالیٰ بھلائی چاہتا ہے اُسکو دین کی فقاہت عطا فرماتا ہے

ایک عالم درجۂ اجتہاد کو پہونچا ہوا ہے دوسرا نہیں۔

ایک ایسا شخص جو گو مسائل ضروریہ سے واقف ہے مگر درجۂ فقاہت واجتہاد نہیں رکھتا کسی واقعہ میں رائے دینے اور کسی کو مسئلہ بتلا دینے سے قابل مواخذہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ ایسا شخص صحیح مسئلہ بھی بتلا دے جب بھی قابل مدح نہیں۔ اور فقیہ ومجتہد اگر غلطی بھی کرجائے تو نہ صرف قابل درگذر ہے بلکہ اُسکو اجر وثواب ملتا ہے۔ ابوداود میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ ہم چند آدمی ایک مرتبہ سفر میں تھے ایک شخص کے سر میں پتھر لگجانے کی وجہ سے زخم ہوگیا۔ شب میں اُسکو احتلام ہوگیا۔ اُسنے دریافت کیا کہ مجھے تیمم کرلینے کی اجازت ہے یا نہیں۔ اُن لوگوں نے جواب دیا کہ ہمارے نزدیک تو اجازت نہیں۔ کیونکہ تم غسل کرسکتے ہو۔ اُسنے غسل کرلیا۔ اور یہی سبب اُسکی وفات کا ہوگیا۔ جب ہم سفر سے واپس ہوئے تو

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

قتلوہ قاتلھم اللہ الا سألوا اذ لم یعلموا انما شفاء العی السوال	ان مفتیوں نے اسکو قتل کیا۔ جب انکو معلوم نہ تھا تو کیوں نہ دریافت کرلیا۔ ناواقفی اور عدم علم کا علاج یہ ہے کہ دریافت کرلیا جائے۔

اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب قاضی یمن بنا کر بھیجا گیا۔ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم فیصلے کیونکر اور کن اصول پر کروگے۔ عرض کیا کتاب اللہ کے موافق کرونگا۔ اور جس معاملہ میں نص کتاب اللہ نہو گی تو سنت کے موافق کرونگا۔ اور جسکے متعلق سنہ میں بھی تصریح نہو گی تو اپنی رائے و اجتہاد سے فیصلہ کرونگا۔ آپ نے سنکر ارشاد فرمایا

الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ	خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے رسول و نائب کو یہ توفیق دی

اُس واقعہ میں تو یہ فرمایا کہ ان لوگوں نے اسکو قتل کیا۔ خدا انکو قتل کرے۔ حالانکہ وہ بھی صحابی تھے اور اس واقعہ میں حکم صریح سنت و کتاب کا معلوم نہونیکی وجہ سے اپنی رائے سے فتوی دینے کو کہا تھا تو اُسپر شکر ادا فرمایا۔ یہ محض اس فرق کی وجہ سے تھا کہ اُن مفتیوں میں ابھی مادہ فقاہت و شرائط اجتہاد پورے موجود نہ تھے۔ اور حضرت معاذ میں یہ امور جمع تھے۔ فقاہت فی الدین۔ و شرائط اجتہاد ہی کی بنا پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا حکم الحاکم فاجتہد فاصاب فلہ اجران واذا حکم فاخطأ فلہ اجر واحد	جب حاکم حکم کرے اور اپنی پوری کوشش صرف کرلی اور صحیح حکم دے تو اسکے لئے دوہرا اجر ہے۔ اور خطا کرے تب بھی ایک اجر ہے۔

درصورت صواب حاکم کو دو اجر ملتے ہیں۔ ایک اجتہاد کا دوسرا اصابہ حق کا۔ اور درصورت خطا فقط اجتہاد کا لیکن کب۔ جبکہ اسمیں شرائط اجتہاد موجود ہوں۔ اور اگر شرائط موجود نہوں کسی اجر کا مستحق نہیں۔ طیبی نے شرح مشکوۃ میں بذیل شرح حدیث ہذا لکھا ہے۔

وھذا فیمن کان جامعا لآلۃ الاجتہاد عارفا بالاصول۔ عالما وجوہ القیاس فاما من لم یکن محلا للاجتہاد فھو متکلف ولا یعذر بالخطاء بل یخاف	یہ ارشاد اُن لوگوں کے بارہ میں ہے جو شرائط اجتہاد کے جامع اور اصول سے واقف قیاس کے عارف ہوں اور جو اہل اجتہاد نہیں تو وہ متکلف حکم دینے والا ہے۔ وہ خطا کی حالت میں معذور نہ سمجھا جائیگا۔ بلکہ اسپر مواخذہ

علیہ الوزر اھ		اور گناہ کا اندیشہ ہے۔

اس حدیث کے اشارہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حاکم و والی خواہ اُسکی ولایت عامہ ہو یا خاصہ ہو ایسا ہونا چاہیئے جسمیں فقاہت و شرائط اجتہاد موجود ہوں۔ گو یہ شرط لازمی نہیں۔ امتیاز و دیانت اور اُسکی انفرادی احکام کی صدہا ہزارہا مثالیں ہیں جنکو ہم بیان کرسکتے ہیں مگر اصلی مقصد کی توضیح کیلئے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔

جب اشتراک و انفراد کی یہ توضیح و تفصیل معلوم ہوچکی تو اب بطور نتیجہ معروضات سابق ہم عرض کرتے ہیں کہ جو لوگ بنی آدم۔ یا اُنکے کسی ایک نوع کے معاملہ میں مساوات کلی کے مدعی ہیں۔ وہ سخت غلطی میں مبتلا ہیں۔ اول تو عقلاً ایسا نہیں ہوسکتا۔ نظام عالم اس صورت میں بالکل درہم برہم ہوجائے۔ دوسرے خود ان مدعیوں کا عمل اُنکے قول اور دعوی کی تردید کرتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اس زمانہ میں جبکہ تسویہ حقوق بنی آدم کے لمبے چوڑے دعوے کئے جاتے ہیں۔ امتیازی احکام کسقدر نمایاں ہیں۔ اُنکے طرز عمل میں۔ قوانین نظم و نسق میں۔ اصول مذہب میں اس امتیاز کو برابر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ بلکہ اسمیں ایک حد تک افراط کی نوبت آگئی ہے۔ قومیت و وطنیت کے وہ امتیازات بھی ملحوظ رکھے گئے ہیں جو کسی قانون عقلی۔ اور اقتضاء مذہب میں داخل نہیں۔ مگر اپنی شخصیت کو قائم رکھنے کیلئے اُنکا التزام ضروری سمجھا گیا یہانتک کہ ایک مذہب ایک ملت ایک قوم کے افراد ملکی لباس ملکی رسم و رواج کی پابندی کو لازم سمجھتے ہیں۔ اس سے بڑھکر سوسائٹی کے امتیازات ہیں اور جنھوں نے امتیاز کو اس حد تک پہونچا دیا کہ اشتراک و مساوات کو جڑ بنیاد سے اُکھاڑ دینا چاہا۔ اور اپنی تشخصات کے مقابلہ میں دوسروں کی ہستی کو ناپید کرنا چاہا۔ وہ تفریط کی اس حد میں پہونچ گئے۔ جسکو سخت مہلک اور نظام عالم کو برباد کرنے والا کہنا لازمی امر ہے۔ ایسی قوموں کے حالات سے تاریخیں بھری ہوئی ہیں۔ جنھوں نے اپنے ابناء جنس کو تفریحی مشاغل کیلئے۔ طعمہ سباع و بہائم بنانے کا معمول رکھا ہے اس گروہ نے صنف نساء کو اس درجہ گرایا کہ گویا وہ نسل آدم نہیں ہیں۔ حقوق میراث وغیرہ سے اُنکو محروم رکھا گیا۔ اُنکے تصرفات جائز نہ رکھے گئے شریعت اسلام نے دونوں پہلوؤں کو اعتدال سے سنبھالا ہر ایک کی حد مقرر کردی

ہر ایک کے احکام بتلا دئے۔ اشتراک کے پہلو کا اس حد تک لحاظ کیا کہ کسی موقع پر اُسکو نظر انداز نہیں کیا۔ اور امتیاز کو بقاء نظام عالم۔ و ترتیب احکام آخرۃ کیلئے لازم و واجب قرار دیا۔ اور اسی بنا پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لن یزال الناس بخیر ما تباینوا فاذا تساووا ھلکوا | آدمی ہمیشہ خیر کے ساتھ رہینگے جب تک انمیں فرق مراتب قائم رہیگا اور جب برابر ہو جائینگے تو ہلاک ہو جائینگے

یہ ارشاد بالکل اصول فطرۃ کے موافق ہے۔ اور گو لفظ تباین میں دونوں قسم کے امتیاز تمدنی و دیانتی۔ داخل ہو سکتے ہیں مگر ظاہراس سے امتیاز تمدن مراد معلوم ہوتا ہے۔ امتیاز دیانت کو ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے۔

لا فضل لاحد علی احد الا بالتقوی | کسیکو کسی پر فضیلت نہیں۔ مگر جو فضیلت ہے وہ بنا تقویٰ ہے

ظاہر ہے کہ نفی فضیلت اُن حقوق و معاملات کی نہیں۔ جنکی تفصیل ہم بیان کر چکے ہیں بلکہ دیانت کے اعتبار سے ہے۔ اور اس اعتبار میں تمام نوع بنی آدم مساوی ہیں جو فرق ہوتا ہے تقویٰ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور تقوی کی اصل بنیاد ایمان ہے اور اُسکے بعد شعبہائے ایمان سے تفوق مراتب ہوتا چلا جاتا ہے۔

دلائل عقلیہ و شرعیہ۔ عرف عام و رسوم و عادات۔ تجربہ و مشاہدات سے یہ تو ثابت ہو چکا کہ بقائے نظام عالم و ارتباط معاملات کیلئے اشتراک و انفراد دونوں کا وجود ضروری ہے۔ لیکن ابھی ایک مرحلہ اور طے کرنا باقی ہے کہ معاملات معاشرت میں کسی ایک شعبہ کے اندر یا کسی خاص موقع و مقام پر مساوات کلی ممکن ہے یا نہیں۔

اور جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں۔ بعض ممالک امریکہ وغیرہ میں جو ایک خاص مقام کے اندر اسکی رعایت کی گئی ہے کہ وہاں مساوی طبقہ کے افراد آباد ہوں یہ صورت قائم رہ سکتی ہے یا نہیں۔ سو ہم اسکو بھی طے کر دینا چاہتے ہیں۔ کسی ایک معاملہ میں مساوات حقوق و حالات و معاملات ممکن ہے۔ ہو سکتا ہے کہ چند افراد میں ایسا اشتراک قرار پائے کہ کسی کو کسی پر فوقیت یا امتیاز باقی نہ رہے۔ ایسی مساوات عقلاً بھی ممکن ہے اور وقوع بھی ہو سکتا ہے۔ انسانی طبائع میں جہاں ہر قسم کی ترقی ذہنی و عقلی کا مادہ موجود ہے وہاں فراغت و ثروت کی وجہ سے تفنن کا

شوق بھی ہوتا ہے۔ کبھی تو ضرورت اسکی داعی ہوتی ہے کہ دو یا زیادہ افراد کسی معاملہ میں مساوی شریک ہوں۔ اور کبھی تفریحی مشاغل اسکی محرک بنجاتی ہیں۔ اسکی ایسی مثال ہے جیسے ابھی چند سال کا عرصہ ہوتا ہے۔ دو نہایت قوی انجنوں کو لڑانے کا تماشا دیکھا گیا تھا ظاہر ہے کہ لاکھوں روپیہ کا خون محض ایک تفریحی مشغلہ میں کیا گیا۔

امریکہ کے جس مقام پر ایسی مساوات جاری کیگئی ہے ہمکو اُسکی پوری تفصیل معلوم نہیں کہ کن امور میں اُسکا التزام کیا گیا ہے اسلئے خاص اُسکی نسبت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اگر معلوم ہوجائے تو اپنا خیال عرض کرسکتے ہیں کہ وہ کہانتک اصول فطرۃ۔ تمدن اور معاشرت کے مطابق ہے۔ اور آیا ایسی مساوات قیام پذیر ہوسکتی ہے یا نہیں۔

مگر شریعت نے بھی ایک خاص شعبہ میں اس مساوات کی صورت ہمکو بتلائی ہے۔ شریعت کے احکام ضرورت پر مبنی ہوتے ہیں تفریح و لہو لعب کو اُسکے اندر دخل نہیں ہوتا۔ تاہم حد جواز کے اندر تفریح طبع کی بھی اجازت ہوتی ہے۔ اور کبھی تفریح خود ضرورت کے حد میں آجاتی ہیں۔ اسلئے تفنن پسند طبایع بھی اُس صورت سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔

تمدن و معاشرت کیلئے یہ بھی ضروری ہے۔ کہ چند کس میں شرکت ہو۔ شرکت کی دو قسمیں ہیں۔ شرکت املاک۔ شرکت عقود۔ شرکت املاک یہ ہے کہ کسی مملوکہ جائداد میں شرکت ہو۔ خواہ وہ وراثتاً ملی ہو۔ یا کسی دوسرے ذریعہ سے ملک میں آئی ہو۔ شرکت عقود اُسکو کہتے ہیں کہ کسی معاملہ میں خواہ عقد بیع ہو یا اجارہ۔ صنعت ہو یا زراعت شرکت کریں۔

شرکت عقود کی چار قسمیں قرار دیگئی ہیں۔ اوّل شرکت عنان۔ دوم شرکت صنائع۔ سوم شرکت وجوہ۔ چہارم شرکت معاوضہ۔ ہماری غرض اسوقت شرکت معاوضہ سے متعلق ہے اسلئے اُسی کو بیان کرتے ہیں۔

معاوضہ عوض سے مشتق ہے۔ اور اُسکے معنی مساوات کے ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

لا یصلح الناس فوضی لا سراۃ لھم
ولا سراۃ اذا جھالھم سادوا

مخلوق جبکہ مساوی درجہ خود سر ہوں کوئی اُنکا افسر سردار نہو کبھی اُنکی حالت درست نہیں رہ سکتی اور اگر کسی جاہل کو سردار بنادیں تو وہ حقیقتاً نہونیکے حکم میں ہیں (باقی آیندہ)

دامغات الاغلوطات

(مغالطوں کا سرشکن)

(گذشتہ سے پیوستہ)

پھر جب تمدن اور عقل آجاتی ہے۔ تو انسانی قوانین بھی ایک حد تک ان کی روک تھام میں مصروف ہوتے ہیں۔ لیکن ان الحکم الا للہ دیکھو کہ ان میں کہاں تک کامیابی ہوئی جریدہ عالم پر جو تفسیر منزلہ یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون (جو آئین الٰہی کے موافق فیصلے نہیں کرتے (اور پھر دنیا سے جدال و فساد نہیں مٹتا) تو بالحقیقت فیصلہ کرنے والے فاسق ہیں) کی لکھی ہوئی ہے۔ تم چشم بصیرت سے اسے پڑھو۔ اور جو کچھ کہا جا چکا ہے اس کی تصدیق کرتے رہو۔

عنوان مضمون میں جو لفظ درج کیا گیا ہے وہ بھی ان دونوں ہی تمناؤں کے حصول و فعلیت کا زمانہ میں آلہ بنا ہوا ہے۔ اور قوانین انسانی آئین شاہی جال میں انکا کوئی علاج نہیں حالانکہ تم عنقریب دیکھ لوگے کہ دنیا اس فریب کے آہنی جال میں پھنسکر کسقدر برباد و تباہ ہو رہی ہے۔ اور اگر یہی لیل و نہار ہیں۔ تو دیکھئے اس سے نجات ملتی بھی ہے یا نہیں۔ میں نے اغلوطات کا لفظ لکھا ہے جو لفظ اغلوطہ بر وزن اعجوبہ کی جمع ہے۔

جناب رسالتمآب حکیم الثقلین۔ ہادی الکونین۔ سلطان العالم والحرمین۔ صلوات اللہ علیہ وآلہ وصحبہ نے اہل دنیا کے لئے اس بے پناہ حربے کو ملاحظہ فرمایا۔ اور اپنے فرض منصبی کو انجام دیتے ہوئے ارشاد کیا تھا۔ جسکو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی۔

عن معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال نھی النبی صلے اللہ علیہ وسلم عن الاغلوطات (رواہ ابوداؤد)	حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ منع کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اغلوطات سے

مسند امام احمد بن حنبل میں بھی یہ روایت بلفظہ موجود ہے علامہ ناقد علی بن احمد بن نور الدین رحمہم اللہ اپنی کتاب سراج المنیر میں حدیث کی توثیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اسنادہ حسن۔ سراج المنیر صفحہ ۳۷۴ مطبوعہ خیریہ مصر۔ الغرض اسکی صحت میں تو کوئی کلام نہیں۔

اغلوطہ کی شرح میں علامہ علی بن سلطان الہروی رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب مرقاۃ میں لکھتے ہیں

(الاغلوطات) جمع اغلوطۃ بضم الہمزۃ واللام المسائل اللتی یغالط بہا العلماء لاشکال فیہا لما فیہا من ایذاء المسئول واظہار فضل السائل۔ انتہی۔

(مرقات صفحہ ۲۴۶ مطبوعہ مصر)

اغلوطات جمع اغلوطہ کی ہے۔ ہمزہ کو ضمہ اور لام کو بھی اُن مسائل کو کہتے ہیں۔ جسکے ذریعہ سے علماءٔ کو مغالطہ دیا جائے کسی شکل کی وجہ سے۔ اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ اس میں مسئول کو اذیت ہوتی ہے اور پوچھنے والے کو اپنی بزرگی کا اعلان منظور ہوتا ہے۔

علامہ مرحوم کی اس دقیق و جامع تشریح نے ان تمام امور کو درحاصل طے کردیا ہے۔ جسکو میں آج اپنا مقصود بناکر اس حدیث کے تحت میں لکھنا چاہتا ہوں گو بہت کم ہوں گے جو اُنکی اس بالغ نظری اور وسعت خیالی تک پہونچکر ان نتائج سے لذت یاب ہوئے ہوں۔ جسکو پیش نظر رکھکر علامہ نے یہ لفظ لکھے۔

عام طور پر اغلوطہ کے معنے لوگوں نے یہ سمجھ رکھے ہیں کہ فقہ کے یا کسی دینی علوم کے ایسے مشکل مسائل پوچھنے سے شارع علیہ السلام منع فرماتے ہیں۔ جسکے جواب میں مسئول کو بیکار جد وجہد کرنا پڑتا ہے۔ اور وہ حیرت و تعجب کے اندر مبتلا ہوکر اذیت اوٹھاتے ہیں جیسا کہ بنگال کے اندر عام رواج ہے کہ جب دیوبند کا کوئی عالم فارغ ہوکر وہاں جاتا ہے تو زیادہ تر اسکا امتحان حیرت الفقہ کے مسائل سے کیا جاتا ہے جو اپنی مشکل صورتوں کے اعتبار سے نو تعلیم یافتوں کو گرداب تعجب میں ڈالدیتے ہیں۔ اور بلا وجہ ذلت وخواری کے وہ نشانہ بن جاتے ہیں۔ یا زیادہ سے زیادہ اسکی وسعت مدرسوں اور مکتبوں کے اُن طلباء تک مانی جاتی ہے جو خوامخواہ ٹیڑھے مطالب سوچکر اُستاد کو بیکار تنگ کرتے ہیں۔ اور انکو عبث کوفت میں ڈالتے ہیں۔ یہ تحدید تنگی جو کچھ بھی اس حدیث کے متعلق قائم کیگئی ہے وہ علامہ کا لفظ علماء سے ماخوذ ہے مگر کسقدر تعجب ہے کہ اس کے بعد جو کچھ لکھا ہوا ہے دنیا اس سے غافل ہے کہ اس تخصیص وتقئید کو وہ یقینی طور پر اُڑا دیتا ہے

غور کیجیے کہ نہی کی علت بیان کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں۔

لما فیہا من ایذاء المسئول واظہار فضل السائل	کیونکہ اسمیں مسئول کو اذیت اور سائل کو اپنی بڑائی جتانی منظور ہوتی ہے۔

یہی دو اسباب ہیں جنکو علت نہی قرار دیگئی اب تم میرے ان تمام مقدمات ممہدات کو دوبارہ غور سے پڑھجاؤ جسکو میں نے ناصیہ بحث میں ثبت کیا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ اس عمر عمل ہیہ ان مجاہدات میں جو کچھ بھی ہے اندرونی جذبات کا وجود بروزی ہے۔ اور پھر یہ بھی سمجھایا تھا کہ تمام اہل الاہواء والہایات ان کے اندر برابر کے حصہ دار ہیں۔ ہاں جب موقعہ انکے ظہور کا آتا ہے تو قدرت واختیار کے اعتبار سے انکی کمیت وکیفیت بدل جاتی ہے۔ پھر جب یہ امر مسلم ہے تو تم سے کس نے کہا کہ وہ خفس بنگال کے سائلوں اور مدرسوں کے طلبا تک محدود ہے علامہ نے حسب تصریح کی "اغلوطات" سے چونکہ مسئول کو اذیت ہوتی ہے سننے والا اسکی وجہ سے تکلیف میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اور پوچھنے والیکا مقصد اس سے صرف اپنی بڑائی اور بزرگی کا اظہار ہوتا ہے تو یہ تمنا اور اُسکی خواہش تو کوئی بنگال کے صوبہ ہی میں نہیں۔ مدرسہ کی ہوا ان ہی کا تو یہ صرف اثر نہیں کہ ان کی ہی گفتگو سے سامعین ایذاء اور مشقت میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اصلی اور حقیقی اعمال کو ترک کرکے ایسے فضول ووا ہیات امور کی طرف جھک پڑتے ہیں۔
نہیں تم میرے ان اصول مقررہ کو ہاتھ میں لیکر دیکھو۔ نظر آئیگا کہ جس طرح بنگال کے کسی گاؤں کا جاہل ملا اپنے دل میں عزت وفضل کی تمنا رکھکر اس کو یوں نکالتا ہے کہ کسی نووارد عالم سے حیرت الفقہ کے مسائل دریافت کررہا ہے۔ تو اونچے ہو کر دیکھو کہ دنیا کے مسلم متمدن شہروں میں جو ایک فلاسفر "فلسفہ" کا دہشت خیز نام رکھکر حقائق الاشیاء پر بحث کررہا ہے وہ ہرگز اس بوڑھے ملا ٹھے سے زیادہ اور کوئی کام انجام نہیں دیتا۔ اگر اس ملا کی خواہش صرف اس قدر ہے کہ اپنے گاؤں والوں پر جدید مولوی کا اثر پڑے۔ اور دیہاتی بیچارے اس کے فضل کا اعتراف کرتے رہیں۔ جو کچھ مد زکوۃ وخیرات میں آتا ہے وہ صرف اسکی جیب میں آکر پڑے تو کمبرج کا پروفیسر فلسفہ بھی تو یہی چاہتا ہے کہ ان وہمی اور اختراعی دقیقہ سنکاریوں سے اپنی جگہ پہ دوسرے کو جمنے نہ دیں۔ یونیورسٹی جو ماہواری پونڈ دیتی ہے۔ اسکا حقدار کوئی دوسرا

نہ نکل پڑے۔

تم نے اس طالب علم کو تو دیکھ لیا جو اپنے اوستاد کو پیچیدہ سوالوں سے سخت تکلیف پہونچا رہا ہے اور تم نے یہ بھی سمجھ لیا کہ اس کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ کسی گمنام مدرسہ کی محدود چہار دیواری میں اسکی کلاہ شہرت پر یہ کلغی چڑھائی جاوے کہ یہ وہ ہے جس نے اُستاد کو بند کر دیا لیکن تم کس قدر غافل ہو کہ تم ذرا جھانک کر ارسطا طالیس اور امیدکلس کو نہیں دیکھتے جنہوں نے صرف اس لئے اغلوطات کا طوفان بہایا کہ کرہ ارض کے چوتھائی حصے پر انکا نام پھیل جائے۔ افسوس کہ اس طالب علم نے اگر وقت ضائع کیا تو ایک مولوی بیچارہ کا اور وہی گھنٹہ دو گھنٹے لیکن غور تو کرو کہ ان مظاہر خدع و فریب نے کتنی ہی ذکی پاکیزہ روحوں کو ان کے اصلی مقاصد حقیقی سعادات سے جدا کر کے عمر بھر کیلئے ان ہی گورکھ دھندوں میں پھنسا دیا جسکا فائدہ نہ دین میں ملیگا نہ دنیا میں۔ حاصل ہوا خسر الدنیا والاخرۃ ذلك هو الخسران المبين۔ ان خداعین اصحاب الکید والاغلاط نے مفاسد و فتن کے جتنے دروازے کھولے تمرد و سرکشی کے جتنے تخم ان کے ہاتھوں سے دلوں کی زمین پر بوئے۔ میں کیا کہوں کہ ان دروازوں سے آنیوالی ہوائیں اور ان بیجوں سے اُگنے والے درخت بنی نوع انسان کیلئے کسقدر زہریلے اور نقصان دہ ثابت ہوئے۔ حالانکہ انمیں بھی انہیں دو آرزووں میں سے کسی ایک کا یا دونوں ہی کا تسلط ہے۔ جسکو تم پڑھ آئے کہ میں نے اصل مفاسد و بناء شرور قرار دیا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ دنیا میں جو کچھ بھی جد و جہد کیجاتی ہے۔ وہ محض لذت جسمانی کے حصول یا شہرت و نام و نمود کے اکتساب کے لئے ہے۔ تمکو سمجھایا گیا تھا کہ عالم نے اس کے لئے مختلف راہیں اختیار کیں تو کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اس حزب ضلال و طائفہ مضلہ پر ان تمناؤں کا بھوت سوار نہیں۔ کیا واقعی ان کے یہ دعاوی صحیح ہیں۔ کہ وہ دنیا کی اصلاح اور قوی علمیہ کی تکمیل کیلئے کرتے ہیں جو کچھ کرتے ہیں اسکا جواب کیا دوں۔ آؤ تمہیں ان کی رخ زندگی کے چند ابھرے ہوئے خال اور زیادہ گہرے سیاہ خط دکھلاتا ہوں۔ پھر تم خود جانچنا کہ انکی تمام مساعی جمیلہ کس آرزو کے تابع اور کن تمناؤں کی محکوم تھی۔ اور پھر تم اُن کے افعال و اقوال کو دنیا کے اس مشہور معیار صداقت پر پرکھ کر دیکھ لینا جو ہمیشہ کھوٹے اور کھرے میں تمیز دینے کی ایک ہی کسوٹی مانی گئی ہے۔ ہر ایک

زمانہ میں یہ اصل سچّا تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ جس فعل یا قول پر کوئی فائدہ دینی یا دنیوی مرتب نہو وہ عبث فعل ہے جو عمل یا خیال انسان کو سعادت دنیویہ یا دینیہ سے محروم رکھے یقیناً وہ اس قابل ہے کہ انسانی مجالس میں اسکا ذکر ترک کر دیا جائے اور محافل ذوی العقول میں اسپر لعنت ونفرت کے پتھر برسائے جائیں۔

میں کسی دور کی بھی تخصیص نہیں کرونگا۔ قدیم وحدیث عہد میں جن خبیث روحوں نے ان شراروں کو عمارات انسانی میں پھیلایا ہے۔ اور ہزاروں کشت زار دماغی میں آگ لگاکر جہنم کے دروازوں تک دہکا دیا ہے۔ انمیں سے بعض خاص لوگوں کے ذکر پر قناعت کرونگا اور ان کے فریب کا طلسم انشاء اللہ حتی الوسع توڑتا جاؤنگا۔ تاکہ دُنیا کو معلوم ہو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز سے دنیا کو منع کیا تھا۔ واقعی طور پر وہ کسقدر مضر اور زہرپاش تھے۔ اور کسقدر ضرورت ہے کہ دنیا اپنے دل سے ان ساحرانہ اعمال کی وقعت کو نکال ڈالے کہ سچائی کی تصویر اس پردہ میں مستور ہوئی جاتی ہے۔ وہ جس کو دل میں رہنا چاہیئے دل سے مٹتا جاتا ہے۔ ان مقدس ہستیوں کا احترام جنکی اعتراف عظمت میں نجاح وفلاح ہے یا نجاح وفلاح انہیں کی عظمت کے ساتھ وابستہ ہے۔ آج دلوں میں ڈھونڈو سینوں میں تلاش کرو کم ملینگے۔ جنہوں نے اپنی اصلی حالت سے اسے گھٹا نہ دیا ہو۔

بہرکیف اب تم خود بنظر انصاف غور کرتے جاؤ کہ یہ جو کچھ کرتے ہیں اور کہتے ہیں مندرجہ بالا اصول پر کہانتک صحیح اُترتا ہے۔ دیکھو[۱] آج سے دو ہزار برس پہلے بلکہ اس سے بھی کچھ دن زیادہ یعنی ۳۴۲ ق م میں اسی مبدء خبث منبع شرارت یونان میں ایک مکتب پڑھانیوالے خلیفہ (معلم) کے گھر میں وہ منحوس بچہ پیدا ہوا جسکی ماں گنڈوں اور ٹوٹکوں کے ذریعہ سے بھوت جنات کو بھگانے کا دعوی کرتی تھی اور گھروں میں جاکر ناقصات العقل عورتوں سے غلے اور پیسے لیتی۔ یہی اسکی زندگی کا مدار تھا۔ اس نے اس کا نام اپی قورس رکھا۔ ایام صبا

---

[۱] ابیقورس کے ذاتی حالات یا دماغی خیالات میں نے جو کچھ بھی لکھے ہیں۔ وہ اکثر دائرۃ المعارف (عربی انسائکلوپیڈیا) سے ماخوذ و مستنبط ہیں اسنے تین سو کے قریب کتابیں لکھی ہیں۔ الحمد للہ کہ ان زہریلے جراثیم کا بیشتر حصہ ضائع ہوگیا۔ البتہ شیشرون اور دیوجانوس یونانی مورخین کی کتابوں میں ان کا ایک عظیم قطعہ موجود ہے اونیسویں صدی عیسوی میں ایک کتاب ہرکولانیوم میں مل گئی تھی اور وہ بیسک میں ۱۸۱۸ء میں مطبوع ہوچکی ہے ۱۲ منہ

تو ابیقورس نے اپنی بھیک مانگنے والی ماں کے ساتھ بسر کیا۔ لیکن جب اسنے ہوش سنبھالا اور اپنے کو اس افلاس اور مسکنت میں گرفتار پایا۔ لذائذ جسمانی سے اُسنے اپنے تمام حواس کو محروم دیکھا دوسروں کو اپنی ہی محلے میں دیکھتا کہ لوگ شامی کباب کی سیخیں اور چاولوں کی مختلف چیزیں اپنے دسترخوانوں پر چنتے ہیں۔ اور اس کی زبان بجز جوار و باجرے کے اور کچھ نہ حاصل کرسکتی تھی۔ غیر عمدہ لباس پہنتے اور اس کو گزی کا پیوندار کرتہ بھی بمشکل نصیب ہوتا۔ اسی تمنا و لذت نے سب سے پہلے اس کے اندرونہ قلب میں جگہ پیدا کی اور وہ اُٹھا۔ ماں اُسکی جسطرح دریوزہ گری کے جال میں عورتوں کو منتروں اور جھاڑ پھونک سے پھنساتی پھرتی تھی اُسکو اپنے لئے اس میدان عمل میں جو چیز قابل انتخاب نظر آئی وہ اسی کے فریب کی دوسری صورت تھی اور جو دنیا کے دماغوں پر اس سے زیادہ موثر اور کارگر ثابت ہوتی ہے۔ یونان میں ایسی درسگاہ شعبدہ کی کمی نہ تھی۔ بڑے بڑے مکار اپنی تمناؤں کو اس دماغ فریب ترکیب سے نکال رہے تھے۔

بمفلیوس کے درس فلسفہ میں یہ شریک ہوگیا۔ جب اسے ان ساحرانہ اعمال کے چند انجھ معلوم ہوگئے تو پہلے دنیا کی سیر کیلئے اپنی عمر کا پانچ سال صرف کیا۔ اخیر میں جب اسکی تقریروں اور ابلہ فریب نظریات کا عالم میں چرچا ہوچکا۔ تو اثینا کو اپنا مرکز قرار دیکر۔ ایک مدرسۂ فلسفہ کی اسنے بنیاد ڈالی سیکیں۔ نوعمر روحوں نے اس کی طرف توجہ کی۔ ان کا دماغ اسکی خرافات ابلیسانہ کا تختۂ مشق بنا۔ لوگ سمجھتے تھے وہ واقعی جیساکہ کہتا ہے کہ میں امن و اطمینان معارف و حکمت کی بشارت دنیا کو سنانا چاہتا ہوں۔ آمیں سچا ہے۔ حالانکہ ان مسکین نادانوں کو کیا معلوم کہ اس طرز عجیب سے اپنے آبائی افلاس کو مٹانا چاہتا ہے۔ اور اسی گہری چال سے اپنی ماں کا فرض کید زیادہ وسیع پیمانہ پر پھیلا رہا ہے۔ وہ اس کے ساتھ اس کوشش میں بھی تھا کہ اُس کے باپ کے دامن پر جعلی مکتب کا ایک ناپاک اور ذلیل داغ ہی کسی طرح ڈھل جائے حتی کہ اپنے بیوقوف شاگردوں کو وصیت کرتا کہ اُس کے باپ کی شرافت نسبی پر مدحیہ مناقب و قصائد تصنیف کرکے اشعار ارض میں پھیلائیں۔

اس نے سب سے پہلے یہ مقرر ابلیس کے بوسیدہ خیال اور فرسودہ توہم کو دنیا کے سامنے اس پرا سرار طریقے سے پیش کیا کہ۔

کوئی چیز عدم محض سے وجود میں نہیں آسکتی۔ ایک کمہار اگر گھڑے کا خالق ہی تو اسنے عدم بحت سے اس کو وجود کا لباس نہیں پہنایا۔ بلکہ اس سے پہلے مٹی کا ہونا ضرور ہے اگر زید آج پیدا ہوا تو نہ سمجھو کہ وہ نہ تھا اور ہو گیا بلکہ اس سے پہلے وہ ماں کے پیٹ میں علقہ اور مضغہ کی صورت رکھتا تھا اور پھر اس سے پہلے بھی وہ نطفہ کی ہئیت میں موجود تھا۔ اور اس سے پہلے وہ اپنے باپ کا خون تھا۔ اور خون بھی اس سے قبل روٹی اور گوشت کے مادہ میں موجود تھا۔ الغرض جس مرتبہ میں تم اس کو فرض کروگے اس سے قبل بھی ضرور کوئی نہ کوئی وجود رکھتا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ عدم محض سے کوئی چیز ساحتِ وجود میں نہیں آسکتی"

پہلے اس نے اس مقدمہ کی توثیق و تقریر میں جانفشانیاں کیں اور جب دنیا والوں نے اس فریب کے بت کے سامنے سر جھکا دیا تو کہنے لگا کہ۔

"جب کوئی چیز عدم سے وجود میں نہیں آسکتی تو پھر وہ خدا کہاں ہے جسکو بیوقوف لوگوں نے عالم کا فاطر اور موجد مانا ہے یاد رکھو کہ یہ محض ملایانہ ترہات ہیں۔ اور بوڑھیوں کے توہمات ہیں خدا کوئی چیز نہیں۔ بلکہ پھر جو کچھ کائنات محسوس ہے در اصل ایسے چھوٹے چھوٹے اجزاء سے ملکر وجود پرداز ہوئی ہے جسکا نام دیمقراطیس نے جواہر فردہ رکھا ہے۔ دنیا کی مثال بعینہ ایک سیپ کی ہی۔ اور وہ ذرات صغیرہ جو آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتے۔ ہاتھوں کی قوت لامسہ انکو چھو نہیں سکتی اس میں ہمیشہ ہمیشہ متحرک ہیں اسی فضا میں وہ تیر رہے ہیں۔ اور انہیں کے باہمی تعلق و امتزاج کا نتیجہ ہے۔ جو تم مختلف موجودات کو مختلف شکلوں میں پاتے ہو۔ وہ اجزاء جو ان میں زیادہ ہلکے اور عار تھے اوڑے اور آسمان پر تارے چاند آفتاب بن گئے۔ اور جو اس سے ذرا بھاری تھے ہوا کی صورۃ میں مجتمع ہو گئے اسی طرح جو اس سے بھی زیادہ ثقیل اور وزنی تھے وہ پانی کی صورۃ میں پھیل گئے اور جو ان سب میں زیادہ بھاری اور وزندار اجزاء تھے وہ بیچ میں زمین ہو کر ٹھیر گئے پھر اور بھی جو کچھ باقی ہیں وہ اسی طرح فضا میں سرگرداں ہیں آپس میں جب ملتے ہیں تو نباتات

جمادات۔ حیوانات۔ انسان۔ وغیرہ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور جب چھوٹتے ہیں تو وہی ان چیزوں کا عدم قرار پاتا ہے"۔

ابیقورس کی ان اذیت رساں زیاں فروش ہذیانوں کو تم نے سُنا صرف اسلئے کہ اُسکی وہی تمنا جو میں کہہ چکا ہوں کہ ہل جوتنے والے دیہاتی کے دل میں بھی بلا کم و کاست موجود تھی پوری کرنے کے لئے کیا کر گذرا۔ چند مغالطہ آمیز الفاظ سے اس نے خدا کا انکار کیا۔ ہوا پرستوں کو اپنا گرویدہ بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں اس جنگلی کاشتکار کو اس غوائت و ضلالت کے پیکر اتم پر ہزار درجہ ترجیح دونگا۔ کہ اگر وہ اپنے ارمان نکالنا چاہتا ہے تو دنیا کو کچھ غذا پیدا کر کے دیتا ہے۔ پھر ان سے بھی کچھ طلب کرتا ہے۔ مگر ابیقورس سے پوچھو کہ اپنی ان تمام خرعبیلات سے اسنے دنیا کو کیا دیا۔ فرض کر لو کہ عالم عدم سے نہیں نکلا تو پھر ہمیں کیا مان لیا جائے کہ عالم کی ترکیب اجزای لایتجزی سے ہوئی پھر یہ سمجھاؤ کہ اس سے میری دنیاوی زندگی کو کیا آرام پہونچا کیا ہم اس مسئلہ کی وجہ سے دس گھنٹہ کی مسافت ایک منٹ میں طے کرنے لگے۔ کیا دنیا کے صدقہ ہونیسے ہزار میل کی خبر دو سکنڈ میں پہونچانے پر قادر ہو گئے یا اس کے ذریعہ سے ہم اپنے کھانے پینے لباس سواری کے اسباب میں کوئی آسانی حاصل کر سکے! اور جب دنیاوی سعادت میں کچھ کار آمد نہیں تو

کیا جانیں ہم زمانہ کو حادث ہے یا قدیم
اپنی بلا سے کچھ ہو کہ ہیں فانیوں میں ہم

اب دیکھو اخروی سعادت پر اسکا کیا اثر پیدا ہوا۔

اسکا نظارہ تو تمھاری آنکھ کر چکی کہ یکا یک ہزاروں ہی سادہ لوحوں پر سعادت عقبیٰ کا دروازہ اس نے بند کر دیا۔ اور دوزخ کے سیاہ شعلوں کی آگ میں اُنکو ہمیشہ کے لئے جھونک دیا۔ لاکھوں ہی احمقوں کو اپنے مہربان و کریم آقا کے آستانے سے باغی کرا دیا۔ لیکن اور سنو! کہ دنیا میں اس جعلسازی کی بدولت وہ فتنہ اُٹھا۔ جسکو مورخوں نے ابکوریون[1] کے نام سے موسوم کیا ہے یہ تو وہ کیا کرتا کہ کچھ آسائش انسانی کیلئے کوئی آلہ ایجاد کرتا۔ کوئی امن و اطمینان کی صورت پیدا کرتا۔ دیکھو کہ اسکی ہم مشرب جماعت ابکوریون کس بیدردی کے ساتھ لوگوں کے گھروں کی تاخت و تاراج کر رہی ہے۔ اندھے اور لنگڑوں سے بھی روٹیاں چھین لینے میں اُنکو کوئی باک نہیں

[1] دیکھو دائرۃ المعارف صفحہ ۲۱۹ مطبوعہ بیروت حالات ابکوریون ۱۲ منہ •

مبدا و معاد

(گذشتہ سے پیوستہ)

اور حضرت ابوذر غفاری رض فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ سوائے مشرکوں کے قتال کے کوئی اور بھی جہاد ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں اے ابوبکر زمین میں اللہ تعالیٰ کے جہاد کرنے والے شہیدوں سے افضل ہیں زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں زمین پر چلتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن سے فرشتوں پر فخر کرتا ہے اور اُنکے لئے جنت ایسی آراستہ ہوتی ہے جیسے ام سلمہ رض رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آراستہ ہوئی حضرت صدیق اکبر رض نے عرض کیا کہ وہ کون ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا کہ وہ امر معروف اور نہی منکر کرنے والے اور فی اللہ محبت اور فی اللہ بغض رکھنے والے ہیں الخ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہداء میں سے خدا تعالیٰ کے نزدیک بزرگتر کونسا ہے آپ نے فرمایا کہ وہ شخص کہ ظالم بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوا اور اُسکو اچھی بات کا امر کیا اور بری بات سے منع کیا الخ اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے شہیدوں میں سے افضل وہ شخص ہے کہ ظالم امام کے سامنے کھڑا ہو کر اُسکو اچھی بات کا حکم کرے اور بری بات سے منع کرے اور وہ ظالم بھی وجہ اُسکو مار ڈالے تو اس شہید کا رتبہ جنت میں حمزہ اور جعفر رضی اللہ عنہما کے درمیان ہوگا اور حضرت عمر رض فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ بُری قوم وہ لوگ ہیں جو انصاف کا حکم نہیں کرتے اور بُری قوم وہ ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتے اور آثار اس باب میں یہ ہیں کہ حضرت ابودرداء رض فرماتے ہیں کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو۔ ورنہ خدا تعالیٰ تم پر کوئی بادشاہ ظالم مسلط کردیگا کہ وہ نہ تمھارے بڑے کی توقیر کریگا اور نہ چھوٹے پر ترس کھائیگا۔ اور تمھارے نیک بندے اُس کو

بد دعا دیں گے تو اُن کی دعا مقبول نہو گی۔ اور تم مدد مانگو گے تو مدد نہ ملیگی۔ اور استغفار کرو گے تو تمہاری مغفرت نہو گی۔ اور حضرت حذیفہ رضہ سے کسی نے پوچھا کہ زندوں میں مردہ کون شخص ہے آپ نے فرمایا کہ جو بری بات کو اپنے ہاتھ سے نہ بگاڑے اور نہ زبان سے اور دل سے برا کہے۔ اور مالک بن دینار رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے علما میں سے ایک عالم تھا کہ اُس کے مکان پر مرد و عورت جمع ہوا کرتے اور وہ اُنکو اللہ تعالیٰ کے واقعات و انتقامات جو اہل دنیا میں گذرتے رہتے ہیں سنایا کرتا۔ ایک روز اپنے کسی لڑکے کو دیکھا کہ کسی عورت پر چشمک مارتا ہے تو اُسکو کہا بس کر بیٹا بس کر۔ راوی کہتا ہے کہ وہ عالم تو تخت پر سے گر گیا اور اُسکی گردن کا مہرہ ٹوٹ گیا اور اُسکی عورت کو اسقاط ہو گیا اور اُسکے بیٹے لشکر میں مارے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسوقت کے نبی کو وحی بھیجی کہ فلاں عالم سے کہدو کہ میں تیری پشت سے صدیق کبھی پیدا نکرونگا کہ تیرا غصہ میری خاطر نہ تھا صرف اتنا ہی کہا کہ بس کر بیٹا بس کر۔ اور حضرت حذیفہ رضہ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا وقت آئیگا کہ اگر میں اون میں مردہ گدھا ہوں تو مجھکو وہ لوگ اُس ایماندار سے محبوب تر جانیں جو اونکو امر معروف اور نہی منکر کرے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السّلام کو وحی بھیجی کہ میں تیری قوم سے چالیس ہزار اچھے اور ساٹھ ہزار برے ہلاک کروں گا۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ الٰہی بد لوگ تو بُرے ہیں مگر اچھوں کا کیا قصور ہے۔ ارشاد ہوا کہ انہوں نے میرے غصہ کیلئے غصہ نہ کیا اور بدوں کے ساتھ کھانے پینے میں شریک رہے۔ اور ہلال بن سعد نے کہا ہے کہ معصیت جب پوشیدہ کیجاتی ہے تو سوا معصیت کرنے والے کے اور کسی کو ضرر نہیں کرتی۔ اور جب اعلان کے ساتھ کیجاتی ہے۔ اور اُسکو کوئی منع نہیں کرتا۔ تو عوام کو ضرر کرتی ہے۔ اور حضرت کعب احبار نے ابو مسلم خولانی سے فرمایا کہ تمھاری قوم میں تمھاری منزلت کیسی ہے۔ اُسنے کہا کہ اچھی ہے۔ فرمایا کہ توریت تو اسکے خلاف کہتی ہے پوچھا کہ کیا کہتی ہے۔ فرمایا کہ یوں کہتی ہے کہ آدمی جب امر معروف اور نہی منکر کرتا ہے تو اُسکی قوم کے نزدیک اُسکی منزلت بُری ہو جاتی ہے۔ ابو مسلم نے کہا کہ توریت سچ کہتی ہے۔ اور ابو مسلم جھوٹ کہتا ہے۔ اور حضرت ابن عمر رضہ عاملوں کے پاس جایا کرتے پھر آپ بیٹھ رہے کسی نے عرض کیا کہ اگر آپ اُن کے پاس تشریف لیجائینگے تو شاید اُن کے دل میں عیب رہیگا۔ آپنے فرمایا کہ مجھکو یہ خوف ہے کہ اگر میں کچھ بولوں تو وہ یہ جانیں گے کہ حال کچھ ہے اور قال کچھ اور اگر خاموش رہوں تو یہ

ڈر ہے کہ گنہگار نہوں تو اسکا مصداق بن رہا ہوں کہ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص امر بالمعروف سے عاجز ہو اُسپر لازم ہے کہ اُس جگہ سے دور رہے اور ایسی جگہ چلا جاوے کہ معصیت اُس کے سامنے نہو۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اول جس جہاد پر تمکو دبایا جاتا ہے وہ ہاتھوں کا جہاد ہے۔ پھر زبانوں کا۔ پھر دلوں کا۔ جب دل اچھی بات کو نہیں پہچانتا اور بری کا انکار نہیں کرتا تو اوندھا کر دیا جاتا ہے کہ اوپر کی طرف نیچے ہو جائے۔ اور سہیل بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے نفس کے سوا دوسرے پر قادر نہیں اور امر و نہی اپنی ذات کے متعلق بجالاتا ہے۔ اور دوسرے سے جو برائی ہو اُسکو دل سے برا جانتا ہے۔ تو جسقدر امر معروف اور نہی منکر اُسکو چاہیے اُسقدر بجالاتا ہے۔ اور فضیل رحمہ اللہ سے کسی نے کہا کہ تم امر معروف اور نہی منکر کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا کہ کچھ لوگوں نے امر و نہی کی اور کافر ہو گئے۔ اور اُسکی وجہ یہ کہ اُسکے عوض اونکو جو تکلیف دیگئی تو اُسپر صبر نہ کیا۔ اور حضرت ثوری رحمہ اللہ سے کسی نے کہا کہ تم امر معروف اور نہی منکر کیوں نہیں کرتے۔ آپنے فرمایا کہ جب سمندر ٹوٹ نکلے تو اُسکو بند کون لگا سکتا ہے۔ ان دلیلوں سے ظاہر ہوا کہ امر معروف اور نہی منکر واجب ہے اور اگر قدرت اُسکی بجاآوری کی ہو تو اُسکا فرض ساقط نہوگا۔ بجز اسکے کہ کوئی اُسکی بجاآوری پر قائم ہو۔ اب ہم اُسکی شروط اور اُسکے واجب ہونیکی شرطیں ذکر کرتے ہیں۔

دوسری فصل امر معروف اور نہی منکر کے ارکان و شرائط کے ذکر میں

جاننا چاہیے کہ امر معروف اور نہی منکر دونوں کو ملا کر حسبت کہتے ہیں۔ اور حسبت کے ارکان چار ہیں اول محتسب دوسرے محتسب علیہ یعنی مجرم تیسرے محتسب فیہ یعنی معصیت چوتھے خود احتساب۔ اور ان چاروں میں سے ہر ایک کے لئے جُدا جُدا شرطیں ہیں۔ رکن اول محتسب ہے۔ اُسکی شرطیں یہ ہیں کہ عاقل بالغ مسلمان قدرت رکھنے والا ہو تو ان شرطوں سے مجنون اور لڑکا اور کافر اور عاجز نکل گیا اور رعایا میں سے ہر کوئی داخل رہا گو اُسکو بادشاہ کی طرف سے اذن نہو۔ اور فاسق اور غلام اور عورت بھی اس تعریف میں داخل رہی۔ اب ہم ان شرطوں کی وجہ بیان کرتے ہیں اور نیز جن قیدوں کو ہمنے چھوڑ دیا اُن کے چھوڑنے کا باعث لکھیں گے۔ شرط اول تکلیف یعنی عاقل و بالغ

ہونا۔ اس کی وجہ تو ظاہر ہے کہ غیر مکلف پر کوئی حکم لازم نہیں۔ اور ہمنے جو شرائط لکھی ہیں اُن سے مراد شرط وجوب ہے۔ نہ شرط جواز۔ کیونکہ احتساب کا امکان اور جواز صرف عقل کا ہی مقتضی ہو اُسکو بلوغ بھی نہیں چاہئیے۔ حتی کہ لڑکا تمیز دار قریب بہ بلوغ ہرچند مکلف نہیں مگر اُس کو جائز ہے کہ بُری بات کا انکار کرے۔ اور شراب کو بہادے اور کھیل کی چیزیں توڑ ڈالے اور جب وہ یہ افعال کریگا تو ثواب پائیگا۔ اور کسی کو جائز نہیں کہ اُسکو ان افعال سے روکدے۔ یہ لحاظ کرکے کہ یہ تو مکلف نہیں۔ اسلئے کہ یہ افعال ثواب کے ہیں اور ایسا لڑکا ثواب کا اہل ہے۔ مثلاً نماز وغیرہ اور دوسرے ثواب کے کاموں کا اہل ہے۔ اور احتساب کا حکم ولایتوں کا سا نہیں ہے کہ اُس میں جواز کے لئے بھی تکلیف شرط ہو اور اسی وجہ سے ہمنے اُسکو غلام اور رعیت کے کسی فرد کے لئے ثابت رکھا ہے ہاں فعل سے منع کرتے ہیں اور بُری بات کے بگاڑنے میں ایک طرح کی ولایت اور حکومت معلوم ہوتی ہے۔ مگر یہ حکومت صرف ایمان سے حاصل ہوتی ہے۔ جیسے مشرک کا مارنا اور اُس کے اسباب کا باطل کرنا اور ہتیاروں کا چھین لینا کہ لڑکے کو بھی جائز ہے بشرطیکہ اُس سے خود اُس لڑکے کو ضرر نہو تو جب کفر سے منع کرنا درست ہوا تو فسق سے روکنا بھی ایسا ہی سمجھنا چاہئیے۔ دوسری شرط ایمان کی قید کی وجہ بھی صاف ظاہر ہے اس لئے کہ احتساب دین کی نصرت کا نام ہے تو اس کا اہل وہ شخص کیسے ہوسکتا ہے جو اصل دین کا منکر اور دشمن ہو۔ تیسری شرط عادل ہونا۔ اس کو بعض لوگوں نے شرط کیا ہے اور کہا ہے کہ فاسق کو احتساب درست نہیں اور اپنی دلیل اس باب میں ایک تو یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں اُن لوگوں پر جو کہتے ہیں اور قول کی بموجب خود نہیں کرتے وعید وارد ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہو آپ کو۔	اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم

اور فرمایا۔

بڑی بیزاری ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ بات جو نکرو۔	کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون۔

دوسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ فرمایا کہ معراج کی شب کو میرا گذر ایسے لوگوں پر ہوا جنکے لب آگ کی مقراضوں سے کاٹے جاتے تھے۔ میں نے اُنسے پوچھا کہ تم کون ہو اُنہوں نے کہا ہم امر خیر کا حکم کرتے تھے اور خود اُسکو نہیں کرتے تھے۔ اور بُری بات سے منع کیا کرتے تھے اور خود اُسکے

مرتکب ہو تے تھے۔ تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ تم اپنے نفس کو نصیحت کرو جب وہ نصیحت مان جائے تب لوگوں کو نصیحت کرو۔ ورنہ مجھسے حیا کرو۔ چوتھے دلیل بطور قیاس بیان کرتے ہیں اس طرح کہ دوسرے کا ہدایت کرنا اور راہ بتانا اسپر متفرع ہے کہ خود راہ پر ہو۔ اسی طرح غیر کا سیدھا کرنا اپنے سیدھا ہونے کی فرع ہے۔ اور درست کرنا زکوۃ ہے نصاب درستی کی تو جو شخص خود درست اور اچھا نہو گا وہ دوسرے کو کیسے درست کریگا یہ تو مثل مشہور ہے
ع۔ سایہ کے راست بود چوب چو باشد ناراست۔

اور یہ جتنی دلیلیں اونہوں نے لکھی ہیں سب خیالات ہیں۔ حق یہ ہے کہ فاسق کو احتساب جائز ہے اور اُسکی برہان یہ ہے کہ ہم یہ کہیں کہ احتساب میں کیا یہ شرط ہے کہ محتسب گناہوں سے معصوم ہو اگر یہ شرط ہو تو خلاف اجماع ہے اور نیز باب احتساب کا بالکل بند کرنا ہے۔ کیونکہ معصوم تو صحابہ رض بھی نہ تھے اوروں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ بلکہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت میں اختلاف ہے۔ اور قرآن مجید سے منسوب ہونا حضرت آدم علیہ السلام اور بعض دوسرے انبیاء علیہم السلام کا معصیت کی طرف پایا جاتا ہے۔ اور اسی لئے سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ اگر امر معروف اور نہی منکر وہی کیا کرے جسمیں کوئی گناہ نہو۔ تو کوئی بھی اس امر کی تعمیل نکر سکے گا۔ امام مالک رحمہ اللہ کو اُن کا یہ قول پسند آیا۔ اور اگر یہ کہیں کہ معصوم ہونا صغیرہ گناہوں سے مشروط نہیں یہانتک کہ حریر پہننے والے کو جائز ہے کہ زنا اور شراب خواری سے منع کرے تو ہم یہ پوچھتے ہیں کہ آیا شراب خوار کو جائز ہے کہ کفار سے مقابلہ کرے اور کفر سے منع کرنیکا احتساب اُن پر کرے۔ اگر کہیں کہ نہیں جائز ہے تو خلاف اجماع ہوگا۔ اسلئے کہ مسلمانوں کے لشکروں میں ہمیشہ نیک اور بد اور شراب خوار اور یتیموں پر ظلم کرنے والے سب قسم کے آدمی رہتے تھے۔ اُن کو اس سے ممانعت نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت مبارک میں ہوئی نہ آپکے بعد اور اگر یہ کہیں کہ شراب خوار کو کفار کا مقابلہ کرنا اور کفر کی ممانعت کا احتساب جائز ہے تو ہم یہ سوال کرینگے کہ اُسکو یہ بھی جائز ہے کہ قتل سے منع کرے اگر کہیں کہ جائز نہیں تو ہم یہ کہیں گے کہ پھر شراب خوار اور حریر پوش میں فرق بتانا چاہئے کہ حریر پوش کو جائز ہے کہ شراب سے منع کرے حالانکہ قتل شرابخواری کی نسبت کر اتنا ہی برا ہے جیسے شرابخواری حریر پوشی کی نسبت ہے تو کسی طرح کا فرق معلوم نہیں ہوتا۔ اور اگر کہیں کہ قتل سے

منع کرنا جائز ہے اور اُس کی علت یہ بیان کریں کہ جو شخص ایک گناہ کا مرتکب ہے، تو وہ اُسی جیسے گناہ اور اُس سے کم رتبہ سے منع نہیں کر سکتا۔ ہاں اُس سے زیادہ گناہ کو منع کر سکتا ہی۔ تو یہ بے دلیل ہی۔ اور زبردستی ہی کیونکہ جب یہ بعید نہیں کہ شراب خوار زنا اور قتل سے منع کرے تو ایسا ہی یہ بھی بعید نہیں کہ زانی شراب پینے سے منع کرے۔ بلکہ یہ بھی بعید نہیں کہ آدمی خود شراب پیوے اور اپنے غلاموں اور خادموں کو شراب خواری سے منع کرے۔ اور یہ کہے مجھپر نہی کو ماننا اور دوسرے کو نہی کرنا دو باتیں واجب ہیں۔ تو یہ کہاں سے لازم آیا کہ اگر میں نے ایک بات میں معصیت کی تو دوسری میں بھی خدا تعالیٰ کا عاصی ہو جاؤں۔ اور جس صورت میں کہ منع کرنا مجھپر واجب ہے تو اُسکا وجوب میرے ارتکاب کی جہت سے کیسے ساقط ہو جاویگا۔ اور واقع میں بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ یوں کہیں کہ منع کرنا شراب خواری سے اُسپر اُس وقت تک واجب ہے کہ خود شراب نہ پیوے اور اگر پی لیگا تو اُسپر سے منع کرنا ساقط ہو جاویگا۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ تمھاری تقریر سے یہ لازم آتا ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ مجھپر وضو اور نماز دونوں واجب ہیں مگر میں وضو کرتا ہوں گو نماز نہ پڑھوں اور سحر کھاتا ہوں اگرچہ روزہ نہ رکھوں۔ مستحب تو میرے لئے دونوں ہیں۔ پس اُسکا جواب یہی دوگے کہ ان دونوں میں سے ایک چیز دوسرے پر مرتب ہے۔ تو ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ غیر کا سیدھا کرنا اپنی ذات پر مرتب ہی۔ اس لئے اول اپنے نفس کی درستی چاہئے۔ پھر دوسرے کے بموجب مثل اول خویش بعدہ درویش۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ سحر کھانا روزہ کے لئے ہوتا ہے۔ اگر روزہ نہوتا تو سحر کھانا مستحب نہوتا۔ اور جو چیز کہ غیر کے لئے مطلوب ہوتی ہے وہ اُس غیر سے جدا نہیں ہوا کرتی۔ اور صورت متنازع فیہ میں غیر کی اصلاح اپنے نفس کی اصلاح کے لئے مقصود نہیں ہوتی۔ نہ اپنے نفس کی اصلاح غیر کی اصلاح کیلئے۔ تو انمیں سے جو ایک کو دوسرے پر مترتب کہتے ہو زبردستی ہے اسکی کوئی دلیل نہیں اور وضو اور نماز کے اعتراض سے اتنا ہی لازم آتا ہے کہ جو شخص وضو کرے اور نماز نہ پڑھے۔ وہ وضو کے امر کو بجا لائیگا اور اُسکا عذاب اُس شخص کی نسبت کم ہوگا۔ جو وضو اور نماز دونوں کا تارک ہوگا۔ ایسا ہی جو شخص منع کرنا اور خود باز رہنا دونوں باتیں چھوڑ دیگا اُسکو عذاب زیادہ ہوگا۔ بہ نسبت اُس کے جو دوسرے کو منع کرے۔ اور خود نہی پر کاربند نہو۔ کیونکہ وضو شرط ہے۔ بذات خود تو مقصود نہیں بلکہ نماز کے لئے مقصود ہے۔ تو بدون نماز کے اُسکا کچھ اعتبار نہیں۔ اور امر و نہی پر کاربند ہونا احتساب میں

شبہ نہیں تو ان دونوں صورتوں میں کچھ مشابہت نہیں۔ اب اگر یوں کہا جاوے کہ اس پر یہ لازم آتا ہے کہ کوئی یوں کہے کہ جب ایک مرد کسی عورت سے زبردستی زنا کرے اور وہ عورت اپنا منہ چھپائے ہوئے ہو۔ پھر اپنے آپ منہ کھولدے اور مرد عین حالت زنا میں احتساب کرے اور عورت سے کہے کہ تجھپر زنا میں تو زبردستی ہوئی مگر منہ کھولنے میں تو تو مختار تھی جو مجھ غیر محرم کے سامنے اپنے منہ کو کھولدیا یہ بُرا کیا اپنا منہ ڈھانک لے تو یہ احتساب نہایت بُرا ہے۔ ہر عاقل اسکو بُرا جانتا ہے اور ہر طبع سلیم اس سے نفرت کرتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امر حق کبھی طبیعتوں کو بُرا معلوم ہوا کرتا ہے۔ اور باطل اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اسکا لحاظ ضروری نہیں بلکہ لحاظ دلیل کا کیا جاتا ہے وہم و خیالات کی پیروی نہیں کیجاتی۔ اب ہم یہ کہتے ہیں کہ مرد کا عورت سے یہ کہنا کہ اپنا منہ مت کھول واجب ہے یا حرام یا مباح اگر تم کہو کہ واجب ہے تب تو غرض حاصل ہے اس لئے کہ منہ کھولنا غیر محرم کے سامنے معصیت ہے۔ اور اُس سے منع کرنا حق ہے اور اگر کہو کہ مباح ہے تو مرد کو امر مباح کا کہنا درست ہے پھر جو تم کہتے ہو کہ فاسق کو احتساب درست نہیں اسکے کیا معنے ہوں گے اور اگر کہو کہ حرام ہے تو ہم یہ کہینگے کہ احتساب تو واجب تھا حرام کیسے ہوگیا۔ اگر اُس شخص کے زنا کے مرتکب ہونیسے ہوا تو بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایک حرام کرنیسے دوسرا واجب حرام ہوجاوے۔ باقی رہا طبیعتوں کا نفرت کرنا اور اسکا بُرا جاننا تو اُسکی دو وجہیں ہیں۔ اول تو یہ کہ اُس مرد نے زیادہ تر ضروری چیز کو ترک کرکے اُس سے کمتر ضروری کو اختیار کیا۔ اور طبیعتیں جیسے اس بات کو بُرا جانتی ہیں کہ کوئی شخص ضروری بات کو چھوڑ کر بیفائدہ امر اختیار کرے اسی طرح اس سے بھی نفرت کرتے ہیں کہ زیادہ ضروری کو چھوڑ کر کمتر ضروری کو اختیار کرے مثلاً کوئی شخص مغصوب کھانیسے تو احتراز کرے اور ہمیشہ زنا کرتا رہے۔ تو ایسے شخص سے نفرت کیجاتی ہے یا کوئی غیبت سے بچے اور جھوٹی گواہی دیا کرے تو ایسے سے بھی نفرت کرتے ہیں۔ اسلئے کہ جھوٹی گواہی دینی غیبت کی نسبت زیادہ خراب اور سخت ہے غیبت میں تو آدمی وہی بات کہتا ہے جو دوسرے میں ہو یعنی سچ بولتا ہے بخلاف جھوٹی گواہی کے لیکن طبیعتوں کا نفرت کرنا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ ترک غیبت واجب نہیں۔ اور نہ اُس سے یہ نکلتا ہے کہ اگر آدمی غیبت کرے یا لقمہ حرام کھائے تو اس سے اُسکو عذاب زیادہ نہو گا اسی طرح آخرت میں آدمی کو اپنے گناہ سے ضرر زیادہ ہوگا۔ بہ نسبت دوسرے کے گناہ کے ضرر سے تو اپنے

نفس کی فکر نکرنی اور دوسرے کے بچاؤ میں مشغول ہونا طبیعتوں میں اس وجہ سے مکروہ ہے کہ اکثر کو چھوڑ کر کمتر کو اختیار کرتا ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص کا گھوڑا اور لگام چھن جائے اور وہ گھوڑے کو چھوڑ کر لگام کی طلب میں مشغول ہو تو طبیعتیں اس سے متنفر ہونگی۔ اور اسکو جانیں گے کہ برا کرتا ہے۔ حالانکہ اسنے کوئی بات سوائے لگام کی طلب کے نہیں کی۔ اور وہ کچھ بری بات نہیں کی۔ مگر چونکہ گھوڑے کی طلب کو چھوڑ کر لگام کی طلب میں مصروف ہوا۔ اسی جہت سے برا جانا گیا۔ کہ اہم کو چھوڑا اور اوس سے کم پر توجہ کی اسی طرح فاسق آدمی کا احتساب اسی وجہ سے بعید معلوم ہوتا ہے اور اس سے یہ نہیں پایا جاتا کہ اسکا احتساب اس جہت سے برا ہے کہ امر معروف یا نہی منکر ہے۔ دوسری وجہ فاسق کے احتساب کے برا معلوم ہونیکی یہ ہے کہ احتساب کبھی تو وعظ سے ہوتا ہے اور کبھی قہر سے۔ اور جو شخص خود اول نصیحت نہیں مانتا اُس کا زبانی وعظ مفید نہیں ہوتا اور ہم کہتے ہیں کہ جو شخص جانے کہ میرا قول احتساب میں مقبول نہو گا۔ اس وجہ سے کہ لوگ مجھکو فاسق جانتے ہیں۔ تو اُسکو احتساب وعظ سے واجب نہیں کیونکہ اُسکے وعظ میں کچھ فائدہ نہیں۔ اسلئے کہ فسق اُس کے وعظ کا فائدہ ساقط کر دیتا ہے۔ اور جب وعظ کا فائدہ ساقط ہو جاتا ہے۔ تو وجوب وعظ بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن جس صورت میں کہ احتساب منع سے ہو تو اُس سے مراد قہر ہے اور قہر کامل یہ ہے کہ غلبہ فعل اور حجت دونوں میں ہو تو جس صورت میں محتسب فاسق ہو گا۔ تو اگر وہ فعل میں غالب بھی ہو گا۔ تو حجت میں مغلوب ہو گا۔ کیونکہ اُسپر یہ اعتراض متوجہ ہو گا کہ تم اس فعل کے مرتکب کیوں ہو۔ اور اسی وجہ سے اگر وہ حجت میں دبا ہوا ہو کر فعل میں غالب ہو گا۔ تو طبیعتیں اُس کے فعل سے نفرت کرینگی۔ مگر اس سے یہ نہو گا کہ وہ فعل حق نرہے مثلاً اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو ظالم کے پنجہ سے چھوڑا دے اور اُس کا باپ جو مظلوموں میں موجود ہے اُسکو نہ چھوڑا وے تو طبیعتیں اُس سے نفرت کرتی ہیں۔ مگر یہ نہیں کہ مسلمان کا پنجہ ظالم سے چھوڑانا حق نہو تو اس سے یہ نکلا کہ فاسق پر وعظ سے احتساب اُس شخص کا واجب نہیں جسکو اُس کے فسق کا حال معلوم ہو اس لئے کہ وہ ماننے کا نہیں اور جبکہ اُسپر وعظ زبانی واجب نہیں اور یہ جانے کہ میرے کہنے سے لوگ انکار سے پیش آئیں گے۔ اور گالیاں سنائینگے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اُس کو وعظ زبانی اس صورت میں جائز بھی نہیں۔

(باقی آئندہ)

کلمۃ الحق

(گذشتہ سے پیوستہ)

مکحول کی روایت میں ہے۔

عن نافع انه رای ابن عمر فعل ذلك مرة او مرتين

نافع سے روایت ہے کہ اُنھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جمع کرتے ہوئے ایک مرتبہ یا دو مرتبہ دیکھا ہے۔

حضرت ابن عمر کو جمع صلوتین کا اتفاق ایک مرتبہ یا دو مرتبہ ہوا ہے اس روایت میں دو مرتبہ کا ہونا متردد ہے اور ایک مرتبہ ہونا یقینی ہے بہرحال مستفاد یہ ہوا کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحالت قیام مکہ مکرمہ خبر وفات اپنی زوجہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سُنی تو پریشان ہو کر مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کو چلے اور نہایت عجلت سے چلے اور ایک دن میں تین دن کا سفر پورا کیا اس سفر میں آپکو مغرب وعشا کی نماز کے جمع کرنیکا اتفاق ہوا ہے اِس واقعہ کو رواۃ مختلف الفاظ سے بیان کرتے ہیں جنکی تصریح اوراق سابقہ میں ہو چکی ہے مگر ایک روایت جو باقی رہگئی تھی اُسکو اب ملاحظہ فرمائیے۔

عن نافع وعبد الله بن واقد ان موذن ابن عمر قال الصلوة قال سر سر حتى اذا كان قبل غيوب الشفق نزل فصلى المغرب ثم انتظر حتى غاب الشفق فصلى العشاء ثم قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا عجل به امر صنع مثل الذى صنعت فسار فى ذلك اليوم والليلة مسيرة ثلث (ابوداود)

حضرت نافع وعبد اللہ بن واقد سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے موذن نے کہا کہ نماز کا وقت ہو گیا (وہ سفر میں تھے) تو اُنھوں نے فرمایا کہ ابھی چلے چلو یہانتک کہ شفق کے غائب ہونے سے پہلے اُترے اور مغرب کی نماز پڑھی پھر کچھ دیر انتظار کیا کہ شفق غایب ہو گئی تو آپ نے عشا کی نماز پڑھی اور فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی ضرورت شدید پیش آتی تھی

تو آپ بھی یوں ہی کیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس سفر میں ایک دن رات میں تین دن کی مسافت طے کی

اس روایت کی صحت میں کوئی کلام نہیں واقعہ وہی ہے اور یہ تصریح موجود ہے کہ نماز مغرب آپ نے شفق کے غائب ہونے سے پہلے پڑھی اور کچھ دیر شفق کے غائب ہونے کا انتظار کیا جب شفق غائب ہوگئی اور عشا کا وقت داخل ہوا تو آپ نے عشا کی نماز پڑھی اس روایت کے وجود کے بعد اب یہ امر یقینی ہے کہ بعض رواۃ سے غلط فہمی ہوئی کہ قبل غیوب الشفق کے لفظ کو گڑبڑ کرکے عند ذہاب الشفق یا حتیٰ غاب الشفق وغیرہ الفاظ روایت کر دئے۔ یہ روایت صحیح ہے اصول و قواعد کلیہ کے مطابق ہے دونوں نمازوں کا اُنکے اوقات میں پڑھنا مصرح ہے دوسری روایات گو من حیث الاسناد صحیح ہوں مگر قواعد کلیہ کے خلاف ہیں اسلئے ترجیح اسیکو ہونی چاہئے اس تصریح کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے موذن کو یوں سمجھانا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی ضرورت شدید پیش آیا کرتی تھی تو یوں ہی کیا کرتے تھے صاف اور قوی دلیل ہے کہ آپ کی جمع بین الصلوتین کے متعلق جو کچھ مذکور ہے اُسکی مراد یہی ہے کہ ہر نماز اپنے وقت میں ادا کی گئی۔ رواۃ سے بیان میں یا فہم میں غلطی ہوئی۔ سچ ہے الحدیث یفسر بعضہ بعضا بلاشبہ بعض روایات کی دقتیں بعض روایات سے آسان ہوجاتی ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان شافی ہے اور اس قسم کی تمام روایات کی حقیقت اور واقعیت پر کافی سے زیادہ روشنی ڈالتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جو اوراق سابقہ میں گذر چکی ہے اور جسمیں یہ مذکور ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں آفتاب غروب ہوگیا بعد غروب آفتاب مکہ سے روانہ ہوئے اور مقام سرف میں پہونچکر دونوں نمازوں کو ادا فرمایا درحقیقت مثبت جمع حقیقی نہیں۔ جب مکہ مکرمہ میں آپ مقیم ہیں ابھی روانہ نہیں ہوئے کہ آفتاب غروب ہوگیا تو لامحالہ نماز مغرب کا وقت ہوگیا تو نماز مغرب کا یہاں نہ پڑھنا بظاہر مستبعد معلوم ہوتا ہے جمع بین الصلوتین کا جو قاعدہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں مذکور ہوچکا ہے اُسکے سراسر خلاف ہے اُسکے موافق تو آپکو مکہ ہی میں مغرب و عشا پڑھکر روانہ ہوجانا چاہئے تھا اور جب کہ آپکو مکہ میں آفتاب غ

اور اسوقت دس میل کی مسافت درپیش ہے تو مغرب آپ مکہ مکرمہ میں ادا فرماتے اور عشا سرف میں پہونچکر ادا فرماتے اس صورت میں دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں ادا ہوجاتیں اس تاخیر مغرب کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی بات یہ ہے کہ راوی نے غابت لہ الشمس بمکہ کہدیا اور مراد معنی حقیقی نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ قبل غروب آفتاب آپ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوے اور سفر کی عجلت کی وجہ سے رستہ میں نماز مغرب کیلئے نہ اترے سرف میں پہونچکر دونوں نمازیں اپنے وقت میں ادا فرمائیں - جیسا کہ ابھی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصریح سے معلوم ہوچکا ہے - اس توجیہ پر اگر کسیکو یہہ خیال ہو کہ معنی حقیقی غابت لہ الشمس کے کیوں ترک کئے گئے تو جواب یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں مواقع کثیرہ میں معنی مجازی مستعمل و مراد ہیں اور معنی حقیقی متروک و مہجور ہیں اور یہاں وجہ مجاز کی ظاہر ہے کہ قیام کی حالت میں آفتاب غروب ہوجائے نماز نہ پڑھنا اور بعد کو دس میل کا سفر کرنا اور نماز مغرب کو وقت سے خارج کردینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سے بسا مستبعد ہے اور جو قاعدہ جمع کا ایک حدیث میں مقرر ہولیا ہے اسکے بھی خلاف ہے بس معنی یہ ہیں کہ آفتاب قریب غروب تھا اسکی تیزی جاتی رہی تھی دھوپ میں زردی آگئی تھی ایسے وقت آپ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے اور جسوقت آفتاب میں زردی آجاتی ہے تو اسوقت اسکو غروب کے لفظ سے تعبیر کردیتے ہیں چنانچہ حدیث میں یہ اطلاق موجود ہے کنز العمال صـ۲۲۷ جلد۴ پر مصنف عبد الرزاق سے یہ حدیث منقول ہے -

عن عبد الرحمن بن سابط ان ابا امامۃ سال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ما انت قال نبی قال الی من ارسلت قال الی الاحمر والاسود قال ای حین تکرہ الصلوۃ قال من حین تصلی الصبح حتی ترتفع الشمس قید رمح ومن حین تصفر الشمس الی غروبھا قال فای الدعاء اسمع قال شطر اللیل الآخر وادبار المکتوبات قال فمتی	عبد الرحمن بن سابط سے روایت ہے کہ حضرت ابو امامہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند سوال کیے (۱) آپ کون ہیں آپنے فرمایا کہ میں نبی ہوں (۲) آپ کس قوم کیطرف بھیجے گئے ہیں - آپنے فرمایا کہ جن و انس عرب و عجم کیطرف (۳) نماز پڑھنا کس وقت مکروہ ہے - آپنے فرمایا کہ جب تم صبح کی نماز پڑھو اسوقت سے جبتک آفتاب بقدر ایک نیزہ کے بلند ہو جاے - اور آفتاب کے زرد ہوجانے سے اسکے غروب تک (۴) کسوقت دعا

غروب الشمس قال من اول ما تصفر الشمس حین ید خلها صفرالی ان تغرب الشمس

زیادہ قبول ہوتی ہو۔ آپنے فرمایا کہ پچھلی رات میں اور فرض نمازوں کے بعد (۵) غروب شمس کب سے شمار کیا جاتا ہے آپنے فرمایا کہ شام کو جب اُسمیں زردی آنے لگے اُسکی ابتدا سے غروب تک۔

اس حدیث سے بصراحت یہ معلوم ہوگیا کہ حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آفتاب کی زردی شروع ہوجانے کو اور اسکے شام کے وقت کے تغیر کو غروب شمس سے تعبیر فرمایا معلوم ہوا کہ عرب کے استعمال اور حدیث کے اطلاق میں ایسے وقت کو غروب شمس سے تعبیر کرتے ہیں کہ جسوقت آفتاب کی تیزی جاتی رہے دھوپ ہلکی ہوجائے زردی رنگ میں آجائے۔

صحیح مسلم شریف کی دو حدیثوں کے مطالعہ سے بھی یہ مراد اور اچھی طرح واضح ہوجائیگی باب الدلیل لمن قال الصلوٰۃ الوسطیٰ ھی صلوٰۃ العصر میں یہ دو حدیثیں مروی ہیں۔

عن یحیی سمع علیا یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الاحزاب وھو قاعد علی فرضۃ من فرض الخندق شغلونا عن الصلوٰۃ الوسطیٰ حتی غربت الشمس ملأ اللہ قبورھم وبیوتھم او قال قبورھم او بطونھم نارا۔

یحییٰ سے روایت ہے اُنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سُنا وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروز جنگ احزاب جبکہ آپ خندق کے کنارہ پر ایک گھاٹی پر بیٹھے ہوئے تھے مشرکین کے حق میں یوں بددعا کی ان لوگوں نے ہمکو صلوٰۃ وسطےٰ سے روکا یہانتک کہ آفتاب غروب ہوگیا اللہ تعالیٰ ان کی قبروں اور گھروں کو یا قبروں اور شکموں کو آگ سے بھرے۔

اس حدیث میں غروب شمس کا لفظ ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب چھپنے کے وقت تک کفار نے مقاتلہ کیا اور نماز کی نوبت نہ آئی۔ اس باب کی دوسری حدیث بھی ملاحظہ ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غروب سے پہلے لڑائی کی شدت ختم ہوچکی تھی اور نماز بوجہ کراہت وقت کے نہ پڑھی گئی۔

عن عبد اللہ قال حبس المشرکون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صلوٰۃ العصر حتی احمرت الشمس او اصفرت فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملأ اللہ اجوافھم وقبورھم وحشی اللہ اجوافھم وقبورھم نارا

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مشرکین نے نماز عصر سے روکا یہانتک کہ آفتاب سرخ یا زرد ہوگیا تو آپ نے یوں بددعا کی کہ اللہ تعالیٰ انکے شکموں اور قبروں کو آگ سے بھردے۔

لباس

(گذشتہ سے پیوستہ)

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ | جسنے رسول کی اطاعت کی اُسنے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی

آپ کی اطاعت ہمپر فرض ہے بادشاہ سے لیکر فقیر تک کوئی اُس سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتا قرانِ عزیز نے آپکی فرمانبرداری کا اعلان بایں الفاظ سنایا۔

ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا | جو کچھ تمکو رسول دے اُسکو لو اور جس شے سے منع کرے اُس سے باز رہو۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم آپ کی ہدایات اور اوامر و نواہی کو تلاش کریں اور اُنکے موافق کاربند ہوں۔ آپ نے ہماری تہذیب و تربیت میں کوئی معمولی سے معمولی بات بھی نہیں ترک کی دنیا میں کوئی قوم اور دنیا کا کوئی مذہب اسکی نظیر نہیں دکھا سکتا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بعض مشرکین نے بسبیل مذاق کہا کہ آپ کے رسول آپکو پاخانہ پھرنے کی ہیئت بھی تعلیم کرتے ہیں۔ (ان عقل کے دشمنوں کی غرض یہ تھی کہ اسکی تعلیم کی کیا ضرورت تھی) اُنکے اس مذاق آمیز کلام کو سنکر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برا نہ مانا اور یوں جواب دیا کہ بیشک وہ یہ امور تعلیم فرماتے ہیں انھوں نے ہمکو فرمایا ہے کہ ہم پیشاب پاخانہ کی حالت میں قبلہ کا استقبال نہ کریں سیدھے ہاتھ سے استنجا نہ کریں استنجا کیلئے تین ڈھیلے استعمال کریں اُنمیں گوبر اور ہڈی نہو۔ اس جواب میں حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہود کی کم فہمی اور حماقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ استنجا کے متعلق بھی بہت سے امور ہیں جنکی تعلیم کی ضرورت ہے۔ الحاصل مسلم اپنے کسی فعل میں آزاد نہیں ہے اسلئے اُسکا فرض ہے کہ وہ ہر کام میں حکم شرعی کی جستجو کرے اور اُسکے موافق عمل پیرا ہو۔

ایک آیت لباس کے متعلق ابھی بیان ہوئی دوسری آیت اور ملاحظہ ہو۔

قل من حرم زینة الله التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق	اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کہدو کہ کسنے حرام کی اللہ کی زینت جو اُسنے اپنے بندوں کیلئے پیدا کی اور کسنے حرام کیا طیبات رزق کو۔

جاہلیت میں یا تو ایسی آزادی اختیار کرتے تھے کہ عبادات اور دیانت سے کوئی تعلق ہی نہ رکھتے تھے۔ بے غیرتی بے حیائی ظلم وستم فسق وفجور کفر وشرک میں مبتلا رہتے تھے اور اگر کسی کو خدا پرستی کی سوجھی تو اُنکا منتہائے پرواز یہ تھا کہ اہل دنیا سے یکسوئی کی حلال چیزوں کو حرام کرلیا عمدہ لباس کو ترک کردیا۔ ایک صومعہ میں ہو بیٹھے اور ایک مصیبت میں اپنی جان عزیز کو مبتلا کرلیا اور اس حماقت پر اپنے تئیں آسمان پر کھینچ لیا خود بھی اپنے کو برگزیدہ کہتے ہیں اور دوسرے لوگ بھی اُنکی ترک دنیا پر مٹے ہوئے ہیں۔ حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہنوز دلی دور۔ نہ انکو یہ تکلیف دی گئی تھی نہ ان باتوں کو سراہا گیا تھا کہ وہ ایسا کریں یہ اُنکی اختراعی اور من گھڑت منصوبے تھے اور بس قرآن نے ہدایت کی کہ یہ کیا حماقت ہے کہ خدا کی پیدا کی ہوئی زینت کو حرام سمجھتے ہو طیبات رزق کو ترک کرتے ہو۔ اسمیں کیا رکھا ہے آدمی ہو حقیقت کو سمجھو یہ رہبانیت جو تمنے اختیار کرلی ہے جسکی تم پرستش کرتے ہو ہمنے کب یہ حکم کیا ہے تمنے اپنے آپ ایک بت تراش لی ہے اسکو دین اور حق پرستی سے کیا علاقہ گوشہ نشینی اور یکسوئی کیسی بے ہمہ وباہمہ رہنا چاہئے۔

بزرگان اسلام نے اگر ترک تعلق کیا ہے تو اُنہوں نے محرمات کو حلال یا محللات کو اپنے نفس پر حرام نہیں کیا بلکہ فتنوں سے امن حاصل کرنے کو معاصی سے بچنے کو۔ یا اپنے نفس سرکش کا علاج کرنے کو کسی زمانہ تک تنہائی اختیار کی ہے۔ رہبانیت میں اور اس گوشہ نشینی میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ سو اگر منظور حق تعالی ہے تو ہم کبھی بضمن حالات بزرگان مبسوط لکھینگے اسلام نے بال کی کھال نکال دی۔ مسلم کو شکنجہ میں بھی کھینچدیا۔ حر بنا کر اپنا غلام بھی بنا لیا مگر نصرانیت کی رہبانیت اور جاہلیت کی گوشہ نشینی کی تعلیم نفرمائی وہ اگر اسراف کی ممانعت کرتا ہے تو اچھے کھانے اور اچھے لباس کی اجازت دیتا ہے اور شرعی قواعد کی پابندی کے ساتھ تمکو فقیری میں بادشاہی اور بادشاہی میں فقیری سکھاتا ہے۔ وہ لذائذ طعام ونفائس

لباس کو محض اباحت کے درجہ میں رکھتا ہے مسلمانوں پر انکو فرض واجب نہیں بناتا۔ اگر خدا تعالیٰ دے سب کچھ کھاؤ پیو پہنو اوڑھو بچھاؤ نہ دے تو کچھ غم نہ کرو جو ملے اُسکو غنیمت سمجھو۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیرالمومنین ہونے کے باوجود جو لباس پہنتے تھے آجکل کے بادشاہ تو کجا معمولی درجہ کا مسلمان غریب مفلس بھی شاید نہ پہنے گا ایک کورتہ میں اکیس اکیس پیوند ہوتے تھے اور وہ بھی مختلف اقسام کے کوئی کمبل کا کوئی ٹاٹ کا کوئی کسی کپڑے کا۔ شاہان دنیا کے ایلچی آتے تھے اور آپ اسی لباس میں دربار فرماتے تھے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خیال تھا وہ چاہتے تھے کہ عمدہ لباس بیش قیمت لباس آپ استعمال کریں مگر ہیبت حق جو آپ کے چہرہ سے نمایاں تھی مانع تھی کچھ عرض نہ کر سکتے تھے آخر بہت سے صلاح اور مشورہ کے بعد یہ امر طے ہوا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کریں کہ وہ آپکو سمجھائیں۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ سے فرمایا۔ مناسب ہے کہ ایک جوڑا امتیازی آپ تیار کرالیں اور وفود کی ملاقات اور دربار کی حالت میں اُسکو پہنا کریں۔ گو یہ جائز تھا مگر آپ کی نظر حقیقت پر تھی آپنے فرمایا کہ کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے۔ مجھے یہ امتیاز اور اختصاص کی باتیں پسند نہیں۔ آج ہماری یہ حالت ہے کہ پیوند کا کپڑا پہننا معیوب سمجھتے ہیں کسی مجمع میں جانا تو درکنار اور ہمارے سادات عظام کا یہ حال تھا کہ وہ مطلق پروا نہ کرتے تھے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ تعلیم فرمائی ہے کہ اے عائشہ جبتک کپڑے میں پیوند نہ لگائے اُسکو پرانا نہ سمجھ۔ ہمارے امرا اور رؤسا کو ساری عمر خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ اتفاق نہیں ہوتا کہ وہ پیوند کا کپڑا پہنیں یا اُنکو یہ حدیث معلوم ہو کہ پیوند کا کپڑا پہننا ثواب ہے۔ اور متوسط درجہ کے مسلمان معمولی مسلمان بھی پیوند کا کپڑا پہننے کو اپنی بے عزتی سمجھتے ہیں ان بیچاروں پر کیا منحصر ہے ہمارے مشائخ اور علما بھی باوجودیکہ وہ جانشین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں مگر سب نہیں تو اکثر ایسے ضرور نکلینگے کہ وہ پیوند کا کپڑا پہنکر کسی مجمع میں نہیں آسکتے اسلام نے یہ کب تعلیم کیا ہے اسلام کی منشا یہ ہے کہ ایک غریب کو اگر عمدہ بیش قیمت لباس میسر آجائے اور وہ حدود شرعی سے متجاوز نہو وہ غریب اُس کو

بے تکلف پہنے اور خلیفہ وقت کو میسر نہ آئے تو وہ ٹاٹ کا کورتہ اور گاڑھے کا تہ بند پہنکر دربار کرے اور وہ غریب جو عمدہ لباس پہنتا ہے دربار میں حاضر ہو خلیفہ اور امیر المومنین پر اسکا کچھ اثر نہو حاضرین پر کچھ اثر نہو وہ غریب اسپر اترائے نہیں اور امیر المومنین کو شرم نہ آئے دل میں کوئی شکایت نہ پیدا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے جو لباس پہنا ہے بیشک وہ لباس مسنون ہے جس لباس سے آپنے صحابہ کرام کو منع فرمایا ہے وہ ممنوع ہے۔ ہمکو ایسا لباس پہننا چاہیئے کہ جس کے استعمال سے ہم پر گرفت نہو سکے اچھا تو یہ ہے کہ ہم وہ ہی لباس پہنیں جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے پہنا ہے اور اگر یہ نہو سکے تو وہ لباس پہنیں جسکی اجازت ہے اور جو اباحت کے درجہ میں ہے۔ آیات و احادیث کی رو سے لباس کے متعلق جو قواعد ماخوذ ہوتے ہوں اُنکی پابندی کیجائے فقہا اور محدثین کی تمام نصائح کو کان لگا کر سنا جائے کیونکہ وہ درحقیقت قرآن و حدیث کی مراد سمجھنے والے تھے وہ جو کچھ سمجھے درست سمجھے۔ ہمکو اپنی طرف سے کوئی اختراع اور ابتداع نہ کرنا چاہیے۔

جو کپڑا ہم پہنیں گے وہ کوئی نہ کوئی رنگ ضرور رکھتا ہے پہننے سے پہلے ایک مسلم انسان کا فرض ہے کہ وہ یہ تحقیق کرے کہ کون کون سے رنگ ہیں جن کا استعمال جائز نہیں ہے اور اور جس کپڑے کو میں پہننا چاہتا ہوں یہ رنگ بھی جائز ہے یا نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض قسم کے رنگ کے استعمال سے منع فرمایا ہے اگر مطلقاً ہر رنگ کا استعمال درست ہوتا تو آپ یہ تکلیف گوارا کیوں فرماتے مثلاً زعفرانی رنگت کے استعمال سے آپنے مرد کو منع فرمایا ہے ایسے ہی کسم کے رنگ سے۔

اگر ایک شخص مسلم ہو کر اپنے کو مختار سمجھے اور آزادی کے ساتھ جس لباس کو اُسکا جی چاہے پہنے اسکو خوب یاد رکھنا چاہیے کہ اُسنے اپنی اسلامی کمزوری اخلاقی بدنمائی کا ثبوت پیش کر دیا اور جب وہ اپنی اس کردار پر اصرار کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے تو وہ خوب باور کرلے کہ اُسنے اسلام کے ربقۂ اطاعت کو توڑ ڈالا مسلم کے ذمہ صرف نماز و روزہ حج و زکوٰۃ ہی کی پابندی نہیں ہے مسلم کے ذمہ اُسکی یوم بلوغ سے وقت موت تک لاکھوں ذمہ داریاں ہیں۔

اشتہار

یہ بات عام طور پر مشتہر ہو چکی ہے کہ ۱۸ فروری کو لکھنؤ میں ایک جلسہ اس غرض کے لئے منعقد کیا گیا کہ اس صوبہ میں بھی ایک سرمایہ "سرمایہ خاص ممالک متحدہ" کے نام سے قایم کیا جاوے جس سے سلطنت برطانیہ کو اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں جن سے وہ اسوقت برسر جنگ ہی مزید غلبہ حاصل کرنے میں کافی مدد پہنچے۔ اس جلسہ کو اُس خواہش کا نتیجہ کہنا چاہیئے جو ممالک متحدہ کی کثیر التعداد باا ثر لوگوں نے عام طور پر ظاہر کیا۔ کہ ہمکو بھی دوسرے صوبوں کی تقلید کرنی چاہیئے اور علاوہ اُن فیاضانہ چندوں کے جو ہم بیماروں اور زخمیوں کی امداد اور اپنے اُن بھائیوں کے لئے سامان آسایش بہم پہونچانیکے لئے دے چکے ہیں۔ جو اسوقت سلطنت کے لئے دل وجان سے لڑ رہے ہیں۔ ایک ایسا سرمایہ "سرمایہ خاص ممالک متحدہ" کے نام سے قایم کرنا چاہیے جس سے کہ برٹش افواج کی بحثیت لڑنیکی کامیابی میں اعانت ہو۔ چنانچہ اس شے کی ابتدا کر دی گئی ہو اور اسوقت تک بہت سی رقوں کا وعدہ ہو چکا ہے۔ اور بہت سی رقمیں جمع ہو چکی ہیں۔ چونکہ اس بارہ میں کوئی ٹھیک ٹھیک قرار نہیں پائی تھی کہ امداد کی کونسی صورت سب سے زیادہ مناسب اور موزوں ہوگی۔ اس لئے طے پایا کہ اعلیٰ حضرت ملک معظم کی خواہشات معلوم کیجائیں۔ جناب سکریٹری آف اسٹیٹ نے اطلاع دی کہ اعلیٰ حضرت کی خواہش ہو کہ سرمایہ موٹر ایمبولنس کی (یعنی ایسی گاڑیوں کی جو بیماروں اور زخمیوں کے لانے لیجانیکے کام میں آتی ہیں) خریداری اور اُن کے ضروری اخراجات میں صرف کیجائے۔ ایک موٹر ایمبولنس ساڑھے سات ہزار روپیہ میں آتی ہو اور اُسیقدر روپیہ اُسکے ایک سال کے ضروری اخراجات کے واسطے چاہیئے۔ کل صوبہ بھر کیلئے ایک انتظامی کمیٹی قائم کیگئی اور لکھنؤ میں جو جلسہ ہوا اُس نے میری یہ عزت افزائی کی کہ میں بحیثیت صدر اس کمیٹی کا کام کروں۔ اس کمیٹی کی دو جداگانہ شاخیں صوبہ آگرہ اور صوبہ اودھ کیلئے کر دی گئی ہیں اور ہر ایک ضلع میں بھی ایک ایک کمیٹی ڈسٹرکٹ کمیٹی کے نام سے قائم کر دی گئی ہو۔ سرمایہ کی بابتہ تمام دریافت طلب باتیں افسران ضلع سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ میں یہ اپیل سارے ممالک متحدہ میں شائع کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ اس صوبہ کے لوگ جان جائیں کہ اُن سے کس غرض کے لئے چندہ مانگا جاتا ہے۔ اور تاکہ وہ اپنی فیاضانہ امداد سے اُس کام میں پہلے سے بھی زیادہ ہمدردی اور گرم جوشی کے ساتھ شریک ہوں جسمیں ہندوستان نے ابتک حصہ لیا ہی اور اب بھی لے رہا ہی۔ کسی کو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ میری قلیل رقم اتنی بڑی ضرورت کے رفع کرنے میں کیا کارآمد ہوگی۔ اب وقت آگیا ہو کہ سلطنت کا ایک ایک فرد آخری نمایاں فتح کے حاصل کرنے میں پوری پوری مدد کرے ہم جو ہندوستان میں میدان جنگ سے اسقدر دور دراز فاصلہ پر پڑے ہوئے ہیں غالباً مشکل سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہمارے بھائی سلطنت کے ہر ایک گوشہ میں اپنی جان اور اپنے مال اور وقت کی کیسی قربانیاں کر رہے ہیں ہم نے مدد دینے میں کوئی پہلوتہی نہیں کی ہے لیکن ہم ابھی اور بھی زیادہ مدد دے سکتے ہیں۔

اس سرمایہ کیلئے چندہ ڈسٹرکٹ کمیٹی میں دیا جائے۔ خواہ بنگال بنک یا الہ آباد بنک کی کسی شاخ میں داخل کیا جائے لیکن آخری صورت میں ڈسٹرکٹ کمیٹی کو اطلاع کر دینی چاہیئے تاکہ اُسکا مناسب اعتراف کیا جا سکے +

(دستخط) ہنری رچرڈس۔ نائٹ۔ کے سی۔ چیف جسٹس۔
پریسیڈنٹ کمیٹی انتظامی سرمایہ جنگ خاص۔ ممالک متحدہ۔

قواعد وضوابط رسالہ القاسم

۱۔ یہ رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے اور کسی ماہ کا رسالہ بتیس ۳۲ صفحے سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھجاتا ہے۔

۲۔ یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوتا ہے اور عام قیمت سالانہ مع محصول دو روپیہ آٹھ آنہ (عہ/ ۲ر) پیشگی لیجاتی ہے۔ ممالک غیر سے صرف اُسیقدر زیادہ لیا جائیگا۔ جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے۔

(۳) جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچروپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائینگے وہ رسالہ کے معاونین خاص میں شمار ہونگے۔ اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہیگی۔

۴۔ سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرماچکے جملہ حضرات کی خدمت میں شروع کا (یا خریداری کا جب سال شروع ہو اُسکا) پہلا پرچہ ویلو بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلیو اضافہ کرکے عہ؍۲ کا ویلو روانہ ہوگا

۵۔ یہ رسالہ ہرگز کبھی کسی صاحب کی خدمت میں بلا طلب و تحریک ویلو نہیں روانہ کیا جاتا۔ بعض حضرات خود طلب فرماتے ہیں اور بعض حضرات اپنے اعتماد پر دوسروں کی خدمت میں ویلو بھیجنے کی فرمایش کرتے ہیں۔

۶۔ شعبان ۱۳۳۵ھ مطابق جولائی ۱۹۱۷ء سے اس رسالہ کا چھٹا سال شروع ہوا ہے۔ پہلے پانچ سالوں کی مکمل جلدیں موجود ہیں قیمت ہر جلد کی عہ؍۲ مع محصول ڈاک ہے۔

۷۔ نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں اُنکے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کئے جائینگے جو اصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں

۸۔ القاسم کے متعلق جملہ تحریرات و ترسیل زر بنام حضرت مدیر یا بنام خاکسار ہونی چاہئے

المشتہر

خاکسار سراج احمد عفی عنہ معتمد المدیر "رسالہ القاسم" مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

(رجسٹرڈ نمبر ا ۵۲۳)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

قیمت سالانہ

محصول

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی ماہوار رسالہ

نمبر ۱۱	بابت ماہ جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۳۴ھ	جلد ۶

خاکسار حبیب الرحمٰن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

مطبع قاسمی دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھپوایا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ جمادی الثانیہ ۱۳۳۴ھ

(مطابق ماہ مئی ۱۹۱۶ء)

جو حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

(اور)

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

(شائع ہوتا ہے)

(*)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(گذشتہ سے پیوستہ)

اُسکی صورت یہ ہے کہ دو شخص باہم اس طرح شریک ہوجائیں کہ جو کچھ مال ہم میں سے کسی کے پاس ہو اُسمیں مساوی طرح شریک رہیں جو کوئی تصرف یا معاملہ ہم میں سے کوئی کرلے تو اُسمیں برابر کے حصہ دار رہیں گے۔ جو دین قرض کسی کے ذمہ عائد ہو اُسکے ذمہ دار دونوں مساوی درجہ کے ہونگے۔

یہ شرکت چونکہ بہت سے معاملات کو اپنے اندر لئے ہوتے ہے جنمیں سے بہت سے ابھی مجہول ہیں اسوجہ سے امام شافعی صاحب اور دوسرے ائمہ مجتہدین نے اسکو جائز نہیں رکھا۔ مگر امام ابو حنیفہ نے۔

(جنکی نظر دقیق اور اصول شریعت کو زیادہ محیط و وسیع ہے۔ ضروریات و مقتضیات حوادث و واقعات کا بھی علم زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قبل نزول حوادث آپ نے محض احتمال وقوع پر سوالات قائم کرکے اُنکے احکام مدون کردیئے۔ اور یہ وہی منقبت ہے جسکو ائمہ مجتہدین نے تسلیم کرلیا ہے۔ چنانچہ امام احمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کیلئے تین چوتھائی علم کو سب تسلیم کرچکے ہیں۔ ایک ربع میں اُنکا اور دوسرے ائمہ کا اختلاف ہے، جسمیں کسی جانب فیصلہ یقینی نہیں ہے۔ علم کے دو حصے ہیں۔ سوال و جواب۔ نصف علم تو یوں اُنکے لئے تسلیم ہوچکا کہ سوالات اُنھوں نے قائم فرمائے۔ رہا دوسرا نصف یعنی جوابات اُسمیں سے ایک نصف کو ساری دنیا مانتی ہے کہ صحیح ہیں۔ ایک نصف میں اختلاف رہا)

اس شرکت کو شرعاً جائز بتلایا اور قواعد شرع پر منطبق کرکے بتلادیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو معاملات اسمیں اسوقت مجہول الحال ہیں اُن سے یہ شرکت فاسد نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اس قسم کی مجہولیت کا

بعًا تحمل کرلیا جاتا ہے جیساکہ مضاربۃ وغیرہ میں۔

اس شرکت کے اندر چونکہ مال اور تصرف اور دین میں مساوات ہونا شرط ہے۔ اسلئے یہ بھی ضرور ہے کہ ہر دو شریک تصرفات میں ایک درجہ کے ہوں۔ یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک تصرفات کرسکتا ہے دوسرا نہیں کرسکتا۔ یا ایک کے تصرفات کا دائرہ وسیع ہے دوسرے کا ناقص۔ اسی وجہ سے آزاد و غلام۔ بالغ و نابالغ میں اس قسم کی شرکت نہیں ہوسکتی۔ اور اسیطرح اسکے بہت سے شرائط و قوانین ہیں۔ مگر ہم اُنکی بسط و تفصیل سے اسوقت معذور ہیں۔ صرف اسقدر بتلا دینا منظور تھا کہ شریعت نے بھی بعض ایسی مساوات کی صورتیں قائم کردی ہیں۔

نتیجہ اس شرکت کا ظاہر ہے کہ جب کوئی ہر دو شرکا میں سے کوئی معاملہ کریگا۔ دوسرا اُسمیں شریک سمجھا جائیگا۔ جو مال ایک کے پاس ہے دوسرا اُسمیں آدھے کا شریک ہوگا۔ جو نقصان تجارت یا کسی معاملہ میں ایک کو پہونچیگا دوسرا بھی اُسمیں شریک ہوگا علی ہذا جس کسی کے ذمہ جتنا قرض ہے یا عائد ہو۔ اُسمیں بھی دوسرا حصہ دار ہے۔

ایسی مساوات گو عقلاً ممکن ہے۔ شرعاً جائز ہے۔ مگر باعتبار وقوع کے سخت دشوار ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ کتنے لوگ ہیں جنھوں نے اسپر عمل کیا ہے۔ اور کیا ہے تو کہاں تک اُسکو نبھا سکے ہیں۔ ہم کو آجتک علم نہیں کہ کبھی ایسی شرکت ہوئی ہو کتابوں میں لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اُسکے قواعد و شرائط پڑھے ہیں۔ مگر نہ خود عمل کیا نہ کسیکو کرتے دیکھا۔ جب ایک عقد شرکت میں یہ حال ہے تو اس پر اُس مساوات کو خیال کرلیں جو بہت معاملات میں مساوات کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے مساوات کے بارہ میں ہمنے جو کچھ عرض کیا۔ اہل فہم کیلئے اُسکی حقیقت اُسکے حدود اُسکے احکام سمجھنے کیلئے کافی ہے۔ اب ہم مسئلہ حریت کو شروع کرتے ہیں واللہ الموفق۔

مسئلہ حرّیۃ

مسئلہ حریت بھی مساوات ہی کا ایک شعبہ ہے اور اُسپر متفرع ہے اسلئے ہمنے مساوات کی تحقیق کے بعد اُسکا لکھنا مناسب سمجھا حریت کے معنی آزادی اخلاق و ملکات معائب و رذائل سے پاکیزگی و صفائی کے ہیں۔ اور انہیں اعتبارات سے اُس کا اطلاق کبھی بمقابلہ عبدیت

وغلامی کے ہوتا ہے۔ اور کبھی بمقابلہ دناءۃ ورذالت کے۔ حُر بولتے ہیں اور وہ شخص مراد ہوتا ہے جسکی ذات آزاد ہو۔ غلامی کی قید میں مقید نہو۔ اور کبھی حُر بولتے ہیں اور وہ شخص مراد لیتے ہیں جو شریف النفس ہو۔ کریم الاخلاق ہو۔ اور اسی معنی کو لحاظ رکھتے ہوئے انسان کے چہرہ کو بھی حر کہتے ہیں۔

حُریت کی تین قسمیں ہیں۔ حریۃ ذات۔ حریۃ صفات۔ حریۃ معاملات۔

حریۃ ذات تو یہ ہے کہ انسان اصل خلقت سے آزاد پیدا کیا گیا ہے۔ ابتداء پیدایش سے وہ خلافت خداوندی کی حیثیت سے خود تمام مافی الارض کی ملکیت وتصرفات کا استحقاق وقابلیت رکھتا ہے۔ کسیکو اُسپر ملکیت کا حق نہیں ہے۔ وہ اپنی ذات ومنافع ذات کا مالک ومتصرف ہے یہ حالت اگر اُسکی آخر تک یونہی موجود رہی تو حریت ذات قائم وباقی ہے اگر اُسکی یہ حالت باقی نہ رہی تو حریت ذات مفقود ہو کر بجائے اُسکے غلامی آگئی۔

حریۃ صفات یہ ہے کہ اُسکا نفس مکارم اخلاق سے مزین ہو۔ اُسمیں وہ اخلاق نہوں جو انسان کو داغدار بناکر درجہ بہیمیت تک پہونچا دیتے ہیں۔ مکارم اخلاق میں۔ حیا مروۃ شجاعت سخاوت۔ عدل وانصاف رحم وحلم سب ہی داخل ہیں۔ رذائل نفسانی میں ان اخلاق کے اضداد ظلم وستم۔ بیحیائی وبے مروتی۔ بزدلی وبخل وغیرہ داخل ہیں۔

حریۃ معاملات یہ ہے کہ جو استحقاق تصرفات مالکانہ کا منجانب اللہ اُسکو عطا ہوا تھا وہ اُسی حال اور اُسی طرز پر باقی ہے زائل نہیں ہوا۔

حریۃ کی ہرسہ اقسام کے متعلق چند امور قابل بحث وتحقیق ہیں۔

(۱) یہ حریۃ اُسکو کہاں سے عطا ہوئی (۲) اس حریۃ کی حفاظت کا حق اُسکو کس حد تک ہے (۳) اسکے استعمال کے کیا طریقے اور کیا حدود ہیں (۴) اس حریۃ کے زوال یا نقص کی کسقدر صورتیں ہیں (۵) عقل وعرف یا دیانۃ ومذہب کے اعتبار سے اِن حریتوں کا سلب وزوال ممکن ہے یا نہیں ہے تو کہاں تک۔ اور وہ محمود ہے یا مذموم۔

امر اول انسان کو ہرسہ قسم کی حریتیں اُسکے خالق ومالک کیطرف سے عطا ہوئی ہیں۔ خداوند عالم نے انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ۔ جانشین وقایم مقام بناکر بھیجا ہے۔ زمین کی حکومت۔

اُسکی ہر چیز میں حق ملکیت وتصرف اُسکو عطا فرمایا ہے جو حق ملکیت وتصرفات خداوند عالم کو تمام
مافی الارض پر تھا وہی حق بحیثیت خلافت انسان کو حاصل ہے۔

انی جاعل فی الارض خلیفہ	میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ بنانیوالا ہوں۔

اسکی دلیل شرعی موجود ہے۔ اور انسان کے تصرفات کل مخلوقات پر اُسکی عقلی و عرفی دلیل ہیں
اِنسان خود اپنے خالق کا مملوک بیشک ہے۔ جیسے کہ اور مخلوقات ہیں۔ مگر باعتبار باقی اجزاے
علم کے وہ آزاد حر ہے کسیکو اُسپر باعتبار اصل فطرۃ حق ملکیت نہیں ہے۔ ذات بھی اُسکی آزاد ہے
اور معاملات میں بھی وہ آزاد ہے۔

اَنسان باعتبار اصل فطرۃ و خمیر کے مظہر صفات کمالیہ الہیہ پیدا کیا گیا ہے۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم	انسان کو ہمنے اچھی بہانہ صورت پر پیدا کیا
ارشاد خداوندی ہے اور۔	
خلق اللہ ادم علی صورتہ	اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت شکل پر یا اُن کی صورت پر جو نوع انسان کے لئے مناسب تھے پیدا کیا۔

ارشاد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور اس اعتبار سے اُسکے فطری و روحانی اخلاق
بھی تمام رذائل نفسانی سے آزاد پیدا کئے گئے۔ لیکن چونکہ وہ دار بلا میں ابتلاء و آزمایش کیلئے
پیدا کیا گیا ہے۔

لیبلوکم ایکم احسن عملا ۔	تاکہ اللہ تعالیٰ آزمایش کرے کہ تم میں سے کون اچھے عمل والا ہے

اسلئے اُسمیں اُس شائبہ ناری کے آثار بھی ظاہر ہوئے جسکی طرف ارشاد ذیل میں اشارہ ہے

ثم رددناہ اسفل سافلین الا الذین	پھر کیا ہم نے اسکو اہل نار سے مگر وہ لوگ جو ایمان
امنوا و عملوا الصلحت	لائے اور اچھے عمل کئے۔

خداوند عالم نے اپنے بالغ و محکم حکمت کی بنا پر انسان کے اصلی اخلاق کے ساتھ دوسرے اوصاف
بھی رکھدئے جو اُنکی مزاحمت کرتے ہیں۔ اور اُسکو موقع دیتے ہیں کہ وہ اپنی عقل سے روحانی و نفسانی
اخلاق و ملکات میں مقابلہ کے وقت روحانی اخلاق کو غالب رکھے۔ رذائل نفسانی کو زائل کرنیکی
فکر کرے اور الا الذین امنوا و عملوا الصلحت کے استثنا میں داخل ہو۔

امر دوم جو حریت و آزادی انسان کو درگاہ رب العزت سے عطا ہوئی ہے اُسکی حفاظت انسان کی

ذمہ لازم و واجب قرار دیگئی ہے۔

انسان اگر اُسکی حفاظت میں کمی کرے دُنیا میں ذلیل و خوار سمجھا جاتا ہے اور آخرت میں قابل دار و گیر۔ یہی وجہ ہے کہ انسان اپنی حفاظت میں مارا جائے تو اُسکو دیانۃً و مذہبًا شہید کا اجر ملتا ہے۔ اپنی آبرو کے تحفظ میں قتل ہوجائے تب بھی شہید ہے۔ اپنے مال کے بچانے کیلئے جان دیدے تب بھی۔

اگر خود اپنے جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت نہ کرے تو تمام دنیا اُسکو بزدل۔ بے حیا بے مروّ وغیرہ القاب سے یاد کرتی ہے۔ ابنائے جنس ہم وطن ہم قوم سب ہی میں ذلت و خواری کے ساتھ رہتا ہے۔ برخلاف اسکے اگر دوسری صورت ہوئی تو اُسکی عزت و عظمت کا ڈنکا بج جاتا ہے۔ یہ کیوں صرف اسلئے کہ اُس نے اپنا فرض ادا کیا۔ یہ حال تو عقل و عرف کے اعتبار سے ہے دیانت و مذہب نے اِسکا فیصلہ اسطرح کر دیا ہے۔

من قتل دون نفسہ فھو شہید من قتل دون عرضہ فھو شہید۔ من قتل دون مالہ فھو شہید۔	جو شخص اپنی جان کی حفاظت میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے اور جو اپنی آبرو کی حفاظت میں مارا جاوے وہ بھی شہید ہے اسیطرح جو اپنے مال کو بچانے کیلئے قتل ہوجاوے وہ بھی شہید ہے

انسان کو اپنی ذات و معاملات۔ حرمت و عزت کی حفاظت جیسے کہ دوسرے کی بابت سے ضروری ہے خود اپنے اعتبار سے بھی ایسی ہے۔ اپنی جان کو ہلاک کر ڈالے۔ تو گناہ کبیرہ ہے۔ قاتل نفس مستحق عذاب جہنم ہے۔ خود ایسے افعال و اخلاق کا مرتکب ہوا اور اپنی ہی ملکیت کے اندر اپنی ذات کیلئے اُن اخلاق کا استعمال کرے تب بھی عرفًا۔ عقلًا۔ شرعًا اُسکو اِسکا اختیار نہیں دیا گیا وہ اب بھی اسیطرح قابل نفرین ہوتا ہے۔ جیساکہ صورۃ اول میں۔

علیٰ ہذا اپنے اموال و معاملات کو اپنے ہاتھ سے اپنے اختیار سے تباہ کردے تب بھی مجرم فاسق۔ مسرف۔ مبذر۔ اخوان شیاطین۔ وغیرہ خطابات سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ بلکہ صورت اولی میں جبکہ کسی دوسرے کیطرف سے جان و مال وغیرہ آبرو کو گزند پہونچ جائے۔ یہ شخص عدم حفاظت یا کوتاہی حفاظت میں معذور بھی سمجھا جاتا ہے۔ مگر صورۃ ثانیہ میں معذور نہیں سمجھا جاتا۔

امر سوم۔ انسان اپنی ذات کا اور اپنی ذات کے منافع کا مالک ہے۔ اخلاق و صفات

تابع ذات ہیں۔ وہ بھی اُسکے اختیاری ہیں اس اعتبار سے تو اختیاری نہیں کہ وہ اپنے اندر جس خلق یا جس ملکہ کو چاہے پیدا کر سکے۔ یہ تو صرف خداوند عالم کے اختیار میں ہے۔ جسطرح ذات انسانی کی خلقت اُسکے اختیار میں نہیں ہے اسیطرح صفات واخلاق کی خلقت بھی اُسکے اختیار میں نہیں ہے۔ ہاں جسطرح ذات کے اندر اُسکو یہ تصرفات دئے گئے ہیں کہ وہ حسن جمیل بناکر خلقی قبح اور کراہت منظر کی ایک حد تک تلافی کرسکتا ہے۔ اسیطرح نفسانی رذائل کو مستور و مغلوب کرنے روحانی اخلاق کو تفوق و امتیاز دینے کا اختیار بیشک اُسکو دیا گیا ہے۔ یہی مراد ہماری صفات واخلاق کے اختیاری ہونے سے ہے۔

معاملات میں اُسکو اختیار کلی ہے۔

لیکن باوجود اس اختیار وحریت تامہ کے جو اُسکو اپنی ذات وصفات اور معاملات میں حاصل ہے اس اختیار کیلئے حدود مقرر ہیں۔ استعمال کے طریقے بتلا دئے گئے ہیں۔ عقل وعرف نے بھی اُسکو مطلقاً آزاد نہیں رکھا۔ اور دیانت و مذہب نے بھی۔

دیکھئے وہ اپنی ذات کا مالک ہے مگر اپنی جان کے ہلاک کرنے کا اُسکو اختیار نہیں۔ اپنی جان کو کسی کے ہاتھ فروخت کرنے کا مجاز نہیں۔ علیٰ ہذا منافع ذات کا مالک ہے۔ کسی کا اجیر ملازم بنکر رہ سکتا ہے۔ اور اپنی ذات کے منافع کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرسکتا ہے۔ لیکن یہہ اختیار بھی اُسکا کلی اور مطلق نہیں۔ کسی کی ملازمت یا اجرت ایسے مذموم افعال کیلئے کرنا جو تمام اہل دنیا کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں۔ عقلاً و عرفاً سخت شرمناک مذموم و معیوب ہے۔ عقل وعرف نے اوسکے حدود و طریقے معین کردئے ہیں۔ زنا و لواطت کی اُجرت و ملازمت کو شاید دنیا کا کوئی ذلیل ترین فرد بھی پسند کرتا ہو۔ حالانکہ عورت و مرد کے تعلقات وہ ہیں کہ نسل انسانی کا مدار انھیں پر ہے۔ اور دنیا کی تمام راحتوں سے بڑھکر اس تعلق میں راحت ہے۔ مگر کوئی عاقل تجویز نہیں کرسکتا کہ انسان اسمیں آزاد مطلق الاختیار رہے۔

دیانت و مذہب نے ذات و منافع ذات کے اختیارات کو اور بھی محدود و مقید کردیا ہے۔ بہت سے اجارات و ملازمتیں ایسی ہیں۔ جنکو عقل وعرف نے جائز قرار دیا ہے۔ مگر شرع نے اُسکی اجازت نہیں دی۔

باخلاق وصفات کی حدود اختیار بھی محدود ہیں۔ آدمی میں جسقدر اخلاق محمودہ وملکات مھذبہ ہیں۔ اُنمیں بھی اُسکو اختیار نہیں ہے کہ ہر موقع پر اُنکا استعمال کرسکے۔ رحم۔ شفقت۔ حلم۔ سخاوت۔ شجاعت۔ وغیرہ سب اخلاق محمودہ ہیں اور اختیاری ہیں۔ مگر ہر موقع میں نہ محمود ہیں۔ اور نہ اُن کے استعمال کی اجازت ہے۔ عقل وعرف ودیانت سب کے اعتبار سے یہ امر واضح وبین ہے حاجت توضیح وتفصیل نہیں ہے۔ ہاں عقلی وعرفی قواعد۔ اور شرعی احکام وقیود میں جو فرق ہوتا ہے وہ یہاں بھی ہوگا۔

امر چہارم ہر قسم حریت ذات وصفات ومعاملات کے زوال وسلب یا نقص کی چند صورتیں ہیں (۱) ذات کی حریت بالکل جاتی رہے۔ اور وہ مثل دوسرے اموال منقولہ وغیر منقولہ کے قابل بیع وشراء ہوجائے (۲) حریۃ ذات کلیۃً تو زائل نہو۔ اور نہ وہ بالکل مثل اموال کے ہوجائے مگر اُسکے ساتھ معاملہ وہی کیا جائے جو ایک مملوک شے کے ساتھ ہوتا ہے جیسے اسیران جنگ کہ گو عرف میں اُنکو مثل اموال نہیں سمجھا جاتا۔ مگر اُنکے عوض مال لیا جاتا ہے تبادلہ کیا جاتا ہے اور اس تبادلہ کو گو اصطلاح میں بیع وشراء نہ کہیں اور نہ اُس اسیر کو غلام۔ مگر معاملہ وہی ہوتا ہے جو مملوک اشیاء کے بیع وشراء میں۔

(۳) باوجود ذات کے کامل آزادی کے اگر انسان میں عقل نہیں ہے حد جنون تک پہونچ گیا ہے اس صورت میں حریۃ صفات زائل ہوجاتی ہے۔ اُسکا کوئی خلق وملکہ قابل اعتبار نہیں رہتا اور نہ اُسپر کوئی حکم مرتب ہوتا ہے۔ یہانتک کہ مدح وذم کا ثمرہ ہی مرتب نہیں ہوتا۔

(۴) باوجود عقل وفہم ہونے کے اخلاق ذمیمہ نے اُسکے پسندیدہ اخلاق کو مغلوب کردیا۔ اُسوقت یہ شخص اخلاق ذمیمہ کے استعمال اور اخلاق حسنہ کے ترک سے قابل ملامت وطعن ہوتا ہے۔ اور احکام بھی اُسپر مرتب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ دانشمندوں اور ارباب عقول سے نالائم اخلاق ظلم وستم۔ بخل وبےحیائی وغیرہ کا ظہور ہوتا ہے۔ اُسکے لئے زیادہ امثلہ کی ضرورت نہیں ہے (۵) کبھی دوسری قوۃ قاسرہ اس حریت کے استعمال میں مانع آجاتی ہے اور انسان کو یہہ آزادی باقی نہیں رہتی کہ وہ اپنے اخلاق حسنہ سے جسطرح چاہے کام لے سکے۔ حق گوئی کرسکے۔ جرارۃ اخلاق کو استعمال میں لاسکے۔

(۶) حالت جنون میں حریت معاملات بالکل سلب ہوجاتی ہے۔ اُسکا کوئی عقد و معاملہ نافذ و جاری نہیں ہوتا۔

(۷) سفاہت و کم عقلی وغیرہ حالتوں میں ناقص ہوجاتی ہے۔ اور اسیوجہ سے ایسے لوگونکو جو بچپن سے سفیہ ہوں اور حالت بلوغ میں بھی اُنکے اندر آثار رشد ظاہر نہوں اُنکے اموال سپرد نہیں کیئے جاتے۔ بلکہ اُنکے اولیا کے قبضہ میں رکھے جاتے ہیں۔ اگر بعد بلوغ سفاہت ظاہر تب بھی اُنکے معاملات میں مداخلت کیجاتی ہے۔ مسرف ہو۔ اپنے مال کو بیجا طور پر ضائع کرتا ہو یا شر فساد میں خرچ کرتا ہو تب بھی حکام وقت کو اُسمیں مداخلت کا حق ہوتا ہے قوانین دنیا میں کورٹ آف وارڈس کا محکمہ اسی ضرورت سے قائم ہوا۔ اُسمیں تو عاقل بالغ ہوشیار مدبروں کی جائدادیں بھی بوجہ دیون وغیرہ کے گورنمنٹ اپنی حفاظت میں لے لیتی ہے۔ اور شریعت میں مسئلہ حجر اسلئے جاری ہوا ہے۔

(۸) صغر و کم سنی بھی معاملات کے آزادی میں مانع آتے ہیں علی ہذا نابالغ کے معاملات میں اسیوجہ سے قاضی کو دخل کا اختیار ہے۔

( ) مجرمون کو جیل خانہ میں ہر قسم کی اخلاقی حریت۔ و آزادی معاملات سے روکدیا جاتا ہے۔ نہ منافع ذات میں تصرف کرسکتے ہیں۔ نہ اپنے اخلاق و ملکات سے کام لے سکتے ہیں۔ نہ کوئی معاملہ کسی سے کرسکتے ہیں اس حالت میں بجز اسکے کہ اُنکی ذات کی مثل اموال کے بیع و شرا نہیں ہوتی۔ اور سب امور منافع ذات اخلاق و صفات۔ معاملات و تصرفات میں مثل جمادات و اموال کے ہوجاتے ہیں۔ جدھر کو ہانک دیا جاتا ہے اودہر کو چلے جاتے ہیں۔ کبھی گاڑیوں میں گھوڑے بیل کی طرح لگے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کبھی زراعت میں بہایم کا کام دیتے ہیں یہ اور اس قسم کی بہت سی صورتیں ہیں۔ جنمیں انسان کی ہر سہ قسم کی حریتیں زوال پذیر یا ناقص ہوجاتی یا کردیجاتی ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ عقل و عرف میں ان صورتوں میں سے کون سی صورت کو ناپسند کیا گیا ہے اور کونسی کو عقلاء زمانہ نے بلا انکار تسلیم کرلیا ہے۔ اور پھر اُسکے بعد انہیں امور کے متعلق شریعت کا فیصلہ دکھلانا اور عرف و شرع میں موازنہ کر کے نتیجہ نکالنا ہے۔ (باقی آیندہ)

سو بعض قلوب تو بمنزلہ اُس زمین قابل کاشت کے ہیں جس نے گھاس اور سبزہ کثیر اوگایا (جسکا ذکر حدیث میں سبسے اول ہوا ہے) اور یہ مثال ہے اُس شخص کی جو علم (دین) سے خود منتفع ہوا اور ہدایت حاصل کی اور اُس کے علم نے اُسکو نفع بخشا اور اُسکو سراط مستقیم متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بتلایا) (یعنی خود عمل کیا اور گو دوسروں کو بھی اسنے نفع پہونچایا مگر کیفیت اور کمیت میں تالاب کی برابر نہیں) اور بعض قلوب ایسے ہیں جو بمنزلہ تالابوں کے ہیں (جن سے دوسروں کو بھی نفع کثیر اور مزید پھونچ رہا ہے) پس نفوس علماء زاہدین یعنی حضرات صوفیہ ومشائخ کے پاک ہوگئے اور قلوب اُن کے صاف ہوگئے پھر مزید فائدہ رحمانی کے ساتھ مخصوص ہوگئے پس وہ حضرات (گویا) تالاب بن گئے (چنانچہ حضرت مسروق (تابعی) کہتے ہیں کہ میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہا پس میں نے اُنکو تالابوں کی طرح پایا کیونکہ اُنکے قلوب واعیہ یعنی خازن ہوگئے علوم (موہوبہ) کے (جسکو آگے علوم وراثت سے تعبیر فرماوینگے) بذریعہ اُس صفاء فہم کے جو اُنکو عطا ہوئی ہے (اور ایسے حضرات کی مثال وسط حدیث میں ہے اور دونوں قلوب کو حدیث مذکور کا یہ مضمون شامل ہے کہ یہی مثال ہے اُس شخص کی جس نے دین الٰہی میں سمجھ بوجھ حاصل کی اور اسکو اُس علم نے نفع دیا جسکو دیکر اللہ تعالیٰ نے مجھکو بھیجا ہے پس اُس نے خود بھی جانا اور دوسرونکو بھی بتلایا جیسا بندہ مترجم نے اوپر اشارہ بھی کیا ہے خلاصہ یہ ہوا کہ تعلم وتعلیم والوں کی دو قسمیں ہوئیں ایک علماء ظاہر کہ مشابہ گھاس والے زمین کے ہیں کہ نافع ہے مگر تالاب کی برابر نہیں اور علماء باطن کہ مشابہ تالابوں کے ہیں جو نافع ہونے میں اکمل واوسع ہیں جنکی وجہ آگے آویگی جسکا حاصل یہ ہے کہ علماء ظاہر کے علوم صرف علوم مکتسب ہیں جنکا لقب آگے علوم دراستہ آتا ہے اور علماء باطن کے علوم علاوہ علوم دراستہ کے علوم موہوبہ بھی ہیں جنکا لقب آگے علوم وراثت آتا ہے آگے یہی مضمون مصنف کا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ) خبر دی ہمکو شیخ امام رضی الدین ابو الخیر احمد بن اسمٰعیل نے بطریق اجازت کے کہا اُنہوں نے خبر دی ہمکو ابو سعید محمد خلیلی نے کہا اُنھوں نے خبر دی ہمکو قاضی (ابو سعید محمد فرخزاد) نے کہا اُنہوں نے خبر دی ہمکو ابو اسحاق احمد بن محمد ثعالبی نے کہا

انہوں نے خبر دی ہمکو ابن فنجویہ نے کہا انھوں نے حدیث بیان کی ہمسے ابن حبان نے
کہا انہون نے حدیث بیان کی ہم سے اسحاق بن محمد نے کہا انہوں نے حدیث بیان کی
ہم سے میرے باپ نے کہا اونھوں نے حدیث بیان کی ہم سے ابراہیم بن عیسیٰ نے کہا
اونہوں نے حدیث بیان کی ہم سے علی بن علی نے کہا انہوں نے حدیث بیان کی ہم سے
ابو حمزہ ثمالی نے کہا اونھوں نے حدیث بیان کی مجھسے عبداللہ بن الحسن نے کہا انہوں نے
کہ جسوقت کہ یہ آیت نازل ہوئی وتعیھا اذن واعیہ یعنی محفوظ رکھتے ہیں اُس (تذکرہ یعنی
نصیحت وعبرت) کو محفوظ رکھنے والے کان تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ
سے فرمایا میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ تمھارے کان کو واعیہ یعنی محفوظ رکھنے والا
بنادے حضرت علی رضہ فرماتے ہیں کہ پھر اس کے بعد میں کچھ نہیں بھولا اور نہ ہو سکتا تھا کہ
بھولوں (کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ دعا قبول ہوگئی تھی پس حضرت علی رضہ کے اس قول
سے واعیہ کا مفہوم اور اُسکی تفسیر معلوم ہوگئی کہ علم کے ایسے حاضر ہونے کو کہتے ہیں جسکو ۳
پھر غیبت نہ ہو اور یہ شان علم مکتسب کی نہیں ہے صرف علم موہوب کی شان ہے جسکا سبب
تعلق خاص مع اللہ ہے اور یہ تعلق باقی ودائم ہے پس جو علم اس سے ناشی اور اسکا معلول
ہے وہ بھی باقی ودائم ہوگا دوسرے وہ ذوقی وحالی ہے مثل طبعی کے اور طبعیات میں زوال
نادر ہے جب واعیہ کی تفسیر یہ ہے اور حضرت مسروق نے قلوب صحابہ کو واعیہ کہا ہے
تو اُن حضرات کا صاحب علوم موہوبہ ہونا ثابت ہوگیا اور اگر واعیہ کے مفہوم میں صرف حافظ
وخازن ہونا معتبر ہوتا گو بقا کے ساتھ نہ ہو جو کہ علوم مکتسبہ میں بھی متحقق ہے تو حضرت علیؓ
یہ نہ فرماتے کہ نہ ہو سکتا تھا کہ بھولوں کیونکہ اجابت دعائے نبوی مطلق حفظ الی زمان معتدبہ
بلا بقا رسے بھی متحقق ہو سکتی تھی جیسے کسی بزرگ نے دعا کردی کہ زید کو قرآن حفظ ہو جاوے
تو اگر ایک بار پورا اچھی طرح یاد ہو جاوے پھر خواہ بھول ہی جاوے تو کیا نہ کہیں گے کہ اُن
بزرگ کی دعا قبول ہوگئی تھی) ابو بکر واسطی (واعیہ کی تفسیر میں) فرماتے ہیں کہ ایسے کان
مراد ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے اُس کے اسرار کو مخزون کرلیا۔ اور انہوں نے (اسکی
تفسیر میں) یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ پورے جمع یعنی پُر کرنیوالے ہیں اپنے معادن میں

(مطلوب کو) کہ اُن میں بجز اُس چیز کے جس کا اُنہوں نے مشاہدہ کیا ہے اور کوئی چیز نہیں (ورنہ وہ مطلوب کے پورے جامع نہ ہوتے بلکہ کچھ مطلوب پر کچھ غیر مطلوب پر مشتمل ہوتے) پس (لزوماً) وہ اُس (مشاہدہ کی ہوئی چیز) کے ماسوا سے خالی ہیں۔ سو طبائع میں جو اضطراب ہوتا ہے (جس سے وہ مقتضائے علم سے متزلزل ہو جاتے ہیں) وہ (اضطراب) ایک قسم کا جہل ہوتا ہے (اور صوفیہ اِس اضطراب سے مبرا ہیں) تو (سبب اُسکا یہی ہے کہ) صوفیہ کے قلوب (علوم کاشفہ حقائق مطلوبہ کے) خازن ہیں (جسکی وجہ یہ ہے کہ اُنہوں نے اساس تقوی کو محکم کر کے دنیا میں بے رغبتی اختیار کی سو تقویٰ سے اُن کے نفوس پاک ہو گئے اور زہد سے اُن کے قلوب صاف ہو گئے پھر جب اُنہوں نے شواغل دنیا کو زہد کے سبب ترک کر دیا اُن کے باطن کے مسامات کشادہ ہو گئے اور اُن کے قلوب کے کان سننے لگے اور اُن کے زہد فی الدنیا نے اُن کی اعانت کی (یہ تحقیق تھی قلوب صافیہ یعنی علماء باطن کے داعیہ ہونے کی جنکو حدیث بالا میں تالابوں کے مشابہ فرمایا ہے آگے علماء ظاہری کے علوم کو جن سے اونہوں نے دین کی خدمت کی اور جن کو اوپر حدیث میں گھاس والی زمین سے تشبیہ دی ہے بیان فرماتے ہیں یعنی) پس علماء تفسیر اور ائمہ حدیث اور فقہاء اسلام نے کتاب و سنت کے علوم کا استیعاب فرمایا اور اُن دونوں سے احکام مستنبط کیئے اور جدید الوقوع حوادث کو نصوص میں سے کسی اصل کیطرف راجع کیا اور اللہ تعالے نے اُن کے واسطہ سے دین کی حفاظت فرمائی اور علماء تفسیر نے توجیہات تفسیر اور علوم تاویل اور مذاہب عرب متعلقہ لغت اور غرائب نحو و صرف اور اصول قصص اور اختلاف وجوہ قرارت کو سمجھا اور اِس باب میں کتابیں تصنیف فرمائیں اور اُن کے اِس طریقہ سے اُمت پر قرآن کے علوم وسیع ہو گئے اور ائمہ حدیث نے صحیح اور حسن حدیثوں کو متمیز کیا اور رواۃ و اسامی رجال کی معرفت میں متفرد ہوئے اور جرح و تعدیل کا حکم لگایا تاکہ (حدیث) صحیح (حدیث) سقیم سے ظاہر اور غیر مستقیم مستقیم سے متمیز ہو جاوے پھر اُن کے اس طریقہ سے روایت اور سند کا طریق سنت کی حفاظت کیلئے محفوظ ہو جاوے اور فقہا ان کاموں کیلئے مستعد ہو گئے۔ احکام کا استنباط کرنا۔ مسائل میں تفریع کرنا۔ تعلیل کا تعجب

فروع کا اصول کیطرف تمہل جامعہ سے رجع کرنا۔ واقعات کا حکم نصوص کے ساتھ احاطہ کرنا اور علم فقہ واحکام سے علم اصول فقہ وعلم خلاف اور علم خلاف سے علم جدل (یعنی مناظرہ) متفرع ہوا اور علم اصول فقہ نے کسی قدر علم اصول دین (یعنی علم عقاید وکلام) کی حاجت واقع کی اور ان فقہاء کے علوم میں سے ایک علم فرائض بھی ہوا اور اُس سے علم حساب وجبر ومقابلہ لازم ٹھیرا اور ان کے علاوہ اور علوم بھی (اسی طرح حسب حاجت مستخرج ومدون ہوتے گئے) پس شریعت خوب قائم اور قوی ہوگئی اور دین اسلامی مستقیم ہوگیا او طریق نبوی مصطفوی ذی فروع وذی اصول ہوگیا پس قلوب علماء کی اراضی نے بواسطہ ہدایت اور علم کے اُس آب حیات کے جسکو اُنھوں نے قبول کیا (خوب) گھاس اور سبزہ اوگایا (آگے ایک آیت ہے جس میں ان علوم موہوبہ پر دلالت ہے) فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی سو بہنے لگے نالے اپنے اندازہ کے موافق۔ فرمایا ابن عباس رضہ نے کہ یہ پانی علم ہے اور نالے (یعنی جن میں پانی جمع ہو کر چلتا ہے) قلوب ہیں۔ ابوبکر واسطی کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ایک صاف موتی پیدا کیا پھر چشم جلال سے ۸
اُسکو ملاحظہ فرمایا سو وہ حق تعالیٰ سے شرما کر پگھل گیا اور بہنے لگا پس اللہ تعالیٰ نے (اُسکی نسبت) فرمایا ہے کہ اوتارا اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی سو بہنے لگے نالے اپنے اندازہ کے موافق۔ سو قلوب کی صفائی اُن میں اسی پانی کے پہونچنے سے ہوتی ہے۔

اور ابن عطاء نے فرمایا کہ یہ جو ارشاد ہے کہ نازل کیا آسمان سے پانی۔ یہ ایک مثال ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے بندہ (کی حالت) کیلئے بیان فرمائی ہے اور یہ اسطرح ہے کہ جب نالوں میں سیلاب بہتا ہے تو نالوں میں کوئی نجاست نہیں رہتی جس کو وہ صاف اور دور نہ کردیتا ہو اسی طرح جب وہ نور جسکو اللہ تعالیٰ نے بندہ کیلئے تقسیم فرمایا ہے اُسکے نفس میں بہتا ہے تو اُس (بندہ) میں کوئی غفلت باقی رہتی ہے اور نہ ظلمت (پس تاویل آیت کی اسطرح ہوگی کہ) اُتارا اللہ تعالیٰ نے پانی یعنی اُس نور کا حصہ پھر بہتے ہیں نالے اپنے اندازہ کے موافق یعنی قلوب میں انوار (بہتے ہیں) جس طور پر اللہ تعالیٰ نے ازل میں اُنکا حصہ رکھا ہے

له = تمهد۔ تمکن ۱۲ قاموس۔

پھر جو کوڑا کرکٹ ہے وہ بیکار جاتا رہتا ہے (اسی طرح قلوب میں جو مواد رذیلہ ہیں وہ زائل ہوجاتے ہیں) پس قلوب منور ہوجاتے ہیں جن میں کوئی جہالت نہیں رہتی اور جو لوگوں کیلئے نفع رساں ہے وہ زمین میں رہ جاتا ہے (یعنی) باطل چیزیں (قلوب میں سے جاتی رہتی ہیں اور حقیقی چیزیں رہ جاتی ہیں اور بعض نے (اسکی تفسیر میں یہ) کہا ہے کہ نازل کیا اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی یعنی انواع کرامات (یعنی فیوض و برکات) پس ہر قلب نے اپنا حصہ اور نصیبہ لے لیا۔ سو علماء تفسیر و حدیث و فقہ کے قلوب کے نالے تو اپنے اندازہ کے موافق بہنے لگے اور صوفیہ یعنی اُن علماء کے جو دنیا میں زاہد ہیں اور جو حقیقی تقویٰ کے ساتھ متمسک ہیں اُن کے قلوب کے نالے اپنے اندازہ کے موافق بہنے لگے چنانچہ جس کے باطن میں محبت دنیا یعنی فضول مال و جاہ اور طلب منصب و ترفع کا لوث تھا اس کا وادی قلب تو اپنے اندازہ (و استعداد) کے موافق (بہرہ ہوکر) بہنے لگا یعنی اُس نے علم (ظاہری) کا ایک مناسب حصہ حاصل کیا اور حقائق علوم سے وہ بہرہ ور نہیں ہوا اور جس شخص نے دنیا (کے مقاصد مذکورہ) میں زہد اختیار کیا اُس کا وادی قلب بہت وسیع ہوگیا اور اسمیں علوم کے پانی بہنے لگے اور مجتمع ہوگئے اور تالاب بن گئے (جن کا ذکر اوپر کی حدیث میں بھی تھا) حضرت حسن بصری سے (کسی مسئلہ کے بارہ میں) کہا گیا کہ فقہاء نے اسی طرح کہا ہے اونہوں نے فرمایا تو نے کبھی کوئی فقیہ دیکھا بھی ہے فقیہ تو صرف وہ ہے جو زاہد فی الدنیا ہو۔ سو صوفیہ نے (اول) علوم درسیہ حاصل کئے اور اُن کو علوم درسیہ نے عمل بالعلم کا فائدہ بخشا پھر جب اونھوں نے اپنے علم پر عمل کیا اس عمل نے انکو علوم وراثت (یعنی علم باطنی کا فائدہ بخشا سو یہ حضرات دوسرے علماء کے ساتھ اُنکے علوم میں بھی شریک ہیں اور کچھ علوم زائدہ کے اعتبار سے کہ وہ علوم وراثت ہیں اُن سے متمیز بھی ہیں اور فقہ فی الدین (جس کی فضیلتیں آتی ہیں اوسکی حقیقت) یہی علوم وراثت ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے پس ایسا کیوں نہ کیا کہ ہر بڑی جماعت میں سے ایک باہر جاتی تاکہ دین میں تفقہ حاصل کریں اور تاکہ اپنی قوم کو

لے شیخ کا یہ کلام قابل غور ہے دیکھئے اسمیں صوفیہ کیلئے علوم ظاہرہ کا بھی ضروری ہونا صاف بتلا رہے ہیں ۱۲ منہ

(دین کے باب میں) ڈرادیں جبکہ اُنکی طرف واپس آویں سو انذار (یعنی ڈرانا جو اس آیت میں مذکور ہے) فقہ سے مستفاد ہوا ہے (چنانچہ لینذروا کا لیتفقھوا کے بعد ترتیب میں فرمانا اس کا قرینہ ہے) اور انذار (کی حقیقت) منذر (یعنی جسکو انذار ہوا ہو اُس) کا آب علم سے زندہ کرنا ہے اور علم سے زندہ کرنا یہ (خاص) رتبہ ہے فقیہ فی الدین کا۔ پس (اس سے ثابت ہوا کہ) فقہ فی الدین اکمل مراتب اور اعلیٰ مراتب سے ہوا اور یہ (فقہ) ایسے عالم کا علم ہے جو زاہد فی الدنیا ہو متقی ہو جو اپنے علم کے ذریعہ سے انذار کرنے کے رتبہ تک پہونچ جاوے۔ سو علم اور ہدایت کا محل ورود اولاً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ آپ پر ہدایت اور علم من جانب اللہ تعالیٰ وارد ہوا اور آپ اُس سے ظاہراً و باطناً سیراب ہوگئے پس آپ کی ظاہری سیرابی سے دین ظاہر ہوا اور دین (کی حقیقت) انقیاد اور خشوع ہے (اور یہ) مشتق ہے دُون سے (بمعنی پست) پس جو چیز پست ہو وہ دون ہے سو دین (کا حاصل) یہ ہوا کہ انسان اپنی ذات کو اپنے پروردگار کے سامنے پست کردے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (جو) ۱۰
فرمایا ہے (اُس سے بھی یہ مفہوم ہوتا ہے اور وہ یہ مضمون ہے کہ) مقرر فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہ دین جس کے ساتھ وصیت کی اُس نے نوح ؑ کو اور وہ (دین) جس کو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا اور وہ (دین) جس کے ساتھ وصیت کی ہم نے ابراہیم ؑ اور موسیٰ ؑ اور عیسیٰ ؑ کو (اور وہ) یہ (ہے) کہ قائم رکھو دین کو اور اُس میں تفرق مت کرو (یہ امر مشاہد ہے کہ) دین میں تفرق کرنے سے جوارح پر پژمردگی چھاجاتی ہے اور ان (جوارح میں) سے علم کی تازگی جاتی رہتی ہے (جسکو اوپر بیان کیا ہے جو کہ علم کا اثر ہے پس اس سے تائید ہوگئی کہ انقیاد و خضوع ظاہری کی پستی بھی دین ہی سے ہے۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔ اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ) ظاہری تازگی جو جوارح کو انقیاد فی النفس والمال کے ساتھ مزین کرنے کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے وہ قلب کی سیرابی سے مستفاد ہوتی ہے (یہ دوسرا مقدمہ ہوا پس مقدمہ اولیٰ سے معلوم ہوا تھا کہ دین کا ظہور حضور کی ظاہری سیرابی سے ہوا اور دوسرے

مقدمہ سے معلوم ہوا کہ ظاہر کی سیرابی سے قلب کی سیرابی ہوتی ہے پس دونوں سے ثابت ہوا کہ تمام دین کا ظہور حضور کے باطن کی سیرابی سے ہوا ہے) اور قلب (اور باطن) اپنے سیرابی بعلم (کی صفت) میں بمنزلہ بحر کے ہے (وجہ تشبیہ باطن کا اصل اور مبدأ اور منبع ہونا ہے دوسرے تمام ظاہری سیرابیوں اور اُن کے آثار کے لئے جس طرح بحر اصل اور مبدأ اور منبع ہوتا ہے دوسرے تمام سامان سیرابی یعنی انہار وجداول کے لئے جب قلب اس صفت میں بمنزلہ بحر کے ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کے لئے اس صفت سیرابی کا ہونا ابھی ثابت ہو چکا) پس (اس دلیل سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک علم اور ہدایت کا ایک بحر مواج (ثابت) ہو گیا پھر وہ (علم وہدی) آپ کے بحر قلب سے (آپ کے) نفس تک پہونچا تو آپ کے نفس شریف پر علم کی رونق اور سیرابی ظاہر ہوئی جس سے نفس کی صفات اور اُس کے اخلاق متبدل ہو گئے پھر (آپ کے) جوارح تک (اُس علم کی) ایک نہر پہونچی جس 11
سے (وہ جوارح) سیراب اور تازہ ہو گئے پھر جب آپ تازگی میں کامل ہو گئے اور سیرابی سے پُر ہو گئے تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلق کی طرف مبعوث فرمایا پس آپ امت پر ایسے قلب سے متوجہ ہوئے جو آب علوم سے موّاج تھا اور آپ نے انہار افہام کی طرف رُخ کیا اور آپ کے بحر (قلب) سے ہر نہر (فہم مستفیدین) میں خاص حصہ اور نصیب (ہر ایک کی استعداد کے موافق) جاری ہو کر پہونچا۔ اور یہ حصہ جو ان افہام تک پہونچا یہی فقہ فی الدین ہے۔ عبداللہ بن عمر رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کسی ایسی چیز کے ذریعہ سے نہیں کی گئی جو فقہ فی الدین سے افضل ہو اور ایک فقیہ (فی الدین) شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ گران ہے اور ہر چیز کا ایک مدار قیام ہوتا ہے اور اس کا مدار قیام فقہ ہے۔ حدیث بیان کی ہم سے ہمارے شیخ شیخ الاسلام ابو النجیب نے لکھوانے کے طور پر کہا اُنہوں نے حدیث بیان کی ہم سے سعید بن حفص نے کہا حدیث بیان کی ہم سے ابوطالب زینبی نے کہا خبر دی ہم کو کریمہ بنت احمد بن محمد مروزیہ نے کہا خبر دی ہم کو

ابو الہیثم نے کہا خبر دی ہمکو فربری نے کہا خبر دی ہم کو امام بخاری نے کہا حدیث کی ہم سے
ابن وہب نے یونس سے اونہوں نے ابن شہاب سے اونہوں نے حمید بن عبدالرحمن
سے کہا اُونہوں نے سُنا میں نے معاویہ رضہ سے حالت خطبہ میں کہ کہتے تھے سُنا
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ فرماتے تھے جس شخص کے ساتھ اللہ تعالےٰ
خیر کا ارادہ کرتا ہے اُس کو دین میں فقہ عنایت فرماتا ہے اور میں صرف تقسیم کنندہ
ہوں اور معطی (حقیقی) حق تعالیٰ ہے۔ حضرت شیخ (ابو النجیب) نے فرمایا ہے کہ جب
علم قلب تک پہونچ جاتا ہے تو دل کی آنکھ کھل جاتی ہے سو وہ حق و باطل کو دیکھ لیتا ہے
اور اُس کے سامنے ہدایت متمیز ہو جاتی ہے گمراہی سے۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے ایک اعرابی پر یہ آیت پڑھی فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ
ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ اعرابی نے کہا مجھکو یہ بس ہے مجھکو یہ بس ہے
پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص صاحب فقہ ہو گیا۔ اور عبداللہ بن ۱۴
عباس رضہ نے روایت کیا ہے کہ افضل عبادۃ فقہ فی الدین ہے۔ اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے
فقہ کو قلب کی صفت قرار دی ہے چنانچہ فرمایا کہ اُن کے لئے ایسے قلوب ہیں کہ وہ اُن سے نہیں
سمجھتے۔ غرض جب وہ (حضرات) صاحب فہم ہو گئے تو اُنکو علم حاصل ہو گیا اور جب علم حاصل
ہو گیا تو اونہوں نے عمل کیا اور جب عمل کیا تو عارف ہو گئے اور جب عارف ہو گئے تو مقصود
تک راہ پائی۔ سو جو شخص زیادہ صاحب فقہ (و فہم) ہو گا اُسکا نفس قبول (امر حق) میں زیادہ
دوڑنے والا ہو گا اور احکام دین میں زیادہ منقاد ہو گا اور نور یقین سے زیادہ بہرور ہو گا
پس علم ایک مجموعہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے قلوب کو عطا کیا جاتا ہے اور معرفت اُس مجموعہ
کو متمیز کر دیتی ہے۔ اور ہدایت یہ ہے کہ قلوب اسکا ادراک کرنے لگیں سو نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے جب یہ فرمایا کہ مثال میری اور مثال اُس ہدایت اور علم کی جسکو دیکر اللہ تعالیٰ نے
مجھکو مبعوث فرمایا ہے الخ تو (اس ارشاد میں گویا) یہ خبر دیدی کہ قلب نبوی نے علم کا ادراک
فرمایا اور آپ کا قلب ہدایت کنندہ اور ہدایت یافتہ ہو گیا اور آپ کا علم (محض) وراثت
تھا جو آپ کی ذات مبارک میں متمیز کیا ہوا تھا آدم ابو البشر صلی اللہ علیہ وسلم سے جو نکہ اُنکو اللہ تعالےٰ

مبدأ و معاد

(گذشتہ سے پیوستہ)

اب اس تقریر کا انجام یہ ہوا کہ فسق کے باعث احتساب کی ایک قسم یعنی وعظ زبانی باطل ہوگیا اوسکے لئے عدالت شرط ہے باقی رہی دوسری قسم یعنی احتساب قہری تو اسمیں عادل ہونا شرط نہیں تو اس صورت میں اگر فاسق شراب گرادے اور لہو کے آلات وغیرہ توڑے جب اُسکو ان امور پر قدرت ہو تو اُسپر کچھ دقت نہیں اور یہ صورت نہایت انصاف کی اور صاف صاف ہے اور آیتوں سے جو اُن لوگوں نے استدلال کیا ہے تو اونمیں اس بات کی برائی مذکور ہے کہ اُن لوگوں نے اچھی بات کو ترک کیا اس جہت سے نہیں کہ اُنھوں نے امر کیا مگر اُن کے امر کرنے سے اُن کے علم کا زور پایا گیا اور عالم کا عذاب زیادہ سخت ہوتا ہے اسوجہ سے کہ باوجود قوت علمی کے اُسکو کوئی عذر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں۔

لم تقولون مالا تفعلون	کیوں کہتے ہو وہ جو خود نہ کرو۔

جھوٹا وعدہ مراد ہے اور اس ارشاد میں۔

و تنسون انفسکم	اور بھولتے ہو آپ کو۔

اس بات کو برا فرمایا کہ وہ لوگ اپنی جانوں کو بھول گئے نہ اسوجہ سے برائی کی کہ اُنھوں نے دوسروں کو اچھی بات کا حکم کیا اور دوسرونکا حال اس لئے ذکر کیا تاکہ معلوم ہو کہ وہ لوگ عالم تھے اور اُن پر حجت قوی ہوجائے اور اللہ تعالیٰ کا فرمانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہ اول تو اپنے نفس کو نصیحت کر الخ تو وہ حال احتساب زبانی کا ہے اور اسکو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ فاسق کا وعظ زبانی غیر مفید ہے اُن لوگوں کے حق میں جو اُسکے فسق سے آگاہ ہیں پھر اُسکے آخر میں یہ فرمایا کہ مجھ سے شرم کر اس سے بھی غرض وعظ کرنے کی جو مع "بہلبہ یا جہاد"

بلکہ اسکے معنی یہ ہیں کہ مجھ سے حیا کر اور زیادہ ضروری کو چھوڑ کر کم ضروری میں مشغول مت ہو جیسے یوں کہا کرتے ہیں کہ اول اپنے باپ کا پاس کرو پھر ہمسایہ کا ورنہ شرم کرو۔ اب اگر یوں کہو کہ اس صورت میں جائز ہے کہ اگر ذمی کسی مسلمان کو زنا کرتے دیکھے تو وہ بھی اُس کو احتساب کرے کیونکہ ذمی کا مسلمان کو یہ کہنا کہ زنا مت کرو واقع میں درست ہے تو اُسپر حرام ہونا تو محال ہے بلکہ یا مباح ہونا چاہیئے یا واجب حالانکہ ذمی کا احتساب مسلمان کو ممنوع کہتے ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا	اور ہرگز نہ دیگا اللہ کافرون کو مسلمانوں پر راہ۔

تو اب اگر کافر مسلمان کو اپنے فعل سے منع کریگا تو یہ صورت کافر کے غلبہ کی ہے مسلمان پر جو بموجب آیۃ بالا کے نہونی چاہیئے پس اسی غلبہ کی وجہ سے کافر کو منع کیا جاتا ہے اور اگر صرف اُسنے مسلمان کو زبان سے کہا کہ زنا مت کر تو یہ کہنا بذات خود اوسپر حرام نہیں ہے مگر اس اعتبار سے کہ اُس لفظ سے مسلمان پر حکومت کرنیکی بو پائی جاتی ہے اور مسلمان کی ذلت ہے تو اسوجہ سے البتہ منع کیا جائیگا ہرچند مسلمان بدکار بھی مستحق ذلت ہے لیکن کافر کی نسبت کر تاہم ذی عزت ہے تو کافر کا ذلیل رہنا بہتر سمجھکر احتساب سے منع کرتے ہیں ورنہ تم یہ تو نہیں کہتے کہ کافر جب کہے کہ زنا مت کر تو اُسکو سزا ملنی چاہیئے اس لحاظ سے کہ اُسنے زنا کی ممانعت کیوں کی بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر کافر نے یہ لفظ نہ کہا ہو اور دین کی فروع کا خطاب ہمارے نزدیک اُسپر بھی ہو تو اُسوقت اس لفظ کے نہ کہنے پر سزا نہ دیجاویگی اور اس مقام میں بحث ہے اُسکو ہمنے فقہ کے مسائل میں لکھا ہے یہاں وہ ہمارے مقصود سے متعلق نہیں۔ چوتھی شرط بعض لوگوں نے یہ لکھی ہے کہ محتسب کو امام اور حاکم کی طرف سے اجازت ہونی چاہیئے ان لوگوں نے رعیت میں سے ہر کسی کو احتساب ثابت نہیں کیا اور یہ قید لگانی خراب ہے اسلئے کہ ہمنے جو آیتیں اور اخبار لکھی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص کہ بُری بات کو دیکھکر سکوت کرے وہ گناہگار ہوگا کیونکہ بُری بات سے منع کرنا اُسپر واجب ہے جہاں دیکھے اور جس کیفیت سے دیکھے اور یہ حکم عام ہے اسمیں یہ قید لگانی کہ حاکم نے اُس شخص کو یہ کام سپرد بھی کیا ہو دعویٰ بے دلیل

اور بلا اصل ہے اور طرفہ یہ کہ رافضیوں نے اسپر بھی زیادتی کی اور کہا ہے کہ امر معروف کرنا درست ہی نہیں ہے جبتک کہ امام معصوم ظاہر نہ ہوں جو اُن کے نزدیک امام برحق اور پوشیدہ ہیں تو یہ فرقہ اس قابل نہیں کہ اِن سے گفتگو کیجائے بلکہ اُن کا جواب یہ ہے کہ جب وہ قاضیوں کے یہاں خون اور مال کے حقوق طلب کرنے آئیں تو اُن سے یہ کہا جائے کہ تمہاری طرفداری کرنی امر معروف ہے اور جن لوگوں نے تمپر ظلم کیا ہے اُن کے پنجہ سے تمہارے حقوق کا نکالنا نہی عن المنکر ہے اور تم جو حق طلب کرتے ہو یہ بھی منجملہ حقوق ہے اور یہ زمانہ تمہارے قول کے بموجب ظلم سے منع کرنے اور حقوق کے طلب کرنیکا نہیں ہے اسلئے کہ ابھی امام برحق ظاہر نہیں ہوئے جب اُن کا ظہور ہوگا تب طلب کر لینا۔

اب اگر کوئی کہے امر بالمعروف میں ثابت کرنا سلطنت اور حکومت کا ہے محکوم علیہ پر اور اسیوجہ سے کافر کے لئے امر بالمعروف مسلمان پر ثابت نہیں باوجودیکہ اُسکا قول حق ہوتا ہے تو چاہیئے کہ رعیت میں سے بھی ہر کسیکو بدوں والی اور امیر کے اختیار دینے کے ثابت نہ ہو تو اِس کا جواب یہ ہے کہ کافر کو احتساب اسلئے منع ہوا کہ اُسمیں دباؤ اور حکومت کی عزت ہے اور کافر ذلیل ہے اُسکو اِس بات کا استحقاق نہیں ہے کہ مسلمان پر حکم کرنے کی عزت حاصل کرے لیکن ہر فرد مسلمان دین کی وجہ سے اِس عزت کا استحقاق رکھتا ہے اور جس چیز میں حکومت اور دباؤ کی عزت ہو وہ امام کے اختیار دینے کی محتاج نہیں ہے مثلاً تعلیم اور بتلانے کی عزت کہ سب کے نزدیک متحقق ہے کہ اگر کوئی شخص جاہل ہو اور ناشستگی سے ایک امر منکر کا مرتکب ہوتا ہو تو اُسکو حرمت اور واجب ہونے کو بتلانے کیلئے حاکم کی اجازت کی ضرورت نہیں حالانکہ عزت استادی اور رہنمائی کی اسمیں موجود ہے اور جسکو بتاتا ہے اُسکو ذلت حاصل ہونے کی ہے لیکن اِس قسم کی عزت میں صرف دینداری کافی ہے امام کا حکم ہو یا نہ ہو اور یہی حال منع کرنے کا ہے اور تفصیل اِس تقریر کی یہ ہے کہ احتساب کے پانچ مرتبے ہیں چنانچہ مذکور ہونگے اول تعریف دوم وعظ لطیف باتوں سے سوم زبردستی سے منع کرنا اور قہر کا فعل کر دکھانا مثلاً لہو کے آلات کو توڑ ڈالنا اور شراب کو گرا دینا اور ریشمی کپڑا جو کوئی پہنے ہوا ہو اُسکے بدن سے اُتار لینا اور چھینا ہوا مال غاصب سے بزور لیکر مالک کے حوالہ کرنا چہارم سخت دست کہنا

اور اس سے یہ غرض نہیں کہ فحش بکے بلکہ یوں کہنا کہ اے جاہل اے عقل کے دشمن کیا تو خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتا یا اور کوئی ایسا ہی لفظ بولنا پانچویں ڈرانا اور مار سے دھمکانا یا اتنا پیٹنا کہ جس کام کا وہ مرتکب ہے اُس سے باز آوے مثلاً جو شخص غیبت کئے جاتا ہے اور زنا کی تہمت لگائے جاتا ہے یا گالیاں برابر دیتا ہے تو اُسکی زبان کا چھین لینا تو ممکن نہیں مگر مارنے سے ساکت کر سکتے ہیں اور اس پچھلی صورت میں حاجت استعانت اور مددگاروں کی دونوں طرف کو ہوتی ہے اور نوبت کشت وخون کی پہونچتی ہے اور ظاہر ہے کہ چار پہلی صورتوں میں امام کے اذن کی کچھ حاجت نہیں لیکن اس پانچویں مرتبہ میں البتہ بحث ہے جو عنقریب مذکور ہوگی اول مرتبہ بتلانے کا اور دوسرا وعظ کا وہ تو کسیطرح امام کی اجازت کا محتاج نہیں اور چوتھا مرتبہ یعنی کسی فاسق کو جاہل اور احمق اور بدکار اور خدا تعالیٰ سے کم خوف رکھنے والا اور جو ایسے الفاظ ہوں کہنا ایک سچی بات ہے اور سچ اسی بات کا مقتضی ہے کہ بلا تامل بولا جائے بلکہ افضل درجات وہ حق بات ہے جو ظالم حاکم کے سامنے بولی جاوے جیسے کہ حدیث میں وارد ہے تو جس صورت میں کہ حاکم کے خلاف سچ بولنے کا حکم ہے تو اُسمیں حاکم کے اذن کی کیسے حاجت ہوگی اور تیسرا مرتبہ یعنی لہو کے آلات کو توڑ دینا وغیرہ تو یہ ایسا فعل ہے کہ بدوں اجتہاد کے اُسکے کرنے میں حق ہونا ثابت ہے تو اُسمیں امام سے اذن کی کیا حاجت ہے ہاں پانچواں مرتبہ یعنی مددگار جمع کرنے اور ہتیار کھینچنے تو اس سے نوبت کبھی بلواء عام کی ہوجاتی ہے اس لئے اُسمیں بحث ہے چنانچہ مذکور ہوگی اور اکابر سلف جو ہمیشہ والیوں کو احتساب کرنے کی عادی رہے یہ امر دلیل قاطع ہے اس بات کی کہ اُنکا اجماع تھا کہ اس باب میں حاجت حاکم کے اجازت دینے کی نہیں بلکہ جو شخص امر معروف کریگا تو دو حال سے خالی نہیں یا حاکم راضی ہوگا یا ناراض اگر راضی ہوگا تب تو بہتر ہے اور اگر ناراض ہو اُسکی ناراضی ایک امر منکر ہے واجب ہے کہ اُسکے سامنے اُسکی برائی بیان کیجاوے تو پھر ایسی بات میں اُس کے اذن کی حاجت کیسے ہوگی اور سلف کی عادت سے معلوم ہوتا ہے کہ اماموں کی منکر بات کو نہ مانتے تھے اور اُسکی بُرائی سامنے ہی بیان کرتے تھے چنانچہ مروی ہے کہ مروان بن حکم نے نماز عید سے پہلے خطبہ پڑھا اُسکو ایک شخص نے کہا کہ خطبہ تو نماز کے بعد ہوا کرتا ہے مروان نے

اُسکو کہا کہ ہم تجھکو سمجھ لیں گے حضرت ابو سعید خدری رضؓ نے فرمایا کہ اسکو جو کچھ حکم تھا اوسکی تعمیل کی۔ ہم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص تم میں سے کوئی بُری بات دیکھے تو چاہیئے کہ اُسکو اپنے ہاتھ سے دور کرے اور اگر نہ ہو سکے تو زبان سے کرے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دل میں اُسکو برا جانے اور یہ ضعیف تر ایمان ہے۔ تو اکابر سلف اِن عام احکام سے یہی سمجھتے تھے کہ سلاطین بھی اِنمیں داخل ہیں تو پھر اُنکے اذن کی حاجت کیسے ہوگی۔ اور مروی ہے کہ خلیفہ مہدی جب مکہ معظمہ میں آیا تو کچھ عرصہ تک ٹھیرا پھر جب طواف کرنے لگا تو لوگونکو خانہ کعبہ کے پاس سے ہٹا دیا حضرت عبداللہ بن مرزوق نے جست کر کے اُسکا گریبان پکڑ کر ہلایا اور فرمایا کہ دیکھ کیا کرتا ہے تجھکو اِس گھر کا مستحق زیادہ کسنے بنایا ہے کہ جو کوئی دور یا نزدیک سے اُسکے پاس پہنچے تو تو اوسکو خانہ کعبہ تک نہ جانے دے اور بیچ میں روک دے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَاد | برابر ہے اُسمیں لگا رہنے والا اور باہر کا۔

یہ استحقاق تجھکو کسنے دیا خلیفہ اونکا منہ تکنے لگا اور اونکو پہچانتا تھا اسلیئے کہ وہ اُسکے باپ دادا کے موالی میں سے تھے کہنے لگا کون ہے عبداللہ بن مرزوق آپنے کہا کہ ہاں خلیفہ اُن کو گرفتار کر کے بغداد میں لے آیا اور اسکو اچھا نہ جانا کہ اُنکو سزا ایسی دے جس سے عوام میں اُنکی ذلت ہو اِس نظر سے اُن کو گھوڑوں کے طویلہ میں بند کر دیا کہ اُن کی لاتوں اور ٹاپوں میں کچل جائیں اور ایک کاٹنے والا گھوڑا اونکے پاس کر دیا تاکہ اونکو کاٹ کھائے اللہ تعالیٰ نے اُس گھوڑے کو اُنکا رام کر دیا کہ کسیطرح کی تکلیف اُنکو نہ ہوئی راوی کہتا ہے کہ پھر خلیفہ نے اونکو ایک حجرہ میں بند کر کے اُسکی کنجی آپ لیلی تین روز کے بعد اُسمیں سے نکلکر باغ میں داخل ہوئے اور وہاں کا سبزہ کھانے لگے مہدی کو جب آپ کی اطلاع ہوئی آپ سے پوچھا کہ تم کو کسنے نکالا فرمایا جسنے مجھکو بند کیا تھا اُسی نے نکالدیا پوچھا بند کسنے کیا تھا فرمایا کہ جس نے نکال دیا خلیفہ بہت بھبکا اور چیخا کہ تمکو خوف نہیں کہ میں تمکو جان سے مار ڈالوں گا آپ نے اپنا سر اُسکی طرف اُٹھا کر فرمایا کہ اگر موت اور حیات تمہارے قبضہ میں ہوتی تو البتہ میں ڈرتا غرضکہ آپ محبوس رہے یہانتک کہ مہدی مر گیا پھر لوگوں نے اونکو رہا کر دیا تو آپ مکہ معظمہ کو

واپس آئے اور اُسی اثنار میں آپ نے نذر کی تھی کہ اگر خدا تعالیٰ مجھکو اُنکے ہاتھ سے رہائی دیگا تو میں سَو اونٹ قربان کرونگا پس تدبیر کرکے آپ نے نذر پوری کی۔ اور حبان بن عبداللہ سے منقول ہے کہ ہارون رشید ایک محلہ ذوین میں سیر کو نکلا اُسکے ساتھ سلیمان بن ابی جعفر بنی ہاشم میں سے تھا ہارون رشید نے کہا کہ تیرے پاس ایک لونڈی خوب گاتی تھی اُسکو بلاؤ وہ آئی اور راگ گایا مگر خلیفہ کے پسند نہ آیا اُس سے پوچھا کہ تجھکو کیا ہوا اوسنے کہا کہ یہ عود میرا نہیں خلیفہ نے خادم سے کہا کہ اسکا عود لے آ وہ لئے آتا تھا اثنا راہ میں ایک بوڑھا خرما کی گٹھلیاں چن رہا تھا خادم نے کہا کہ بڑے میاں ہٹو اُسنے جو سر اوبھارا تو عود دیکھا اوسکے ہاتھ میں سے لیکر زمین پر دے مارا کہ وہ ٹوٹ گیا خادم اُسکو گرفتار کرکے اُسی محلہ کے حاکم کے پاس لیگیا اور کہا کہ اسکو حوالات میں رکھو کہ یہ امیرالمومنین کا مجرم ہے حاکم محلہ نے کہا کہ بغداد میں اس سے بڑھکر کوئی عابد نہیں یہ امیرالمومنین کا مجرم کیسے ہوا اُسنے کہا کہ جو کچھ میں کہتا ہوں اسکو مان لو پھر ہارون کے پاس گیا اور کہا کہ میں عود لئے ایک بوڑھے کے پاس گذرا کہ وہ گٹھلیاں چن رہا تھا میں نے اُسکو ہٹنے کو کہا اُسنے جو میرے ہاتھ میں عود دیکھا اُسکو زمین پر پٹک کر توڑ ڈالا ہارون رشید جل بھن گیا اور مارے غصہ کے آنکھیں سرخ ہو گئیں سلیمان نے کہا کہ اتنا غصہ کیا ضرور ہے حاکم محلہ سے کہلا بھیجو کہ اُسکی گردن کاٹ ڈالے اور اوسکی لاش دجلہ میں پھینکدے ہارون نے کہا کہ نہیں بلکہ ہم اُسکو بلوا کر اُس سے اول بحث کرلیں چنانچہ قاصد اوسکے پاس گیا اور کہا کہ امیرالمومنین کے پاس چلو بلایا ہے اُس نے کہا بہتر ایلچی نے کہا سوار ہولو کہا کہ میں سوار نہ ہوں گا غرضکہ پیادہ اُسکے ساتھ گیا اور محل کے دروازہ پر کھڑا ہوا ہارون کو خبر ہوئی کہ بوڑھا حاضر ہے اُسنے اپنے ندیموں سے پوچھا کہ تمہاری کیا صلاح ہے یہ منکر چیزیں جو ہمارے سامنے ہیں اُنکو اُٹھوا دیں اور اُسکو اسی جگہہ بلوا دیں یا کسی اور جگہہ جہاں منکر نہ ہو اوٹھ چلیں اور وہاں بلوا دیں سب کی صلاح یہی ہوئی کہ دوسری مجلس میں اُٹھ چلو غرضکہ سب اُٹھکر ایسے مکان میں جا بیٹھے جہاں منکر نہ تھا پھر بوڑھے کے بلانے کا حکم دیا وہ اندر گیا اُسکی آستین میں ایک تھیلی تھی جسمیں گٹھلیاں تھیں خادم نے اوس سے کہا کہ اسکو اپنی آستین سے نکال ڈال تب امیرالمومنین کے

سامنے جا اُسنے کہا کہ یہ تو میری غذا رات کیلئے ہے اُسنے کہا کہ رات کو کھانا ہم کھلادینگے بوڑھے نے کہا کہ مجھکو تمھارے کھانے کی حاجت نہیں ہارون نے خادم سے کہا کہ تو اس سے کیا چاہتا ہے اُسنے کہا کہ اسکی آستین میں گٹھلیاں ہیں میں یہ کہتا تھا کہ ان کو ڈال کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو یہ نہیں ڈالتا ہارون نے کہا کہ مت ڈالو اُسکو آنے دے غرضکہ وہ گیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا ہارون نے اُسکو کہا کہ بڑے میاں جو حرکت تم نے کی اس کا سبب کیا ہے اُسنے کہا کہ میں نے کیا کیا ہے ہارون شرماتا تھا کہ یہ کیا کہوں کہ میرا عود توڑ دیا جب کئی بار یہی سوال کیا تو بوڑھے نے جواب دیا کہ میں تمہارے باپ دادوں سے سنتا تھا کہ منبر و نپر یہ آیت پڑھا کرتے تھے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ	اللہ حکم کرتا ہے انصاف کو اور بھلائی کو اور
وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ	دینے کو ناتے والے کو اور منع کرتا ہے بیحیائی کو
الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ۔	اور نامعقول کام کو اور سرکشی کو۔

اور میں نے ایک امر منکر کو دیکھا اُسکو بگاڑ دیا ہارون نے کہا کہ خیر بگاڑ دے اسکے سوا اور کچھ نہ کہا جب وہ بوڑھا باہر نکلا تو ہارون نے ایک تھیلی اپنے آدمی کو دی اور کہا کہ اسکے پیچھے جا اگر تو دیکھے کہ یہ لوگوں سے ذکر کرتا ہے کہ میں نے امیر المومنین سے یہ کہا اور اُسنے مجھ سے یہ کہا تب تو اسکو یہ تھیلی مت دینا اور اگر دیکھے کہ کسی سے کچھ نہیں کہتا تو یہ تھیلی دیدینا وہ بوڑھا جب محل سے باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک گٹھلی زمین میں گڑ گئی ہے وہ اُسکے نکالنے کی تدبیر کرنے لگا اور کسی سے کچھ نہ کہا اُس آدمی نے اُس سے کہا کہ امیر المومنین تجھکو فرماتے ہیں کہ اس تھیلی کو لیلو بوڑھے نے کہا کہ امیر المومنین سے کہدو کہ جہاں سے اسکو لیا ہے اُسی جگہ واپس کر دے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب وہ گفتگو کر کے نکلا تو زمین میں گڑی گٹھلی کو اوکھاڑنے لگا اور یہ کہتا جاتا تھا ؎

پاس جس شخص کے دنیا ہو اُسے دیکھتا ہوں	جتنی بڑھتی ہے اُسے ہوتی ہے غم کی کثرت
خوار کرتی ہے اُنہیں جو کرے اُن کا اکرام	جنکی نظروں میں ہے خوار اُنکی کرے ہے عزت
چھوڑ اُس چیز کو جس سے کہ تجھے استغنا	کر اُن اشیاء کو طلب جنکی ہے تجھکو حاجت

اور حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ خلیفہ مہدی نے سنہ ایک سو چھتیس ہجری میں حج کیا میں نے اسکو دیکھا کہ جمرہ عقبہ پر کنکریں مارتا ہے اور لوگ داہنے بائیں کوڑوں سے لوگوں کو پیٹ رہے ہیں میں کھڑا ہو گیا اور کہا کہ اے خوبصورت ہم سے حدیث بیان کی ہے ایمن بن وائل نے قدامہ ابن عبداللہ کلابی رضہ سے کہ اونھوں نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ شتر پر سوار ہوئے نحر کے دن جمرہ کو کنکریں مارتے تھے نہ تو لوگوں کو مار پیٹ تھی نہ کوئی ہٹاتا تھا نہ یہ کہتا تھا کہ بچو بچو اور ایک تم ہو کہ داہنے بائیں لوگوں پر مار پڑ رہی ہے مہدی نے کسی سے پوچھا کہ یہ کون ہے اسنے کہا کہ سفیان ثوری ہیں پھر مجھ سے کہا کہ اے سفیان اگر خلیفہ منصور ہوتا تو تمکو یہ جرءت نہ ہوتی میں نے کہا کہ منصور پر جو کچھ گذری اگر وہ تم سے کہہ جاتا تو تم بھی جس حال میں ہو اسمیں کوتاہی کرتے پھر کسی نے خلیفہ سے کہدیا کہ اونہوں نے تمکو خوبصورت کہا امیر المومنین نہ کہا مہدی نے کہا کہ اُنکو بلاؤ لوگوں نے حضرت سفیان کو تلاش کیا مگر وہ آڑ میں ہو گئے اور نہ ملے۔

اور منقول ہے کہ خلیفہ ماموں کو خبر پہنچی کہ ایک آدمی لوگوں میں چل پھر کر احتساب کرتا ہے اور امر معروف اور نہی منکر کرتا ہے حالانکہ خلیفہ کے یہاں سے اسکا مامور نہیں خلیفہ نے حکم دیا کہ اُسکو ہمارے پاس حاضر کرو جب وہ سامنے آیا تو خلیفہ نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم اپنے آپ کو قابل امر معروف اور نہی منکر کے سمجھتے ہو بدوں اسکے کہ ہم تمکو اجازت دیں اور ماموں اُسوقت کرسی پر بیٹھا ہوا ایک کتاب یا اخبار دیکھ رہا تھا اتفاقاً غفلت سے تھوڑا سا نوشتہ نیچے گر کر اُسکے پانو تلے آگیا اور اوسکو خبر بھی نہ ہوئی محتسب نے جواب دیا کہ اول خدا تعالیٰ کے ناموں پر سے اپنا پانو ہٹا لو پھر جو چاہو سو کہو ماموں اوسکا مطلب نہ سمجھا اور کہا کہ کیا کہتے ہو اُسنے تین بار یہی کہا چوتھی بار اُسنے کہا کہ یا تم خود اُٹھا لو نہیں مجھکو اجازت دو کہ میں اوٹھا دوں خلیفہ نے کہا کہ میں نے اجازت دی اُسنے اُس نوشتہ کی طرف اشارہ کیا ماموں نے دیکھا کہ پاؤں تلے کتاب پڑی ہے اُسکو اُٹھا کر بوسہ دیا اور شرمندہ ہوا پھر محتسب سے وہی سوال کیا کہ تم امر بالمعروف اور نہی منکر کیوں کرتے ہو یہ تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے خاندان کیلئے مخصوص کیا ہے۔

(باقی آئندہ)

کلمۃ الحق

(گذشتہ سے پیوستہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت سے بصراحت یہہ معلوم ہوا کہ شام کے وقت جب آفتاب کی تیزی نہیں اور شمس زرد ہوگیا اسوقت کو دوسری روایت میں غروب شمس سے تعبیر کیا گیا ہے جب یہہ اطلاق حدیثوں میں مستعمل ہے تو اب کیا کوئی خفا باقی رہگیا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں جو مکہ معظمہ سے بعد غروب شمس روانگی کا تذکرہ ہے اُس سے بھی یہی مراد ہے کہ روانگی مکہ معظمہ سے ایسے وقت ہوئی کہ آفتاب کی دھوپ دھیمی اور ضعیف ہوگئی تھی اور چونکہ ابھی تک آفتاب غروب نہ ہوا تھا اسی لئے آپنے نماز مغرب مکہ معظمہ میں نہ پڑھی ورنہ ضرور پڑھکر روانہ ہوتے وقت ہو چکنے کے بعد نماز فرض کی تاخیر کی کوئی وجہ ایسے موقع میں ہو ہی نہیں سکتی پس چونکہ ہنوز دن تھا لہٰذا آپ روانہ ہوئے اور سرف میں پہونچکر مغرب آخر وقت میں اور عشا اول وقت میں پڑھی۔

اس قدر تحریر غالباً اس روایت کے متعلق ایک منصف کے لئے کافی ہوگی مگر میں چاہتا ہوں کہ اور زیادہ وضاحت سے اس روایت کے متعلق کچھ لکھدوں کہ پھر کوئی شبہ باقی نہ رہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کو پڑھکر یہ تحقیق کرنا چاہیئے کہ یہ واقعہ کس سفر کا ہے اور یہ روایت باوجود صحیح الاسناد ہونے کے نفس الامر میں صحیح ہے یا نہیں دیکھنا یہہ ہے کہ ہجرت کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں کے مرتبہ تشریف لائے ہیں اور یہ واقعہ جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے کس سفر میں پیش آیا ہے۔ اول سنہ ۶ھ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقصد ادائے عمرہ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے مگر تقدیر الٰہی سے حدیبیہ میں آپ محصر ہوگئے کفار مکہ نے دخول مکہ کی اجازت نہ دی اور بہت سی گفت وشنید پر یہ فیصلہ قلمبند ہوا کہ آپ اب تو واپس تشریف لیجائیں

ہاں سال آیندہ آپ تشریف لاویں اور صرف تین دن مکہ مکرمہ میں قیام فرماکر واپس تشریف لیجائیں وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ آپ ۷ھ ہجری میں دوبارہ تشریف لائے اور تین دن سے زیادہ قیام فرمانا چاہا اور اہل مکہ سے اجازت طلب فرمائی کہ ہمنے ایک نکاح کیا ہے ہم چاہتے ہیں کہ ایک دوروز یہاں رہیں ولیمہ کی دعوت کریں تم لوگوں کی بھی دعوت کریں مگر کفار مکہ نے منظور نہ کیا اور آپ تین دن کی مدت پوری فرماکر مکہ معظمہ سے تشریف لے گئے یہ آپ کا پہلا ورود مکہ معظمہ میں ہوا۔

دوسری مرتبہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ورود مسعود مکہ مکرمہ میں ۸ھ میں فتح مکہ کی تقریب میں ہوا ہے اس مرتبہ آپ فتح مکہ سے فارغ ہوکر ۸ شوال کو حنین کو تشریف لیگئے اور وہاں سے کامیابی کے بعد جعرانہ میں قیام فرمایا حنین کی غنیمت تقسیم فرمائی۔ حنین مکہ معظمہ سے کچھ اوپر دس میل کی مسافت پر عرفات کی جانب میں واقع ہے اس سفر میں آپ کا ورود حرم شریف میں نہیں ہوا۔

تیسری مرتبہ آپ کی تشریف آوری مکہ مکرمہ میں جعرانہ سے بغرض ادائے عمرہ ہوئی جعرانہ سے آپ راتوں رات تشریف لائے عمرہ کے ارکان ادا فرمائے اور فوراً تشریف لیگئے اور جعرانہ میں آرام فرمایا اور اسطرح صبح کی کہ گویا آپ یہیں شب باش رہے بہت سے صحابہ کو آپکی اس آمد ورفت کی اطلاع بھی نہیں ہوئی۔

چوتھی مرتبہ آپ حجۃ الوداع کیلئے ۱۰ھ میں رونق افروز مکہ معظمہ ہوتے۔

حجۃ الوداع سے فارغ ہوکر آپ کب مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے۔ صحیحین اور سنن اربعہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب منیٰ میں افعال حج سے فارغ ہوئے اور روانگی کی تیاریاں ہوئیں تو منیٰ سے چلکر محصب میں قیام فرمایا اور آپنے یہاں سے طواف وداع کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عمرہ کی غرض سے تنعیم کو روانہ فرمایا اور حکم کیا کہ عمرہ سے تم دونوں فارغ ہوکر مجھسے یہاں آملو میں تمہارا یہاں انتظار کروں گا جب یہ دونوں واپس آگئے تو آپ نے کوچ کا حکم دیدیا ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کچھ مریض تھیں طواف وداع نہیں کیا تھا

روانگی کا وقت آگیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں بیمار ہوں کیا کروں آپ نے فرمایا کہ لوگوں سے علٰحدہ اور پیچھے پیچھے سواری پر طواف کر لو وہ فرماتی ہیں کہ میں طواف میں مصروف ہوئی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے ایک جانب نماز ادا فرمارہے تھے اور سورۂ طور کی قراءت فرمارہے تھے یعنی نماز فجر۔

ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۴ ذی الحجہ کو صبح کی نماز پڑھکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی مکہ معظمہ سے ہوئی ہے تو جو واقعہ مکہ معظمہ سے بعد غروب شمس روانگی کا حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں مذکور ہے وہ حجۃ الوداع کا واقعہ نہیں ہے ایسے ہی یہ واقعہ عمرہ جعرانہ کا بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ جعرانہ سے آمد و رفت شبا شب ہوئی ہے غروب شمس کے بعد روانگی مکہ معظمہ سے نہیں ہوئی اور نہ سرف کی جانب کو ہوئی۔

فتح مکہ سے فارغ ہو کر چونکہ آپ حنین کو تشریف لے گئے ہیں اور حنین مکہ معظمہ سے دس پندرہ میل کی مسافت پر جانب عرفات میں واقع ہے اسلئے اس سفر کا بھی یہ واقعہ نہیں ہوسکتا اب صرف عمرۃ القضاء کا سفر باقی رہ گیا ہو نہو یہ واقعہ جو حضرت جابر کی روایت میں مذکور ہے اسی سفر کا ہے اور یقیناً اسی سفر کا ہے۔ اب فیصلہ بہت ہی سہل ہوگیا یہ معلوم کرلینا چاہیئے کہ اس مرتبہ آپ کی روانگی مکہ معظمہ سے کس وقت ہوئی ہے اور بس۔

یہ بات تو پہلے ثابت ہو چکی ہے کہ قرارداد باہمی کی بنا پر اس سفر میں آپکو مکہ معظمہ میں قیام کی اجازت صرف تین دن کی تھی آپ کی شان سے یہ امر مستبعد ہے کہ آپ سے خلاف شرط اور خلاف عہد کوئی امر سرزد ہو حاشا و کلا۔ بس حضرت جابر کی روایت کو اگر مطابق واقعہ کے مانا جاوے تو یہ ماننا پڑیگا کہ آپ بعد غروب شمس مکہ معظمہ میں تشریف لائے تھے مگر کسی روایت میں یہ تصریح نہیں ملتی کہ آپ فلاں وقت تشریف لائے تھے۔ جس کے حساب سے روانگی کا صحیح وقت معلوم ہوجاتا مگر اسباب میں جو کچھ کتب حدیث و سیر میں مذکور ہے اس پر ایک نظر ڈالنے سے یہ مقصد حاصل ہو جائے گا۔

صحیح بخاری شریف میں امام بخاری علیہ الرحمۃ نے باب بدیں عنوان (باب دخول مکۃ نہاراً و لیلاً) منعقد کیا ہے جس سے یہ غرض ہے کہ دخول مکہ دن کو بھی جائز ہے اور رات کو بھی [illegible]

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بیان کی ہے جس سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دن کو مکہ معظمہ میں داخل ہونا ثابت ہوتا ہے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں بذیل حدیث موصوف یوں رقم طراز ہیں۔

وھو ظاھر فی الدخول نھارا وقد اخرج مسلم من طریق ایوب عن نافع بلفظ کان لا یقدم مکۃ الا بات بذی طوی حتی اصبح ویغتسل ثم یدخل مکۃ نھارا واما الدخول لیلا فلم یقع منہ صلی اللہ علیہ وسلم الا فی عمرۃ الجعرانۃ فانہ صلی اللہ علیہ وسلم احرم من الجعرانۃ ودخل مکۃ لیلا فقضی امر العمرۃ ثم رجع لیلا فاصبح بالجعرانۃ کبائت کما رواہ اصحاب السنن الثلاثۃ من حدیث محرش الکعبی وترجم علیہ النسائی دخول مکۃ لیلا۔

اس حدیث سے واضح ہے کہ آپ کا دخول مکہ معظمہ میں دن کو ہوا اور اسی حدیث کو امام مسلم نے بطریق ایوب عن نافع ان لفظوں سے اخرج کیا ہے کہ آپ مکہ معظمہ میں آتے تھے تو ذی طوی میں صبح تک شب باش ہوتے صبح کو غسل کرکے پھر دن کو مکہ میں داخل ہوتے۔ اور رات کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دخول مکہ معظمہ میں سوائے اس عمرہ کے جو جعرانہ سے ہوا کبھی نہیں ہوا کیونکہ آپ نے جعرانہ سے احرام باندھا اور رات کو ہی مکہ معظمہ میں داخل ہوئے اور عمرہ کرکے رات ہی کو لوٹ آئے جعرانہ میں اسطرح صبح کی کہ گویا یہیں شب گذاری ہے۔

اس بیان سے واضح ہوا کہ سوائے عمرۂ جعرانہ کے کسی اور ورود میں آپ کا دخول مکہ مکرمہ میں رات کو نہیں ہوا پس عمرۃ القضا میں یقیناً آپکا ورود دن کو ہوا ہے۔

اسکے علاوہ ان تمام روایات باب پر نظر ڈالو تو سیاق روایات ہدایت کرتا ہے کہ بالیقین آپ کا دخول دن کو ہی ہوا ہے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ داخل ہوتے ہی افعال عمرہ کی ادا میں مصروف ہوگئے آپ نے سب سے پہلے طواف کیا کفار مکہ کو معلوم ہوا تھا کہ آپ کے اصحاب فصلی بخار سے ناتوان ہیں طواف وسعی کیونکر کرینگے وہ ان حضرات کے طواف وسعی کی حالت دیکھنے کو سامنے قینقع (پہاڑی) پر آبیٹھے تھے۔

(باقی آیندہ)

لباس

(گذشتہ سے پیوستہ)

مگر افسوس ہے کہ ایک شخص کو اپنے مسلم ہونے کا یقین ہو اور اسلامی فرائض و ذمہ داریوں کا احساس نہ ہو آخر ایسا کیوں ہے۔ اس کی وجہ بجز اس کے کچھ معلوم نہیں ہوتی کہ قرآن وحدیث کا علم مسلمانوں سے اٹھ گیا۔ نہیں نہیں میں نے غلط کہا سچ یہ ہے کہ مسلمانوں نے قرآن وحدیث کو پس پشت ڈالدیا انکی کچھ قدر نہ کی۔ غیر قوموں سے صحبت اور گرم جوشیاں رہیں۔ ان کی آزادی اور بے قیدی کے شکار ہوگئے۔ اور کہنے لگے کہ اسلام شیشہ نہیں ہے کہ ذرا ٹھیس لگی اور چور ہوا۔ خودمختارانہ کارروائیوں پر جب کوئی گرفت کرتا ہے تو کہدیتے ہیں (الدین یسر۔ دین میں آسانی ہے)۔ میں مانتا ہوں تمام دنیا مانتی ہے۔ موافق ومخالف مانتے ہیں کہ دین میں آسانی ہے مگر میرے دوست دین میں آزادی نہیں ہے۔ دین اسلام میں آسانی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہود ونصاری پر جو بعض بعض سخت پابندیاں تھیں یا جو سختیاں انھوں نے از خود اپنے لئے تراش لی تھیں وہ دین محمدی میں باقی نہیں رہیں۔ امت محمدیہ کے لئے جو احکام ہیں اُن میں نہایت سہولت ہے دیکھو نماز میں قیام فرض ہے۔ بیمار کے ذمہ سے قیام کی فرضیت کو ساقط کر دیا گیا۔ مسافر کیلئے نماز میں قصر کر دیا گیا۔ عاجز کیلئے حج میں نیابت کی اجازت فرمادی۔ جو صاحب نصاب نہو اُسکو زکوۃ سے معافی دی گئی۔ پانی کو طاہر ومطہر بنا دیا کہ ناپاک کپڑا اور ناپاک جسم پانی سے پاک ہو جاتا ہے۔ بیوہ عورت کی عدت جو جاہلیت میں ایک سال کی قید تنہائی تھی کہ ایک تیرہ وتاریک مکان میں اسکو ڈالدیا کرتے تھے اور اوس کے ختم پر کیا کیا حماقت شعاریاں ہوتی تھیں ان سختیوں کے مقابلہ میں چار مہینے دس دن کی مدت مقرر فرمادی۔ حائضہ عورت کو بھنگن کی طرح گندی سمجھتے تھے وہ کھانے کو ہاتھ نہ لگا سکتی تھی سب سے علحدہ اور یکسو رہتی تھی اُس کی اس ذلت پر رحم کیا اور صرف زمانہ حیض میں مجامعت سے منع فرمادیا۔

ولا تقربوا هن حتى يطهرن۔ | حائضہ عورتوں سے قربت نہ کرو جبتک وہ حیض سے پاک ہو جاوٰیں

اُسکے ساتھ کھانا کھانا اُس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانا اُس کے ہم نشینی کرنا یہہ سب جائز کر دیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بصراحت فرمادیا کہ سب کچھ کرو مگر جماع نہ کرو۔ ایسی ہی اور صدہا مثالیں ہیں کہ جن سے الدین یسر کا مفہوم آشکار ہوتا ہے۔ یہہ معنی نہیں ہیں جو آجکل ہمارے نوجوان سمجھے ہیں کہ جس کام میں اُن کو ذرا دقت (تنگی) ہوئی آسان طریق اختیار کر لیا اور کہدیا الدین یسر یہ تو حقیقت میں دین میں خودمختاری آزادی بے قیدی ہے اسکو الدین یسر سے کیا علاقہ۔ دین اور اسلام قرآن وحدیث کے مجموعہ پر عمل کرنے کا نام ہے قرآن وحدیث بہت سے احکام وا وامر ونواہی پر مشتمل ہیں کچھ مصرح ہیں اور کچھ امور کی لم اور علل اُن سے معلوم ہوتی ہیں کچھ قواعد کلیہ کے طور پر ہیں جنکے تحت میں لاکھوں جزئیات داخل ہیں جو عالم میں قیامت تک پیش آتے رہیں گے علماے کاملین فقہاے مجتہدین کا امت پر احسان ہے کہ اُنھوں نے قرآن وحدیث کی وہ خدمت کی کہ آنے والی نسلوں کے لئے عمل اور اتباع کا میدان بالکل صاف کر دیا۔

دنیا کا کوئی مذہب جو آسمانی ہونے کا مدعی ہے اسلام کے مقابلہ میں عہدہ برآ نہیں ہو سکتا کسی نے اپنی آسمانی کتاب کی نہ ایسی حفاظت کی نہ اُسے اسقدر کارآمد ثابت کیا نہ اپنے نبی کے حالات مقولات ملفوظات کی ایسی قدر کی جو مسلمانوں نے کی ہے۔ دنیا میں وہ مذہب اسلام ہی ہے کہ دنیا و دین کے متعلق کسی مسلمان کو جو حالات اور حوادث پیش آئیں اُسکے ہر سوال کا جواب اوسکو قرآن وحدیث سے ملتا ہے دن رات لاکھوں جزئیات اور وقائع پیش آتے ہیں نئی نئی صورتیں ہر کام میں نکلتی ہیں مگر قرآن کی محکم تعلیم اور حدیث کا استوار دستور اور علماء کی صحیح تشریح اور تفصیل (علم فقہ واصول) کفیل ہیں کہ مسلم کی ہر دینی اور دنیاوی ضرورت کے وقت دستگیری کریں۔

درحقیقت اسلام کی حقانیت اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز ہے کہ آج ہم کو کچھ ترمیم وتنسیخ کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ فقہاے امت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجسم معجزات ہیں کہ اُنھوں نے قرآن پاک اور حدیث شریف سے قواعد کلیہ

معلوم کئے احکام کی لم اور علل دریافت کئے اور لاکھوں جزئیات ہر باب میں جو امکان کے درجہ میں وقوع پذیر ہوں کتب فقہ میں مدون کر دئے۔ عالم اور غیر عالم کی رہنمائی کی سالک کے لئے طریق اتباع میں قدم قدم پر مشعلیں روشن کر دیں اسلام کے تشنہ لبو کے لئے علم کے شیریں اور ٹھنڈے پانی کی نہریں جاری کر دیں - جابجا سبیلیں لگا دیں۔

اگر سمجھو تو الدین یسر کے ایک یہہ بھی معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن و حدیث کے مشکل سے مشکل مضمون اور دقیق سے دقیق معنے کو سمجھانے کے لئے کلیات پر جزئیات کو متفرع کرنے کے لئے احکام کی لم و علل دریافت کر کے اونپر جزئیات و حوادث آئندہ کو منطبق کر کے وضع کرنے کے لئے ایک جماعت پیدا کی جنہوں نے اپنے کو معجزہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ثابت کیا اور امت مرحومہ پر وہ احسان کیا کہ جسکی نظیر کوئی قوم کوئی مذہب نہیں پیش کر سکتا۔

مسلم کے لئے اس مکمل مجموعہ کی پابندی ضرور ہے کیونکہ دین اسی مجموعہ کا نام ہے جو قرآن و حدیث کی تشریحات اور تفصیلات پر مشتمل ہے۔ غرض کہ یہہ سب ذمہ داریاں ہیں جو مسلم کے لئے ضروری ہیں اور جنہیں کامیاب ہوئے بغیر وہ کامل مومن اور سچا مسلم کہلائے جانیکا مستحق نہیں ہو سکتا۔

امور دینیہ میں ہر شخص کا فہم معتبر نہیں ہو سکتا اور اس کے تسلیم کرنے میں کسی عاقل کو تردد نہ ہونا چاہیئے یہہ ایک مسئلہ مسلمہ عند الکل ہے کہ ہر شے کے جاننے والوں کا ہی قول اوسکے متعلق معتبر ہوتا ہے۔ ایک جوہر کے کامل اور ناقص ہونے کا فیصلہ اوسکے مبصر اور جوہری ہی کر سکتے ہیں دوسرے فنون کے کامل بھی نہیں کر سکتے۔ طبی مشکلات میں بوعلی سینا ہی رہنمائی کر سکتا ہے۔ خلیل اور اخفش کو مجال دم زدن نہیں ہے - ایک منصف اور جج کے فیصلوں کی گتھیاں اگر سلجھا سکتا ہے تو منصف اور جج ہی سلجھا سکتا ہے صاحب ایکز یکٹو انجنیر اس میدان کے مرد نہیں ہیں ایسے ہی دینی مسائل میں علمائے دین کا ہی قول قابل قبول ہو سکتا ہے اون کا ہی فہم و فراست اور عقل و درایت معتبر ہے ہر شخص کو یہ اختیار نہیں ہے کہ دخل در معقولات کرے۔ جیسے کہ شاہی قانون کی مشکلات کو ہائیکورٹ کے جج اور بیرسٹر و وکلاء حل کر سکتے ہیں اور کسی اجنبی اور ناواقف کا قول اُن میں قابل اعتبار نہیں ہے

ایسے ہی قانون شریعت کی مشکلات کو علما و فقہا ہی حل کرسکتے ہیں کسی دوسرے کی یہہ مجال نہیں کہ وہ اپنی ٹانگ بیچ میں اڑادے۔

پس جسطرح سرکاری قانون کے سمجھنے میں بیرسٹروں اور وکیلوں کی ضرورت ہے ایسے ہی قرآن وحدیث کی مراد سمجھنے میں علما و فقہا کی ضرورت ہے جیسے کہ ہائیکورٹ کے جج قانون کی لم اور علل کو سمجھتے ہیں اور مقدمات پیش آئندہ میں اُن کی بناپر حکم صادر کرتے ہیں اُن کی نظائر خود قانون بنجاتی ہیں ایسے ہی فقہائے مجتہدین کا منصب ہے کہ وہ قرآن وحدیث سے قواعد کلیہ اور احکام کی لم اور علل کے علم سے نظائر مرتب کردیں اور وہ مسلمانوں کے نزدیک معتبر ہوں۔

علم فقہ میں یہہ خدمت کامل طور پر ادا کی گئی ہے۔ بقول شخصے قلم توڑ دئے ہیں زبانیں سیدی ہیں قرآن وحدیث کو میری آپ کی دستبرد سے محفوظ فرمادیا ہے۔

میں دعوی کرتا ہوں کہ قرآن وحدیث میں سب کچھ ہے آج کوئی نیا واقعہ پیش آتا ہے تو اُسکی گتھیاں سلجھانے کے لئے ہمکو کسی انجمن منعقد کرنے کی ضرورت نہیں کسی نئی رزولیشن پیش کرنے اور کسی نئی تحریک اور تائید کی ضرورت نہیں۔ گو اوس نئے واقعہ کا ذکر اوسکے نام کے ساتھ قرآن وحدیث میں نہو فقہ کی کتابوں میں نہو مگر اوس کا حسن وقبح حلت وحرمت نفع وضرر قرآن وحدیث سے فقہ کے مجموعہ سے ایک طالب اور متجسس کو مل سکتا ہے اس بناپر میں بہت زور سے کہتا ہوں کہ کسی نئی تجویز اور اختراع کی ضرورت نہیں زمانہ بدل جاے مسلمان بدل جائیں عالم کی آب وہوا بدل جائے مزاج بدل جائیں رسم ورواج بدلجائیں زمین وآسمان بدل جائیں مگر خدائی احکام نبوی انتظام نہیں بدل سکتے قرآن وحدیث میں کوئی تغیر نہیں ہوسکتا۔ کیوں۔ اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیا ہیں آپ کا دین خاتم الادیان ہے آپکے بعد کوئی نبی آنیوالا نہیں کوئی آسمانی صحیفہ اترنیوالا نہیں قیامت تک کی ضرورتوں اور مشکلوں کیلئے یہ مجموعہ کافی ہے اور اسکا اعجاز ہے کہ ہر ضرورت کے وقت ہر حادثہ کے وقت وہ جواب کافی دینے کا کفیل ہے۔ پس الدین یسر لیس بعسر (دین سہل ہے مشکل نہیں) بالکل صحیح ہے۔

(باقی آیندہ)

قواعد و ضوابط رسالہ القاسم

۱ - یہ رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے اور کسی ماہ کا رسالہ بتیس ۳۲ صفحے سے کم نہیں ہوتا - بلکہ بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھجاتا ہے -

۲ - یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوتا ہے اور عام قیمت سالانہ معہ محصول دو روپیہ آٹھ آنہ عہ پیشگی لیجاتی ہے - ممالک غیر سے صرف اُسیقدر زیادہ لیا جائیگا - جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے -

۳ - جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچروپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائینگے وہ رسالہ کے معاونین خاص میں شمار ہونگے - اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہیگی -

۴ - سوائے اُن صاحبون کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے جملہ حضرات کی خدمت میں شروع کا (یا خریدار کا جب سال شروع ہو اُسکا) پہلا پرچہ ویلو بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کر کے عہ کا ویلو روانہ ہوگا -

۵ - یہ رسالہ ہرگز کبھی کسی صاحب کی خدمت میں بلا طلب و تحریک ویلو نہیں روانہ کیا جاتا - بعض حضرات خود طلب فرماتے ہیں اور بعض حضرات اپنے اعتماد پر دوسرونکی خدمت میں ویلو بھیجنے کی فرمایش کرتے ہیں -

۶ - شعبان ۱۳۳۳ھ مطابق جولائی ۱۹۱۵ء سے اس رسالہ کا چھٹا سال شروع ہوا ہے - پچھلے پانچ سالوں کی مکمل جلدیں موجود ہیں قیمت ہر جلد کی عہ مع محصول ڈاک ہے -

۷ - نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں اُنکے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کئے جائینگے جو اصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں -

۸ - القاسم کے متعلق جملہ تحریرات و ترسیل زر بنام حضرت مدیر یا بنام خاکسار ہونی چاہئے -

المشتہر

خاکسار سراج احمد عفی عنہ معتمد المدیر رسالہ القاسم مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

(رجسٹرڈ نمبر ۵۲۳)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی-مذہبی-اخلاقی-ادبی-تمدنی تاریخی ماہوار رسالہ

نمبر ۱۲ | بابت ماہ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ | جلد ۶

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

(اور)

مطبع قاسمی دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھپوایا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

(مطابق ماہ جون ۱۹۱۶ء)

جو حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

(اور)

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

(شائع ہوتا ہے)

گذارش ضروری

اکثر خریداروں کا سال خریداری شعبان سے شروع ہوتا ہے اونکی خدمت میں القاسم ماہ شعبان بذریعہ وی۔پی روانہ ہوگا۔ اطلاعاً گذارش ہے۔

خاکسار معتمد المدیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اختتام سال ششم

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو حی لا یموت بیدہ الخیر یحیی ویمیت وھو علی کل شیٔ قدیر۔

صفت حیات کا موصوف حقیقی۔ آب حیات کا مخزن ومصدر کون ہے۔ کہو اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم۔ اوسی کی صفت ہے۔ حی لا یموت۔ زندۂ جاوید دائم وقائم۔ اوسی کے آفتاب جود کی کوئی کرن تھی جسنے حضرت کلیم (علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام) سے مصافحہ کرتے ہوئے اونکی مٹھی میں وہ تابش ودیعت فرمائی کہ ایک عالم اوس سے جگمگا اوٹھا۔ اوسی چشمۂ حیات کا کوئی قطرہ تھا کہ جسنے دم عیسیٰ (علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام) کو جانبخشی کی نعمت سے نوازا۔ اللہ اللہ صفت حیات کی کیا تجلی ہے کہ جسپر پڑتی ہے وہ خلعت وجود سے ممتاز ہوکر خواب عدم سے کلبلا اوٹھتا ہے۔

عالم وما فیہا کا وجود اوسیکا دست نگر اور خانہ زاد ہے۔ اوسی کے فیاض ہاتھوں کو سب کی آنکھیں تکتی ہیں۔ ان تکنے والی آنکھوں پر اگر اوسکا فیضان نہو تو زندگی کا چراغ ٹمٹما کر گل ہوجاتا ہے اور موت کی ظلمت مستولی ہوجاتی ہے۔

آفتاب کا طلوع وغروب۔ ماہتاب کا عروج ونزول حیات وموت کے مجسمے ہیں۔ ابتدا وانتہا۔ بقا وفنا کی محسوس مثالیں ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

دن کو آفتاب باین حسن وتنویر کس بیقراری کے ساتھ اوس واجب الوجود کے حکم کی تعمیل میں اپنے دائرہ میں روزانہ سرگرداں ہے

والشمس تجری لمستقر لھا۔ | آفتاب کیلئے جو راہ مقرر کردی ہے اوسمیں چلتا ہے۔

شب کو ماہتاب بایں نور وضیا اوسیکے اشارہ پر طے منازل میں مصروف ہے۔

والقمر قدرناہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم | او چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کردیں یہانتک کہ کھجور کی سوکھی ٹہنی کی طرح ہوگیا

آسمان پر لیلی ونہاری دو مدرسے قایم ہیں اور یہ دو شفیق مدرس غافل انسان کی تعلیم میں مصروف ہیں یعنی اپنے طلوع وغروب اور عروج ونزول سے فنا کے مسئلہ کی ایسے واضح طور پر تشریح کرتے رہتے ہیں کہ سمجھنے والیکے لئے کوئی خلجان باقی نہیں رہتا۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

عالم کی بوقلمون مصنوعات پر ایک غائر نظر ڈالو تو اوسکا وجود تمکو اپنے عدم وفنا کا یقین دلائیگا تم نہ سمجھو تو یہ تمہارا قصور ہے

زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے　　یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے

خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا | اللہ تعالی نے موت حیات کو اسلئے پیدا کیا کہ تمکو آزمائے کہ کون اچھے عمل کرتا ہے

حیات کی لذت کے ساتھ موت کی تلخی لازم ہے۔ کل نفس ذائقۃ الموت۔ جب یہ تلخ گھونٹ پینا ضروری ہے تو عاقل کا فرض ہے کہ وہ حیات کا زمانہ غفلت میں نہ گذارے۔ اور ہر دم موت کو یاد رکھے کہ وہ آئیگی اور ضرور آئیگی پس حیات کا ہر جزا اپنے خالق کی طاعت میں گذارنا عقل سلیم کا شعار ہے۔

گردش شمس وقمر اختلاف لیل ونہار کو عبرت کی نظر سے دیکھو اور اسمیں جو نشانیاں ہیں اونکو پرکھو عمر عزیز کو رائگاں نہ گذارو۔

کل کی بات ہے کہ القاسم کو چھٹا سال شروع ہوا تھا بات کی بات میں آج تمام ہوگیا شعبان ۱۳۳۲ھ میں آغاز سال کی نوید ہم آپکو سنارہے تھے اور رجب ۱۳۳۳ھ میں اوسکو وداع کر رہے ہیں۔

چھٹا سال کیا جلد رخصت ہوا　　کل آیا تھا اور آج چنپت ہوا

دوستو وہ کیا رخصت ہوا ہم تم سب رخصت ہونیوالے ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ رخصت کا اذعان ہے اور پھر غفلت طاری ہے کیسی مصیبت ہے۔ اللھم ارحم علینا۔

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یہاں سب یار بیٹھے ہیں　　بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

یہ صاحبو یہ سال کیا رخصت ہوا ایک دن آئے گا کہ نہ زمانہ رہے نہ دن نہ رات نہ زمین نہ آسمان اُس دن کی فکر چاہیئے اور بس۔

ویبقی وجہ ربک ذی الجلال والاکرام | ہمیشہ رہے نام اللہ کا

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ باوصف فتنوں کے متواتر اور لگاتار دُھواں دھار بارشوں کے اور باوصف حوادث کے کالی اور مہیب ہمت شکن آندھیوں کے **القاسم** کامیابی کا پھریرا ہلاتا ہوا اپنے مقصود کی چھٹی منزل پر سلامت کے ساتھ پہونچا۔ اوسنے اس پرآشوب زمانہ میں نہایت سکون واستقلال صبر وقار کے ساتھ آفتاب عالمتاب کیطرح ملک میں بارہ دورے کئے اور تبلیغی فریضہ کو انجام دیا۔

ملک کے رسم ورواج ملک کے وضع وقطع ملک کے طرز وانداز ملک کے کاپلٹ سے ممکن تھا کہ وہ بھی کچھ متاثر ہوتا مگر الحمد للہ تعالیٰ توفیق الٰہی اوسکی خضر رہ رہی اور وہ اپنی اوسی سادہ قدیم بے ضرر وضع کا پابند رہا اور سلف کے قابل تقلید واتباع طریق کو نواجذ سے پکڑے رہا۔ اس پرآشوب وقت میں اوسنے اپنی قدامت شعاری سے ملک کی جدت پسندی کا مقابلہ کیا جس طرز کو آج ناپسند اور جس قوت کو ضعف سمجھا جاتا ہے اوسنے اوسی سے محدث اور من گھڑت قوتوں کی مدافعت کی۔

ابلغوا عنی ولو آیۃ کے امتثال میں اوسنے اپنی ہستی کو وقف کردیا اور شکر کا مقام ہے کہ اوسنے اپنی قوت واستطاعت کا اچھی طرح احساس کیا وہ اپنے جامہ سے باہر نہوا۔ ہند سے باہر نکلنے کی بے سود کوشش نہ کی۔ لندن و پیرس جاکر تبلیغ کرنے کا خواب اوسکی حق میں آنکھوں کو لنظر دکھایا۔ یاروں کے فقرے اوسپر کارگر نہوئے۔ اوسکا دماغ ہوس خام کے سوداوی ابخرون سے محفوظ رہا وہ اگر زمانہ کی بھیڑیا چال سے متاثر ہوکر اہل ملک سے یورپ جانیکی درخواست کرتا تو بالیقین اوسکی درخواست رائگاں نجاتی قوم اپنے داعی کی آواز پر لبیک کہتی اور چالیس پچاس ہزار روپیہ سے اوسکی ہمت افزائی کرتی مگر اوسنے اس بے سود سعی میں نہ اپنا وقت ضائع کیا اور نہ قوم کی جیبیں اس کام کیلئے خالی کرائیں۔ اوسنے صرف اپنے کاغذ وکتابت کے دام لئے اور جو کرنے کا کام تھا اوسمیں لگا رہا۔ والحمد للہ علی ذلک

وانذر عشیرتک الاقربین کے فرمان واجب الاذعان کو اپنا نصب العین رکھا اور اسی فریضہ کے اداکو اوسنے اصل موضوع قرار دیا۔ اول خویش بعدہ درویش۔ خدا وہ دن لائے کہ اوسکو گھر کے بیماروں کے علاج میں کامیابی ہو تو پھر دیکھئے گا انشاء اللہ تعالیٰ وہ غیروں کی مداوا میں مصروف ہوگا۔

کاغذ کی گرانی کا گھر گھر رونا ہے غلہ کی گرانی میں تو ایک مدت سے مبتلا تھے اب کاغذ بھی بیحد گراں ہے۔ بن پڑی اور یہ کیسی میرے اللہ نئی۔ اخبار و رسائل کی غذا بھی اب گراں ہوگئی زندگی کے لالے پڑگئے جنگ یورپ کا اثر ہر شئے پر ہے رسائل پر بھی ہے اخبار پر بھی ہے مدارس پر بھی ہے اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ ناچار لوگوں نے معمولی کاغذ لگانے شروع کئے کسی نے قیمت میں اضافہ کی صورت نکالی کسی نے اخبار کا حجم کم کردیا جو کچھ کیا بجا کیا مرتا کیا نہیں کرتا مرگ انبوہ جشنے دارد۔ **القاسم والرشید** بھی اس مصیبت میں مبتلا ہیں لیکن حتی الامکان اوسی کاغذ پر طبع ہونگے جس پر طبع ہوتے رہے ہیں اور جب کاغذ نہ ملے گا تو ناچار جیسا ملیگا لگایا جائیگا۔ گندم اگر بہم نرسد جو غنیمت است۔

حتی الامکان خریداروں پر اضافہ قیمت نہ کیا جائے گا۔ لیکن **القاسم والرشید** کے قدردانوں اور دارالعلوم دیوبند کے بہی خواہوں کو اس نازک وقت میں ان رسالوں کی اشاعت میں ترقی کرنی ضرور چاہیئے کہ کچھ زخم کا اندمال ہوتا رہے میں **القاسم والرشید** کے تمام خریداروں سے اسوقت یہ درخواست کرتا ہوں کہ ہر شخص کم از کم چار چار خریدار کا اضافہ کراوے۔

اور مجھے امید ہے کہ سب حضرات میری اس درخواست کو قبول فرمائینگے اور رسالہ پہونچتے ہی خریداروں کی درخواستیں آنی شروع ہوجائیں گی درخواستوں میں سعی کا حوالہ ضرور ہونا چاہیئے

والسلام

خاکسار معتمد المدیر

شعبان کا رسالہ اون حضرات کے نام جنکی خریداری شعبان سے ہوتی ہے ویلو روانہ ہوگا امید ہے کہ واپس نہو گا۔

خاکسار معتمد المدیر

یَا قَوْمَنَا اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللہِ

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا وَّمُسَلِّمًا

امابعد

اے مومنو نوید ہے دربار عام کی   آئے ہیں دن صیام کے راتیں قیام کی

آسمان پر رمضان المبارک کا چاند جلوہ گر ہے۔ زمین اوسکی نورانیت سے جگمگا رہی ہے۔ جودوسخا کی مخمل کا فرش بچھا ہوا ہے۔ رافت کے فوارے جوش زن ہیں عنایت کے گلدستے رکھے ہوے مغفرت کے پنکھے کھنچ رہے ہیں۔ کرم کے شامیانے تنے ہوئے ہیں۔ نور کی قندیلیں روشن ہیں۔ رحمت کے گلاب پاش چھڑکے جارہے ہیں۔ بندہ نوازی کی گھٹائیں اُمڈی چلی آرہی ہیں انعام وعطا کی بارش کا آغاز ہے۔ لطف کی جھڑی لگی ہوئی ہے۔ نسیم رحمت سن سن چلتی ہے۔ اور دلوں کی خزاں رسیدہ کلیوں کو اپنی مسیحائی سے زندہ جاوید بنا دیتی ہے۔ تیس دن تک یہی برکات ہیں۔ دن عید اور رات شب برات ہے منادی ندا کرتا ہے کہ اے رضاے مولیٰ کے طلب کرنیوالو اس دربار میں شریک ہو جاؤ۔ اور اے گنہگارو گناہوں سے باز آجاؤ۔ جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ دوزخ کے در بند کردئے گئے۔ متمرد شیاطین کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالدی گئیں۔ جنت کے آٹھ دروازے ہیں انمیں سے ایک دروازہ کا نام ریان ہے اُسمیں روزہ دار ہی داخل ہونگے۔ سبحان اللہ کیا عنایت ہے کہ اس مہینے کا پہلا دہا رحمت ہے اور دوسرا گناہوں سے مغفرت کا سامان اور تیسرا دوزخ کی آگ سے نجات اور رہائی کا پروانہ جسنے محض اللہ کیلئے روزے رکھے جسنے محض اللہ کیلئے عبادت کی جسنے محض اللہ کیلئے شب قدر میں قیام کیا اوسکے اگلے گناہ معاف کردئے گئے روزہ دار پر وہ عنایت ہے جو کسی پر نہیں دیکھئے بنی آدم کے ہر عمل کا ثواب کم از کم دس گونا ہوتا ہے اور سات سو درجہ تک بحسب اخلاص فرائش ہوتی ہے مگر روزہ کے ثواب کی کوئی انتہا اور حد نہیں ہے جناب باری عز اسمہ فرماتے ہیں کہ میرے بندہ نے اپنی خواہشات کو اپنی کھانے

بیٹے کو محض میرے امتثال امر کیلئے چھوڑا میں خود اسکو ثواب عنایت کرونگا اس ماہ مبارک میں نفل عبادت کا ثواب فرض کی برابر ملتا ہے اور فرض کا ستر فرض کی برابر۔ اسلئے مناسب ہے کہ نوافل کی کثرت کیجائے اور فرائض کو نہایت اہتمام کے ساتھ ادا کیا جائے۔ زکوۃ اور نفل صدقات اس ماہ میں ادا کئے جاویں کہ فرض صدقات کا ثواب حاصل ہو غرض اس ماہ کو ایک نعمت غیر مترقبہ اور اپنا شافع سمجھنا چاہئے
اخوت اسلامی نے میرے قلب میں اسوقت ایک فوری تحریک پیدا کی کہ میں آپ حضرات کو رمضان المبارک کی تقریب میں ایک خاص کار خیر کیطرف متوجہ کروں۔ غالباً آپ حضرات کو معلوم ہے کہ پچاس سال سے دارالعلوم دیوبند قایم ہے اور جسقدر دینی اور علمی خدمات اس دارالعلوم نے انجام دی ہیں کوئی دینی درسگاہ ہندوستان کی اوسکے ہم جنب نہیں ہے ہزاروں عالم تیار کئے سیکڑوں مدرس واعظ مناظر مقرر محرر بنائے آج ہندوستان میں جو علم کا چرچا ہے یہ اوسکے وجود کی برکت ہے ہندوستان کی علمی دینی درسگاہیں کم ہونگی جو اوسکے فیض سے مستفید نہوں چھ سات سو طلبہ کی جماعت ہمیشہ اوسمیں تعلیم پاتی ہے جسمیں سے چار پانچسو طلبہ عربی خواں بیرونجات کے ہوتے ہیں جو دور دراز ملکوں سے تحصیل علوم دینیہ کیلئے یہاں آئے ہیں۔ اللہ تعالی کے فضل سے ہندوستان کو اس دینی اور اسلامی مرکز کی وجہ سے یہ امتیاز حاصل ہے کہ قرآن وحدیث کے طالب۔ حجاز۔ یمن۔ شام عراق۔ ختن چین۔ سمرقند۔ تاشقند۔ روس۔ اٹلی وغیرہ سے دیوبند کا سفر کرتے ہیں اور یہاں رہکر اپنے مراد کے دامنوں کو علم کے پھولوں سے بھرتے ہیں اور علم کی لازوال دولت سے مالامال ہوکر اپنے اوطان کو مراجعت کرتے ہیں اس دارالعلوم کی بنا چندہ پر ہے ہندوستان کے مسلمان عام طور پر اسکی امداد کرتے ہیں اسلئے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ یہ دارالعلوم ہندوستان کے ساری مسلمانوں کا اسلامی اور مذہبی مرکز ہے۔
جنگ یورپ کا اثر جو عام طور پر ہندوستان کی ہر جماعت پر پڑ رہا ہے دارالعلوم بھی اوس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اوسکی آمدنی پر بھی بیّن اور گہرا اثر پڑا ہوا ہے۔ لیکن باوجود اس عالمگیر حادثہ کے کوئی کام کسی کا بند نہیں ہے۔ شخصی اور قومی سب ہی کام ہوتے ہیں۔ پھر کیا مسلمانوں کی دینی حمیت کا یہ اقتضا ہوسکتا ہے کہ طلبہ دارالعلوم جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند اور آپ کے علمی ترکہ کے حقیقی وارث اور مسلمانان ہندوستان کے معزز اور مقتدر واجب الاحترام مہمان ہیں بھوکے رہیں یا دارالعلوم میں اونکی خوراک وپوشاک کا انتظام نہونیکی وجہ سے جواب دیا جائے۔ کیا کسی مسلمان

کی حمیت اور غیرت اسکو گوارا کریگی کہ ماہ شوال میں امتحان داخلہ کے وقت مصارف طلبہ نہونے کی وجہ سے خدام دار العلوم اونکو جواب دیں اور جو پہلے سے موجود ہیں اونکو اثنائے تعلیم میں واپس کر دیں

اسوقت دار العلوم کو تعمیر دار الحدیث اور تعمیر دار الاقامہ اور مصارف طلبہ کی سخت ضرورت ہے جو دار العلوم سے آگاہ ہیں وہ ان ضرورتوں سے بھی پورے طور پر واقف ہیں۔ آپ اگر چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہو اور حوادث سے نجات ملے جنگ کے ناگوار اثر نہ پڑیں جنگ کا باحسن وجوہ خاتمہ ہو جائے تو آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندوں کی امداد کریں اونکے لئے دار الاقامت بنوائیں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت وعزت کو دل میں رکھتے ہوئے دار الحدیث کی طرف متوجہ ہوں طلبہ کی بیکسی اور غریب الوطنی کا خیال کرکے اونکی خوراک و پوشاک کے مصارف کا انتظام فرمائیں۔

یہ کچھ مشکل نہیں ہے ہندوستان کے مسلمان عامتاً اگر توجہ فرمائیں اور فی کس ایک ایک پیسہ اس کار خیر میں عنایت کریں تو یہ مشکل آسان ہو سکتی ہے ہمارا اور آپ کا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا احساس کریں اور بخلوص دل اسکا شکر ادا کریں کہ اوسنے ہم سے اس پر آشوب زمانہ میں اس دینی خدمت کو لیا کہ جسپر دین و اسلام کا بقا متصور ہے۔ اسلئے

ہماری درخواست ہے

کہ اس ماہ مبارک میں جب آپ زکوۃ و صدقات فرض یا نفل ادا کریں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اون روحانی فرزندوں اور اپنے معتدر مہمانون کو بھی یاد رکھیں جو اپنے وطن اور اعزا کو چھوڑے ہوئے غربت کی حالت میں ہماری زیر نگرانی اپنے پاکیزہ مقصد تحصیل علوم دینیہ میں لگے ہوئے ہیں۔ اور دنیا کے عیش و آرام کو اونہوں نے اس ایک مقصد پر قربان کر کے دین و اسلام کے احیا اور بقا کیلئے اپنی جانوں کو وقف کر دیا ہے۔

ہمارا یہ منشا نہیں ہے

کہ آپ زکوۃ و صدقات کی کل آمدنی دار العلوم دیوبند میں بھیجدیں نہیں نہیں اپنے مقامی مدارس و مساکین دیتامی اور حاجتمندوں کی حق تلفی نہ کیجئے اونکو دیجئے ضرور دیجئے مگر دار العلوم دیوبند کو جو درحقیقت بڑا مستحق ہے فراموش نہ کیجئے یہ گو دیوبند میں ہے اور آپ حضرات اس سے دور دراز مقامات پر ہیں لیکن یہ آپکا ہے اور بہت سے قوی اور قابل قبول وجوہ سے مقامی حاجتمندوں سے زیادہ مستحق ہے اسلئے

خدا کے لئے اسکو نہ بھولئے۔

دارالحدیث کا نقشہ اور اشتہار علیحدہ شائع ہو رہا ہے جو آپ حضرات کی خدمت میں پہنچیگا اوسکے لئے بھی کمر ہمت باندھکر آپکو متوجہ ہو جانا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے فکر میں بدل مشغول ہو جانا لازم ہے کہ جو کام کئی صدی پہلے دمشق میں سلطان نورالدین نوراللہ مرقدہ سے لیا گیا تھا وہ آج ہمارے آپکے حوالہ کیا گیا ہے وہ قادر ہے کہ جو کام بادشاہوں کے کرنے کا ہے ہم غربا سے لیلے پس آپ حضرات کی توجہ اور سعی درکار ہے۔ اگر ان مقاصد کی تکمیل نہوئی اور طلبہ کے لئے سامان تعلیم مہیا نہوئے تو آپ اچھی طرح غور فرمائیں کہ اس کا اثر دین پر کیا کچھ پڑیگا اور بھی سوچ لیجئے کہ اسکے جوابدہ کون ہونگے۔

الحاصل آپ حضرات پر دارالعلوم کی ضرورتیں مخفی نہیں ہیں اسوقت آپ کو غریب اور بیکس طلبہ کے ساتھ ہمدردی کرنا فرض ہے اونکے سالانہ مصارف کیلئے پچیس تیس ہزار روپیہ فراہم کر دینا ہندوستان کے مسلمانوں کی مردم شماری کے اعتبار سے کوئی مشکل نہیں ہے۔

یہ عرض کر دینا بھی مجھے نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رمضان المبارک میں باوجود تعطیل ہوجانے کے بھی تقریباً ڈیڑھ سو طلبہ قیام پذیر رہتے ہیں اور رمضان المبارک میں اونکی خوراک اور سحری میں کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا ضرورت ہے اور سخت ضرورت ہے کہ آپ حضرات طلبہ کی ضرورت کا جلد از جلد احساس کریں یہ آپکے مہمان ہیں آپ پر از راہ میزبانی لازم ہے کہ انکی سحری کے کھانے کا کوئی اچھا انتظام کر دیا جائے اگر اہل خیر اسطرف توجہ فرمائیں کہ اور ایک ذخیرہ چاول شکر گھی کا جمع کر دیں تو سحری کیلئے میٹھے چاولوں کا اضافہ ہو جائے۔

ہم خدام دارالعلوم تہ دل سے شکر گذار اور دعا گو ہیں اون حضرات کے جنھوں نے ہماری عرضداشت کو قبول فرماکر رمضان المبارک سنہ گذشتہ میں توجہ فرماکر ایک مقدار اس مصرف خیر کیلئے عطا فرمادی تھی جسکی وجہ سے ہم اس سال نسبتاً ان مصارف کو آسانی کے ساتھ برداشت کر سکے۔ ہم کو امید ہے کہ ہماری یہ آواز رایگاں نہ جاویگی اور اہل خیر اسکو سماع قبول سے سنینگے۔ واللہ الموفق وما علینا الا البلاغ۔ الداعی الی الخیر۔

خادم الاسلام
بندہ محمد احمد عفی عنہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(گذشتہ سے پیوستہ)

جسقدر صورتیں بیان کی گئی ہیں - اُنمیں بعض تو قدرتی ہیں - مثلاً انسان میں جنون ہو - ایسی صورت میں تو ظاہر ہے کہ کوئی ایک عاقل بھی اُسکو معاملات کا اہل نہیں بتلا سکتا - اور نہ اُسکے اخلاق و ملکات قابل گرفت ہوتے ہیں - مگر مجنون کی ذات پھر بھی آزاد رہتی ہے اُسمیں فرق نہیں کیا جاتا بلکہ غیر مجنون سے زیادہ آزاد رہتی ہے - اُسکے قتل کو جائز نہیں رکھا جاتا - نہ وہ اسیر جنگ بنا کر مثل اموال قابل تبادلہ و معاوضہ ہوتا ہے - نہ اوسکے منافع سے فائدہ اُٹھایا جاتا ایسا کیا تو کسی قانون میں اور کسی عرف میں پسندیدہ نہو گا -

اسکے علاوہ اکثر صورتیں اختیاری ہیں - اور اسمیں سے اکثر صورتیں قوانین عالم میں رائج شائع اور مستحسن ہیں - فرق ہو گا تو فروعات میں ہو گا یا طرق اجرار قوانین میں - البتہ اس صورت کو اس زمانہ کے عرف میں بالکل مذموم سمجھا جاتا ہے کہ انسان کی ذات مثل اموال کے ہو جائے جمادات و بہائم کیطرح اُسکی بیع و شرار جائز کر دیجائے - اور جہانتک عقل کام کرتی ہے یہ بات ظاہرا نازیبا بھی معلوم ہوتی ہے کہ انسان جسکو قدرۃ نے آزاد پیدا کیا ہے اُسکی ذات کو مثل جمادات و نباتات بہائم و طیور کر دیا جائے - گویا قدرۃ کا صریح مقابلہ ہے اور اسیطرح شریعت اسلام کے مسئلہ غلامی پر اعتراض وارد ہوتا ہے -

دوسرے اس صورت کو بھی مذموم سمجھا جاتا ہے کہ انسان جرارۃ اخلاق سے کام نہ لے سکے وہ اپنے فطرتی اخلاق کو کام میں لانے سے محروم کر دیا جائے - صحیح رائے یا مفید مشورہ نہ دیسکے کسی امیر یا وزیر شاہ و شاہنشاہ کے خلاف منشاء کوئی لفظ نہ کہسکے - اخلاقی حریت بہت ہی زیادہ قابل ستائش و مدح ہے - اسکے مقابلہ میں جسقدر آزادی مسلوب ہے - اگر وہ خود اُس شخص

کی طرف سے ہے تب تو وہ دنیا میں قابل نفرین وملامت ہے۔ اگر کوئی دوسرا مانع ہے تو وہ شخص یا وہ قانون جو سدراہ ہے ظالم وظالمانہ سمجھا جاتا ہے۔

اِن دو صورتوں کے سوا سب صورتوں کو جنمیں حریۃ ذات سلب ہوتی ہو یا ناقص۔ حریۃ صفات میں زوال آتا ہے یا نقصان پسند کیا جاتا ہے۔ اور وہ عقلاء دنیا کے معمول بہا ہیں۔ یہاں تک کہ وہ صورتیں بھی جو حقیقۃً باعتبار عقل مذموم ہیں اور عرف عام میں بھی اچھی نہیں سمجھی جاتی۔ بعض اقوام یا بعض ممالک میں اچھی سمجھی جاتی رہی ہیں۔ اور زمانہ طویل تک اُنپر عملدرآمد رہا اور اب بھی ہے۔

یہ فیصلہ تو عقل وعرف کا ہے۔ اور اس فیصلہ کی رو سے شریعت اسلام کے بعض احکام پر نکتہ چینی کی نوبت آتی ہے۔ اِس لئے ہمکو ضرورت ہے کہ ہم اِس معاملہ میں شریعت کے احکام کو ذرا وضاحت سے لکھکر بتلادیں کہ اسلام نے حریۃ ذات وصفات ومعاملات کی کس حد تک رعایت کی ہے اور مسئلہ غلامی کی حقیقت کیا ہے۔

انسان میں دو حیثیتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں۔ ایک اُسکی ذات کے باعتبار موجود ذیحیات صاحب عقل وشعور ہونے کے۔ ایک باعتبار منافع ذات کے جسکی وجہ سے وہ اموال میں شمار ہونیکے قابل ہو جاتا ہے۔ تفصیل اُسکی یہ ہے کہ موجودات غیر ذیحیات میں تو صرف اُنکے منافع کا لحاظ ہے۔ اور اسلئے اُنکی ذات کا تحفظ یا اتلاف جو کچھ بھی ہے مالیت کے اعتبار سے ہے۔ بقاء ذات فی حد ذاتہ ملحوظ نظر نہیں ہے۔ موجود ذیحیات میں جو حصہ غیر ذوی العقول کا ہے اُنمیں تحفظ ذات بھی باعتبار اُنکے ذیحیات وذی دم ہونے کے مقصود ہے۔ اور اسیوجہ سے انسان کے ذمہ جو باعتبار نیابت وخلافت اونپر مالکانہ حق رکھتا ہے۔ حفاظت ورعایت ذات ایک حد تک لازم کیگئی ہے۔ اور باعتبار اُن کے منافع کے جہۃ مالیت بھی مقصود ہے مگر مالیۃ کی جہۃ غالب ہے۔ اور اسی وجہ سے باجماع عقل وعرف تمام غیر ذوی العقول کی بیع وشرا جائز ہے کسی ایک کو بھی انکار نہیں ہے

انسان باعتبار موجود ذیحیات ہونے کے گو اوروں کے ساتھ شریک اور مساوی تھا مگر اوس کے ذوی العقول ہونے نے اوسکی ذات کو دوسری ذوات پر ترجیح دیدی۔ اور حفاظت دم انسان سب سے زیادہ بڑھکر ضروری ولازمی ہوگئی۔ اِسکی مثال ایسی ہے کہ لشکر کا

ہر سپاہی دشمن کے مقابلہ میں کار آمد ہوتا ہے - ایک ایک سپاہی کی جان کی قدر و قیمت بہت زیادہ سمجھی جاتی ہے - جنرل افواج بھی ان امور میں مثل ایک سپاہی کے ہوتا ہے - مگر فرائض خاصہ کی ذمہ داری نے اُسکی جان کو زیادہ قابل حفاظت بنا دیا ہے - اُسی کی حیوۃ پر کل افواج کی حیوۃ کا مدار سمجھا جاتا ہے -

اور چونکہ انسان کے منافع بھی تمام موجودات سے زیادہ ہیں - اس لئے اوس میں جہتہ مالیت مغلوب ہے -

انسان باعتبار ذات و منافع دونوں کے پورا پورا آزاد ہے - نہ اُس کی ذات پر کسیکو حق تصرف حاصل ہے نہ منافع پر - البتہ اُسکے اندر نقصان آجاتا ہے - یا اُسکا مابہ الامتیاز عقل و تمیز زائل ہو جاتی ہے - تو اسکی حریۃ میں کلا جزا نقصان یا زوال آتا ہے شریعت نے دونوں پہلوؤں کی اسقدر رعایت کی ہے جس سے زیادہ ممکن نہیں ہے -

حریت ذات تو شریعت میں کسی حال زائل ہی نہیں ہوتی - بجز ایک صورت غلامی کے جس کی حقیقت ہم بیان کرین گے - کسی حال اوسکی بیع و شرا کو جائز نہیں رکھا گیا - اور نہ اُسکی جان تلف کرنے کی کسی وقت اجازت دی گئی - جو رسم و رواج امم سابقہ میں اس قسم کی پڑ گئی ہیں کہ لڑکیوں کو بخیال حفاظت ننگ و ناموس زندہ درگور کر دیا جاتا تھا یا لڑکیوں کے نکاح میں بھاری بھاری رقمیں لیجاتی تھیں - یا اب بھی لیجاتی ہیں - یا اسطرح نکاح کر دیا جاتا تھا کہ ایک نے اپنی لڑکی کی شادی دوسرے کے فرزند سے اسطرح کر دی کہ وہ اپنی دختر کو اس کے فرزند سے بیاہ دے - اور یہی اونکا باہم مہر تھا - اس صورت کو اصطلاح شرع میں نکاح شغار کہتے ہیں ان سب کو یکلخت شریعت نے حرام قرار دیدیا اور مٹا دیا - یا لڑکیوں کو حق وراثت سے محروم رکھا جاتا ہے - اُسکے تصرفات لکا کو کالعدم سمجھا جاتا ہے - شریعت نے اوسکو بھی مٹا دیا نسواں کو کامل حریت مثل رجال عطا فرما دی -

کسی انسان کے ہلاک کرنے کے سوا مخصوص صورتوں کے اجازت ہی نہیں دی مثلاً صورت قصاص - یا حدود شرعی وغیرہ مگر ان میں بھی وہ احتیاط ہوتی ہے کہ اس سے

زیادہ ممکن نہیں۔ ذرا ذرا سے شبہ سے حدود و قصاص کو ساقط کر دیا۔
البتہ غلامی کی صورت میں حریۃ ذات سلب ہو جاتی ہے۔ لیکن اوسکے سلب ہونیکے یہ معنی نہیں کہ اوسکی ذیحیات و ذی دم ہونے سے قطع نظر کرلی گئی ہے۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ جہۃ مالیۃ کو غلبہ دیکر مثل اموال اُسکی بیع و شرا کو جائز کر دیا گیا ہے۔ باانیہمہ اُسکی جان کی حفاظت باعتبار ذیحیات و ذی دم ہونے کے اوسیطرح باقی ہے سرمو فرق نہیں آیا۔
غلام کی بیع و شرا کو شرع نے مثل اموال جائز رکھا۔ مگر اُسکے قتل یا اذیت و اہانت کی حال اجازت نہیں دی۔ اور اس فرق کو اِس حد تک ملحوظ رکھا کہ اگر کسی کا غلام اپنے ذمہ دین کا اقرار کرلے تو معتبر نہیں۔ کیونکہ یہ اقرار غیر کے حق میں ہے یعنی اس کا اثر اُسکی مالیت پر پڑتا ہے۔ اور مالیت کا تعلق مولیٰ اور آقا سے ہے۔ غلام کا اسمیں کچھ نقصان نہیں ہے وہ اسکی ملک نہ رہیگا کسی دوسرے کی ملک ہو کر رہیگا۔
اور اپنے ذمہ کسی حد یا قصاص کا اقرار کرلے تو معتبر ہے۔ کیونکہ اس کا اثر اصالتاً و بلاواسطہ اُسکی جان کو پہونچتا ہے اور بلا لواسطہ مالیت کو اور جب غلام نے ہلاکت جان اور اذیت کو گوارا کرلیا۔ جسکو انسان کبھی برضا و رغبت گوارا نہیں کرتا تو مالک کے نقصان مالی سے قطع نظر کرلیگئی۔
منافع کی آزادی کا لحاظ اِس حد تک کیا گیا۔ کہ کسیکو اُسپر جبر کا اختیار نہیں دیا گیا۔ وہ اپنی خوشی سے اپنے منافع کو فروخت کرسکتا ہے مگر کسی دوسرے کو اُسپر حق نہیں ہے۔ یہانتک کہ جو لوگ تعذیراً یا حقوق عباد کی وجہ سے حبس میں رکھے جاتے ہیں اونکے منافع سے انتفاع کی بھی شریعت نے اجازت نہیں دی۔ اسکو جائز نہیں رکھا کہ وہ بہائم و چوپایوں کی طرح رکھے جائیں شریعت نے حبس کی صورت اسطرح کی ہے جیسے دیوانی کے قیدیوں کی۔
اور باوجود اجازت فروخت منافع شریعت نے اُسکے حدود مقرر کر دئے ہیں۔ آزاد مطلق نہیں چھوڑا۔ اور اسیوجہ سے اجارہ کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔ اجارہ صحیحہ۔ اجارہ فاسدہ۔ اجارہ باطلہ۔ اگر اجارہ ایسی چیز کا ہے جسکی شرعاً اجازت ہے اور کوئی ایسی شرط نہیں ہے جس سے اُسکی حلت میں فرق آئے تو صحیح ہے۔ اور اگر اجارہ کسی امر حرام کا ہے۔ مثلاً زنا کا یا شراب نکالنے کا یا اوسکے پہونچانے کا تو باطل ہے۔ اور اگر اصل سے اجارہ باعتبار معقود علیہ کے صحیح تھا

مگر شروط و قیود نے اُسمیں نقصان پیدا کردیا ہے تو باطل نہیں بلکہ فاسد ہے۔

یہ حال تو ذات و منافع ذات انسان کا تھا۔ رہی حریۃ اخلاق و معاملات اُنکی کیفیت یہ ہے
معاملات میں ہر ایک آزاد عاقل بالغ انسان آزاد ہے۔ اُسکے عقود و فسوخ بیع و شرا
نکاح و طلاق۔ وغیرہ سب صحیح و نافذ ہوتے ہیں۔ عورت و مرد اسمیں یکساں ہیں۔ ہر شخص اپنے
مال کو جسطرح چاہے خرچ کرسکتا ہے۔ عورت کو بھی اپنے مال میں وہی اختیار ہے جو مرد کو۔
معاملات کی آزادی اُسیوقت سلب ہوتی ہے جبکہ عقل نہو جنون مطبق ہو جائے یعنی کسی وقت
بھی افاقہ نہ ہوتا ہو۔ اور اُسکی اس حریت میں بچند وجوہ نقصان آجاتا ہے۔ سن بلوغ کو
نہ پہونچا ہو۔ سن بلوغ کو سفاہت و کم عقلی کی حالت میں پہونچا ہو۔ یا اپنے مال میں اسراف
و تبذیر کرتا اور اوسکو شر و فساد میں صرف کرتا ہو وغیرہ وغیرہ۔

اِن امور کی وجہ سے اُسکی حریۃ معاملات ناقص ہو جاتی ہے۔ صبی عاقل کے معاملات
بغیر اجازت ولی کے نافذ نہیں ہوتے۔ موقوف رہتے ہیں۔

علی ہذا سفیہ پر قاضی حجر کرسکتا ہے اوسکو تصرفات و معاملات سے روک سکتا ہے۔ مگر امام
اعظم رضی اللہ عنہ نے اسمیں بھی اوسکی حریۃ کے دقیق پہلو کو ملحوظ رکھکر دو حالتوں میں فرق کردیا
ہے۔ اگر وہ حالت سفہ میں بالغ ہوا۔ تو حسب ارشاد خداوند عالم۔

ولا تؤتوا السفهاء اموالكم	سفیہ اور کم عقلوں کو اپنے اموال سپرد مت کرو۔

ولی کو اجازت نہیں ہے کہ اوس کا مال اُسکے سپرد کردے اور وہ اوسمیں جو چاہے تصرف کرے۔
بلکہ پچیس سال کی عمر تک انتظار رشد و کمال عقل کا کیا جائیگا۔ بعد پچیس سال کے امام اعظم
فرماتے ہیں کہ اب انتظار کی کوئی حد باقی نہیں رہی۔ اب اوسکے اموال کو روکنا اور اوسکے
تصرفات کو ناجائز رکھنا اسکے یہ معنی ہیں کہ اسکو انسانیت سے نکالکر بہائم میں داخل کردیا جائے
وہ مجنون کیطرح مسلوب العقل تو ہے نہیں۔ اوسمیں سفاہت و کم عقلی ہے۔ نفع و نقصان میں
امتیاز و ترجیح کا مادہ کم ہے۔ لیکن اُنکے نزدیک یہ نقصان ایسا نہیں جسکی وجہ سے اوس کو
انسانیت سے خارج کردیا جائے۔ اور اگر بعد بلوغ سفہ ظاہر ہوا تو باوجودیکہ دوسرے ائمہ مثل
امام شافعی و صاحبین کے اسکے قائل ہیں کہ قاضی اس شخص کو حجر کردے یعنی تصرفات و معاملات

سے روکدے۔ مگر امام اعظم رح یہاں بھی یہی فرماتے ہیں کہ ایک آزاد عاقل بالغ کو قاضی حجر نہیں کر سکتا۔ ایسا کرنے میں اُسکو انسانیت سے خارج کر دینا ہے۔

جو ائمہ ایسی صورت میں حجر کے قائل ہوئے اُسکا منشا بالکل صحیح ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب وہ اپنے مال کو خلاف مقتضائے عقل صرف کرتا ہے تو کیوں نہ اُسکو روکدیا جائے سلطان ووالی۔ قاضی وحاکم اسلئے ہیں کہ اپنی رعایا کی نگرانی کریں۔ اور اُن کو مضرت کے پہلو سے بچائیں۔ ایک عاقل نابالغ پر حجر ہو سکتا ہے۔ تو بالغ سفیہ پر بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیئے۔ اِن حضرات نے درحقیقت اُسکی حریت کو زائل کرنا نہیں چاہا۔ بلکہ جیسے بحالت جنون مجبوراً زائل ہوجاتی ہے ایسے ہی خود اُسکی حفاظت کیلئے حجر کو جائز رکھا۔

امام اعظم کی نظر اِس جانب ہے کہ انسان میں جبتک کسی حد تک اہلیۃ باقی ہے اُس کو ایسے حق سے محروم نہ کرنا چاہیئے۔ جنون سے اہلیۃ جاتی رہتی ہے۔ صبی نابالغ کی حالت قابل انتظار ہے۔ چند روز انتظار میں انسانیت سے خارج نہیں ہوتا۔ اور جو بالغ ہوچکا۔ عقل اُسمیں موجود ہے۔ مگر سفاہت ہے یعنی یہ نہیں سمجھتا کہ مجھکو کہاں خرچ کرنے میں فائدہ ہے کہاں نہیں۔ اور اسیوجہ سے بیہودہ مصارف میں مال کو اُڑا دیتا۔ اسراف وتبذیر کرتا ہے۔ معاملات بیع وشرا میں بھی کم عقلی کی وجہ سے نقصان اُٹھاتا ہے۔ اُسکو اگر حجر کردیا جائے تو انسانیت سے بہائم میں داخل کرنا۔ اور حقوق آدمیت سے محروم کردینا ہے۔ مال ادنیٰ شے ہے اُسکے خیال سے ایک ایسے اعلیٰ شرف سے محروم کردینا ہرگز صحیح نہیں ہے۔ ہاں اگر سفیہ کے افعال ومعاملات سے نوع اعلیٰ کا ضرر متصور ہو تو بیشک حجر کردیا جاوے۔ مثلاً کوئی فن طب سے جاہل پیشہ طبابت اختیار کرے اور اِس طرح مخلوق کی جان معرض خطر میں پڑجائے۔

یا وہ شخص جو لوگوں سے گھوڑا اونٹ گاڑی وغیرہ کو کرایہ پر دینے کا معاملہ کرتا ہے اور ہے مفلس ونادار۔ لوگ معاملہ کرکے حسب دستور کل یا بعض حصہ کرایہ کا پیشگی دیدیتے ہیں۔ اور وقت پر بوجہ ناداری وہ سواریاں نہیں دیسکتا۔ نہ خود اُسکے پاس ہیں۔ نہ خرید کرلا سکتا ہے۔

اِس قسم کے لوگوں کو حجر کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ان صورتوں میں چھوٹے ضرر کو بمقابلہ بھاری نقصان کے گوارا کرنا ہے۔ اور ایسا کرنا ضروری ہے۔ ورنہ دنیا عام تباہی وبربادی میں مبتلا ہوجائے

علی ہذا اگر کوئی شخص مدیون ہوجائے ۔ اُسکے محبوس کرنے ۔ حجر کرنے میں بھی ائمہ دین کا اختلاف ہے ۔ اور منشا اختلاف کا یہاں بھی یہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا ۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص کے ذمہ دین ہوگیا ۔ اوسکی دو حالتیں ہیں ۔ یا صاحب مال نہیں مفلس ہے ۔ طاقت ادا دین نہیں رکھتا ۔ یا صاحب مال ہے مگر ادا نہیں کرتا ۔ صورت اول میں صاحبین تو یہ کہتے ہیں کہ اگر غرماء یعنے دائن درخواست کریں تو قاضی اسکو حبس میں رکھ سکتا ہے اور اُسپر حجر کرکے تصرفات سے منع کرسکتا ہے ۔ مگر امام اعظم فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک نہ حبس کی اجازت ہے نہ منع تصرفات کی کیونکہ اسمیں اُسکی اہلیۃ کو زائل کرنا ۔ اور اُسکو انسانیت سے خارج کرکے بہائم میں داخل کردینا ہے ۔

صورت ثانی میں صاحبین فرماتے ہیں کہ غرماء کی درخواست پر وہ محبوس بھی رکھا جاسکتا ہے اور قاضی اُسپر حجر بھی کرسکتا ہے اُسکے ساتھ ہی مدیون سے کہا جائے کہ اپنے مال کو فروخت کرکے قرض کو ادا کردے ۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو قاضی کو اختیار ہے کہ خود فروخت کرکے کل قرض ادا کردے ۔ یا حصہ رسد ہر قرض خواہ کو دیدے ۔

امام اعظم رح فرماتے ہیں کہ میں انمیں کسی ایک امر کی اجازت نہیں دیتا ۔ کیونکہ اس اجازت میں اُسکو انسانیت کے شرف اور حریۃ کی دولت سے محروم کرکے بہائم میں داخل کردینا ہے ۔ ہاں حاکم کو ایسا کرنیکا اختیار ہے کہ اُسکے تمام مال کو اسوقت تک قرق رکھے جب تک وہ خود بیع کرکے دین کو ادا نہ کرے ۔

میری غرض مجتہدین کے اختلاف مذہب بیان کرنے سے اسوقت یہ نہیں کہ میں کسی ایک مذہب کی قوۃ وضعف کو باعتبار دلائل کے بیان کروں ۔ یا یہ کہوں کہ ان میں مرجح کون ہے اور فتوی کس پر ہے ۔ بلکہ صرف اسقدر دکھلانا ہے کہ انسانیت و حریت معاملات کو کہاں تک ملحوظ رکھا گیا ہے ۔

اور جن ائمہ نے جس جس مواقع میں حجر و حبس جبراً بیع اموال کی اجازت دی ہے اونکو بھی انسانیت کا لحاظ ایسا ہی ہے ۔ مگر ایک عقلی و شرعی قاعدہ نے ایسی اجازت دینے پر مجبور کیا جو یہ ہے کہ ضرر خاص کو ضرر عام کے مقابلہ میں گوارا کرلیا جاتا ہے ۔ اس قاعدہ میں سب ائمہ متفق ہیں

اور عقل و عرف میں بھی یہ قاعدہ نہ صرف مسلم ہے بلکہ معمول بہ ہے - ہر قوم کے قانون عدل میں اسکے دفعات موجود ہیں - یہ نہو تو نظام عالم درہم برہم ہوجائے - باوجود اس قاعدہ کے تسلیم کے پھر جو اختلاف ہے وہ اس ضرر عام وخاص کی تشخیص و تعیین میں ہے - اور اسمیں کہ آیا یہ ضرر اس درجہ کا ہے کہ بمقابلہ اُسکے انسان کی انسانیت و اہلیۃ سے قطع نظر کرلیجائے یا نہیں -

حریۃ اخلاق و صفات کو شرع نے اس حد تک قائم رکھا ہے جس سے زیادہ نہیں ہوسکتا ہر ایک انسان اپنے اخلاق حسنہ و صفات محمودہ کے استعمال میں آزاد ہے کوئی چیز اُسکے حق زائل نہیں کرسکتی - ہاں جنون یا سفہ غالب آجاتے تو اُسکے اقوال و افعال حرکات و سکنات سبھی ناقابل اعتبار ہوجاتے ہیں - اور اس درجہ میں ملامت و تعزیر سے بچ جاتا ہے مواخذات بھی اُٹھ جاتے ہیں - مگر باینہمہ شرع نے ہر ایک صفت و ملکہ کے استعمال کے طریقے او رحدود مقرر کردئے ہیں عقلی طور پر بھی حدود مقرر ہیں جیسا کہ ہم اوپر بیان کرچکے ہیں - مگر شریعت میں چونکہ رضیات الٰہی کا اتباع پیش نظر ہوتا ہے اور اُسکی اطلاع محض عقل انسانی سے بلاتوسط وحی حقیقی یا حکمی نہیں ہوسکتی اس لئے شرع کے حدود و طرق میں بھی تفصیل زیادہ ہے - اور اسکے ادراک سے بسا اوقات ناقص عقلیں مقصر رہجاتی ہیں - لیکن کامل عقول کو عقل و شرع کے متطابق میں کبھی بھی دقت پیش نہیں آتی -

یہ ممکن تھا کہ ہم اُسکی تفصیل اس جگہہ بیان کردیتے - مگر ایسا کرنے میں تطویل بہت زیادہ ہوجاتی اس لئے اسکو چھوڑکر حریۃ صفات میں سے محض اُس حریۃ مصطلحہ کے متعلق کچھ بحث کرنا چاہتے ہیں - جسکو عرف عام میں حریۃ اخلاق بمعنی جرارۃ و آزادی کے کہتے ہیں - اور اسی حریت پر آجکل زیادہ بحث ہوتی اور اسمیں افراط و تفریط کی نوبت آتی ہے

حریۃ بمعنی جرارۃ اخلاق کے معنی شرع میں یہ ہیں کہ آدمی حق طلب کرنے - مسائل کے دریافت کرنے امر حق کے اظہار میں حیا نہ کرے - کسیکا رعب و خوف مانع نہ آئے - اگر صاحب حق کو طلب حق سے روک دیا جائے - کسیکو اظہار حق سے منع کردیا جائے - یا ایسا معاملہ کیا جائے جس سے لوگ رک جائیں تو مطلقاً حرام ہے - اور ظلم صریح ہے -

(باقی آیندہ)

مبدا و معاد

(گذشتہ سے پیوستہ)

اور یہم وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ انکی شان میں فرماتا ہے۔

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ۔	وہ کہ اگر جگہ دین ہم انکو اپنے ملک میں کھڑی کریں نماز اور دیں زکوۃ اور حکم کریں نیک بات کا اور منع کریں بری بات سے۔

محتسب نے کہا کہ آپنے سچ کہا یا امیر المومنین آپ کو تسلط اور حکومت ایسی ہی ہے جیسے آپ نے فرمائی مگر اسباب میں ہم تمہارے مددگار اور طرفدار ہیں اس کا منکر وہی ہوگا جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جاہل ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

والمومنون والمومنات بعضهم اولياء بعض يامرون بالمعروف وينهون عن المنكر الآية	اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کی مدد ہیں حکم کرتے ہیں اچھی بات کا اور منع کرتے ہیں بُری بات سے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

المومن للمومن كالبنيان يشد بعضه بعضا۔	ایماندار دوسرے ایماندار کیلئے مثل عمارت کے ہے کہ اُسکا ایک حصہ دوسرے کو تقویت دیتا ہے بخاری و مسلم بروایت ابی موسیٰ اشعری رض

اور تمکو خدا نے زمین پر حکومت دی ہے اور کتاب اللہ اور سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں موجود ہیں اگر تم اُنکے مطابق کام کروگے تو جو شخص اُنکی حرمت کیوجہ سے تمہاری اعانت کرے تمکو اُس کا شکر گذار ہونا چاہیئے اور اگر تم اُن سے تکبر کروگے اور جو بات

کہ خاص تمکو اُن دونوں کی رو سے لازم ہے اُس سے انحراف کروگے تو جس ذات پاک کی سپرد تمہارا معاملہ ہے اور اُسکے قبضہ میں تمہاری عزت اور ذلت ہے اُسنے تو یہی فرمایا ہے

لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ | اللہ نہیں کھوتا حق نیکی والوں کا۔

اب آپ جو چاہیں وہ فرمائیں ماموں اُسکی تقریر سے بہت خوش ہوا اور کہا کہ تم جیسے آدمی کو امر بالمعروف کرنا درست ہے جاؤ اپنا کام کرو ہماری اجازت اور تجویز یہی ہے غرضکہ وہ شخص احتساب کرتا رہا۔ اِن حکایتوں کے بیان سے مطلب یہی ہے کہ امام کے اذن کی کچھ حاجت نہیں اب اگر یہ کہو کہ احتساب کی ولایت پسر اور غلام اور زوجہ اور شاگرد اور رعیت کو باپ پر اور آقا اور شوہر اور اُستاد اور حاکم پر مطلقاً اسی طرح ہے جیسے باپ کو بیٹے پر اور آقا کو غلام پر اور شوہر کو بی بی پر اور اُستاد کو شاگرد پر اور حاکم کو رعیت پر ہے یا اُن دونوں میں کچھ فرق ہے تو اُسکا جواب یہ ہے کہ اصل ولایت ویسی ہے مگر تفصیل میں فرق ہے اور اسکو ہم پسر اور پدر میں بطور مثال بیان کرتے ہیں دوسرے اشخاص کو بھی اسی پر قیاس کرلیا جائیگا تو جاننا چاہیئے کہ ہمنے حسبت کے پانچ مرتبے ٹھیرائے تھے تو بیٹا باپ پر فقط دو اول کے مرتبوں سے حسبت کرسکتا ہے یعنی بتلانا اور ملایمت سے نصیحت کرنا اور دو پچھلے مرتبوں سے اُسکو حسبت کرنا درست نہیں یعنی گالی اور دھمکی اور مار پیٹ سے باقی رہا تیسرا مرتبہ یعنی ایسا کام کرنا جس سے منکر بات جاتی رہے تو چونکہ اسمیں نوبت باپ کی خفگی اور ناراضی کی ہوتی ہے اسی لئے اُس سے حسبت کرنے میں تامل ہے مثلاً باپ کا عود توڑ ڈالے یا شراب کا برتن پھوڑ دے یا ریشمی کپڑے ادھیڑ ڈالے یا جو مال حرام باپ نے چوری خواہ غصب خواہ اور طرح سے جو مسلمانوں پر ڈانڈ پر لیا ہو گھر میں رکھا تھا اُسکو لیکر مالکوں کو حوالہ کردے یا دیوار میں کی تصویریں اور لکڑیوں میں کی مورتیں بگاڑ دے یا سونے چاندی کے برتن توڑ دے تو گو یہ سب افعال باپ کی ذات سے متعلق نہیں بخلاف مارنے اور گالی دینے کے لیکن باپ کو ان حرکات سے ایذا ہوتی ہے اور اُنکے سبب سے ناراض ہوتا ہے مگر چونکہ فعل پسر کا حق ہے اور باپ کی خفگی کا منشا باطل اور حرام کی محبت ہے تو اِس نظر سے قیاس کھلا ہوا یہی چاہتا ہے کہ پسر کو یہ مرتبہ حسبت کا جائز ہو بلکہ اُسکو لازم ہے کہ ایسا کرے اور بعید نہیں کہ اسمیں لحاظ امر منکر کی برائی

اور خفگی اور ایذاء کی مقدار کا کیا جاوے یعنی اگر امر منکر بہت فحش ہو اور باپ کی خفگی اُسپر کم ہو
مثلاً تھوڑی سی شراب کا گرا دینا جس سے وہ بہت ناراض نہ ہو تو ظاہر ہے کہ اسطرح کی حسبت
کر سکتا ہے اور اگر امر منکر بہت برا نہ ہو اور ناراضی نہایت درجہ کو ہو جیسے مثلاً بلور کے برتن
کسی جانور کی صورت ہوں اور اُنکے توڑنے میں بہت سے مال کا نقصان ہوتا ہو تو اُنکو
توڑنے سے ناراضی تو بہت ہوگی اور تصویر کا بُرا ہونا ایسا نہیں جیسے شراب کا ہے تو اسطرح
کی باتیں محل بحث میں ہیں اب اگر یہ کہو کہ تمنے کہاں سے کہدیا کہ بیٹے کو حسبت درشتی اور مار
سے اور امر باطل کو بزور چھڑا دینے سے نہیں حالانکہ امر بالمعروف کتاب و سنت میں عام بدون
تخصیص کے وارد ہوا ہے اور اُف کہنے اور ایذاء سے جو ممانعت وارد ہے وہ خاص اون
امور میں ہے جو متعلق منکرات کے ارتکاب سے نہ ہوں تو اسکا جواب یہ ہے کہ باپ کے حق
میں خاص وہ باتیں وارد ہوئی ہیں جنسے باپ بھی عام سے مستثنیٰ ہو گیا مثلاً اس میں کسی کا
خلاف نہیں کہ جلاد کو اپنے باپ کا قتل کرنا زنا کی حد میں جائز نہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ وہ خود
باپ کو حد لگا وے بلکہ اگر باپ کافر ہو تو بیٹے کو اوسکا قتل کرنا خود نہ چاہیئے بلکہ اگر باپ اپنے
بیٹے کا ہاتھ کاٹ ڈالے تو باپ پر قصاص لازم نہ ہوگا اور نہ یہ کہ اُسکے عوض میں باپ کو ایذاء
دے اور یہ سب باتیں اخبار سے ثابت ہیں اور بعض اجماع سے بھی ثابت ہیں تو جس صورت
میں کہ باپ کو ایذا دینا باوجود قصور سابق کے درست نہیں تو آیندہ کے قصور احتمالی پر سزا مرسے
اوسکو ایذاء دینی کب درست ہوگی بلکہ اس صورت میں تو بطریق اولےٰ ایذاء نہ چاہیئے اور یہی
حال غلام اور زوجہ کا آقا اور شوہر کے ساتھ ہے کہ لزوم حق میں یہ بھی ایسے ہی ہیں جیسے اولاد
باپ کی نسبت گرا اور ہر چند ملک یمین بہ نسبت ملک نکاح کے زیادہ موکد ہے مگر چونکہ حدیث
میں ہے کہ اگر کسی مخلوق کو سجدہ درست ہوتا تو میں عورت کو حکم کرتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے
تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق شوہر کا بھی موکد ہے اور رعیت کا حال حاکم کے ساتھ تفصیل طلب ہے
اور شاگرد اور اوستاد کا معاملہ آپس میں آسان ہے اسلیئے کہ عزت اُس اُستاد کی ہوتی ہے
جو علم سکھائے اور جو عالم کہ علم کی بموجب عمل نہ کرے اُسکی کچھ حرمت نہیں تو شاگرد کو جائز ہے کہ جو
علم اوستاد سے سیکھا ہو اوسی کی بموجب اُس سے معاملہ کرے۔ اور مروی ہے کہ حضرت حسن بصری

سے سوال کیا گیا کہ بیٹا اپنے باپ پر حسبت کیسے کرے آپ نے فرمایا کہ جب تک باپ کو غصہ نہ آوے تب تک نصیحت کرے اور وہ غصہ ہو جاوے تو خاموش ہو رہے پانچویں شرط محتسب کا قادر ہونا ہے کہ عاجز آدمی پر بجز دل کی حسبت کے اور واجب نہیں اسلئے کہ جو شخص اللہ تعالےٰ سے محبت رکھتا ہے وہ اوسکی معصیت کو برا جانتا ہے اور دل سے متنفر ہوتا ہے اور یاد رکھو کہ وجوب کا ساقط ہونا اسپر منحصر نہیں ہے کہ عاجزی محسوس ہو بلکہ اسمیں وہ صورت بھی شامل ہے جسمیں خوف برائی اور ایذاء پہنچنے کا ہو اور وہ بھی عاجزی ہی ہے اسیطرح اگر ایذاء کا خوف نہ ہو مگر یہ جانے کہ میرا انکار مفید نہ ہوگا تو ضرور ہے کہ حسبت میں ان دو باتوں کو لحاظ کیا جاوے یعنی درصورت منع کرنے کے اوسکا کچھ اثر نہ ہونا اور دوسرے تکلیف اور ایذاء سے ڈرنا اور ان دونوں باتوں کے اعتبار کرنے سے چار حالتیں حسبت کی حاصل ہوتی ہیں ایک یہ کہ دونوں باتیں جمع ہوں یعنی اوسکو معلوم ہے کہ میری حسبت مفید نہ پڑیگی اور اگر بولونگا تو پٹونگا تو اس صورت میں اوسپر حسبت واجب نہیں بلکہ بعض مواضع میں عجب نہیں کہ حرام ہو ہاں اوسپر لازم ہے کہ ایسے مقامات میں نہ جاوے اور اپنے گھر میں بیٹھ رہے تاکہ بری باتوں کے دیکھنے کی نوبت نہ آوے اور بدون سخت ضروری یا واجب کام کے گھر سے باہر نہ نکلے اور اوسپر اوس شہر کو چھوڑنا اور اوس سے ہجرت کرنی لازم نہیں مگر جس صورت میں کہ زبردستی فساد میں شریک کریں یا ظلم میں سلاطین کی معاونت کرائیں تب البتہ ہجرت لازم ہے بشرطیکہ ہجرت پر قادر ہو کیونکہ جو شخص زبردستی سے گریز کر سکتا ہے اوسکے حق میں اکراہ اور جبر عذر نہیں ہوتا۔ دوسری حالت یہ ہے کہ دونوں باتیں مفقود ہوں اسطرح کہ جانتا ہو کہ امر منکر میرے قول یا فعل سے جاتا رہیگا اور کوئی مجھکو ایذاء نہ دے سکیگا تو اس صورت میں اوسپر انکار واجب ہوگا اور قدرت مطلق اسی صورت کا نام ہے تیسری حالت یہ ہے کہ جانتا ہے کہ میرا انکار مفید نہ پڑیگا مگر کسی ایذاء کا خوف بھی نہیں تو اس صورت میں اوسپر حسبت غیر مفید ہونے کی جہت سے واجب تو نہیں مگر مستحب ہے اس نظر سے کہ شعار اسلام کا ظاہر کرنا اور لوگوں کو امر دینی پر واقف کرنا ہے چوتھی حالت اسکی برعکس ہے یعنی یہ جانے کہ مجھکو ایذاء تو پہنچے گی مگر امر منکر بھی میرے فعل سے جاتا رہیگا مثلاً کسی

فاسق کا شیشہ پتھر مار کر توڑ دینا یا عود کو جھپٹ کر زمین پر دے مارنا کا امر منکر تو فوراً جاتا رہیگا لیکن یہہ جانتا ہو کہ ایسا کرنے سے ڈھولیں اور جوتیاں بھی لگیں گی تو ایسی صورت میں حسبت نہ واجب ہے اور نہ حرام بلکہ مستحب ہے اور اسکے مستحب ہونے پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جسکو امام ظالم کے سامنے کلمہ حق بولنے کے ثواب میں لکھہ آئے ہیں اور اسمیں شک نہیں کہ یہہ حسبت مقام خوف ہے اور اسپر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جو ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ سے مروی کہ اُنھوں نے فرمایا کہ میں نے کسی خلیفہ سے ایک کلام سُنا اور چاہا کہ اُسکو رد کروں اور جان لیا کہ جان سے مارا جاؤنگا مگر مجھکو قتل ہونے نے نہیں روکا بلکہ یہ معاملہ علی روس الاشہاد تھا تو مجکو یہہ خوف ہوا کہیں لوگوں کی نمود کے لئے بات کو میں آراستہ نہ کروں اور پھر جان کی جان جاوے اور فعل خالص خدا کے لئے بھی نہ ہو اسلئے چپ ہو رہا اب اگر یہ کہو کہ ایسی حالت میں کہ جان کا خوف ہو اگر حسبت مستحب ہے تو اس آیۃ کے معنی کیا کہوگے۔

ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ | اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکی میں۔

یعنی اس آیۃ سے یہہ ظاہر ہے کہ جس حالت میں یہ یقین ہے یا ظن غالب معلوم ہے کہ حسبت میں جان جانے کا اندیشہ ہے تو یہہ اپنی جان کو خود ہلاکی میں ڈالنا ہے اور اس آیۃ میں اسکی حرمت مذکور ہے پس استحباب حسبت کی کوئی وجہ اس حالت میں معلوم نہیں ہوتی سو واضح ہو کہ مراد اس آیۃ سے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طاعت میں کھانا پینا چھوڑ دے یعنی جو ایسا کریگا اُس نے گویا اپنی جان اپنے ہاتھ سے ہلاک کی۔ اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تہلکہ یہ ہے کہ گناہ کرے پھر کہے کہ میری توبہ قبول نہ ہوگی اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تہلکہ یہہ ہے کہ گناہ کرے پھر اُسکے بعد کوئی نیکی نہ کرے یہانتک کہ ہلاک ہو جاوے۔ یہہ مطلب اس آیۃ کا نہیں ہے کہ جان کے خوف سے کلمہ حق کہنا ممنوع ہے اگر یہ ہو تو کلمہ حق امام جابر کے روبرو کہنے میں جو ثواب ہے وہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے لیکن اگر کسی فاسق زبردست کو دیکھے کہ اُسکے ہاتھ میں پیالہ شراب کا ہے اور پاس تلوار ہے اور جانے کہ اگر میں اسکو منع کرونگا تو شراب کو پیکر میری گردن اوڑا دیگا اور خود اسوقت اکیلا ہو تو ہمارے نزدیک ایسے وقت میں حسبت کرنے کا موقع نہیں بلکہ خود اپنے نفس کو ہلاک کرنا ہے کیونکہ مطلوب تو یہہ ہے کہ

حسبت سے کوئی اثر دین میں ہو اور اُسکے عوض میں اپنے نفس کو فدیہ کردے یہ نہیں کہ نفس کو بدون کسی اثر کے ہلاک کردے کہ اسکی وجہ دین میں کچھ معلوم نہیں ہوتی بلکہ ایسی صورت حرام ہونی چاہئے اور اُس کو انکار اسی صورت میں مستحب ہے جب امر منکر کے بگاڑ دینے پر قادر ہو یا اُسکے فعل سے کوئی فائدہ ظاہر ہو اور ایک شرط اسمیں یہ بھی ہے کہ ایذا کا پہنچنا بھی صرف اوسی شخص پر منحصر ہو اگر یہہ جانے کہ میرے ساتھ میں میرے یار دوست اور اقارب رفیق بھی پٹیں گے تو اوسکو حسبت درست نہیں بلکہ حرام ہے اسلئے کہ وہ شخص ایک منکر کو بدون دوسرے منکر کے دفع نہیں کرسکتا اور یہ امر قدرت میں کچھ بھی داخل نہیں بلکہ اگر یہ جانے کہ اگر میں حسبت کرونگا تو وہ امر منکر تو باطل ہو جاویگا مگر ایک دوسرے منکر کا سبب ہے جسکو محتسب علیہ کے سوا کوئی دوسرا کرنے لگیگا تو اس صورت میں اوسکا انکار کرنا ظاہر تر مذہب کی روسے حلال نہیں اسلئے کہ مقصود یہ ہے کہ منکرات شرعی مطلق نہ ہوں نہ زید سے نہ عمرو سے اور اُوسکی مثال یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص کے پاس کوئی شربت حلال ہے کہ اوسمیں نجاست گرنے سے نجس ہو گیا ہے اور محتسب جانتا ہے کہ اگر میں اسکو گراؤں گا تو محتسب علیہ یا اوسکی اولاد شراب پینے لگیں کے اسوجہ سے کہ شربت حلال اونکے پاس سے جاتا رہا تو ایسی صورت میں اُس نجس شربت کا گرا دینا اچھا نہ ہوگا اور یہ بھی بعض کا قول ہے کہ اوسکو گرا دے کیونکہ گرا دینے سے ایک برائی نجس پینے کی تو یقیناً جاتی رہے گی باقی رہا شراب کا پینا تو جو اُسکا مرتکب ہوگا ملامت اُسپر رہے گی محتسب کے اختیار میں اوسکا منع کرنا نہیں اس احتمال کو بھی اکثر نے پسند کیا ہے اور کچھ بعید بھی نہیں اسلئے کہ یہہ مسائل فقہی ہیں اون میں حکم گمان غالب ہی سے ہوتا ہے اگر حکم بتفصیل ہو اسطرح کہ دیکھا جائے کہ جس منکر کو بگاڑتا ہے اور دوسرا منکر اوس سے پیدا ہوتا ہے اُن دونوں میں زیادہ برا کونسا ہے اور اسی کی لحاظ سے حکم ہو تو قرین قیاس ہے مثلاً ایک شخص دوسرے کی بکری اپنے کھانے کے لئے ذبح کرتا ہے اور محتسب کو معلوم ہے کہ اگر اُسکو منع کرونگا تو وہ کسی انسان کو ذبح کرکے کھا جائے گا تو اس صورت میں اُسکو حسبت کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور اگر کوئی شخص دوسرے کو ذبح کرتا ہو یا اوس کا کوئی عضو

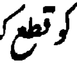
بھلا کرتا ہو اور محتسب جانے کہ اسکو منع کروں گا تو اس حرکت کو چھوڑ کر اوس کا مال چھین لیگا تو ایسے صورت میں حسبت کی وجہ موجود ہے - اسطرح کے دقائق محل اجتہاد میں ہیں اور ان سب میں محتسب پر لازم ہے کہ اپنے اجتہاد کا اتباع کرے اور انہیں دقایق کی جہت سے ہم کہتے ہیں کہ عامی شخص بجز کھلے کھلے مسائل کے جو سب کو معلوم ہیں اوروں میں حسبت نہ کرے مثلاً شراب نوشی اور زنا اور نماز کے ترک پر اُسکو حسبت جائز ہے لیکن جو باتیں ایسی ہوں کہ بعض افعال کے قرینے سے تو معصیت معلوم ہوتے ہوں اور کسی وجہ سے انمیں اجتہاد کی ضرورت ہو تو عامی شخص اگر ایسی باتوں میں خوض کرے گا تو بہ نسبت درستی کے بگاڑ زیادہ کریگا اور جو لوگ کہ حسبت کی ولایت بجز حاکم کی اجازت کے ثابت نہیں کرتے اُن کا گمان ایسی ہی صورت سے پختہ ہوتا ہے کیونکہ جب حاکم کی اجازت کی قید نہ رہے تو کیا عجب ہے کہ حسبت کی تعمیل ایسا شخص کرے جو اپنی معرفت یا دیانت کے قاصر ہونے کی جہت سے اُسکا اہل نہ ہو اور انجام کو موجب طرح طرح کے غلو نکا ہو اور اسکی توضیح و تنقیح عنقریب مذکور ہوگی انشاءاللہ تعالیٰ - اب اگر یہ کہو کہ تم نے تو مطلق علم کو لکھا ہے اور ایذا پہنچنے اور حسبت کے مفید نہ ہونے کا علم ہو - پس اگر علم کے عوض محتسب کو ظن ہو تو اُس کا حکم کیا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ ان ابواب میں ظن غالب بمنزلہ علم کے ہے اور فرق صرف اُسی جگہ ہوگا کہ جہاں ظن اور علم ایک دوسرے کے متعارض ہوں کہ جانب علم یقینی کو ظن پر ترجیح دیجائے گی اور دوسری جگہوں میں علم کا حکم جدا ہوتا ہے اور ظن کا جدا یعنی اگر محتسب کو قطعاً معلوم ہو کہ حسبت مفید نہ ہوگی تو وجوب حسبت اس صورت میں اُس کے ذمہ سے ساقط ہو جائیگا اور اگر ظن غالب غیر مفید ہونے کا ہو مگر احتمال مفید ہونے کا بھی ہو اور اُس کے ساتھ ہی یہ ہو کہ ایذا کی توقع نہ ہو تو اس صورت میں اختلاف ہے کہ حسبت واجب ہے یا نہیں اور ظاہر تر یہ ہے کہ واجب ہے اس لئے کہ اُس میں ضرر تو کچھ ہے نہیں اور فائدہ متوقع ہے اور امر معروف اور نہی منکر کی عام نصوص ہر حال میں مقتضی وجوب کو ہیں اور ہم جو اُنمیں سے بطریق تخصیص اس حسبت کو مستثنیٰ کرتے ہیں جس میں علم مفید نہ ہونے کا ہو تو یا اجماع سے کرتے ہیں یا قیاس ظاہر سے اور قیاس مذکور یہ ہے کہ امر بذات خود مقصود نہیں ہوتا

بلکہ اُسمیں مامور مقصود ہوتا ہے تو جس صورت میں مامور سے قطعاً یاس ہو تو وجوب سے کیا فائدہ ہوگا ہاں جس صورت میں مامور سے یاس نہ ہو تو مناسب یہی ہے کہ وجوب ساقط نہ ہو۔ اب اگر یہ کہو کہ جس ایذار کے پہنچنے کی توقع ہو وہ اگر نہ یقینی ہو اور نہ غلبہ ظن سے معلوم ہو بلکہ اُسمیں شک ہو یا غالب ظن اُسکے نہ ہونے کا ہو اور احتمال ہونے کا بھی ہوسکتا ہو تو اس احتمال سے وجوب ساقط ہوگا یا نہیں یا حسبت اوسی صورت میں واجب نہیں جسمیں یقین ایذار پہنچنے کا ہو یا ہر حال میں واجب ہے صرف اوس صورت میں نہیں جسمیں غلبہ ظن ایذار کا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ظن غالب ایذار کا ہو تو حسبت واجب نہیں اور اگر عدم ایذار کا ظن غالب ہو تو حسبت واجب ہے اور احتمال ضعیف ایذا سے وجوب ساقط نہیں ہوتا اسلئے کہ امکان ضعیف تو ہر حسبت میں ہوسکتا ہے اور اگر غلبہ ظن کسی طرف نہ ہو اور شک ہو کہ ایذار ہوگی یا نہیں تو یہ صورت محل گفتگو ہے کہ اسمیں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ موافق عام نصوص کی اصل وجوب ہے اور وجوب ایذار پہنچنے سے ساقط ہوتا ہے اور ایذار پہنچنا جبھی ہوگا کہ قطعاً یا غلبہ ظن سے توقع ایذار کی ہو اور چونکہ اسصورت میں ایذار کا نہ علم ہے نہ غلبہ ظن تو وجوب ساقط نہ ہونا چاہئے یہ احتمال ظاہر تر ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یوں کہیں کہ حسبت اُسی صورت میں واجب ہے کہ عدم ضرر کا علم محتسب کو ہو یا غلبہ ظن ہو اور چونکہ یہاں دونوں نہیں تو واجب نہ ہونی چاہئے مگر عمومات جو امر معروف کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں اُن کی رو سے احتمال اول ہی زیادہ درست ہے اب اگر یہہ کہو کہ توقع ضرر کی بزدلی اور جبروت کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے نامرد بزدل تو دور کے احتمال کو قریب سمجھتا ہے گویا کہ نظر کے سامنے ہے اور اُس سے ڈرا کرتا ہے اور دلیر بہادر اپنے اوپر ضرر کا پہنچنا اپنی سرشت کی وجہ سے بعید جانتا ہے یہانتک کہ جبتک اُسکو ضرر ہو نہیں لیتا تب تک ضرر کی تصدیق نہیں کرتا تو اب اعتماد کس پر کرنا چاہئے تو اسکا جواب یہ ہے کہ اعتماد طبیعت کے اعتدال اور مزاج کی سلامتی پر کرنا چاہئے اسلئے کہ نامردی ایک مرض ہے یعنی دل کا ضعیف ہونا اور اُسکا سبب قوت کا ضعف اور کمی ہے

(باقی آیندہ)

تمام اسمار کی تعلیم فرمائی اور اسمار ہی شناخت ہوتے ہیں اشیار کی سو انکو اللہ تعالیٰ
نے علم (اشیار) کے ساتھ معزز فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ انسان کو وہ چیزیں سکھلائیں
جنکو وہ نہ جانتا تھا پس آدم علیہ السلام میں جب علم وحکمت مرکب کردیا گیا تو وہ ان اوصاف
کے ساتھ موصوف ہوگئے فکانت ومعرفت وشفقت ولطف وحب وبغض وفرح وغم
ورضا وغضب وزیرکی۔ پھر ان سب اوصاف سے کام لینے کا اُنپر تقاضا ہوا اور اُن کے
قلب میں بصیرت رکھدی اور اُس نور کے ذریعہ سے جوکہ اُن کو عطا کیا گیا تھا انھوں نے
اللہ تعالیٰ کی طرف راہ پائی۔ سو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم (اپنی) امت کی طرف ایسے
نور کو لیکر مبعوث ہوئے جو آپ کو میراث میں ملا تھا اور آپ کو خاص عطا کیا گیا تھا اور بعض
نے فرمایا ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آسمان وزمین کو یہ خطاب فرمایا کہ تم دونوں یا تو خوشی سے
(ہمارے حکم کیطرف) آؤ یا مجبوری سے آؤ دونوں نے عرض کیا کہ ہم دونوں خوشی سے حاضر
ہیں تو (بعض علماء نے فرمایا ہے کہ) زمین میں سے تو یہ گفتگو اور جواب اُس موضع نے دیا
۱۴۳ جہاں کعبہ ہے اور آسمان میں سے اُس (قطعہ) نے (جواب دیا) جوکہ اُس (حصہ کعبہ) کے
مقابل ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ نے فرمایا ہے کہ اصل طینت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی ناف زمین سے ہے جو مکہ میں واقع ہے سو بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ قول
(ابن عباسؓ کا مع انضمام اوس اوپر کے قول کے کہ زمین میں سے اوس موضع نے جواب
دیا جہاں کعبہ ہے) اس امر کا مشعر ہے کہ زمین میں سے جس موضع نے جواب دیا وہ محمد مصطفٰے
صلی اللہ علیہ وسلم کا ذرہ تھا اور (یہ امر اپنے محل میں ثابت ہے کہ) تمام زمین کعبہ ہی کے
موضع سے بچھائی گئی ہے سو (اس بناء پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اصل ہوئے تکوین
(عالم) میں اور تمام کائنات آپ کے تابع ہوئی اور اسی کیطرف اشارہ ہے حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ میں نبی تھا اور آدم (ہنوز) پانی اور مٹی
ہی کے درمیان میں) تھے اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آدم
روح اور جسد کے درمیان میں تھے اور بعض نے کہا ہے کہ اسی واسطے
حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا لقب اُمی رکھا گیا کیونکہ مکہ اُم القرے

اور آپ کا ذرہ اُم الخلائق ہے اور کسی شخص کی تراب جہاں کی ہوتی ہے وہی اوسکا
مدفن ہوتا ہے سو یہ اسکو مقتضی تھا کہ آپکا مدفن بھی مکہ ہی ہوتا چونکہ آپ کی تراب مکہ کی
تھی لیکن (اسکی وجہ میں) بعض نے فرمایا ہے کہ جب پانی نے موج ماری تو اوسنے کف کو
اطراف کی طرف پھینکدیا سو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا جوہر (جس سے آپ کے جسد مبارک
کی خلقت ہوئی) آپ کی تربت کی محاذاۃ میں گرا جو کہ مدینہ میں ہے پس رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم مکی بھی تھے مدنی بھی تھے میلان آپ کا مکہ کی طرف تھا اور تربت آپ کی مدینہ
میں اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جس ذرہ کا ذکر کیا ہے۔ اوسی کیطرف
اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں کہ اسوقت کو یاد کرو جبکہ آپ کے پروردگار نے بنی آدم
سے یعنی اُنکی پشتوں سے اونکی ذریت کو باہر نکالا اور اون کی ذات پر اون سے اقرار
لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے عرض کیا (بلے یعنی) بیشک (آپ ہمارے رب
ہیں) اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی کمر پر مسح کیا یعنی
ہاتھ پھیرا اور اوسمیں سے اونکی اولاد کو نکالا جیسے (ذرے یعنی) چیونٹیاں ہوتی ہیں اُن ۱۴
چیونٹیاں کو آدم علیہ السلام کے بالوں کے مسامات سے نکالا سو وہ چیونٹیاں پسینہ کی
طرح نکلیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ہاتھ پھیرنا (بامر حق) بعض ملائکہ سے تھا پس اس
فعل کو مسبِّب (یعنی حضرت حق تعالیٰ) کی طرف منسوب کر دیا اور بعض نے کہا ہے کہ
اس قول کے معنی کہ مسح کیا یہ ہیں کہ اندازہ کیا۔ جیسا زمین کا اندازہ کیا جاتا ہے پیمایش
سے (پس مسح مساحت سے ماخوذ ہوگا یعنی کمر کی مساحت کی) اور یہ قصہ بطن نعمان میں ہوا
اور یہ ایک وادی ہے عرفات کے برابر میں مکہ اور طائف کے درمیان میں پھر جب اللہ تعالیٰ
نے ان ذروں سے خطاب فرمایا اور اونھوں نے بلیٰ سے جواب دیا تو اللہ تعالےٰ نے
اس عہد کو ایک باریک سفید کاغذ میں لکھا اور ملائکہ کو اسپر گواہ بنایا اور حجر اسود کے اندر
رکھدیا سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذرہ (ہی) روے زمین سے (اول) جواب دینے والا
تھا اور علم اور ہدایت آپ میں خمیر کئے ہوئے تھے پس آپ علم و ہدیٰ کو جو کہ آپ کا موروث
و موہوب (و اصل فطرت میں مودع) تھا لئے ہوئے مبعوث ہوئے (اکتساب کی حاجت

نہیں ہوئی) اور بعض نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے جبرائیل و میکائیل علیہما السلام کو بھیجا
تاکہ عہ ایک مٹھی (خاک) زمین سے لے آویں اور زمین نے عذر کیا یہانتک کہ اللہ تعالیٰ نے
عزرائیل علیہ السلام کو بھیجا اور اُنھوں نے زمین میں سے مٹھی بھر لی اور (اسکے قبل) ابلیس
تمام زمین پر اپنے قدموں سے پھر چکا تھا سو کچھ زمین اُسکے دونوں قدموں کے درمیان
رہ گئی اور کچھ زمین اُسکے مواضع اقدام کے درمیان رہ گئی (اور یہ دونوں موقعے اوسکے
مس قدم سے بچے رہے اور خود ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ اول موقع تو اوسکی سیر کے
محاذاۃ میں ہے گو اُس سے مس نہیں ہوا اور دوسرا موقع اس محاذاۃ سے بھی علیحدہ ہے
اسطرح  یعنی ابلیس نے اثنائے سیر میں آ ب کو قطع کیا اور ج د کو بھی اور
دونوں خطوں کے درمیان جو فرجہ ہے اُسپر وہ چلا ہی نہیں پس یہ فرجہ تو دوسرا موقع ہے
اور ان دونوں خطوں میں آ پر ایک قدم پڑا اور ب پر دوسرا تو آ اور ب کے درمیان پہلا
موقع ہے علی ہذا د اور ج کے درمیان بھی اور یہ دونوں موقعے عدم مس قدم شیطان میں
مشترک ہیں) پس نفس تو اوس (زمین) سے پیدا ہوا جسکو قدم ابلیس نے مس کیا تھا اور بعض 15
زمین پر قدم ابلیس کا نہ پہونچا تھا (جیسا ابھی مذکور ہوا) سو اُس مٹی سے اصل ہے انبیاء و
اولیاء کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذرہ قبضہ عزرائیل میں سے خدا تعالیٰ کی نظر کا
موقع تھا کہ اُسکو بھی قدم ابلیس نے مس نہ کیا تھا پس آپکو ذرا بھی اثر جہل کا نہیں پہونچا بلکہ
آپ میں سے جہل بالکلیہ خارج کر دیا گیا (اور) آپکا حصہ علم میں سے کامل کر دیا گیا پس آپکو
اللہ تعالیٰ نے علم و ہدایت کے ساتھ مبعوث فرمایا اور وہ علم آپ کے قلب سے دوسرے قلوب
کی طرف اور آپ کے نفس سے دوسرے نفوس کی طرف منتقل ہوا پس (اصل) مناسبت
تو باعتبار اصل طہارت طینت کے واقع ہوئی اور زیادت الفت (و موافقت) تعارف
اول کے سبب واقع ہوئی (جسکا ذکر دوسری روایت میں ہے الارواح جنود مجندۃ
فما تعارف منہا ائتلف الحدیث اور اسکو اول باعتبار تعارف ثانی فی الدنیا کے کہا گیا)
سو جو شخص طہارت طینت کے تعلق کے اعتبار سے مناسبت میں آپ سے قریب تر ہوگا
اوسکا حظ بھی آپ کے لائے ہوئے طریق کے قبول میں وافر تر ہوگا پس صوفیہ کے قلوب

(اس) مناسبت میں قریب تر تھے (جیسا کہ آثار سے معلوم ہوتا ہے) اسلئے اونھوں نے علم سے بھی حظ وافر لیا اور اُن کے باطن مثل تالابوں کے ہوگئے (جنکا ذکر اوپر حدیث میں) پس اُنھوں نے خود بھی علم حاصل کیا اور دوسروں کو بھی تعلیم کیا جیسا تالاب ہوتا ہے کہ اُس سے پانی بھی پیا جاتا ہے اور اُس سے زراعت بھی کیجاتی ہے اور اُنھوں نے دونوں علموں یعنی علم درسی و علم وہبی کے فائدوں کو اساس تقویٰ کے مستحکم کرنے کی بدولت جمع کرلیا اور جب (اُن کے) نفوس پاک ہوگئے تو اون کے قلوب کے آئینے اُس تقوے کے ذریعہ سے صاحب جلا ہوگئے جس نے اُن (قلوب) کو صیقل کردیا پس اُن (قلوب) میں اشیار کی صورتیں اپنی (اصلی) حالت اور حقیقت پر ظاہر ہوگئیں سو دنیا تو اپنی قبح کے ساتھ ظاہر ہوگئی تو اونھوں نے اوسکو چھوڑ دیا اور آخرت اپنے حسن کے ساتھ ظاہر ہوئی تو اونھوں نے اُسکو طلب کیا پھر اونھوں نے دنیا کے متعلق زہد اختیار کیا تو اونکے باطن کیطرف اقسام علوم کثرت سے فائض ہوئے اور علم درسی کے ساتھ علم وراثت کا اضافہ ہوگیا اور جاننا چاہئے

16 کہ جس حال شریف کو ہم اس کتاب میں صوفیہ کیطرف منسوب کرینگے وہ مقرب کا حال ہوگا اور صوفی سے مراد مقرب ہی ہے اور قرآن مجید میں لفظ صوفی نہیں ہے اور لفظ صوفی (اپنے مدلول لغوی بمعنی لابس صوف میں استعمال کرنے سے) متروک کردیا گیا اور (مدلول اصلاحی یعنی) مقرب کیلئے وضع کرلیا گیا۔ جبکہ عنقریب اُسکے باب میں ہم اسکی شرح بیان کرینگے (یہ مضمون باب دس کی اس عبارت میں آویگا واللہ تعالیٰ ذکر فی القرآن طوائف اہل) قولہ مشتمل علی جمیع المتفرق فی هذه الاسماء المذکورة جسکا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جماعات خیر کو مختلف اوصاف سے ذکر فرمایا ہے اور اکمل وہی ہے جو اُن سب اوصاف کا جامع ہو اور لا محالہ اُس جامع کیلئے کوئی لفظ جامع ہونا ضرور تھا اور اونمیں سے کوئی لفظ سب کو جامع نہ تھا اسلئے ایک ایسا لفظ یعنی صوفی تجویز کرلیا گیا جو ان سب اوصاف کو جامع ہو اور (اب) بلاد اسلام کے جانب شرق سے جانب غرب تک یہ لفظ اہل قرب کیلئے متعارف نہیں رہا بلکہ محض اہل رسم کیلئے متعارف ہوگیا اور بہت سے مردانِ مقربین بلادِ مغرب و بلاد ترکستان و ما وراء النہر میں موجود ہیں اور وہ صوفی نہیں کہے جاتے اسلئے کہ وہ صوفیہ

کی وضع نہیں رکھتے اور الفاظ (اصطلاحیہ) میں کوئی مزاحمت کی بات نہیں غرض یہ بات معلوم کرلیجاوے کہ ہم صوفیہ سے مراد مقربین لیں گے پس ان صوفیہ کے جو مشائخ تھے جنکا نام طبقات وغیرہ کتابوں میں پایا جاتا ہے یہ سب طریق مقربین میں تھے اور ادنکے (احوال کے) علوم احوال مقربین کے علوم ہیں اور (باقی جو شخص (اعمال کے اعتبار سے تو) ابرار میں سے ہو (اور احوال ومقامات خاصہ کے ساتھ متصف نہ ہولیکن) مقام (وحال) مقربین کی طرف توجہ (وطلب) رکھتا ہو تو وہ متصوف ہے جب تک کہ اُن (مقربین یعنی صوفیہ) کے حال کے ساتھ متصف نہ ہوجاوے اور جو ان دونوں (یعنی صوفی ومتصوف) کے علاوہ ہو کہ کسی وضع سے ممتاز ہوگیا اور ادنکی طرف منسوب ہونے لگا تو وہ متشبہ (کہلاتا) ہے اور ہر علم والے سے بڑھکر دوسرا علم والا ہے (یا تو یہاں اسکا یہ مطلب ہے کہ متشبہ سے بڑھکر متصوف اور اُس سے بڑھکر صوفی اور یا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنے علم کے موافق تحقیق کردیا ہم سے زیادہ جاننے والے اور ہونگے وعلیٰ ھٰذا الیٰ ان ینتہی الی اللہ تعالیٰ۔

۱۷ بابِ دوم (قرآن وحدیث کو) اچھی طرح سننے کے ساتھ صوفیہ کے خاص ہونے میں

حدیث بیان کی ہمسے ہمارے شیخ شیخ الاسلام ابو النجیب سہروردی نے بطور املاء کے کہا اونھوں نے خبر دی ہمکو ابو منصور مقری نے کہا اونھوں نے خبر دی ہمکو امام حافظ ابو بکر خطیب نے کہا خبر دی ہمکو ابو عمرو ہاشمی نے کہا خبر دی ہمکو ابو علی لورلوری نے کہا خبردی ہمکو ابو داود سجستانی نے کہا حدیث بیان کی ہمسے مسدد نے کہا حدیث بیان کی ہمسے یحیٰی نے شعبہ سے کہا اونھوں نے حدیث بیان کی مجہ سے عمر بن سلیمان نے اولاد عمر بن الخطاب سے عبد الرحمٰن بن ابان سے اونھوں نے اپنے باپ سے اُنھوں نے زید بن ثابت رضہ سے کہا اونھوں نے سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے تروتازہ کرے اللہ تعالیٰ اوس شخص کو جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی پھر اوسکو یاد رکھا یہانتک کہ دوسرے کو (بعینہ) پہونچا دے۔ کیونکہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو فقہ کو ایسے شخص کی طرف لیجاتے ہیں جو کہ ان سے بھی زیادہ فقیہ ہوتا ہے اور بہت سے حامل فقہ ہیں اور خود فقیہ نہیں ہیں (اس حدیث سے

تو یہہ معلوم ہوا کہ اچھی طرح سمجھنا مطلوب ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ سمجھ میں سب برابر نہیں بعض لوگ
اچھی سمجھ سے حدیث میں سے بہت سے اچھے علوم نکال لیتے ہیں اب یہہ بات رہ گئی کہ ان
اچھی باتوں کے نکالنے کی بنیاد کیا ہے تو آگے اُسکو بتلاتے ہیں کہ) تمام اچھی باتوں کی بنیاد
اچھی طرح سننا ہے۔ (اور آگے فمن تملکہ الوساوس میں بتلاوینگے اور اچھی طرح سننا موقوف
ہے اخلاء باطن عن الخرافات پر اور وہ خاص ہے صوفیہ کے ساتھ پس اچھی طرح سننا اور
اچھی طرح سمجھنا مخصوص ہوا صوفیہ کے ساتھ اور یہی مقصود ہے باب کا اب آگے اس مقدمہ
مذکورہ کو کہ تمام اچھی باتوں کی بنیاد اچھی طرح سننا ہے بتلاتے ہیں یعنی فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور
اگر جانتا اللہ تعالیٰ اون لوگوں میں خیر تو اونکو ضرور سناتا (مراد یہ کہ اچھی طرح اور بطریق نافع
سناتا کیونکہ ویسے تو سنتے ہی تھے) بعض کا قول ہے کہ سننے میں خیر کی علامت یہ ہے
کہ بندہ حق تعالیٰ کے غناء اوصاف و نعوت کو سنے اور (پھر) اُسکو طریق حق کے ساتھ
ایسے شخص کو سناوے جو اسکا اہل ہے بعض نے (آیت موصوفہ کی تفسیر میں) کہا ہے
کہ اگر اللہ تعالیٰ اُنکو سننے کا اہل جانتا تو اُن کے کان سننے کیلئے کھولدیتا سو جس شخص پر ساوس ۱۸
(اختیاریہ) کا قبضہ ہوگا اور اُسکے باطن پر حدیث النفس (اختیاری) کا غلبہ ہوگا وہ حسن استماع
پر قادر نہوگا (اور یہ ظاہر ہے کہ اُسکو اون ہی خرافات کے سوچنے سے فرصت نہیں تو اوس
حالت میں دوسری طرف کیسے توجہ تام کریگا اور اسی تعلیل سے معلوم ہوا کہ مراد خطرات
اختیاری ہیں کیونکہ غیر اختیاری میں جب خود اودہر متوجہ نہیں تو استماع للحق سے اُسکو کوئی
مانع نہیں ہے) پس صوفیہ و مقربین نے جب معلوم کرلیا کہ حق تعالیٰ کا کلام اُسکے پیام ہیں
اوسکے بندوں کی طرف اور اوسکے خطابات ہیں بندوں کو تو اونھوں نے اُسکے کلام سے
ہر ہر آیت کو بوجہ اوسکے متضمن ہونے کے ظاہر علم کو اور باطن علم کو اور جلی علم کو اور خفی علم کو منجملہ
علم کے دریاؤں کے ایک دریا دیکھا اور (اونھوں نے اُس ہر ہر آیت کو) باعتبار اوس
عمل کے جسپر وہ (آیت) متنبہ کرتی ہے یا اوسکی طرف بلاتی ہے منجملہ جنت کے دروازوں کے
ایک دروازہ دیکھا اور اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو کہ آپکی شان یہ ہے
کہ آپ اوس (کلام) کے ساتھ خواہش نفس سے نطق نہیں فرماتے وہ صرف وحی ہے جو

جو من عند اللہ وحی کی جاتی ہے (خواہ وحی جزئی ہو یا کلی جسمیں اجتہاد بھی داخل ہو گیا کیونکہ موجب اوسکا نفسانی غرض نہ ہوتی تھی۔ شرعی غرض ہوتی تھی حاصل یہ کہ اُنھوں نے آپ کے اوس کلام کو اس نظر سے) دیکھا کہ اُسکی طرف (دل سے) کان لگانا (اور فہم و عمل کے قصد سے سننا) متعین (اور مقرر شدہ یعنی لازمی اور حتمی) بات ہے (خلاصہ یہ کہ خدا تعالےٰ کے کلام کی نسبت بھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی نسبت بھی استماع بقصد اطلاع و اتباع کو ضروری سمجھا) پس اون کے نزدیک سب سے زیادہ امر اہم استماع کیلئے مستعد ہو جانا ٹھہرا اور اونھوں نے یہ بھی دیکھا کہ حسن استماع ہی (گویا) دروازہ ملکوت کا کھٹکھٹانا ہے اور رغبت و رہبت کے برکات کا نازل کرانا ہے اور اونھوں نے یہ بھی دیکھا کہ وسواس ایک قسم کے دخانات ہیں جو آتش نفس سے اوٹھتے ہیں جو کہ امارہ بالسوء ہے اور (وہ وساوس) ایک قسم کا غبار ہے جو شیطان کے دم کرنے سے مجتمع ہو جاتا ہے اور (انھوں نے یہ (بھی دیکھا) کہ حظوظ عاجلہ اور حصص دنیویہ جو کہ مدار ہے ہوائے نفس کا اور جو کہ محل ہے برانگیختگی (اسباب) ہلاکت کا بمنزلہ اوس ایندھن کے ہیں جس سے آگ کا اشتعال بڑھتا ہے اور جسکے سبب قلب کی تنگی زائد ہوتی ہے پس یہ سب باتیں سمجھکر) اونھوں نے دنیا کو چھوڑ دیا اور اُسمیں بے رغبتی اختیار کی سو جب آتش نفس سے اوسکا ایندھن بند ہو گیا اور اُسکی آگ دھیمی ہو گئی اور اُسکا دھواں کم ہو گیا تو اونکے بواطن و قلوب علوم (حقیقیہ) کے مصادر (منابع) ہیں حاضر ہو گئے پھر اون (علوم) کے موارد (مشارب) کو صفاء فہم سے (آبخوری فیوض کے لئے) مہیا کر دیا پھر جب (وہ قلب سے) حاضر ہو گئے تو حسن استماع کے ساتھ) سننے لگے (نیز) حق تعالیٰ کا ارشاد ہے بیشک اس (قرآن میں ایسے شخص کے لئے نصیحت ہے جسکے پاس قلب ہو یا وہ کان کو اس حال میں متوجہ کرے کہ وہ (قلب سے) حاضر ہو شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کی موعظت ایسے شخص کیلئے ہے جسکا قلب حاضر مع اللہ ہو کہ اُس سے ایک لمحہ بھی غافل نہ ہو یحییٰ بن معاذ رازی فرماتے ہیں کہ قلب دو طرح کا ہے ایک وہ قلب جو اشغال دنیا سے پُر ہے یہانتک کہ جب امور طاعت میں سے کوئی امر پیش آوے تو اوس قلب والے کو مشغولی بالدنیا کے سبب یہ بھی خبر نہ ہو کہ

19

کہ میں کیا کروں اور ایک وہ قلب جو احوال آخرت سے پُر ہے یہانتک کہ جب امور دنیا
میں سے کوئی امر پیش آوے تو اُس قلب والے کو بسبب توجہ الی الآخرۃ کے یہ بھی خبر نہ ہو
کہ میں کیا کروں سو غور کرنا چاہیئے کتنا فرق ہے ان اہتمام پائدار کی برکت میں اور اُن اشغال
ناپائدار کی نحوست میں جنھوں نے تجھکو طاعت سے اپاہج کر دیا بعض نے (اس آیت کی
تفسیر میں) کہا ہے کہ جس کے پاس ایسا قلب ہو جو اغراض و امراض سے سالم ہو حسین بن
منصور نے (اسکی تفسیر میں) کہا ہے کہ جس کے پاس ایسا قلب ہو جسمیں بجز حضور رب کے
کوئی دوسرا خطرہ نہ آتا ہو اور (پھر ایسے قلوب کی کمیابی میں) یہ شعر پڑھا (جسکا ترجمہ یہ ہے کہ
میں تجھکو ایسے قلوب کے مفقود ہونے کی خبر سناتا ہوں کہ سحاب وحی اونمیں بحار حکمت کو
برساتے تھے اور ابن عطا نے (اوسکی تفسیر میں) کہا ہے کہ ایسا قلب جو حق تعالیٰ کا حشم
تعظیم سے ملاحظہ کرے پھر اوسکے سامنے گداختہ ہو جاوے اور سب ماسوا سے منقطع ہو کر
اوسیکا ہو رہے اور واسطی نے (اوسکی تفسیر میں) کہا ہے کہ (اس قرآن میں) ایک خاص
قوم کیلئے نصیحت (نافع) ہے نہ کہ سب کیلئے (یعنی صرف) اُسکے لئے جسکے پاس قلب ہو ۲۰
یعنی ازل میں (اوسکی سلامتی فطری ہو) اور یہ وہی لوگ ہیں جنکے حق میں حق تعالےٰ نے
فرمایا ہے کہ کیا جو شخص (پہلے) مردہ تھا پھر ہمنے اُسکو زندہ کر دیا (مراد اوس سے یہی فطری
حیواۃ ہے) اور (واسطی نے تفسیر سابق پر جسمیں قلب کو مشاہدہ کے ساتھ موصوف کیا ہے
اپنی اس تفسیر کی ترجیح کی دلیل میں) یہ بھی فرمایا ہے کہ مشاہدہ ذہول کا سبب ہوتا ہے اور
حجاب فہم کا سبب ہوتا ہے (پس اگر قلب سے مراد قلب صاحب مشاہدہ ہوگا تو اوسکے لئے ذکر و فہم کا
حکم صحیح نہ ہوگا اسلئے قلب غیر صاحب مشاہدہ مراد لینا چاہیئے اور حجاب سے بھی عدم مشاہدہ
مراد ہے البتہ سلامت فطریہ اوسمیں ضرور ہے کہ فہم کی وہ شرط ہے آگے اسکی دلیل ہے کہ مشاہدہ
ذہول کا سبب ہوتا ہے یعنی) اسلئے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شئے پر تجلی فرماتا ہے تو وہ شئے
اوسکے سامنے مغلوب و پست ہو جاتی ہے (اور مشاہدہ تجلی ہے جسکے لئے مغلوبیۃ لازم ہے
اور مغلوبیۃ میں کہ وہ فنا ہے فہم کہاں کہ وہ موقوف ہے صحو و شعور پر) اور (آگے صاحب
عوارف واسطی رح کی اس دلیل کا جواب دیتے ہیں جسکے بعد تفسیر اول صحیح رہیگی وہ جواب یہ ہے کہ

الرّاعیٰ لاہور

مجھے نہایت مسرت ہے کہ انجمن راعیان ہند لاہور نے اپنی سرپرستی میں ایک نیا اخبار جاری کیا ہے جسکا نام **الرّاعی** ہے اِس کے اڈیٹر جناب قاضی **فتح محمد** صاحب انبالوی ہیں آپ انجمن راعیان لاہور کے اسسٹنٹ سکرٹری بھی ہیں ہمارے دفتر میں یہ اخبار مبادلہ میں آنا شروع ہوا ہے اپنی برادری کی اصلاح کے علاوہ ملک و ملت کے مقاصد و مطالب کی طرف بھی توجہ ہے خدا کرے کہ اس کو ترقی ہو اور ہمیشہ مفید مضامین اور سچی خبریں اِس میں شائع ہوں گو یہ ایک قومی اخبار ہے مگر سب ہی کو اسکی امداد کرنے کی ضرورت ہے بالخصوص قوم راعین کو تو اس کی قسم کی اعانت کرنی لازم ہے اور اون کا کوئی فرد بشر اِس کے مطالعہ سے محروم نہ رہنا چاہیئے اسکی سالانہ قیمت تین روپیہ ہے اور نمونہ کا پرچہ مفت ملتا ہے۔ دفتر انجمن راعیان ہند لاہور سے شائع ہوتا ہے۔

خاکسار معتمد المدیر القاسم

قواعد و ضوابط رسالہ القاسم

(۱) یہ رسالہ ماہوار شائع ہوتا ہے اور کسی ماہ کا رسالہ بتیس ۳۲ صفحے سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھ جاتا ہے۔

(۲) یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوتا ہے اور عام قیمت سالانہ مع محصول دو روپیہ آٹھ آنہ (عہ) پیشگی لیجاتی ہے۔ ممالک غیر سے صرف اسیقدر زیادہ لیا جائیگا جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے۔

(۳) جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچ روپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائینگے وہ رسالہ کے معاونین خاص میں شمار ہونگے۔ اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہیگی۔

(۴) سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے جملہ حضرات کی خدمت میں شروع کا (یا خریدار کا جبسال شروع ہوا اُسکا) پہلا پرچہ ویلو بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کرکے عہ کا ویلو روانہ ہوگا۔

(۵) یہ رسالہ ہرگز کبھی کسی صاحب کی خدمت میں بلا طلب و تحریک ویلو نہیں روانہ کیا جاتا۔ بعض حضرات خود طلب فرماتے ہیں اور بعض حضرات اپنے اعتماد پر دوسروں کی خدمت میں ویلو بھیجنے کی فرمایش کرتے ہیں۔

(۶) شعبان ۱۳۳۲ھ مطابق جولائی ۱۹۱۴ء سے اس رسالہ کا چھٹا سال شروع ہوا ہے۔ پہلے پانچ سالوں کی مکمل جلدیں موجود ہیں قیمت ہر جلد کی عہ مع محصول ڈاک ہے۔

(۷) نمونہ اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں اُنکے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کئے جائینگے جو اصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں۔

(۸) القاسم کے متعلق جملہ تحریرات و ترسیل زر بنام حضرت مدیر یا بنام خاکسار ہونی چاہئے۔

المشتہر

خاکسار سراج احمد عفی عنہ معتمد المدیر "رسالہ القاسم" مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)